مقالات سیرت

قومی سیرت کانفرنس

۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء

موضوع کانفرنس وعنوان مقالات سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

"عدم برداشت کا قومی وبین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ"

پیش کردہ :

شعبہ تحقیق ومراجع۔وزارت مذہبی امور

حکومت پاکستان۔اسلام آبا

فہرست

صفحہ نمبر

۲۴۔ حافظ محمد سعد اللہ طیب جامع مسجد الفردوس ۔ اچھرہ لاہور 468

پیش لفظ

محسن انسانیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ خالق کائنات کے عطا کردہ نظام حیات کو زندگی کے ایک ایک شعبہ میں نافذ کرنے کے لیے اور عملی طور پر اسے اپنانے کے لیے صحیح ترین اور مکمل ترین نقشہ عمل رہبر کامل حضرت رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ اور آپ کا اسوہ حسنہ ہے۔

"لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ"

اس مقدس زندگی کے مبارک اعمال اور اسوہ حسنہ کی اشاعت اور حضور ﷺ کی تعلیم و حکمت کو عام انسانوں تک پہنچانے اور مسلمانوں کی دماغی و قلبی تربیت اور جذبہ عمل کو تحریک دینے کے لیے وزارت مذہبی امور ہر سال قومی سیرت کانفرنس کا انعقاد کرتی ہے جس میں مقتدر علمائے کرام مشائخ عظام، ممتاز دانشور حضرات شرکت کر کے سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر اپنی نگارشات پیش کرتے ہیں کانفرنس کی جملہ کارروائی ذرائع ابلاغ کے ذریعے عوام تک پہنچائی جاتی ہے اور انعامی مقابلے میں پیش کیے گئے معیاری مقالات سیرت کو کتابی شکل میں شائع کر کے قارئین تک پہنچایا جاتا ہے حسب روایت وزارت مذہبی امور نے امسال بھی سیرت طیبہ میں خصوصی دلچسپی لینے والوں کے لیے قومی و بین الاقوامی اور علاقائی زبانوں میں مقابلہ کتب سیرت کے علاوہ قومی و علاقائی زبانوں میں مقابلہ کتب نعت کا اہتمام کرتے ہوئے تیئسویں قومی سیرت کانفرنس کا اہتمام بطریق احسن کیا جس کا افتتاح جناب محمد رفیق تارڑ صدر مملکت اسلامی جمہوریہ پاکستان جبکہ جناب وسیم سجاد صاحب چیئرمین سینٹ آف پاکستان نے اختتامی خطبہ دیا۔ اس طرح بہترین سیرت نگار نعت گو، شعراء اور مقالہ نگار خواتین و حضرات کو انعامات سے نوازا گیا۔

کانفرنس کی تقریب میں علمائے کرام مشائخ عظام دانشوران اسلام اسلامی حکومتوں کے سفراء وفاقی وزراء اور خواتین و حضرات کی کثیر تعداد نے شرکت فرمائی۔

کانفرنس کا مرکزی موضوع "عدم برداشت کا قومی و بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم" پر دوسرے اجلاس میں علمائے کرام محققین و مقالہ نگاروں نے مقالات پیش کیے جو کتاب کی صورت میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مضامین اہل تحقیق و جستجو کے لیے علمی سرمایہ ثابت ہوں گے اور قارئین کے لیے پیغام الٰہی کی تعمیل و اطاعت اور اسوہ حسنہ کی پیروی کا ذریعہ ثابت ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وزارت کی اس کوشش کو پذیرائی بخشے۔ آمین۔

(عبد اللہ)

سیکرٹری وزارت مذہبی امور

حکومت پاکستان

اسلام آباد

حصہ (الف)

خطبات

قومی سیرت کانفرنس ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء

موضوع سیرت کانفرنس

عدم برداشت کا قومی و بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

قومی سیرت کانفرنس ۱۹۹۹

خطبہ افتتاحیہ

عزت مآب جناب محمد رفیق تارڑ صاحب
صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

وہ دانائے سبل، ختم الرسل مولائے کل
جس نے غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادی سینا

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر وہی
وہی قرآں، وہی فرقاں، زماں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامن توحید میں آباد ہونے کی

محمد کی غلامی دین حق کی شرط اول ہے
کسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

نماز اچھی ہے، حج اچھا ہے، روزے اور زکوۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا

نہ جب تک میں کٹ مروں خواجہ یثرب کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

محترم سید غوث علی شاہ صاحب

محترم چوہدری جعفر اقبال صاحب

محترم حیدر علی مرزا صاحب

معزز سفرائے کرام ممالک اسلامیہ

سیکرٹری وزارت مذہبی امور

قابل صد احترام، علماء و مشائخ

اور معزز خواتین و حضرات

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

میں وزارتِ مذہبی امور کا شکر گزار ہوں کہ مجھے آج کی اس تقریبِ سعید میں شرکت اور اہلِ فکر و دانش کے گراں قدر افکار سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کیا گیا۔ ہر سال سیرت کانفرنس کا انعقاد اور عہدِ حاضر سے تعلق رکھنے والے اہم موضوعات پر غور و فکر ایک اچھی روایت ہے۔ میں اس روایت کو مستقل مزاجی کے ساتھ قائم رکھنے اور اسے مزید مؤثر اور نتیجہ خیز بنانے کے لیے محترم راجہ ظفر الحق اور وزارت مذہبی امور کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو مقبول و منظور فرمائے اور انہیں یہ سلسلہ اسی عزم کے ساتھ جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ (راجہ محمد ظفر الحق جیسا کہ آپ جانتے ہیں.......... کے رفقائے کار مختلف ممالک کے دوروں پر گئے ہوئے ہیں تاکہ وہاں جاکر ہندوستان کی جارحیت کی دھمکیاں اور ہونے والی جارحیت کے بارے میں ان ممالک کے سربراہان کو حالات حاضرہ کے بارے میں آگاہ کریں آپ سب حضرات دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے)۔

اس کانفرنس کے لیے جس موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے میں مختصراً اس کے بعض پہلوؤں کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کروں گا۔

"عدم برداشت کا قومی و بین الاقوامی رجحان" دراصل اس مادہ پرست دنیا کا المیہ ہے جس کی پروازِ تخیل زندگی کی آسائشوں، مادی لذتوں اور ہوسِ جاہ و زر تک محدود ہے۔ "عدم برداشت" کا مرض اس وقت لاحق ہوتا ہے جب انسان اپنی ذات، اپنی نسل، اپنے رنگ، اپنے قبیلے یا اپنی قومیت کے حصار میں گرفتار ہو جاتا ہے اور ان تنگ دائروں سے باہر، کسی کے وجود کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ یہ مرض اس وقت ایک وبا کی صورت اختیار کر لیتا ہے جب مادہ پرستانہ سوچ مکمل طور پر دنیوی مقاصد کے چنگل میں جکڑی جاتی ہے اور آفاقی افکار و نظریات سے اس کا رشتہ مکمل طور پر کٹ جاتا ہے۔

جو قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

ہماری دنیا کی باقی اقوام سے ہمارا ضمیر ہمارا امزاج اور ہمارا نصب العین مختلف ہے۔ آج کا المیہ یہی ہے کہ فیضان سماوی کے سرچشموں سے محروم انسان' کسی دوسرے کے وجود کو تسلیم کرنے کے بجائے اپنی "انا" کی تلوار لہرا رہا ہے۔ جو جتنا قوی ہے' لطیف انسانی احساسات سے اتنا ہی محروم ہے۔ مادی قوت نے رعونت کی شکل اختیار کر لی ہے اور رعونت نے تحمل و برداشت' انسان دوستی' ہمدردی' غمگساری' عدل و مساوات اور احترامِ آدمیت جیسی اعلیٰ صفات کو نگلنا شروع کر دیا ہے۔

حاضرین محترم!

عہد حاضر کا دوسرا المیہ اخلاقی معیارات کا زوال ہے۔ طاقت نے انا پرستی اور انا پرستی نے خودسری کو جنم دیا۔ چنانچہ آج مادی قوت سے آراستہ قومیں صدیوں سے مسلمہ اخلاقی اصولوں اور تہذیبی ضابطوں کو بھی اپنی مرضی کے معنی پہنا رہی ہیں۔ انہوں نے لفظ اور معنی کا رشتہ اس طرح تبدیل کر دیا ہے کہ ہر ملک اور ہر جغرافیائی خطے کے لیے نئی لغت تیار کی جاتی ہے۔ ان کے نزدیک براعظموں اور ملکوں کی سرحدیں تبدیل ہونے کے ساتھ ہی جمہوریت' انسانی حقوق' عدل و انصاف' محکوم کی آزادی' حریت پسندی اور عزتِ نفس کا مفہوم بھی بدل جاتا ہے۔ یہی حال عدم برداشت کے رویے کا ہے۔ دل چاہے تو وہ قیامت خیز طوفانوں کو بھی نظر انداز کر جاتے ہیں اور جی چاہے تو بارش کا ایک قطرہ بھی ان کے پیمانہ صبر کو لبریز کر دیتا ہے۔

معزز حاضرین!

نبی آخر الزمان' محسنِ انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور آپ کی تعلیمات عالیہ' صرف کسی ایک گروہِ انسانی یا کسی مخصوص زمانے تک محدود نہیں۔ یہ قیامت تک کے لیے بنی نوع انسان کے لیے وہ منشورِ حیات ہے جو ہر عہد اور ہر خطے کے انسان کی رہنمائی کرتا رہے گا۔ آپ ﷺ نے ہر قسم کے نسلی' لسانی' علاقائی اور گروہی تعصبات کا خاتمہ کر دیا۔ خطبہ حجۃ الوداع تہذیب انسانی کا وہ پہلا جامع آئین ہے جس نے احترامِ آدمیت اور انسانی حقوق کے بنیادی اصول متعین کیے۔ مادی فخر و غرور کے سارے بت پاش پاش کر کے کردار و عمل کو انسانی فضیلت و برتری کا معیار قرار دیا۔ ظلم و جبر کی نفی کر کے عفو و درگذر' تحمل و برداشت اور انسان دوستی کی اعلیٰ صفات کا درس دیا۔ آپ کی حیاتِ طیبہ میں سینکڑوں مراحل ایسے آئے جہاں آپ نے انتقام کی بجائے تحمل و برداشت سے کام لیا اس لیے کہ آپ ﷺ بہر حال دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے۔ رحمت و شفقت' انسان دوستی اور امن و سلامتی اسلام کے آفاقی پیغام کا بنیادی جوہر ہیں اور حضور پاک ﷺ کی حیاتِ طیبہ اسی جوہر کا عکسِ جمیل ہے۔

نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا پھر وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا ، مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا۔

عدم برداشت کے عالمی رجحان کے ساتھ ساتھ ہمیں خود امتِ مسلمہ خاص طور پر پاکستان کی داخلی صورتِ حال کے تناظر میں بھی دیکھنا چاہیے کہ وحدت و ہم آہنگی کا رشتہ کیوں کمزور پڑ رہا ہے؟ جس دین نے ہر قسم کے تعصب کو مٹا دیا تھا اس کے پیروکار عصبیت، فرقہ پرستی اور تنگ نظری جیسی بیماریوں کا کیوں شکار ہو رہے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت کا دم بھرنے والا، فرد اور ملت کے باہمی رشتہ تعلق کو کیوں بھلا بیٹھے ہیں۔

حضرت علامہ اقبالؒ نے اپنے اشعار میں جس کا مفہوم یہ ہے کہ انسانوں کے باہمی ربط و تعلق کی داستان نہایت قدیم ہے۔ اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ایک صاحبِ دل ہستی یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں مبعوث فرمایا۔ یہ وہ ہستی ہے کہ جس نے زمین پر بسنے والے انسان کا رشتہ آسمان پر اللہ تعالیٰ سے جوڑ دیا اور زندگی کے بکھرے ہوئے اجزاء کو ایک مربوط لڑی میں پرو دیا۔

آپ ﷺ نے ایک نیا اندازِ نظر پیدا کیا اور دشت و صحرا میں لالہ و گل کھلائے۔ ہم اسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں۔ اس کائنات کی رونقیں ہمارے دم سے ہیں۔ یہ علامہ اقبال کے خیالات ہیں۔ ہم اس دنیا میں آخری قوم اور حضور ﷺ آخری نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنی شریعت اور نبی اکرم ﷺ پر اپنی رسالت ختم کر دی۔ ہر کثرت، وحدت کی بنیاد پر زندہ ہے اور امتِ مسلمہ کی وحدت کی بنیاد دینِ فطرت یعنی اسلام ہے۔ اگر ہم اس وحدت پر قائم ہیں تو ہمارا وجود ابد تک قائم رہے گا۔

برادرانِ محترم!

آیئے! محسنِ انسانیت کی تعلیمات کو مشعلِ راہ بنائیں اور اپنے معاشرے کو ان صفات سے مزین کریں جو ایک مثالی اسلامی معاشرے کا حسن ہیں۔ دنیا کو عدم برداشت اور دیگر اخلاقی عوارض سے نجات دلانے کا واحد راستہ یہی ہے کہ تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا دم بھرنے والے اپنے آپ کو ان تعلیمات کے سانچے میں ڈھال لیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

میں ان اربابِ قلم کو بھی مبارکباد پیش کرتا ہوں جن کی تخلیقات کو انعام کا حقدار قرار دیا گیا ہے۔ یہ انعام محض قدر افزائی کی ایک صورت ہے۔ اصل اعزاز وہ سعادتِ عظمیٰ ہے جو ذکرِ رسول کرنے والے قلب و ذہن اور فکر و قلم کو حاصل ہوتی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ آپ کی فکری صلاحیتوں کو مزید توانائی بخشے۔

رونق از ما محفل ایام را
او رسل را ختم و ما اقوام را

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد
بر رسول ﷺ ما رسالت ختم کرد

حضرات گرامی!

علامہ اقبال فرماتے ہیں

امارت، پادشاہی، علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں؟ فقط اک نکتہ ایماں کی تفسیریں

مسلمان کی اصل قوت ان کا جذبہ ایمانی ہے لیکن جب ہمارا دامن گناہوں اور خطاؤں سے آلودہ ہو جاتا ہے تو ایمان کی قوت بھی کمزور پڑنے لگتی ہے۔ اپنے دلوں کو جذبہ ایمانی سے سرشار کرنے اور اپنے بازوؤں میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی قوت لانے کے لیے ہمیں سچے دل سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے۔ میں آج کے مبارک دن، آپ کی وساطت سے تمام اہل وطن سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ آنے والے جمعتہ المبارک کو خصوصی طور پر صلوۃ توبہ ادا کریں اور رب العالمین سے صراطِ مستقیم پر چلنے کے عہد کی تجدید کریں۔ میں علمائے کرام، آئمہ کرام اور خطبائے عظام سے بھی گذارش کرتا ہوں کہ وہ جمعتہ المبارک کو توبہ کے موضوع پر خطبات دیں اور صلوۃ توبہ کا اہتمام کریں۔ ہمیں اپنے آپ کو اللہ کی رحمتوں کا مستحق ثابت کرنے کے لیے اپنے کردار و عمل کو ایمان کامل کے سانچے میں ڈھالنا ہوگا۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستان پیدا

یہ علامہ اقبال کا فرمان ہے اور مولانا ظفر علی خان فرماتے ہیں؟

فضائے بدر پیدا کر، فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

ان الفاظ کے ساتھ میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں

پاکستان پائندہ باد

خطبہ استقبالیہ اور تعارفی کلمات

جناب عبداللہ۔ سیکرٹری وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان

اعوذ باللہ من الشیطن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رب اشرح لی صدری و یسر لی امری و احلل عقدۃ من لسانی

صدر محترم

نمائندگان عوام

علماء کرام و مشائخ عظام

سفراء کرام

خواتین و حضرات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مالک الملک اللہ جل شانہ کا بے حد و حساب شکر ہے جس نے ہمیں ایک بار پھر سعادت بخشی ہے کہ ہم اس پیکر رحمت اور مطلع رافت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گلہائے عقیدت و محبت پیش کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں جن کی آمد، دل افروز تعلیمات، اکمل ترین ہدایات، دینی و سیاسی ارشادات اور معاشرتی عدل و انصاف کی روشنی سے یہ دنیا منور ہوئی۔ میں آج کی اس مقدس محفل میں آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں اور آپ سب کو اس محفل پاک میں شرکت پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

محترم صدر پاکستان اور مہمان گرامی!

یہ تقریب ہر سال ہوتی ہے۔ امسال ایک دو جہتیں نئی متعارف کی گئی ہیں ایک تو عنوان کا انتخاب کیا گیا ہے۔ گذشتہ سال مقالات سیرت کا عنوان مقرر نہیں کیا گیا تھا بلکہ سیرت النبی ﷺ پر طبع شدہ تحقیقی مقالات کا مقابلہ ہوا تھا اور اس سال طے شدہ عنوان تمام صوبائی حکومتوں کو بر وقت بتا دیا گیا تھا امید ہے کہ تمام صوبے اپنے طور

پر تقریبات سیرت النبی ﷺ کا اہتمام کر رہے ہوں گے۔ صوبہ سرحد میں ہونے والی تقریب کی تفصیلات تو کل کے اخبارات میں چھپ چکی ہیں۔ باب الاسلام (سندھ) کے نمائندے یہاں تشریف فرما ہیں امید ہے وہ کل اپنے صوبے میں اس تقریب سعید کا اہتمام کریں گے اسی طرح دوسرے صوبوں میں بھی ان شاء اللہ کام ہو رہا ہو گا۔

دوسری چیز اس سال مقابلوں کا اہتمام حسب معمول کیا گیا ہے مقابلہ ہائے کتب سیرت و نعت منعقد ہوئے اور مقالہ جات کے مقابلے ہوئے۔ ہمیں خوشی ہے کہ ان مقابلوں میں خواتین و حضرات نے بھرپور طریقے سے حصہ لیا بڑے پر مغز با تحقیق اور محققانہ مقالے لکھے اور وزارت نے ہر ممکنہ مصروفیت سے چھان بین اور جانچ پڑتال کے بعد ان مقابلہ جات میں کامیاب ہونے والوں کے لیے انعامات کا اعلان کیا۔ جس کی تفصیل میرے رفیق کار محترم ڈاکٹر عبدالحمید قریشی صاحب بتائیں گے۔

میں نیا بتاؤں وزیر مذہبی امور محترم راجہ محمد ظفر الحق صاحب کی جانب سے تمام شرکاء اور خواتین و حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں وہ اس وقت عرب کے کسی ریگستان میں کسی دوست ملک سے اسی عدم برداشت کی بات کر رہے ہوں گے۔ انہوں نے بڑے اہتمام سے اس تقریب کا انعقاد کیا ہے تمام تفصیلات طے کی ہیں۔ لیکن ترجیحات اپنی نوعیت کی ہوتی ہیں موصوف کی کسی اور جگہ ضرورت تھی اس لیے آج وہ یہاں تشریف نہیں لا سکے لیکن ٹیلی فون پر ان سے برابر رابطہ رہا اور وہ کانفرنس کے انتظامات اور تفصیلات کے بارے میں برابر پوچھتے رہے۔

جہاں تک موضوع کا تعلق ہے وہ ہے عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور سیرت نبوی ﷺ اس موضوع کا انتخاب اس لیے کیا گیا ہے کہ ویسے تو حضور ﷺ کی زندگی کا ہر لمحہ اپنی جگہ قائم و دائم ہے اس کے نقوش قیامت تک باقی رہیں گے وقت کے ساتھ ترجیحات اور ضرورتیں مختلف ہوتی رہتی ہیں۔ اس لیے آج کی سیاست کو مد نظر رکھتے ہوئے جس پر پوری امت متفق ہے اس موضوع کو منتخب کیا گیا ہے اور صرف انتخاب کے بارے میں کچھ مصروفیات آپ کی اجازت سے پیش کروں گا کہ یہ شعروں کا انتخاب نہیں ہے کہ جس سے رسوائیاں ہوتی ہیں بلکہ یہ وہ انتخاب ہے جس کی ضرورت ہے جس کی آج کے موضوع کی ہمارے قومی اور بین الاقوامی حوالوں سے ضرورت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ و ما ارسلنك الا رحمة للعالمين۔ و اخفض جناحك للمؤمنين اور لكم دينكم ولى دين

یہ تمام پہلو وہ Dimentions ہیں اور میں اس عنوان پر ان پہلوؤں سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ میں تو بس ایک گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ انسان کی دنیا میں آمد کا بنیادی مقصد اخلاقی تعلیم ہے۔ یونانی اور رومی تہذیبوں کا ایک فلسفہ سیاسی انسان پیدا کرنا ہے ان کے بعد جو تہذیبیں ہیں وہ سرمایہ دارانہ اور غیر سرمایہ دارانہ۔ یہ تہذیبیں

ایک معاشی انسان پیدا کرتی ہیں اسلام کا مقصود اور مدعا ایک اخلاقی انسان پیدا کرنا ہے یہ ایک اختلاف ہے جو دوسری تہذیبوں سے' دوسرے طرزہائے زندگی سے اور دوسرے فلسفوں سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ اسلام ایک اخلاقی انسان پیدا کرتا ہے۔ اور اخلاق کے لیے ایک نمونہ ہونا ضروری ہے۔ اخلاق اعمال وافعال کا نام ہے پڑھنے اور سننے کا نام نہیں ہے بلکہ کرنے کا کام ہے کہ انسان کو اس دنیا میں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔ انسان کو مختلف رشتوں سے کیسا سلوک کرنا چاہیے۔ اس دنیا میں مختلف رشتے ہیں۔ استاد اور شاگرد کے رشتے۔ خونی رشتے۔ عزیز و اقارب کے رشتے۔ انسان کا انسان سے رشتہ' حاکم اور محکوم کے رشتے۔ یہ تمام رشتے بنانے کے لیے اخلاق کا ایک نظام چاہیے۔ ایک کوڈ چاہیے اور اخلاق کی تکمیل کے لیے ایک نمونہ چاہیے اس لیے یہ کہا گیا ہے کہ جب اخلاق کی بات ہوتی ہے تو کہا گیا ہے کہ "کان خلقه' قرآن" یعنی آنحضور ﷺ کا اخلاق قرآن تھا۔ وہ ان کا خلق تھا جس کی منہاج قرآن تھا لیکن یہاں پر میں ایک گذارش کرتا چلوں کہ عدم برداشت کا مترادف انگریزی زبان میں نہیں ہے ایک ترجمہ Intolerance ہے۔ ہمارے غیر ملکی مہمانان گرامی کے لیے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ایک آدھ لفظ انگریزی زبان کا بھی استعمال کروں تاکہ وہ لوگ بھی کچھ سمجھ سکیں۔ انسانیت کی تمام تہذیبیں عدم برداشت کی وجہ سے تباہ ہوئیں Intolerance کی وجہ سے تہذیب کا آغاز تہذیب نفس سے ہوتا ہے۔ نفس کی تہذیب کے بعد اجتماعی تہذیب ابھرتی ہے تہذیب نفس تزکیہ نفس سے ہے وہ اخلاق سے ہے وہ سیرت سے ہے کسی دوسری چیز کا نام نہیں ہے۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ ہم نے پیغمبروں کو قرآن ہی پڑھانے کے لیے بھیجا۔ اس کا آغاز ہونا چاہیے ہر گھرانہ میں ہر شہر میں تعلیم کا آغاز کرنا ہے۔ تلاوت سے کرنا ہے۔ یہی تزکیہ نفس ہے یہی کتاب ہے اور سیرت ہے لیکن Tolerance کے بعد جو بنیادی چیز ذہن نشین رکھنی چاہیے وہ یہ ہے کہ Tolerance رہبانیت کا نام نہیں ہے......برداشت سمجھوتے کا نام ہے۔ کسی مصلحت کا نام نہیں ہے کہ مصلحت ہمارا دین ہے۔ خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی۔ یہ بنیادی اصول ہے جب tolerance کی برداشت کی بات کرتے ہیں تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم باطل قوتوں سے کوئی سمجھوتہ نہیں کر رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل زندگی سے لے کر آخری وقت تک کفر کی قوتوں سے اصولی سمجھوتہ نہیں ہوا۔ دیکھئے دو چیزیں ہیں ایک ہے بقائے باہم اور ایک ہے قبول باہم۔ ہم بقائے باہم کے قابل ہیں۔ قبول باہم کے قائل نہیں۔ اس لیے کہ قبول باہم سے بنیادی اصول سے Comprom-ise یعنی سمجھوتہ ہے۔

اب دنیا میں عدم برداشت کا جو سلسلہ چل پڑا ہے اس کا اثر ہمارے اندر' ہماری امت کے اندر بھی یہ عیب در آیا ہے اگرچہ میں سمجھتا ہوں کہ فی الواقع وہ عدم برداشت اتنی نہیں جتنی کہ اسے باہر والے ذرائع ابلاغ اچھالتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ فطرتاً مسلمان اسلام پسند ہیں خواہ کسی بھی مسلک سے ان کا تعلق ہو۔ باہر کے ذرائع ابلاغ

انہیں استعمال کرتے ہیں بہر حال ہم جو عدم برداشت کی بات کرتے ہیں اس کا مطلب کسی باطل قوت کے ساتھ ایسا سمجھوتہ نہیں جس سے ہمارے افکار و نظریات کی نفی ہوتی ہو۔ یعنی اپنے افکار پر سودے بازی نہیں ہے۔ اگر چہ میثاق مدینہ اور بعد کے حالات اصولی طور پر' نظری طور پر' اور فطری طور پر کسی سمجھوتے کا نام نہیں ہے۔ وہ بقائے باہم کا ایک قصہ ہے آج اس بقائے باہم کی ضرورت ہے جہاں تک دوسری قوتوں کے ساتھ ہمارے اختلاف کا تعلق ہے عدم برداشت کا تعلق ہے اس کو ختم کرنے کے لیے بہت ہی آسان بات ہے اور وہ ہے

مصطفیٰ رساں کہ دین ہمہ اوست۔ گر او نہ رسیدی تمام بولہبی است

ہم نے آج کی گفتگو کا آغاز بھی اسی شعر سے کیا ہے وہ اختلاف اتنے پریشان کن نہیں ہیں اس کو ختم کرنے کے لیے ہمارے پاس ایک مسلمہ اور ایک مجرب اصول موجود ہے اور وہ قرآن کا اصول ہے۔ اس کی بنیاد پر وہ اختلاف ختم ہو سکتے ہیں۔ جہاں تک بین الاقوامی سطح کا تعلق ہے تو وہ

ستیزہ کار رہا ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی ﷺ سے شرار بولہبی

یہ آمیزشیں اپنی جگہ رہیں گی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ بقائے باہم کی کوئی صورت نہیں ہے۔ صلیبی جنگوں کے واقعات پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کی عیسائی ریاستوں کے بہت سارے لوگ مسلمان ریاستوں کے پاس آتے تھے۔ چونکہ یہ دین انسانیت کا' وحدانیت کا' یگانگت کا آفاقیت کا دین ہے اس لیے اس دین کے ماننے والوں کے لیے بقائے باہم کوئی مسئلہ نہیں ہے دوسرے عوام کا تعلق ہے اس کے بھی اپنے مقامات ہیں کہ آج ہم جیت گئے۔ فلاں کہاں ہے۔ فلاں کہاں ہے تھوڑی دیر کے لیے تو خاموشی اختیار کر لی جاتی ہے۔ لیکن جب یہ سوال اٹھتا ہے کہ ھبل جیت گیا ہے اور محمدؐ کا خدا ہار گیا تو پھر خاموشی قائم نہیں رہ سکتی اور وہ خاموشی قابل قبول نہیں ہے موضوع کا انتخاب سمجھ' ادراک اور سوچ سے کیا ہے۔ ان شاء اللہ ہماری دوسری شفٹ میں گفتگو ہو گی۔ اس انتخاب کی وجہ سے کوئی جھرجھری پیدا ہو گی کوئی ارتعاش آئے گا۔

مجھے امید ہے کہ یہ عنوان اپنا رنگ دکھائے گا۔ یہاں پر بھی اور جس صوبے کے اندر تقریبات ہوں گی ان کے اندر بھی ان شاء اللہ یہ کیفیت پیدا ہو گی کیونکہ ہمیں اچھا کرنے کے لیے ہمارے عدم برداشت کو ختم کرنے کے لیے ہمارے تمام اختلافات اور مناقشات ختم کرنے کے لیے جو ذات رہبر ہے وہ حضور ﷺ کی ذات ہے جس سے تمام کو محبت ہے۔ تو ہم محبت کی بات کیوں نہیں کرتے؟ ایسی بات نہیں کرتے جہاں ہم متفق ہوں اگر ہم متفق نہ ہوتے تو مسئلہ بڑا ہوتا جہاں ہم متفق ہیں وہ محبت کی دنیا ہے وہ جذبوں کی دنیا ہے۔ تو یہ دنیا سیرت کا وہ عنوان ہے جسے ہم سمجھنے اور سمجھانے کے لیے آج جمع ہوئے ہیں۔

میں ایک بار پھر اپنی جانب سے 'وزیر محترم کی جانب سے 'جو یہاں موجود نہیں ہیں نیابتاً آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ حضرات یہاں تشریف لائے اور آپ نے ہمیں موقع عطا کیا اور مقررین کو موقع فراہم کیا کہ وہ موضوع پر بات کر سکیں۔ مجھے امید ہے کہ دوسری نشست بھی ان شاءاللہ اتنی ہی بھرپور ہوگی۔ شکریہ۔

قومی سیرت کانفرنس ۱۹۹۹ء

خطبہ اختتامیہ

جناب وسیم سجاد

چیئرمین سینٹ آف پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ والصلوۃ والسلام علی خاتم النبیین

محترم عبداللہ صاحب' سیکرٹری وزارت مذہبی امور

معزز سفیران ممالک اسلامیہ

وفاقی وصوبائی وزرائے کرام

ذی وقار علماء ومشائخ عظام

دانشوران ملت

اور مہمانان گرامی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

میں اپنے خالق ومالک جل شانہ کا نہایت ہی شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اپنی نعمت کبریٰ حضرت ختمی مرتبت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یوم ولادت باسعادت کے سلسلے میں ہونے والی بابرکت محفل میں حاضری کا شرف بخشا ہے۔ میں وزارت مذہبی امور کے وزیر محترم راجہ محمد ظفر الحق صاحب' سیکرٹری مذہبی امور عبداللہ صاحب اور تمام اہلکاران وزارت کا ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے اس محفل نور ونکہت میں شرکت کی دعوت دے کر سعادت اندوزی کا موقع بخشا ہے۔

حضرات گرامی!

اس مبارک ومسعود محفل کا انعقاد جس جذبہ محبت ومودت سے ہو رہا ہے وہ ہر لحاظ سے قابل تحسین ہے۔ اس محفل میں شمع رسالت کے پروانوں کی اتنی بڑی تعداد' اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کی جانے والی تلاوت قرآن حکیم اور بارگاہ رسالت علیہ الصلوۃ والسلام میں قلبی عقیدت اور دلی تکریم کے ساتھ پیش کی گئی۔ نعت سے میں بہت

ہی مسرور ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد میں منعقد ہونے والی اس پرنور محفل کی برکات سے تمام شرکاء کو نوازے اور توفیق دے کہ ہم ذکر حق اور ذکر رسول کے لیے ایسی محفلیں سجاتے رہیں اور عرش والے سے داد پاتے رہیں۔

حضرات گرامی!

اس خاکدان عالم میں بہت سے عظیم المرتبت حضرات تشریف لائے۔ جنہوں نے زندگی کے کسی ایک شعبے میں کمال حاصل کیا اور کوئی نہ کوئی تاریخ ساز کارنامہ سرانجام دیا لیکن ایسی شخصیات کی تعداد بہت تھوڑی ہے جنہوں نے ایک سے زیادہ شعبوں میں عظمت حاصل کی۔ ایسی ہستیوں میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بھی ہیں۔ اولیاء اللہ بھی ہیں۔ مدبرین وسیاست دان بھی ہیں۔ عالم و حکیم بھی اور ادیب واہل فن بھی ہیں۔ معلمین بھی ہیں' سائنس دان بھی ہیں۔ مولف و مصنف بھی ہیں اور موجد و مخترع حضرات بھی ہیں لیکن زندگی کے تمام شعبوں میں حسین انقلاب لانے اور عہد آفرین و تاریخ ساز' حیران کن مفید کارنامے سرانجام دینے والی صرف اور صرف ایک ہی ذات مبارک ہے جس کا اسم گرامی محمد علیہ الصلوۃ والسلام ہے جو آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہاداری کا کماحقہ مصداق ہیں۔

حضرات گرامی!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ بے مثال مجاہد وانقلابی شخصیت ہیں جنہوں نے بت پرستی' جہالت و ناخواندگی' محکومی و غلامی' فرعونیت وہامانیت اور قارونیت و پیشوائیت ایسی تمام استحصالی قوموں کے خلاف نہایت ہی کامیابی سے جہاد کیا۔ آپ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کے علمبردار اور مبلغ ہیں۔ آپ نے ایسے متحرک اور ارتقائی اور ہمہ گیر مثالی معاشرے کی تشکیل و تعمیر کی جو ہر قسم کے جبر واستحصال سے پاک اور حریت و مساوات کی اساس پر استوار تھا۔ آپ ﷺ نے دیرینہ متحارب قبائل میں اخوت و محبت اور وحدت فکر و عمل پیدا کی اور انہیں ایک باشعور و فعال ملت یا امت بنادیا۔ آپ نے ایک غیر مہذب قوم کو اس کا تزکیہ نفس کر کے اور تعلیم کتاب و حکمت دے کر ایسی ترقی یافتہ قوم بنادیا جس نے اقوام عالم کی قیادت کی۔ حیثیت نبی و رسول ﷺ آپ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کا مشن ہمہ گیر و عالمگیر ہے جبکہ دیگر انبیاء علیہم السلام کا مشن قومی و علاقائی نوعیت کا تھا۔ آپ اپنے عالمگیر مشن میں سب سے کامیاب و کامران ہوئے۔ آپ کے سواہر پیغمبر کو وقتی و عارضی نوعیت کا معجزہ عطا ہوا لیکن آپ کو جو معجزہ عطا ہوا وہ زندہ جاوید اور ہر زمان و مکان کے لیے ہے۔ اس کا نام برہان ہے۔ فرقان ہے اور قرآن ہے۔

مہمانان گرامی!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں نامساعد حالات میں ایک نئے فعال اور زندگی بخش معاشرے کو تشکیل دیا جس کی اساس محبت خداوندی اور خوف خدا پر رکھی۔ نظریاتی بنیاد مکافات عمل پر رکھی۔

حیات انسانی کی وحدت و کثرت کو تسلیم کیا لیکن حیات انسانی کو ایک نامیاتی کل کے ذریعے تمام شعبوں میں مربوط اور غیر منفک کر دیا۔ روحانی زندگی کے اصول عطا فرمائے' تقویٰ کو اسلام کا اصل الاصول قرار دیا۔ اجتماعی زندگی کا تصور دیا۔ عمرانی زندگی کے اصول عطا فرمائے' تقویٰ کو اسلام کا اصل الاصول قرار دیا۔ اجتماعی زندگی کا تصور دیا۔ عمرانی زندگی کے اصول بخشتے ہوئے حسن عمل یا عمل صالح کو معاشرے کا اثاثہ قرار دیا۔ اخوت کو معاشرتی زندگی کا طرہ امتیاز سمجھا۔ ایک دوسرے کی جان و آبرو' عزت و ناموس کی محافظت کا درس دیا۔ دشنام طرازی' بہتان' غیبت' چغلی اور طعن و تشنیع کو گناہ کبیرہ قرار دیا۔ معاشرتی زندگی کے اصول میں سے محنت و مشقت اور کسب حلال کو لازم قرار دیا۔ بخل' احتکار اور اکتناز کی مذمت فرمائی۔ بھوک' ننگ' بیماری اور بیکاری کو دور کرنے کی تلقین فرمائی۔ آپ نے سیاسی زندگی کے اصول بتاتے ہوئے فرمایا۔

فرمان روائی اور اقتدار اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ لیکن بندے اس احکام کو عملاً نافذ کرنے کے مکلف ہیں۔ رعایا پر اپنے اولی الامر کی اطاعت لازم ہے۔ معاشرے میں امن و امان رکھنا افراد اور حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ثقافتی اصول بتاتے ہوئے آپ نے تلقین کی۔

تعلیم' تربیت' تہذیب و اخلاق اور تعمیر و کردار' حسن صداقت' طہارت اور حیاء اسلامی ثقافت کی جان ہیں۔ ہر فرد کی نیت نیک ہونی چاہیے۔ ازدواجی زندگی کی پاکیزگی فرض ہے۔ بے حیائی' فحاشی و عریانی' حسن نیت کے منافی ہے۔

عسکری زندگی کے اصول میں جہاد اصل الاصول ہے جس کا مقصد جوع الارض نہیں۔ فتنہ و فساد کا استحصال ہے اور امن و سلامتی کا قیام ہے۔ متحارب قوم یا فریق جنگ ہندی یا صلح کی درخواست کرے تو اسے قبول کرے تو اسے قبول کر لینا چاہیے۔ ظلم و استحصال اور فتنہ و فساد کے ختم کرنے کے لیے جہاد جاری رکھا جائے۔ جہاد بالسیف' جہاد باللسان اور جہاد بالقلم میں سے کسی کو طاقت کے مطابق اختیار کیا جائے۔

حضرات گرامی!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاسیس حکومت الٰہی کی تو اصلاح بین الناس اور غیر قوموں سے معاہدوں کو اولیت دی۔ اصلاح بین الناس اس لیے ضروری تھی کہ اسلام تمام دنیا کے تفرقات کو مٹانے کے لیے آیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب افراد و قوم کے اختلاف پیش ہوئے تو آپ اصلاح کو تمام مذہبی فرائض پر مقدم سمجھتے۔ غیر قوموں میں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ نے سات ہجری میں خیبر' ذرک' وادی القراء' تیماء کے یہودیوں سے مصالحت فرمائی۔ یہ صلح پسندی آیت جزیہ کے نزول کے بعد بھی قائم رہی۔

ان اصولوں اور نکات کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تحمل اور برداشت کے رجحانات کے فروغ

اشاعت کے لیے ارشادات فرمائے جن سے پوری دنیا نے استفادہ کیا چنانچہ ۱۹۴۵ء کو اقوام عالم کے نمائندوں (UNESCO) عالمی ادارہ برائے ثقافت وسائنس کے منشور پر دستخط کیے تو اس منشور میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے اصولوں کو ہی اپنایا گیا کیونکہ اس منشور کے مقاصد 'باہمی مفاہمت' یگانگت' برداشت اور رواداری کو افراد کے درمیان اور لسانی' سماجی ثقافتی اور مذہبی گروپوں اور خود مختار قوموں کے درمیان بدرجہ اتم فروغ دینا تھا۔ چنانچہ یونیسکو کا ادارہ ان اصولوں کی تعمیل اور تکمیل کے لیے یعنی امن' اخوت' محبت' آشتی اور برداشت کو عام کرنے کے لیے اپنی رکن حکومتوں پر برابر زور دیتا رہتا ہے کہ نصف صدی پہلے جو ہم نے عہد کیا تھا اسے پورا کرنے کے لیے مستعدی سے اپنا کردار ادا کریں۔ یونیسکو کے ارکان نے بلاشبہ اپنا منشور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساڑھے تیرہ سو سال قبل ہدایت کی روشنی میں مرتب کیا کیونکہ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ دنیا میں جنگیں ہوتی ہی عدم برداشت کی اساس پر ہیں۔ مسائل افراد کے درمیان ہوں یا اقوام کے درمیان ان کا حل امن' صلح' برداشت اور رواداری ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ رواداری اور برداشت ہر دور میں بین الاقوامی سطح پر تمام ممالک اور مذاہب کا مشترکہ مسئلہ رہا ہے۔ لیکن اس کے عملی اظہار اور اس کے نفاذ کی جتنی ضرورت اس عہد میں محسوس ہو رہی ہے وہ کبھی بھی نہیں تھی۔ تاہم برداشت' ضبط و تحمل اور رواداری کے بلند بانگ دعوؤں اور تقاضوں کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر عدم برداشت کا جو عملی مظاہرہ موجودہ دور میں نظر آرہا ہے وہ عہد جدید کی مہذب دنیا کے لیے ایک کھلا چیلنج ہے حالانکہ نئی مہذب دنیا پراپیگنڈا یہ کرتی ہے کہ وہ نسلی امتیاز' مذہبی فرقہ واریت' علاقائی منافرت اور پامالی انسانی حقوق کے خلاف ہے اور برداشت تحمل اور رواداری کی طالب ہے۔

قومی سطح پر عدم برداشت کا عملی مظاہرہ شومئی قسمت سے موجودہ تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔ چنانچہ آج مذہبی' ملکی' علاقائی' نسلی اور فرقہ وارانہ تعصبات اور اس کے نتیجے میں دہشت گردی اور قتل و غارت سے ہزاروں جانوں کا ضیاع حد درجہ قابل مذمت اور قابل افسوس ہے۔ عدم برداشت کی کمی کے باعث قومی سطح پر لسانی تعصب بھی ایک عفریت کی شکل میں نمودار ہو چکا ہے اور وہ بھی ایسے ملک میں جو خالصتاً اسلامی نظریے کے تحت معرض وجود میں آیا۔ عدم برداشت کو کچلنے کے لیے قرآن حکیم یہ درس دیتا ہے۔

"اور تم برا مت کہو انہیں جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بھی برا بھلا کہنے لگیں اللہ کو جہالت کی وجہ سے۔ اس طرح ہم نے آراستہ کر دیا ہے ہر امت کے لیے ان کا عمل"

(سورہ الانعام۔ آیت ۱۰۹)

اس آیت کریمہ سے اسلام کی تربیت مقصود ہے تاکہ اہل اسلام کی دعوت کو پوری شائستگی اور خلوص سے

پہنچانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ انہیں حکم دیا گیا کہ مشرکین کے باطل خداؤں کو برا بھلا نہ کہو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اشتعال میں آکر تمہارے معبود برحق کے بارے میں گستاخی کرنے لگیں۔ لہذا مسلمانوں کے انداز تبلیغ میں قوت برداشت، تحمل اور نظم وضبط حد درجہ ہونا چاہیے۔ اس کا مختصر مطلب یہ ہے کہ ہر مباح کام جب کسی مشیت کا سبب بن جائے تو اس کو ترک کر دیا جائے۔

بین الاقوامی سطح پر عدم برداشت کا جذبہ افسوسناک حد تک بڑھ چکا ہے اور اس کے نتائج ظلم وبربریت اور سفاکی و درندگی کا شکار ہونے والے دنیا کے بیشتر خطوں میں مسلمان ہیں۔ وہ اس لیے کہ .... میں انسانی حقوق، تہذیب وتمدن، تحمل وبرداشت اور رواداری کے علمبردار، عدم برداشت اور اسلام دشمنی کے موروثی نظریات کے تحت دوہرا معیار قائم کیے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اسلامی خطوں اور مسلم اقلیتوں پر عدم برداشت کے عمل کے نتیجے میں کشمیر، فلسطین، عراق بوسنیا، کوسوو پر جارحیت، سفاکیت ودرندگی کا وحشیانہ رقص جاری ہے۔ رواں صدی میں دو عظیم عالمگیر جنگیں محض عدم برداشت کا نتیجہ تھیں اور اب بین الاقوامی عدم برداشت کے تناظر میں دنیا تیسری خوفناک جنگ کے دہانے پر کھڑی ہے۔

چنانچہ اس ضمن میں ہادی اعظم سید عرب وعجم رحمت پروردگار حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جن کی پوری حیات طیبہ برداشت، تحمل، رافت ورحمت، صبر وتحمل، عفو ودرگزر اور رواداری سے عبارت ہے کی تعلیمات ہی آج کے عدم برداشت سے پیدا شدہ حالات کا مداوا ہیں۔

تاریخ کے تناظر میں دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اتنی تکلیفیں، مصیبتیں، درد ورنج اور آلام مجموعی طور پر سلسلہ انبیا نے نہیں سہے جتنی حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برداشت کیں۔ اہل طائف نے جس تحقیر آمیز طریقے سے آپ سے سلوک کیا وہ آپ کے سامنے تھا۔ ابو جہل، عقبہ، محیط، امیہ بن خلف اور دیگر کفار مکہ کی چیرہ دستیاں اور ظلم آپ کے سامنے تھے، کفار کی جان سے مارنے کی دھمکیاں، جسم اطہر پر نجاست ڈالنا، گلے میں پھندا ڈال کر کھینچنا، آپ کی شان میں گستاخیاں، نعوذباللہ کبھی جادوگر، کبھی مجنوں اور کبھی شاعر کہا لیکن آپ نے کبھی ان باتوں پر برہمی نہیں فرمائی۔

سب سے بڑے کر طیش اور غضب کا موقع افک کا واقعہ تھا۔ جب منافقین نے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو نعوذباللہ تہمت لگائی۔ شہر منافقوں سے بھرا پڑا تھا۔ انہوں نے تہمت کی خبر پورے مدینہ منورہ میں پھیلا دی، شماتت ناموس کی بدنامی اہل بیت کی تفضیح یہ باتیں انسانی صبر وتحمل اور برداشت کے پیمانے میں نہیں آسکتیں۔ تاہم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سب باتوں پر درگزر فرمایا۔

لبید بن اعصم نے آپ پر جادو کیا۔ تاہم آپ ﷺ نے کچھ تعرض نہ کیا۔ حضرت عائشہؓ نے مزید تحقیق کی

تحریک کی تو فرمایا میں لوگوں میں شورش پیدا نہیں کرانا چاہتا۔ مسطح بن اثاثہ کو اور حضرت حسان بن ثابت کو شان رحمۃ للعالمین سے معاف کر دیا گیا۔ یہ واقعہ افک میں آگے آ گے ہے۔ آپ ﷺ نے حاطب بن بلتعہؓ بدری کو قومی راز فاش کرنے سے بھی معاف فرمادیا۔ فرات بن حیان کو جو ابوسفیان کی طرف سے مسلمانوں کی جاسوسی پر مامور تھا اور آپ کی شان میں ہجو کہتا تھا کو بھی معاف فرمادیا۔

حضرات گرامی!

انسان کے ذخیرہ اخلاق میں سب سے زیادہ کمیاب اور نادر الوجود چیز دشمنوں پر رحم اور ان سے درگزر ہے۔ لیکن حامل وحی کی ذات مبارک میں یہ جنس فراواں تھی۔ دشمن سے انتقام لینا انسان کا قانونی فرض ہے لیکن اخلاق کے دائرہ شریعت میں آ کر یہ فرضیت مکروہ تحریمی بن جاتی ہے۔ تمام روائتیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ دشمنوں سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتح مکہ کا دن تھا۔ اس دن وہ کینہ خو سامنے آئے جو آنحضرت ﷺ کے خون کے پیاسے تھے اور جن کے دست ستم سے آپ نے طرح طرح کی اذیتیں اٹھائی تھیں لیکن آپ نے ان سب کو لاتثریب علیکم الیوم کہہ کر چھوڑ دیا۔

عکرمہ دشمن اسلام ابو جہل کے فرزند تھے اور باپ کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سخت ترین دشمن تھے۔ یہ مسلمان ہونے کے لیے حاضر ہوئے تو سرکار ﷺ نے ان کا استقبال کیا۔ صفوان بن امیہ جو قریش کے کفار میں سے تھے اور اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ فتح مکہ کے بعد بھاگ کر جدے چلے گئے۔ اس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کرائے کے قاتل سے شہید کرانا چاہا لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے اسے بھی دامن رحمت میں لے لیا اور امان کی شکل میں اپنا عمامہ مبارک عطا فرمایا۔

ابوسفیان اسلام سے پہلے جو کچھ تھے سب پر عیاں ہے۔ فتح مکہ کے دن گرفتار ہوئے۔ حضرت عباسؓ ان کو لے کر خدمت رسول ﷺ میں حاضر ہوئے۔ آپ ان کے ساتھ محبت کے ساتھ پیش آئے۔ صحابہؓ نے گذشتہ جرائم کی پاداش میں ان کے قتل کی تجویز دی لیکن رحمت للعالمین ﷺ نے اس تجویز پر عمل نہ کیا اور نہ صرف یہ بلکہ ان کے گھر کو امن وامان کا حرم بنادیا۔ کیا دنیا کے کسی فاتح نے اپنے دشمن کے ساتھ یہ برتاؤ کیا؟ ہرگز نہیں۔

حضرات گرامی!

ان تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ بات ہر صاحب دیدہ بینا پر روشن ہو جاتی ہے کہ اسلام ہی ایک ایسا دین ہدایت ہے جس کے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ کے دوران سخت سے سخت واقعہ پر بھی تحمل اور برداشت کے رجحان کو فروغ دیا۔ تحمل کا یہ رجحان 'انفرادی' قومی اور بین الاقوامی سطح پر زندہ و درخشاں رہا۔ آج جہاں بھی جس صورت میں بھی نیکی' خیر اور صفات کا وجود ہے وہ آپ کی ذات گرامی کے باعث ہے۔ اللہ ہمیں

اپنے محبوب ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

آخر میں میں محترم راجہ محمد ظفر الحق صاحب وفاقی وزیر مذہبی امور کو ایسی شاندار قومی سیرت کانفرنس کے انعقاد پر دلی مبارکباد دیتا ہوں اور سیکرٹری مذہبی امور عبداللہ صاحب اور ان کے عملے کا سپاس گزار ہوں جنہوں نے کانفرنس کے انتظامات میں شبانہ روز کوشش کر کے اسے کامیاب بنایا۔

اسلام زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

اختتامی اجلاس

خطبہ استقبالیہ اور تعارفی کلمات

جناب عبداللہ صاحب

سیکرٹری وزارت مذہبی امور

اعوذباللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

الم نشرح لک صدرک .... و رفعنا لک ذکرک۔ صدق اللہ العظیم

محترم وسیم سجاد صاحب

علماء کرام' مشائخ عظام

نمائندگان عوام

صاحبان علم وفکر اور صاحبان قلم و خطابت

انعام یافتگان اور

خواتین حضرات!

میں خوش بختی سمجھتا ہوں کہ آج ایک مشفق شخصیت کو اس محفل میں خوش آمدید کہہ رہا ہوں وہ ایک بہت ہی اہم ذاتی مصروفیت کے باوجود یہاں تشریف لائے اور انہیں ڈیڑھ بجے کے قریب یا اس سے پہلے ہی یہاں سے روانہ ہونا ہے امید ہے کہ ہم نے جس طرح اس محفل کو قریب کیا ہے اس کا بروقت اختتام ہو گا اور ہم ان کی مصروفیات میں حارج نہیں ہوں گے۔ آپ کا ایک بار پھر شکریہ کہ آپ باہر جانے کے پروگرام کے باوجود یہاں تشریف لائے اور اب بھی آپ کی سماعت ذکر رسول ﷺ کے لیے منتظر ہے۔

ایک بات جو پہلی محفل میں ایک حد تک ادھوری رہ گئی تھی وہ یہ تھی کہ وہ موضوع کے انتخاب کے متعلق تھی۔ جب ہم عدم برداشت کی بات کرتے ہیں تو اس میں مغربی ذرائع ابلاغ کی بہت ساری چیزیں ہمارے ذہن میں اٹھتی ہیں اتنے سالوں سے ایک مربوط سوچ کے تحت ہمیں عدم برداشت کا مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ مسلمان امت کو عدم برداشت کے حوالے سے متعارف کرایا جاتا ہے۔ جس برداشت کی وہ بات کرتے ہیں وہ

برداشت اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے وہ برداشت جو ان مذاکرات کا تسلسل ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشرکین مکہ نے مکی زندگی کے اندر آخری دور میں کیے تھے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ اسلام پھیل رہا ہے اس کو روکنے کے لیے کوئی طریقہ کارا ثرانداز نہیں ہوتا۔ مشرکین مکہ نے مذاکرات کے لیے اور ایک حد تک بات کو آگے بڑھانے کی کوشش کی کہ آپ ہمارے خداؤں کو مان لیں۔ ہم آپ کے خدا کو مان لیں گے یہ برداشت اسلام کی روح اور مزاج کے خلاف ہے۔ اور اس کے لیے اقبالؒ نے کہا تھا کہ باطل دوئی پسند ہے۔ حق لاشریک ہے۔ شرکت میانہ حق باطل نہ بود۔

ہم جس برداشت کی بات کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اختلافات رکھتے ہوئے حق و صداقت حلال و حرام اور سیاہ و سفید کی تمیزیں رہیں اگر وہ تمیزیں ہی ختم ہو جاتی ہیں تو یہ برداشت نہیں یہ تو Permissions ہیں۔ یہ تو تباہی ہے اس طرح ریاست اور اخلاق اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ سیرت نام ہے زندگی کے اندر اخلاق کے نقوش کا' فرد کی حیثیت سے بھی قوم کی حیثیت سے بھی۔ خلق کی حیثیت سے بھی معاشرے کی حیثیت سے بھی۔ ریاست کی حیثیت سے بھی اور تمام حیثیتوں سے۔ ان مکارم اخلاق کے نفوذ کے نام ہے۔ اس اخلاق کو جو چیزیں تباہ کر دیتی ہیں اس نظام کو جو چیزیں تباہ کر دیتی ہیں وحدت کو جو چیز تباہ کر دیتی ہے اس یگانگت کو اس ہم آہنگی کو جو چیز تباہ کر دیتی ہے ہم ہر اسی چیز پر عمل کرنے کو تیار ہیں۔

اس لیے عدم برداشت کے حوالے سے جو بات ہو گی وہ نیامت ہے ہمارے صاحب علم و فکر حضرات یہاں تشریف فرما ہیں ہمیں ان تمیزوں کا یقینا خیال رکھنا ہو گا۔ جہاں تک اپنے اندر اختلافات کا تعلق ہے اس کی دو نوعیتیں ہیں ایک اختلاف تو وہ ہے جو امت میں برکت کا ذریعہ بنتا ہے میں یہ بات حدیث کے حوالے سے کرتا ہوں وہ اختلافات ہیں توضیحات کا کہ قرآن اور سنت کی آپ کسی انداز سے توضیح کرتے ہیں دوسرا کسی اور انداز سے ان تمام کا منبع ایک ہی ہے اس کا ماخذ ایک ہی ہے یہ اختلاف ذوق کا نظر کا' خلوص کے ساتھ کیا گیا۔ اختلاف تو ہماری امت کا حسن ہے یہ ہماری تہذیب کا حسن ہے۔ ایک تنوع میں ایک تحسین ہے اور جو فروعی نوعیت کے اختلافات ہیں جب انہیں بنیادی نوعیت کے اختلافات تسلیم کر لیے جاتے ہیں تو وہ عدم برداشت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اس لیے جہاں تک اپنے اندر ہمارے اختلافات رہنے کا تعلق ہے ان کو ختم کرنے کے لیے ہمارے پاس قرآن و سنت کی بنیادی قوت ہے۔ اور قرآن و سنت کا معیار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی سے قائم فرما دیا ہے۔ کوئی لفظ ایسا نہیں جس کی تشریح کباقی ہو۔ کوئی نظام ایسا نہیں جو تشنہ تکمیل رہ گیا ہو۔

محترم حاضرین کرام!

سیرت کانفرنس کا یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا چاہتا ہے تمام خواتین و حضرات جنہوں نے سیرت نگاری

نے خصوصی انعامات حاصل کیے یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں اور اس طرح ہر وہ شخص اور ادارہ جو تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے فروغ میں کوشاں ہے بھی مبارک باد کا مستحق ہے۔

ان الفاظ کے ساتھ میں چیئرمین سینٹ آف پاکستان اور شرکاء اجلاس کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی ان کاوشوں اور حاضری کو قبول فرمائے۔ آمین۔ شکریہ

حصہ (الف)

مقالات سیرت

۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء

عنوان

عدم برداشت کا قومی وبین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

رم بر داشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

ڈاکٹر محمد ضیاء الحق، راولپنڈی

ث الاول: عدم برداشت کا مفہوم اور اس کے بارے میں اسلامی تعلیمات

عدم برداشت کا مفہوم

برداشت کا لفظ فارسی سے مشتق ہے یہ لفظ بر اور داشت کا مرکب ہے بر کا مطلب بوجھ اور داشت کا مطلب
نا ہے برداشت کا لغوی مفہوم کسی بوجھ کو سنبھالنا ہو گا۔(۱)

اس لفظ کے لیے عربی میں "تحمل" اور "تسامح" اور انگلش میں Tolerance کا لفظ استعمال ہوتا ہے
طلاح میں اس سے مراد لوگوں کے آزادی عقیدہ کے حق کا عقلی اور عملی اعتراف ہے۔ اس مفہوم کو
Encyclopaedia of Britani میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

> "The intellectual and practical acknowledgement of the right of others to live in accorcance with religious beliefs that are not accepted as one's own"(۲).

برداشت Tolerance یا "تسامح" کے متضاد کے طور پر عدم برداشت کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے
بی میں "تعیز" اور انگلش میں Prejudice کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جس کا مطلب کسی خاص موقف کا سختی
ے ساتھ دینا، اس کے خلاف کسی قسم کی بات سننے سے سخت انکار کرنا اور اس موقف کے نہ ماننے والوں کو غلط سمجھنا
ہے۔ عدم برداشت کے رجحان میں ایک انتہا پسندانہ پسند یا ناپسند کرنے کا رویہ ہوتا ہے جس میں پسند کو تمام تر عیوب
کے باوجود بہترین قرار دیا جاتا ہے، اور ناپسند کو تمام تر خوبیوں کے باوجود بدترین قرار دے دیا جاتا ہے۔(۳)

۲۔ عدم برداشت کا رجحان

انسانی تاریخ میں عدم برداشت کا رویہ ہمیشہ سے انتشار اور فساد کا سبب بنا ہے اسی عدم برداشت کے رو
کی وجہ سے مختلف اقوام عالم جنگوں کا شکار ہوتی چلی آرہی ہیں۔ قوموں کے درمیان تعصبات کی وجہ سے ہونے وا
باہمی جھگڑوں کا باعث بھی عدم برداشت کا رویہ ہی ہے۔اس کی مزید وضاحت درج ذیل ہے۔

الف: عدم برداشت کا قومی رجحان:

عدم برداشت کا قومی رجحان کئی اسباب کی بنیاد پر ہوتا ہے جس میں تشدد' تعصب' تنگ نظری' جاہلیت
ناخواندگی جیسے عوامل سر فہرست ہیں(۴) ان عوامل کی وجہ سے لوگوں کے اندر نسلی' علاقائی' لسانی اور فرقہ پر
کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جو عدم برداشت کے رجحان کی وجہ سے تشدد کا راستہ اختیار کرتے اور اس کی وجہ سے
اتحاد اور یکجہتی متاثر ہوتی ہے علم وفن کی ترقی کے لیے جس قسم کی روشن خیال اور اظہار رائے کے بنیادی جمہوری
کی ضرورت ہے وہ ناپید ہو جاتا ہے اور معاشرہ جامد نظریات اور تقالید کا شکار ہو کر انحطاط پذیر ہو جاتا ہے۔(۵)"
اس کی مثال قرون وسطیٰ کے یورپی معاشرے اور موجودہ دور کے کئی ممالک ہیں۔ جہاں پر خانہ جنگ
اور فساد جاری ہے' پاکستان میں فرقہ پرستی اور دوسرے تعصبات کی بنیاد پر ہونے والے جھگڑے بھی عدم برداش
کے قومی رویے کی اہم مثال ہیں۔

ب: عدم برداشت کا بین الاقوامی رجحان:

یہ رجحان اس وقت پروان چڑھتا ہے جب کوئی ملک یا قوم کسی دوسرے کے خلاف ہر کارروائی کو اپنے
جائز قرار دیتا ہے' اس بین الاقوامی عدم برداشت کے روّیے کی کئی مثالیں ہیں' ہندستان کی کشمیریوں اور اسرائیل
فلسطینیوں کے خلاف کارروائیاں عدم برداشت کے سبب ہی ہیں۔ کیونکہ یہ ممالک حریت پسندوں کے جائز حقوق
کسی بھی صورت میں برداشت نہ کرنے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔

یوگوسلاویہ میں مسلمانوں کے خلاف جو کارروائیاں ہو رہی ہیں ان کے پیچھے بھی یہی عدم برداش
کارفرماں ہے امریکہ اور یورپ کی اسرائیل کی نازبرداریاں بھی مسلمانوں کے خلاف ان کے عدم برداشت کے تار
رویوں کی عکاسی ہے۔

امیر ممالک کا دنیا کی معیشت کو کنٹرول کرنا اور غریب ممالک کو کسی قسم کی رعایت نہ دینا بھی اسی سلسلے
کڑی ہے کیونکہ یہ ممالک اپنے نفع میں کسی بھی قسم کا نقصان برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

ج : عدم برداشت کے رجحان کا مثبت پہلو :

اگر چہ عدم برداشت کا رویہ عام طور پر منفی معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن اس کے بعض مثبت پہلو بھی ہیں کسی نیک مقصد کی خاطر اپنے بنیادی اصولوں میں تبدیلی کی عدم برداشت' قومی معاملات میں کسی بھی قسم کے ذاتی مفاد کو راہ میں نہ آنے دینا' ایمانداری کے ساتھ کم تنخواہ کے باوجود اپنے فرائض سرانجام دینا اور اس ضمن میں تمام تر دباؤ اور ترغیبات کا مردانہ وار مقابلہ عدم برداشت کے مثبت پہلوؤں کی مثالیں ہیں۔

اسلامی تعلیمات عدم برداشت کے تمام منفی پہلوؤں کو مسترد کرتی ہیں' مذاہب عالم کے پیروکار اپنے عقائد کی خلاف ورزی برداشت نہیں کرتے اور لوگوں کو ہر طرح کے حربوں کے ذریعے اپنے عقیدے میں لانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اسلام میں ایسی کوئی گنجائش نہیں ہے کسی عقیدے کو اختیار کرنے یا نہ کرنے کا حق انسانی آزادی کے بنیادی حقوق میں سے ہے اور اسلام اس حق کے پیش نظر اعلان کرتا ہے کہ (۶)

(لا اکراہ فی الدین قدتبین الرشد من الغی)(۷)

سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم عدم الاکراہ کا بہترین نمونہ ہے۔ قرآن پاک اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی وجہ سے ہی مسلمانوں نے ہمیشہ مخالفین کے ساتھ برداشت کا رویہ اختیار کیا' اپنے سخت ترین دشمنوں کے خلاف بھی جنگوں میں جن میں عام طور پر ظلم اور غضب جیسے رویے حکمت پر غالب آجاتے' مسلمانوں نے برداشت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا جیسا کہ فرانسیسی فلسفی غوستاف لوبون (۸) اسلامی فتوحات کے بارے میں کہتا ہے۔

"حقیقت یہ ہے کہ قومیں عربوں کی طرح کے روادار فاتحین اور ان کے برداشت والے دین کے علاوہ کسی اور سے غیر واقف ہیں"(۹)

شریعت اسلامی دوسروں کے عقائد کا احترام کرتی ہے اور جبر و زبردستی سے عقائد کو دوسروں پر ٹھونسنے سے انکاری ہے' جیسا کہ قرآن پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہا گیا ہے (افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین)(۱۰)

انہی ٹھوس دلائل کے پیش نظر مورخین پورے یقین کے ساتھ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے کسی قوم یا گروہ کو اسلام میں لانے کے لیے زبردستی نہیں کی حالانکہ کئی صدیوں تک وہ دنیا کی سب سے طاقتور قوم تھے۔ شریعت اسلامیہ ان کو اس قسم کے رویے سے منع کیے ہوئے تھی۔ جیسا کہ زوبد تسون اپنی کتاب "تاریخ شارلکن" میں اعتراف کرتا ہے۔

"مسلمان وہ واحد قوم ہیں جنھوں نے دینی غیرت اور رواداری کی روح کو دوسرے مذاہب سے تعامل کے

دوران پیش نظر رکھا'انہوں نے اپنے دین کی اشاعت کی شدید خواہش کے باوجود ان لوگوں کو آزاد چھوڑا جو اپنے دین کو چھوڑ کر اسلام قبول نہیں کرنا چاہتے تھے"(۱۱)

مورخین "مسلم اور غیر مسلم" اس بات کو تسلیم کرتے ہیں قرآن پاک نے دوسرے مذاہب کے ساتھ رواداری اور برداشت کے رویے کی تلقین کی' جنگ اور جہاد میں ان کے راہبوں اور مذہبی رہنماؤں کو خصوصی امتیازات سے نوازا ان سے ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قتل کرنے کی ممانعت کی امیر المومنین عمر ابن الخطابؓ نے جب بیت المقدس کو فتح کیا تو ان کی عزت کو آنچ تک نہ آنے دی۔ حالانکہ عیسائی بیت المقدس میں داخل ہوئے تو انہوں نے بے رحمی کے ساتھ مسلمانوں کو قتل کیا اور یہودیوں کو جلا دیا تھا۔(۱۲)

رواداری اور برداشت کی اہمیت کا مزید اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسلامی نظام اخلاق میں حلم جیسی صفات کو بنیادی اخلاقی صفات قرار دیا گیا کیونکہ اس کے ذریعے انسان کسی چیز کو ناپسند کرتے ہوئے بھی جذباتی رد عمل کا اظہار کرنے کی بجائے اپنے اعصاب پر قابو پانے کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے اس لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(لیس الشدید بالصرعة و انما الشدید الذی یملك نفسه عند الغضب)(۱۳)

حلم اور برداشت اخلاق نبیلہ میں سے ہیں اس کی وجہ سے لوگوں کی عزت اور ان کے جسم سلامت رہتے ہیں۔(۱۴)

حلم کے بارے میں قول ہے کہ'

"الحلم خلیل المؤمن و العلم وزیره و العقل دلیله و الرفق ولده و اللین اخوه و الصبر جنده"(۱۵)

اسی بنا پر مسلمان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی اپنے اوپر قابو رکھے۔ غصے کے انگاروں کو حلم سے بجھائے اور حالت غضب میں بھی اپنے اوپر قابو رکھے۔(۱۶) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت میں کامیابی کا سبب یہی حلم تھا جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد باری ہے۔

(فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لا نفضوا من حولك)(۱۷)

المبحث الثانی: سیرۃ الرسول ﷺ اور عدم برداشت کا رجحان:

ا۔ رسول اکرم ﷺ کی دعوت کا تقاضا:

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جن انبیاء اور رسل کو بھیجا وہ مخصوص عرصے کے لیے تھے جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

(و لقد ارسلنا من قبلك رسلا الی قومھم)(۱۸)

لیکن جب انسانی فکر ترقی اور تطور کے ایک خاص مقام پر پہنچ گئی اور اس میں عقیدہ ایمان اور توحید جیسے پہلوؤں کو سمجھنے کی پختگی پیدا ہو گئی اور اس کی عملی حالت ایسی سطح کی ہو گی جہاں پر اس کے لیے مختلف فنی نظریات کو سمجھنا آسان ہو گیا تو ان حالات میں ایک نئے جامع پیغام کی ضرورت محسوس ہوئی جس کے ساتھ ہی انبیاء کی تعلیمات مکمل ہو جائیں اور انسانیت پر اللہ کی رحمت مکمل ہو جائے جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(وما ارسلنٰك الا كافة للناس بشيرا و نذيرا)(۱۹)

اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام رحمت تمام جہانوں کے لیے اور تمام اقوام کے لیے تھا اور یہ رنگ، نسل، ذات پات، قومی اور علاقائی تعصبات سے بالاتر ایک بین الاقوامی پیغام تھا جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(قل يا ايها الناس انى رسول الله اليكم جميعا)(۲۰)

آنحضور ﷺ جو عالمی پیغام لائے تھے اس پیغام کو تمام انسانوں تک پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا طریقہ بھی بتا دیا تھا جس کے ذریعے یہ پیغام دنیا جہاں کے لوگوں تک پہنچا ہے اس طریقہ کار میں صبر و برداشت اور نرمی کا رویہ بنیادی عنصر تھا۔ جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ :

(ادع الى سبيل ربك بالحكمة و موعظة الحسنة و جادلهم بالتى هى احسن)(۲۱)

۲۔ آنحضور ﷺ کی شخصیت میں برداشت اور عدم برداشت کے پہلو :

الف۔ نبوت سے پہلے برداشت اور عدم برداشت حیاۃ الرسول ﷺ میں :

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں تمام صفات کاملہ بدرجہ اتم موجود ہیں، آپ کی شخصیت قیامت تک کے لیے نمونہ ہے۔ اس لیے کہ آپ کے اخلاق عالیہ میں سچائی، حلم، صدق، برداشت، محبت، شجاعت، تواضع، وفا وغیرہ جیسی تمام صفات اپنی جامع حالت میں موجود تھیں انہی صفات کی وجہ سے تو جبرائیل نے کہا :

ترجمہ : "میں نے زمین کو مشرق سے مغرب تک گھوما لیکن مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کوئی نہیں ملا اور میں زمین میں مشرق و مغرب تک گھوما لیکن مجھے بنی ہاشم سے اچھا کوئی نسب نہیں ملا"۔(۲۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں جوان ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جاہلیت کی بری عادتوں سے اپنی حفاظت میں رکھا ہوا ہے۔ بہت جلد آپ ﷺ اپنی قوم میں اپنے عالی اخلاق بہترین حسب و نسب، اچھے پڑوسی، سب سے زیادہ برداشت والے، سب سے زیادہ سچے، سب سے زیادہ امانت والے اور بے حیائی سے سب سے زیادہ دور رہنے والے کی حیثیت سے مشہور ہو گئے اور آپ ﷺ کو الامین کے لقب سے نوازا گیا۔(۲۳)

آپ ﷺ کی شخصیت کے یہ عالی اخلاق نبوت سے پہلے ہی ظاہر ہو گئے آپ ﷺ جاہلیت کے برے ماحول کا مقابلہ کرتے رہے، اپنی قوم کی برائیوں کو ختم کرنے کے لیے سوچتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ خون خرابہ ہو اور لوگوں کی جانوں کو نقصان پہنچے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۵ سال ہوئی تو اہل مکہ نے بیت اللہ کی از سر نو تعمیر کا فیصلہ کیا۔ تعمیر کے بعد حجر اسود کو متعلقہ جگہ پر رکھنے کے معاملے میں عرب قبائل زبردست اختلاف کا شکار ہو گئے قریب تھا کہ تلواریں چل جاتیں لیکن ان کا اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ محمد ابن عبداللہ اس تنازع میں ثالث ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سیاہ پتھر کو چادر میں رکھا تمام قبائل کو بلایا اور کہا:

(تأخذ کل قبیلة بناحیة من الثوب ثم ارفعوا جمیعا)(۲۴)

ترجمہ: "ہر قبیلہ چادر کے ایک سرے کو پکڑے اور سب مل کر اسے بلند کریں"۔

انہوں نے ایسا ہی کیا اور جب یہ پتھر مخصوص جگہ پر پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے دست مبارک سے متعلقہ جگہ پر نصب کر دیا۔(۲۵)

یہ مثال آپ کی اس سیاسی حکمت عملی کی اس عظیم خوبی کو ظاہر کرتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خون خرابے کو پسند نہیں کرتے تھے اور تنازعات کو پرامن طریقے سے حل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ب۔ بعثت کے بعد برداشت اور عدم برداشت کا پہلو شخصیت رسول ﷺ میں:

دعوت الی الاسلام اور برداشت کا مظاہرہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر جب ۴۰ سال ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے منصب پر فائز کیا آپ ﷺ کمال برداشت اور صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے تین سال تک خفیہ دعوت دیتے رہے جہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاعلان دعوت دینے کا حکم اس طرح ملا:

(ما اعلم انسانا فی العرب جاء قومه با افضل مما جئتکم به، قد جئتکم بخیر الدنیا والآخرة، و قد امرنی ربی ان ادعوکم الیه، فایکم یوازرنی علی هذا لامر)(۲۷)

بنو ہاشم نے رسول آخرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت کو قبول نہیں کیا اور ان کا مذاق اڑایا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشکل صورت حال میں بھی برداشت کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مایوس نہیں ہوئے اور اہل مکہ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

(ارایتکم لو اخبرتکم ان خیلا بالوادی ترید ان تغیر علیکم اکنتم مصدقی)

ترجمہ: "تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ ایک لشکر تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے کیا تم میری بات

کی تصدیق کرو گے "انہوں نے جواب دیا' ہاں ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا پایا ہے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا "فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید" میں تمہیں اس شدید عذاب سے ڈراتا ہوں جو آنے والا ہے ابولہب نے آپ کا مذاق اڑایا اور کہا کیا تو نے ہم کو اس کے لیے جمع کیا تھا۔ (۲۸)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان حالات میں بھی مایوس نہیں ہوئے اور اپنے مقصد کی خاطر کوششیں جاری رکھتے ہیں اور دن رات اللہ کی طرف بلاتے ہیں کوئی بھی آپ کو آپ کی اس راہ سے ہٹا نہیں سکتا آپ ﷺ لوگوں کو ان کی مجالس میں ملتے ہیں حج کے موسم میں قافلوں سے ملتے ہیں اور جو بھی آزاد' غلام' کمزور یا طاقتور' امیر یا غریب ملتا ہے تو اسے نئے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ (۲۹) یہ سب اللہ کے اس حکم کی بجاآوری تھی جس میں خدا تعالیٰ نے فرمایا: (یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك و ان لم تفعل فما بلغت رسالته و الله یعصمك من الناس) (۳۰) دعوت کا کام برداشت' عزم حوصلے اور قربانی کا کام ہے کامیاب قائد مشکل ترین حالات کا بھی مقابلہ کرتا ہے اور اپنے ہدف پر نظر رکھتا ہے یہی چیز رسول اکرم صلی اللہ کی زندگی میں نظر آتی ہے آپ ﷺ نے تمام قسم کے دباؤ کا بڑی ہمت سے مقابلہ کیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا نے قریش کے مطالبے پر آپ ﷺ سے کہا کہ اے بھتیجے مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈال جو میں اٹھا نہ سکوں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا کہ شاید ان کے چچا ان کی مدد کرنے سے قاصر ہیں لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کا حوصلہ جواں تھا اور ہدف واضح تھا اور وہ یہ تھا کہ تمام حالات میں ہر قسم کے دباؤ کو ہمت اور حوصلہ سے برداشت کرنا آپ ﷺ نے اس موقع پر اپنا تاریخی جملہ فرمایا جو آپ کے برداشت کی بہترین مثال ہے۔

(یاعم! واللہ لو وضعو الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی ان اترك هذا الامر حتی یظهر الله او اهلك فیه ما ترکته) (۳۱)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کو آپ کی دعوت کی کامیابی میں بنیادی مقام حاصل تھا آپ ﷺ اچھے طریقے سے برتاؤ کرتے' لوگوں کے ساتھ تواضع سے پیش آتے' جوانمردی سے اور میٹھے لہجے سے گفتگو کرتے' عدل کو پسند کرتے اور ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرماتے' مسکین' یتیم اور بے سہاروں کی طرف محبت اور ہمدردی کا سلوک کرتے آپ کے انہی اخلاق کی وجہ سے آپ کی دعوت مکہ کے اشراف اور کمزور طبقوں میں پھیلنا شروع ہو گئی اور لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔ (۳۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت آپ کی برداشت اور قریش مکہ کے ظلم و ستم کی معرکہ آرائی ہے قریش نے جب رسول اللہ کی دعوت کو پھیلتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے آپ ﷺ اور دوسرے مسلمانوں کو شدید اذیتیں دینا شروع کر دیں۔ ان کے احمق لوگوں نے آپ ﷺ کو جھٹلایا آپ کی ہجو کی اور آپ پر جادوگری اور جنون

وغیرہ کے الزامات بھی لگائے۔(۳۳)

لیکن ان سب مشکلات کے باوجود آپ اپنے مقصد پر ڈٹے رہے اور کمال جرأت سے ان کا سامنا کرتے رہے جب قریش اپنے ظلم وستم کے باوجود اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہوئے تو انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سودے بازی کی کوششیں شروع کر دیں اور آپ کو مال و دولت' مزید شادی اور علاج وغیرہ کی پیش کش کی۔(۳۴) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیشکش کا جواب سورۃ سجدۃ کی تلاوت سے دیا اس طرح قریش نے اس حقیقت کو جان لیا کہ ان کا سامنا ایک ایسے شخص سے ہے جو نہ مال کا خواہش مند ہے نہ ہی اقتدار کا اور نہ ہی اسے کوئی مرض لاحق ہے وہ تو صرف بہترین طریقے سے حق کی طرف بلانے والا ہے۔(۳۵)

یہ صورتحال قریش کے ظلم وستم میں اور شدت پیدا کرتی ہے صحابہ اکرام کو شدید ترین جسمانی اذیتیں دی جانے لگیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے منصوبے بننے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ محسوس کیا کہ اب ظلم حد سے بڑھ رہا ہے اور نا قابل برداشت ہو گیا ہے تو آپ نے مکے سے مدینے ہجرت کا فیصلہ کر لیا۔(۳۶)

۳۔ مدینے کی اسلامی ریاست کے قیام میں رسول اکرم ﷺ کے جذبہ برداشت کا کردار

مدینے کی ہجرت سے پہلے مدینے میں مسلمانوں کی آمد اور نئے آنے والے مسلمانوں کے لیے برداشت کے جذبات پیدا کرنا ضروری تھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ کے مقام پر یثرب کے باشندوں کو دین اسلام کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی۔رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نئے دین کی تبلیغ میں مدد دینے اور اس کا دفاع کرنے کی ترغیب دی۔اس پر انہوں نے یہ عہد کیا کہ ہم اپنی جانوں اور مالوں سے نئے دین کا دفاع کریں گے۔اس طرح عقبہ کے مقام پر پہلی بیعت ہوئی۔(۳۷)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کے وفد کی واپسی کے موقع پر ان کے ساتھ حضرات مصعب بن عمیر (متوفی ۳ھ / ۶۲۵ء) کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیج دیا تا کہ وہ مدینے والوں کو اس نئے دین سے آگاہ کریں۔ حضرت مصعب بن عمیر نے سخت محنت کی اور مدینے میں مسلمانوں کے استقبال کے لیے مناسب ماحول تیار کر دیا۔بعثت کے ۱۳ویں سال مدینے کے ۷۳ باشندے عقبہ کے مقام پر دوبارہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے ہیں اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔(۳۸)

اہل مدینہ کی یہ بیعت مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کی واضح مدد کرنے کے چیلنج کو قبول کرنے کی بیعت تھی اس لیے اس بیعت کو حرب الاسود والاحمر کی تعبیر سے یاد کیا جاتا ہے۔(۳۹)

عقبہ کی دوسری بیعت تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام کامیابیاں بہترین اسلوب تخاطب کی

مثال ہیں۔ آپ نے عقیدہ اسلام کی اشاعت کے لیے لوگوں کی عقلوں کو مخاطب کیا۔ تلوار کا استعمال کیا نہ جنگ کا ذکر کیا۔ لوگوں کے دلوں کی طرف آپ کا سفر محبت اور دلیل کے ساتھ تھا آپ نے کسی کو دھمکی دی اور نہ ہی لالچ دیا۔ آپ کا ہتھیار آپ کا کردار اور نرمی تھی سخت ترین اذیتوں کے باوجود شدت اور سختی آپ کے موقف کے قریب تک نہ آئی اس طرح آپ دعوت اسلامی کے لیے ایک نیا مرکز بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

الف۔ پہلی اسلامی ریاست کا قیام

دنیا کی پہلی اسلامی ریاست کا قیام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست سیاسی کامیابی تھی مدینے میں نظم و نسق کا انتظام کرنا۔ ایک مرکزی حکومت بنانا اور اس حکومت میں مختلف عقائد' قبائل اور نسلوں کو اکٹھا کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست سیاسی مہارت کا ثبوت ہے۔ اس مقصد میں کامیابی کے لیے زبردست صبر اور برداشت کی ضرورت تھی۔ یہود اس اتحاد میں شامل نہیں ہونا چاہتے تھے۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی صورت پیدا کر دی کہ ان کے لیے اس نئی حکومت میں شامل ہوئے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہا اس طرح دنیا کا پہلا تحریری دستور وجود میں آیا اور اس دستور کی رو سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے کی پہلی اسلامی ریاست کا سربراہ تسلیم کر لیا گیا۔ (۴۰)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی حکمت عملی کی وجہ سے یثرب جو کہ ہجرت کے بعد مدینۃ النبی کے نام سے مشہور ہو گیا میں مسلمانوں کی آباد کاری کا انتظام ہو گیا۔ یہ آپ کی سیرت طیبہ کا ہی اثر تھا جس کی وجہ سے مدینہ کے مختلف گروہوں میں منقسم معاشرے میں مکہ سے آنے والے مہاجروں کے لیے برداشت کے جذبات پیدا ہوئے۔ (۴۱) اور مدینے میں ایک مختلف الخیال عناصر پر مشتمل ایسا معاشرہ وجود میں آیا جس میں میثاق مدینہ کی وجہ سے یہود' انصار' مہاجرین اور دوسرے قبائل ایک تنظیمی اتحاد میں شامل ہو گئے اور سب ایک دوسرے کے وجود کا اعتراف کرنے لگے۔ (۴۲)

ب۔ غزوات نبوی قریش مکہ کی عدم برداشت کا نتیجہ :

مکہ میں اسلام کے دشمن اس دین جدید اور رسول عربی کی دعوت کو برداشت نہ کر سکے اور تیرہ سالوں تک اس کے خلاف ہر قسم کی سازشیں کرتے رہے' مسلمانوں کو جب مدینے میں ایک محفوظ ٹھکانا مل گیا تو اسے برداشت کرنا قریش کے لیے بالکل ہی ناممکن تھا مکہ میں مسلمانوں کے خلاف قریش کی سازشیں اور مدینے میں جنگیں ان کے اسی عدم برداشت کے رویے کی نشاندہی ہیں۔

قریش کے لیے یہ برداشت کرنا تقریباً ناممکن تھا کہ مسلمانوں کو ایک پرامن ٹھکانا مل جائے مزید یہ کہ وہ نئی اسلامی ریاست کو مضبوط ہوتا ہوا بھی نہیں دیکھ سکتے تھے اسی لیے انہوں نے اپنے سابقہ ظلم و ستم کو جاری رکھتے

ہوئے اسلامی ریاست کے خلاف خطرناک سازشیں شروع کر دیں ایک طرف ان کا مقصد اس ریاست کو اندرونی طور پر انتشار کا شکار بنانا تھا تو دوسری طرف اس کے خلاف بیرونی جارحیت کا انتظام کرنا تھا اس صورت حال میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاعی حکمت عملی کی طرف توجہ کرنا ضروری امر تھا۔ اس طرح اس مرحلے پر دعوت اسلامی کے تحفظ اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے طاقت کے استعمال کا نیا عنصر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی میں داخل ہوا ان خطرناک حالات میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بصیرت میں دوسروں کو برداشت کرنے اور جنگ پر صلح صفائی کو اولیت دینا شامل رہا۔ چنانچہ اسلامی ریاست اور مختلف قبائل مثلاً بنی جمندہ اور مدلج وغیرہ کے درمیان معاہدات اسی حکمت عملی کو ظاہر کرتے ہیں۔ (۴۳)

ان عربوں کے لیے جو ہمیشہ سے قبائلی اور لسانی جھگڑوں سے ہی واقف تھے مکے اور مدینے کے درمیان عقائد کے اختلافات کی بنیاد پر ہونے والی جنگ ایک نیا تجربہ تھی' توحید کو ماننے والوں اور بتوں کے پجاریوں کا اتفاق ناممکن تھا۔ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر غالب آنا ہی تھا بدر کے مقام پر پہلا معرکہ ہوتا ہے مسلمان غالب آتے ہیں قریش مکہ اپنے پیچھے ۷۰ سال سے زیادہ مقتول اور بہت سارے قیدی چھوڑ کر راہ فرار اختیار کر لیتے ہیں۔ (۴۴)

اس جنگ میں عسکری فتح کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برداشت کا زبردست مظاہرہ کیا چنانچہ قیدیوں سے انتقام لینے کی بجائے معمولی فدیہ اور بعض خدمات کے عوض ان کو رہا کر دیا۔ (۴۵)

قریش کے لیے اس جنگ میں شکست کو برداشت کرنا آسان نہ تھا انہوں نے دوسرے ہی سال احد کے مقام پر مسلمانوں سے پھر جنگ کی۔ ابتدائی کامیابیوں کے بعد جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض احکامات کی خلاف ورزی کی وجہ سے مسلمانوں کو شکست ہوئی تو بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جوانمردی سے نتائج کا سامنا کیا اور اسلامی ریاست کے استحکام کو برقرار رکھا۔ (۴۶)

خندق کی لڑائی قریش کی طرف سے مسلمانوں کو ختم کرنے کی آخری اور حتمی کوشش تھی ان کا ارادہ تھا کہ اس دفعہ مسلمانوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے لیکن ان کی یہ سازش ناکام ہوگئی مسلمانوں کو اس جنگ میں فتح ہوئی اور قریش مایوس ہو کر مکہ لوٹ گئے۔ (۴۷)

صلح حدیبیہ میں قریش مکہ کو ایک معاہدہ پر مجبور کرنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت بڑی کامیابی ہے اس معاہدے کے نتائج کے طور پر مکہ کے باشندوں کے ہاں کہ جنگوں سے تنگ آئے ہوئے تھے اسلام کو برداشت کرنے کے جذبات پیدا ہوئے۔ اسلامی عقائد پھیلنے لگے اور مسلمانوں کو اپنے خونی رشتہ داروں کے سامنے تعصب سے پاک فضاء میں اسلامی عقائد پھیلانے کا موقع مل گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ اور مدینے کے

درمیان جہالت، تعصب اور دشمنی کی دیواریں گرانا چاہتے تھے تاکہ دعوت اسلامی پرامن طریقے سے ان کے دلوں کا راستہ کر سکے۔

اہل مکہ کے ظلم و ستم اور مسلمانوں کے خلاف ان کی عداوت کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے متعلق یہ خیالات آپ ﷺ کی وسعت نظری اور ان کے لیے زبردست برداشت کا مظاہرہ ہے اسی لیے صلح حدیبیہ کو فتح مبین کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ یہ فتح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے برداشت اور دوسرے کے اندر برداشت کے جذبات کو پیدا کرنے کی بہت بڑی کامیابی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(انا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفرلك الله ما تقدم من ذنبك و ما تاخر و يتم نعمته عليك و يهديك صراطاً مستقيماً)(۴۸)

صلح حدیبیہ نے فتح مکہ کا راستہ ہموار کر دیا فتح مکہ کے موقع پر دشمن اپنا سر تسلیم خم کر چکا ہے جن لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دن رات اذیتیں دی تھیں قابو میں آچکے تھے ان کے جرائم سزا کا تقاضا کر رہے تھے، لیکن رسول اکرم رحمۃ للعلمین تھے آپ ﷺ نے خون خرابے سے منع فرمادیا تھا مکہ والوں کو اطلاع کر دی کہ جو شخص اپنے گھروں میں رہے یا بیت اللہ میں داخل ہو جائے یا ہتھیار ڈال دے یا ابو سفیان کے گھر میں پناہ لے لے تو اسے اسلامی فوج بالکل نہ چھیڑے گی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کے تین حصے کئے شہر پر پوری طرح قبضہ کرنے کے لیے شہر کے تینوں راستوں سے داخلہ شروع کیا اور تاکید کی کہ کوئی خونریزی نہ ہو۔ شہر پر پوری طرح قبضہ ہونے اور کعبے کے اندر اور اطراف کے بتوں کو توڑ پھوڑ کر ان کے لائق مقام پر پہنچانے کے بعد شہریوں کو جمع ہونے کا حکم دیا پھر ان کو ان کی کارستانیاں بتا کر پوچھا کہ اب مجھ سے کیا توقع کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ جو ایک شریف اور شریف زادے سے توقع کی جا سکتی اس پر رحمۃ للعالمین کی زبان سے نکلا "ہاں اب تم سے کوئی مواخذہ نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو" اب اس اعلان کی صدا گونج رہی تھی کہ پورا مکہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھ کر اپنی قلبی تبدیلی کا ثبوت دے رہا تھا اور اپنی مکمل اور غیر مشروط اطاعت کا یقین دلا رہا تھا۔(۴۹)

ج۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاست خارجہ اور برداشت کے جذبات

دعوت اسلام پوری دنیا کے لیے ہے کیونکہ اللہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ اللعلمین بنا کر بھیجا۔ اس دعوت کو دنیا تک پھیلانے کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حکمرانوں کو سفارتی مشن روانہ کیے ان سفارتی مشنوں کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط ان حکمرانوں کو لکھے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خارجہ پالیسی میں دوسروں کو برداشت کرنے ان کے ساتھ پرامن تعلقات قائم کرنے اور اسلامی ریاست کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم کروانے جیسے بنیادی عناصر کی نشاندہی کرتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سفارتی مشن اس دور کے بڑے بڑے ممالک کے سربراہوں کو روانہ کیے جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے "ان نبی اللہ کتب الی کسری والی قیصر والی النجاشی والی کل جبار یدعو ہم الی الہ تعالیٰ" (۵۰)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خطوط میں اساسی نقطہ یہ تھا کہ اس موقف سے مذاکرات شروع کیے جائیں جس پر اتفاق پہلے سے موجود ہو چنانچہ قرآن پاک کی یہ آیت تمام خطوط میں موجود تھی۔

(قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا الله و لا نشرك به شیئا و لا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون)(۵۱)

اس بنیادی نقطہ سے اپنی دعوت کا آغاز کرنا اور اپنے سفراء کو روانہ کرنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بھرپور کوشش تھی جس کے ذریعے دوسری قوموں کے اندر اسلامی دعوت کو سمجھنے اور برداشت کرنے کے جذبات پیدا کرنا تھا چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ سفارتی مشن جو حبشہ، الروم، فارس، مصر اور بعض دوسرے اہم ممالک کے سربراہوں کی طرف روانہ کیے گئے (۵۲) اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئے۔ کئی سربراہوں نے اسلام کو قبول کرنے کی خواہش کا اظہار کیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تحفے روانہ کیے۔ (۵۳)

صلح حدیبیہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی سازشوں کا قلع قمع کر دیا اور فتح مکہ نے حتمی طور پر یہ فیصلہ کر دیا کہ اب جزیرۃ العرب کا دین اسلام ہو گا ابن اسحاق ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "انما کانت العرب تربص بالا سلام امر ھذا الحی من قریش و امر رسول صلی الله علیه وسلم و ذلك ان قریشا کانت امام الناس و ھادیھم و اھل بیت الحرام و صریح ولد اسماعیل بن ابراھیم علیھما الاسلام و قادة العرب لا ینکرون ذلك و کانت قریش ھی التی نصبت حرب رسول الله و مخالفته فلما افتتحت مکة و دانت له قریش و دخلوا الاسلام، عرفت العرب انه لا طاقة لھم بحرب رسول الله و لا عدواته فد خلوا فی دین الله" (۵۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرۃ العرب کو ایک حکومت کے تحت جمع کر دیا قبائلی تعصب کی جگہ دینی حمیت کو اتحاد کی علامت بنا دیا۔ مختلف قبائلی اختلافات کو ختم کروایا ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے جذبات کو پیدا کیا اور مختلف قبائل کی شکایات کو اہمیت دینے کا پورا انتظام فرمادیا۔ سنہ ۹ ہجری میں آپ نے انہی مقاصد کے تحت بہت سے قبائلی وفود اور بعض ممالک کے سفارتی مشنوں کا مدینے میں استقبال کیا۔ اسی لیے اس سال کو سنۃ الوفود کے نام سے یاد کیا جاتا ہے (۵۵) ان وفود کا استقبال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کی تقالید، عقائد اور ضروریات کے اعتراف کا بہت بڑا مظاہرہ تھا آپ نے ان وفود کے اعضاء کو مکمل امان دی ان کی ضروریات کا انتظام

ان کی رہائش کے لیے رہائش گاہ مخصوص کی مسجد نبوی میں ایک خاص جگہ کو ان وفود سے ملاقاتوں کے لیے مختص دیا یہاں تک کہ بعض وفود کو مسجد نبوی میں اپنی عبادت کرنے کی اجازت بھی عطا فرمائی۔(۵۶)

جن وفود کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استقبال کیا ان کی فہرست بہت لمبی ہے ان وفود کی مدینے آمد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقاتوں کے نتائج بہت حوصلہ افزاء تھے اسلامی دعوت نے لوگوں کے دلوں ں گھر کر لیا جو علاقے فوجیوں سے فتح نہیں ہوئے تھے ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات نے اسلامی کومت کے سامنے سر نگوں کر دیا' بڑے بڑے خطیب اور اہل کلام الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب تخاطب سے مات کھا گئے اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا یقیناً جو نتائج رسول اکرم صلی اللہ علیہ سلم کی اس سیاسی حکمت عملی سے بر آمد ہوئے وہ اسلامی نظام حیات میں دوسروں کو برداشت کرنے کے اصولوں کو ضح کرتے ہیں ان وفود کی آمد کے نتائج پر تبصرہ ہوئے۔

Sir Arnold لکھتے ہیں "بے شک وہ بہترین معاملہ جو ان مختلف وفود کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم نے روا رکھا اور جس اہتمام سے ان کی شکایات کو سنا اور جس طرح حکمت کے ساتھ ان کے اختلافات کو ختم روایا اور ان میں سے جنھوں نے اسلام قبول کیا ان کو قطعات اراضی عطا فرمایا اور مسلمانوں کے لیے ان کا نرمی کے ذبات کا اظہار کرنا وغیرہ جیسے کاموں نے آپ کا نام ان کے لیے محبوب بنا دیا آپ کی شہرت پورے جزیرۃ العرب میں پھیل گئی اور آپ ایک عظیم سردار اور مہربان شخص کے طور پر معروف ہو گئے۔(۵۷)

مختصر یہ کہ زندگی کے ہر پہلو کی طرح برداشت کے حوالے سے بھی سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مطالعہ ہمارے لیے بہترین آئیڈیل ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بین الاقوامی دعوت کا آغاز مکہ میں تبلیغ اور س دوران ہزار ہا تکالیف کا سامنا پھر مدینے کی طرف ہجرت' ہجرت کے بعد مدینے میں اسلامی ریاست کا قیام' سلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان میثاق مدینہ پر اتفاق غزوات نبوی فتح مکہ اور وفود وغیرہ کے استقبال کے تمام اقعات کی تفاصیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دوسروں کے لیے برداشت سے بھری پڑی ہیں۔

المبحث الثالث: عدم برداشت کے موجودہ رجحان کا سیرت طیبہ کی روشنی میں جائزہ

موجودہ حالات میں جبکہ انسانی تاریخ انسان کو علمی وسائنسی ترقی کے اس بلند مقام پر ملاحظہ کر رہی ہے جو شاید پہلے کبھی اس کے حصے میں نہیں آیا تھا ضرورت اس امر کی ہے کہ سائنسی اور علمی ترقی کے شانہ بشانہ اخلاقی اور ثقافتی ترقی کی رفتار کو بھی تیز کیا جائے بڑی بڑی بیماریوں کے علاج خلا کی وسعتوں کو اپنے پاؤں تلے روندنے اور انفرمیشن ٹیکنالوجی میں ترقی کے باوجود آج کا انسان عدم تحفظ کا شکار ہے غریب اور کمزور قومیں پسماندگی اور جہالت

سے چھٹکارہ حاصل نہیں کر رہیں ترقی یافتہ قومیں ترقی کے فوائد کو اپنے تک محدود رکھنا چاہتی ہیں جس کی وجہ سے بین الاقوامی سطح پر عدم مساوات اور حقوق سلبی جاری ہے یہ سب کچھ یقیناً جذبہ عدم برداشت کی وجہ سے ہی ہے۔

قومی سطح پر لسانی، علاقائی قبائلی اور فرقہ پرستی جیسے عناصر کی وجہ سے منقسم قوموں کے لیے اتحاد کا پیغام اور عملی مظاہرہ سیرت طیبہ سے ہی ملتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کے جذبات کی بنا پر منقسم عرب معاشرے کو ان تعصبات سے پاک کرتے ہیں برتری اور بڑھائی کے لیے صرف تقویٰ کو معیار قرار دیتے ہیں اور قرآن پاک کا یہ پیغام لوگوں تک پہنچاتے ہیں کہ

(یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عندالله اتقکم ان الله علیم خبیر)(۵۸)

مکے میں دعوت اسلامی کی تبلیغ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کو کسی خاص گروہ قبیلے یا طبقے کے لیے محدود نہیں رکھا ہوا تھا بلکہ آپ کی دعوت ان تمام سطحی معیارات سے بلند اور ارفع تھی اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اختلافات کی غیر حیثیت کو واضح کر دیا مدینے میں اسلامی ریاست کا قیام اور مختلف لسانی قبائلی نسلی اور عقائدی پس منظر سے تعلق رکھنے پر گروہوں کو میثاق مدینہ پر متفق کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم کامیابی ہے آپ اس عظیم کامیابی کے ذریعے سے ایک طرف اگر ایک نئے معاشرے کی بنیاد رکھ رہے ہیں تو دوسری طرف سطحی تعصبات کو ختم کرنے کا درس بھی دے رہے ہیں۔ مدینے میں اسلامی معاشرہ جذبہ برداشت کی عظیم مثال ہے لوگ اپنے تمام تر اختلافات کو پس پشت ڈالتے ہوئے عقیدہ توحید کی بنا پر اخوت کی لڑی میں پروئے جاتے ہیں (۵۹) صرف مسلمانوں کے مختلف گروہ ہی نہیں بلکہ غیر مسلم قبائل اور یہود بھی اس معاشرے کا حصہ بنتے ہیں ان تمام عناصر کا ایک معاشرتی اتحاد پر متفق ہونا یقیناً ایک بہت بڑی جدوجہد کا نتیجہ ہے جس کے ذریعے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عناصر میں برداشت کے جذبات پیدا کیے اور ان کو اس بات پر تیار کیا کہ وہ دوسرے گروہوں سے اختلافات کے باوجود ان کے ساتھ ہم آہنگی پر مبنی تعلقات قائم کریں۔

عدم برداشت کے رجحان کی بنا پر بین الاقوامی تعلقات میں جو تناؤ ہمیں نظر آتا ہے اور جس طرح کشمیر فلسطین، کوسوو وغیرہ میں کمزوروں کے حقوق پامال ہو رہے ہیں ان مسائل کا حل بھی ہمیں سیرت طیبہ میں نظر آتا ہے کمزور اور بے بس دشمن پر ظلم کرنا تو دور کی بات ہے وہ دشمن جس نے ظلم کے تمام ہتھکنڈے مسلمانوں کے خلاف آزمائے تھے جب شکست سے دوچار ہوتا ہے اور اس کے جرائم سزا کا تقاضا کر رہے ہوتے ہیں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت جوش میں آجاتی ہے اور آپ زبردست جذبہ برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عام معافی کا اعلان فرما دیتے ہیں۔ آزادی کے حق کا مطالبہ بنیادی حقوق میں سے ہے اس مطالبے پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنا اور بے گھر

آج کے ترقی یافتہ انسان کے لیے سب سے بڑی تہمت ہے اس سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ بین الا قوامی طور پر برداشت بیدار کیا جائے یورپ اور امریکہ کے دانشور اپنے اندر اسلام کی حقیقی تعلیمات کو صحیح طور پر سمجھنے کی برداشت پیدا کریں اس حقیقت کو تسلیم کریں کہ مسلمانوں کو ختم نہیں کیا جا سکتا جب مسلمانوں کو برداشت کرنے کے لیے وہ تیار ہو جائیں گے تو رد عمل کے طور پر مسلمان بھی اسی قسم کے جذبات کا اظہار کریں گے کیونکہ سیرت کا پیغام ان کے لیے یہی ہے وہ جانتے ہیں کہ کس طرح صدیوں تک حکومت کرنے کے باوجود اسلامی ریاستوں کے غیر مسلم باشندوں کو زبردستی مسلمان بننے کے لیے نہیں کہا گیا بلکہ شریعت اسلامی نے تو آج کے بین الاقوامی قوانین سے صدیوں پہلے مستامنین اور ذمیین کے حقوق و فرائض پر مبنی قوانین بنا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کے حقوق کا تحفظ کر دیا اور یہ چیز مسلمانوں کے عقائد میں سے ہے کہ ان کی سرزمین پر موجود غیر مسلم کسی قسم کی عدم تحفظ کا شکار نہ ہوں۔(٦٠) اگر اس قسم کے قوانین دوسری قومیں بھی اپنا لیں تو بین الاقوامی سطح پر بڑھتے ہوئے عدم برداشت کے رجحان کی حوصلہ شکنی کی جا سکتی ہے اور اس کی جگہ جذبہ برداشت کو پروان چڑھایا جا سکتا ہے جو قومی اور بین الاقوامی سطح پر بڑھتے ہوئے تشدد اور انتہا پسندی کا راستہ روک کر اعتدال پسندی اور وسعت قلبی جیسے جذبات کا باعث بن سکتا ہے۔

مقالے کے نتائج

الحمد اللہ عدم برداشت 'برداشت کے قومی اور بین الاقوامی رجحان سے متعلق سیرت طیبہ کی روشنی میں تفاصیل بیان کرنے کے بعد اس تحقیقی مقالہ کو درج ذیل نتائج کے ساتھ مکمل کیا جاتا ہے۔

عدم برداشت کے متضاد کے طور پر استعمال ہوتا ہے جس سے مراد لوگوں کے آزادی عقیدہ کے حق کا عملی اور عقلی اعتراف ہے۔

عدم برداشت کے رجحان کی وجہ سے قومی طور پر علم و فن کی ترقی کے لیے جس قسم کے روشن خیال اور اظہار رائے کی بنیادی حق کی ضرورت ہوتی ہے وہ ناپید ہو جاتا ہے۔

عدم برداشت کے جذبات کی بنا پر کئی اقوام دوسری اقوام کے خلاف اپنے غلط خیالات کو حقیقت سمجھتے ہوئے دوسری اقوام کے حقوق کو غصب کر لیتی ہیں۔

اگرچہ عدم برداشت ایک منفی صفت ہے لیکن بنیادی اصولوں پر سودے بازی نہ کرنا اور تمام ترترغیبات کا مردانہ وار مقابلہ عدم برداشت کے مثبت پہلوؤں میں سے ہے۔

۵۔ اسلامی عقائد کی روح لا اکراہ فی الدین ہے اس لیے کسی دوسرے پر زبردستی اور جبر کے ساتھ اسلا
عقیدہ نہیں ٹھونسا جاسکتا۔

۶۔ اسلامی نظام اخلاق جذبہ برداشت کی نشوونما کا سامان فراہم کرتا ہے حلم وصبر اسی قسم کی وہ صفات ہیں
انسان کو برداشت سکھاتی ہیں۔

۷۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا اور آپ کے بین الاقوامی پیغام کا تقا
ہے کہ اسلام کی تبلیغ صبر اور برداشت سے کی جائے۔

۸۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایک مکمل نمونہ ہے سیرت طیبہ کی عظیم صفات نے ہمیشہ ہمیشہ
لیے آپ کو لوگوں کے دلوں کے قریب کردیا۔

۹۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دین کے راستہ پر بہت سی آزمائشوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا لیکن کبھ
بھی عدم برداشت کا رویہ اختیار نہیں کیا۔

۱۰۔ مدینے میں اسلامی ریاست کا قیام مسلمانوں کو مدینے کی طرف ہجرت کے لیے سازگار حالات کی فرا
اور میثاق مدینہ میں مسلمان اور غیر مسلم باشندوں کا اتحاد آپ کی سیرت طیبہ کے اس پہلو کی وجہ سے
جس سے فریقین میں جذبہ برداشت پیدا ہوا۔

۱۱۔ مسلمانوں کے خلاف جنگیں دراصل مخالفین اسلام کے مسلمانوں کے خلاف عدم برداشت کے رویے
عکاسی کرتی ہیں غزوات میں مسلمانوں کی طرف سے مثبت نتائج کا حصول رسول اکرم صلی اللہ علیہ و
کے دوسروں کو برداشت کرنے کے رویے کی وجہ سے ہی ہوا۔

۱۲۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خارجہ سیاست اور وفود کا استقبال اور اپنے سفراء کی روانگی آپ کی طرف
سے برداشت کا زبردست مظاہرہ ہے۔

۱۳۔ موجودہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر بڑھتے ہوئے عدم برداشت کے رجحان کو سیرت طیبہ کی روشنی
اعتدال کے راستے پر لایا جاسکتا ہے کیونکہ سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ سماجی ترقی کے لیے آج کے انسا
کو برداشت کی اشد ضرورت ہے۔

حوالہ جات

نسیم امروہی، نسیم اللغات، (شیخ غلام علی اینڈ سنز 1970) ص ۴۵

Encyclopaedia of Britanica (Micropedia ready references, encyclopaedia Britanica 1974) vx p 400

تفصیل کے لیے دیکھیں

International Encyclopaedia of the social Sciences (The Macmillan company and the Free press, 1968) p12/439

تفصیل کے لیے دیکھیں

Hartley, Eugeneal, "Problems in Prejudice", (Kings crown press, New yourk1946), p45

تفصیل کے لیے دیکھیں

Dollar, Johmn etal, "Frustration and Aggression", (Institute of Human Relations Yala University Press 1961) P.150

تفصیل کے لیے دیکھیں

Hamid Ullah Muhamma, "Introduction to Islam", (Sh. Muhammad Ashraf, Lahore 1974) p.49 Qutb, Muhammad, "Islam the Misunderstood Religion", (Islamic Publications Ltd, Lhr.1980), P.156

آل عمران: ۲۵۶

غوستاف لوون فرانسیسی فلسفی ہے جسے علوم شرقیہ کا ماہر تسلیم کیا جاتا ہے اگرچہ اس کے بعض نظریات متعصبانہ ہیں لیکن مجموعی طور پر وہ ایک بڑا کاتب شمار ہوتا ہے۔

غوستاف لوبون، حضارۃ العرب، ص ۶۰۵

۱۰۔ سورۃ یونس: ۹۹

۱۱۔ یوسف القرضاوی، شریعۃ الاسلام (خلودھا و لا حھا للتطبیق فی کل زمان و مکان) المکتب الاسل
بیروت / دمشق ۱۹۸۹ء) ص ۵۲

۱۲۔ غوستاف لوبون، نفس المصدر، ص ۱۲۸

۱۳۔ البخاری ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (تحقیق مصطفی دیب البغا، دار ابن کثیر ۱۹۸۷ء) کتاب الادب، باب الحذر من الغضب، حدیث نمبر ۵۷۶۳، ص: ۵ / ۲۲۶۸

۱۴۔ الماوردی (ابو الحسن علی بن محمد) ادب الدنیا والدین، (دار الفکر، بیروت ۱۹۹۵) ص ۱۸۴

۱۵۔ ابن الازرق (ابو عبداللہ محمد بن الازرق) بدائع السلک فی طبائع الملک (تحقیق عبدالرحیم الدار العربیۃ للنشر
تونس ۱۹۷۷) ص ۱۵۱

۱۶۔ المرادی (ابو بکر محمد بن الحسن) کتاب السیاسۃ او الاشارۃ فی تدبیر الامارۃ، (دار البیضاء المغرب
۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱) ص، ۱۳۰

۱۷۔ سورۃ آل عمران: ۱۵۹

۱۸۔ سورۃ الروم: ۴۷

۱۹۔ سورۃ سباء: ۲۸

۲۰۔ سورۃ الاعراف: ۱۵۸

۲۱۔ سورۃ النحل: ۱۲۵

۲۲۔ ابن کثیر (ابو الفداء اسماعیل) البدایۃ والنھایۃ، (b-1 مکتبہ المعارف بیروت ۱۹۶۶ء) ص ۱ / ۲۵۷

۲۳۔ ابن ہشام، (محمد عبدالملک بن ہشام) السیرۃ النبویہ، (دار الجیل بیروت) ص: ۱ / ۱۶۸

۲۴۔ ابن ہشام، نفس المصدر، ص ۱ / ۱۸۲

۲۵۔ ابن سید الناس (محمد بن عبداللہ فتح الدین ابو الفتح) عیون الاثر فی فنون المغازی و الشمائل و السیر، (
دار الجیل بیروت ۱۹۷۴) ص: ۱ / ۵۲

۲۶۔ الشعراء: ۲۱۴۔۲۱۶

۲۷۔ الطبری (ابو جعفر محمد بن جدید) تاریخ الامم والملوک، (دار الفکر للطباعۃ والنشر ۱۹۷۴) ص: ۲ / ۱۷

۲۸۔ البخاری الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب وانذر عشیرتک الاقربین، نمبر ۴۴۹۲، ص: ۴ / ۱۷۸۷

۲۹۔ ابن کثیر (ابو الفداء اسماعیل) البدایۃ والنھایۃ: ص ۳ / ۴۰

۳۰۔ سورۃ المائدۃ: ۶۷

۳۱۔ ابن ھشام، نفس المصدر، ص :۱/۲۴۰۔ الطبری، نفس المصدر، ص :۲/۲۲۰، ابن الاثیر، الکامل، ص :۲/۶۴

۳۲۔ ابن ھشام، نفس المصدر، ص :۱/۲۵۸

۳۳۔ ھیکل محمد حسین، حیاۃ محمد (مطبع مصر، ۱۹۴۷)، ص :۱۴۱

۳۴۔ ابن ہشام، نفس المصدر، ص :۱/۲۶۱

۳۵۔ ابن سید الناس، م۔ن، ص :۱/۱۰۵

۳۶۔ تفصیل کے لیے دیکھیں

البخاری، م۔ن کتاب فضائل، باب مالقی النبی علیه السلام و اصحابه من المشرکین مکة نمبر ۳۶۳۹، ص :۳/۱۳۹۸

۳۷۔ ابن ہشام۔م۔ن، ص :۲/۵۴۔۵۵، الطبری، م۔ن، ص :۲/۲۵۴

۳۸۔ تفصیل کے لیے دیکھیں

البخاری، م۔ن کتاب فضائل الصحابة، باب وفود الانصار الی النبی صلی الله علیه وسلم بمکة و بیعة العقبة نمبر ۳۶۷۰، ص :۳/۱۴۱۵۔۱۴۲۸

۳۹۔ ابن ہشام۔م۔ن ص :۲/۷۲

۴۰۔ Hamid Ullah Muhammad, "The First Writen Constitution" Lahore. (II Edition 1968)P.16-19

ھیکل، حیاۃ محمد، ص :۲۲۷

Afzal Iqbal, "Diplomacy in Early Islam" (Lahore 1988) P41-42

۴۱۔ دیکھئے Gibb, H.A.R, "Muhammadism" (Oxford, 1948) P.27

۴۲۔ عون الشریف قاسم، نشاۃ الدولة الاسلامیة فی عهد الرسول (القاهرة ۱۹۸۱) ص :۴۱

۴۳۔ ابن خلدون (عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون) تاریخ ابن خلدون المسمی بکتاب العبر و دیوان المبتدا والخبر، موسسة الاعلمی للمطبوعات، بیروت ۱۹۷۱ ص ۲/۱۶۔۱۸

۴۴۔ تفاصیل کے لیے دیکھیں

ابن ہشام :م۔ن ص :۲/۲۵۷، الطبری م۔ن ص :۲/۲۵۹، ابن کثیر السیرۃ، ص :۲/۲۶۳

۴۵۔ عبدالمنعم ماجد، التاریخ السیاسی للدولة العربیة (القاهرة۔۱۹۸۶)، ص :۱/۱۱۴

۴۶۔ ھیکل۔م۔ن،ص: ۳۰۳

۴۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیں :ابن ہشام۔م۔ن،۳/ ۷ ۱۳

۴۸۔ الفتح :۱۔۲

۴۹۔ تفاصیل کے لیے دیکھیں

ابن ہشام،م۔ن،ص : ۳/ ۵۰ ابن الاثیر، الکامل،ص : ۲/ ۲۸۵ حمید اللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و
کی سیاسی زندگی (کراچی ۱۹۸۴)ص ۴۴۔۱۱۵

۵۰۔ مسلم، الصحیح،کتاب الجھاد والسیر، باب کتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ملوک الکفار یدعوھم الی اللہ عزوجل
نمبر ۱۷۷۴ص ۳/ ۱۳۳۹

۵۱۔ سورۃ آل عمران :۶۴

۵۲۔ تفاصیل کے لیے دیکھیں :ابن ہشام،م۔ن ص : ۴/ ۱۸۷
الطبری،م۔ن،ص : ۳/ ۸۴ ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، تحقیق عبدالعزیز بن عبداللہ باز، جامعۃ الا
محمد الریاض،ص : ۸/ ۸۴۔الزرقانی (محمد بن عبدالباقی بن یوسف)، المواھب اللدنیۃ (لبنان ۱۹۷۳
ص ۳/ ۳۶۷۔۳۶۸

۵۳۔ تفاصیل کے لیے دیکھیں

ابن سعد، الطبقات الکبری، (بیروت ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء)ص ۱/ ۲۶۰

۵۴۔ ابن ہشام،م۔ن،ص : ۴/ ۱۵۲ ابن الاثیر الکامل،ص : ۲/ ۲۸۶

۵۵۔ ابن ہشام،م۔ن،ص : ۴/ ۲۷۳ المقریزی، امتاع الاسماع :۱/ ۴۹۵

۵۶۔ تفاصیل کے لیے دیکھیں۔ابن سعد،م۔ن،ص :۱/ ۳۵۸ ابن الاثیر، الکامل۔ص : ۲/ ۲۹۳

۵۷۔ ارنولڈ ت۔و، الدعوۃ الی الاسلام ترجمہ حسن ابراہیم (مکتبہ النهمة المصرية)ص :۳۹

۵۸۔ سورۃ الحجرات : ۱۳

۵۹۔ ابن ہشام،م۔ن،ص ۲/ ۱۰۶۔۱۰۸

۶۰۔ ابن قیم الجوزیۃ، احکام اھل ذمۃ (دمشق ۱۹۶۱ء)ص ۴۰۰۔۴۶۵

عدم برداشت کا قومی وبین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وائذن لسحب صلوۃ منک دائمۃ

علی النبی بمنھل و منسجم

"(اے اللہ) اپنے درود و سلام کے بادلوں کو اجازت دے کہ وہ نبی کریم ﷺ پر (درود و سلام) کی موسلا دھار اور لگاتار بارش کریں"۔ (قصیدہ بردہ شریف)

محسن انسانیت، قائد تمدن، امن عالم کے نقیب، رہنمائے کاروان انسانیت، خیر البشر، رحمۃ للعالمین، رؤف ورحیم پیغمبر، معلم کتاب و حکمت، صاحب خلق عظیم، صاحبِ مقام محمود، شاہ امم، خاتم مرسل، مونس دل شکستگاں، پشت پناہ خستگاں، ہادی اکرم، پیغمبر اعظم، جان عالم، فخر عالم، مینارہ نور، جمال اولین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ وہ واحد منبع ہے جس سے عالم اسلام کی زندگی اور انسانی معاشرے کی سعادت کے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات بابرکات پر بے شمار درود و سلام ہوں۔ آپ ﷺ نے اپنے حلم، بردباری اور بے پایاں شفقت و برداشت سے دنیا کو امن کا خطہ بنا دیا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات عالیہ اور لائے ہوئے نظام میں دنیا کی فلاح و بہبود پوشیدہ ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (سورۃ الاحزاب :۲۱)

دور جدید میں امنِ عالم مفقود ہے۔ اخوت، بے مثال ربط و ضبط، ایثار، قربانی اور برداشت و حلم کے جذبے مجروح ہورہے ہیں۔ داغہائے غم اور چراغ سینہ کتنے ہیں۔ بوسینا، لبنان، کشمیر اور دنیا کے دیگر خطوں میں مسلمانوں کا لہو کتنا ارزاں ہے۔ بین الاقوامی دہشت گردی، فرقہ واریت اور اسلحہ کی دوڑ عدم برداشت کی ہی قبیح شکلیں ہیں۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر عدم برداشت کا رجحان لاقانونیت اور انارکی کا سبب بنتا ہے۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۸ء پاکستان کی تاریخ کا ایک سیاہ دن ہے اسی دن عظیم مفکر، اسلام کے داعی، دور جدید کے ہارون الرشید اور ایک عظیم علم دوست شخصیت حکیم محمد سعید کو شہید کر دیا گیا۔ قومی سطح پر عدم برداشت اور تشدد کی یہ ایک مذموم حرکت تھی۔ بین الاقوامی سطح پر

عدم برداشت کا رجحان یورپ اور ریاست ہائے متحدہ کی طرف سے ظاہر ہو رہا ہے۔ عراقی بچوں کی ہلاکت جو ادویات کی بندش کی وجہ سے دم توڑ رہے ہیں ایک عظیم سانحہ ہے اور مغربی ممالک کی بربریت اور عدم برداشت کی مظہر ہے۔ عدم برداشت کے اس رجحان کو ہم تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں روک سکتے ہیں۔

طلوعِ اسلام سے قبل جنگ وجدل، قتل و خون اور عدم برداشت کی کئی مثالیں، ہمیں نظر آتی ہیں۔ بقول زین العابدین میرٹھی (پیغمبر اسلام ﷺ کا پیغام امن وسلام، نقوش، جلد سوم، صفحہ نمبر ۴۶۰)

"ایام العرب کا ایک سلسلہ ہے جو خون کی موجوں کی طرح سارے جزیرہ میں پھیلا ہوا تھا"۔

عرب میں عدم برداشت کی یہ حالت تھی کہ معمولی باتوں پر قبائل کے درمیان جھگڑا ہو جاتا۔ قبل از اسلام کی دو خونیں جنگیں البسوس اور داحس والغبراء کے نام سے مشہور ہوئیں۔ الدکتور حسن ابراہیم حسن (تاریخ الاسلام السیاسی والدینی والثقافی والاجتماعی، جلد اول کے صفحہ نمبر ۵۳ پر) رقمطراز ہیں کہ بسوس کی جنگ چالیس سال تک رہی

"وقت حرب البسوس قبل الاسلام بین قبیلتی بکر و تغلب ابن وائل و کانت هذه الحرب الطاحنة التي دامت اربعين سنة بسبب ناقة كانت تملكها امراه عجوز من بكر تدعى البسوس"

بقول پروفیسر نکلسن بسوس کی جنگ پانچویں صدی عیسوی کے اواخر میں لڑی گئی۔ ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۵۵

(R.A. NICHOLSON, A LITERARY HISTORY OF THE ARABS)

تاریخ عالم عدم برداشت کے واقعات سے بھری پڑی ہے مثلاً بقول اسد سلیم شیخ (رسول اللہ کی خارجی پالیسی) سونواس نے یمن میں خندق کھدوائی اور تیس ہزار کے قریب ان عیسائیوں کو زندہ جلوا دیا جنہوں نے یہودیت اختیار نہ کی۔ صفحہ نمبر ۱۰۹) میں تحریر کرتے ہیں: "اگر کوئی شودر کسی برہمن کو ہاتھ لگائے یا گالی دے تو اس کی زبان تالو سے کھینچ لی جائے"۔ یہ تھا حال ہندومت میں عدم برداشت کا! اسی طرح رومی سلطنت کی تاریخ عدم برداشت کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ یہ تاریخ وحشیانہ سزاؤں اور لرزہ خیز مظالم کی داستانوں سے لبریز ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں درج شدہ مضمون "سپین" کے مطابق ۱۴۹۲ء میں سپین میں اسلامی سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ ساڑھے تین لاکھ مسلمانوں کو مذہبی عدالت میں پیش کیا گیا۔ ان میں سے ۲۸۵۴۰ کو سزائے موت ملی اور ۱۲۰۰۰ کو زندہ جلا دیا گیا۔ بقول رابرٹ بریفو (دی میکنگ آف ہیومینٹی صفحہ نمبر ۲۵۳) ڈیڑھ لاکھ کے قافلے میں سے ایک لاکھ مسلمانوں کو سپین میں قتل کر دیا گیا" ڈاکٹر غلام جیلانی برق اپنی تصنیف "یورپ پر اسلام کے احسان" ص خ ۸۷۔۸۸ پر لکھتے ہیں کہ ۱۶۱۰ء میں تمام مسلمانوں کو سپین چھوڑنے کا حکم دیا گیا۔ ۱۶۳۰ء میں ایک مسلمان بھی سپین میں باقی نہ رہا حالانکہ مسلمانوں نے قریباً پونے آٹھ سو سال حکومت کی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(Robert Briffault. The Making of Humanity)

ولیم جان ڈریپر نے لکھا ہے کہ اٹلی کے پادری آرنلڈ نے پوپ کے خلاف آواز اٹھائی تو عدم برداشت کی یہ حالت تھی کہ اسے ۱۱۵۵ء میں موت کی سزا سنائی گئی۔(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۲۸۶) :

(William Draper, A History of the Intellectual Development of Europe)

عدم برداشت کی چند اور مثالیں ملاحظہ ہوں۔ خون انسانی کی ارزانی کا اندازہ لگائیں :

ا۔	۷۱۰ قبل از مسیح (یروشلم) :	۴۰ ہزار اشخاص ذبح ہوئے
۲۔	۷۱۱ قبل از مسیح (یروشلم) :	ایک لاکھ ۲۰ ہزار اشخاص مارے گئے
۳۔	۷۹۵ قبل از مسیح (یروشلم) :	۵ لاکھ یہودی مارے گئے
۴۔	۷۰ قبل از مسیح (یروشلم) :	۱۱ لاکھ یہودی مارے گئے
۵۔	۱۳۵-۳۶ اق۔م (یروشلم) :	۵ لاکھ ۸۰ ہزار یہودی ذبح ہوئے

جنگ عظیم اول اور دوم میں عدم برداشت کی وجہ سے مندرجہ ذیل انسانی جانیں ضائع ہوئیں :

ا۔	جنگ عظیم اول :	۷۳ لاکھ ۳۸ ہزار افراد مارے گئے
۲۔	جنگ عظیم دوم :	۴ کروڑ اشخاص لقمہ اجل بنے

)حوالہ نقوش 'رسول نمبر' جلد نمبر ۴' صفحہ ۳۱۳)

اس کے مقابل رحمۃ للعالمین ﷺ اور پیکر رحمت ﷺ کے غزوات میں مسلمان شہداء اور کفار مقتولین کی تعداد سیرت نگاروں کے مطابق ۲ ہزار یا تین ہزار سے زیادہ نہیں بنتی۔ یہ ہے برداشت، حلم کی سنہری مثال!

برداشت، عفو و حلم سیرت طیبہ کی روشنی میں

ارباب سیر نے آپ ﷺ کے عفو و حلم' دشمنوں سے درگزر اور ہر زیادتی کرنے والے اور ستانے والے سے حسن سلوک اور ان کے مظالم کو برداشت کرنے کے واقعات تحریر کیے ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کا ارشاد گرامی ہے۔

"آپ ﷺ نے تمام زندگی اپنے اوپر کی گئی زیادتی کا بدلہ نہیں لیا' بجز اس کے کہ خدائی حرمت کو پامال کیا گیا ہو' پس اس صورت میں آپ ﷺ سختی سے مواخذہ فرماتے تھے" (البخاری' جلد نمبر ۳ صفحہ نمبر ۳۹۵)

اہل طائف نے حضور ﷺ سے کیا سلوک کیا مگر ۹ھ میں جب ان کا وفد مدینہ شریف پہنچا تو حضور

اکرم ﷺ نے ان کو صحن مسجد میں مہمان اتارا اور ان سے عزت و حرمت سے پیش آئے۔ رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی نے ہمیشہ درپردہ دشمنوں کی حمایت کی۔ وہ واقعہ افک میں براہ راست ملوث تھا۔ بقول علامہ شبلی نعمانیؒ و علامہ سید سلیمان ندویؒ (سیرت النبی ﷺ، حصہ دوم، صفحہ نمبر ۲۱۱)

"دشمنوں کی شماتت، ناموس کی بدنامی...... یہ باتیں انسانی صبر و تحمل کے پیمانہ میں نہیں سما سکتیں، تاہم رحمت عالم ﷺ نے ان سب باتوں کے ساتھ کیا کیا"۔

البخاری (۱: ۴۴۳، کتاب الجنائز) میں لکھا ہے کہ نہ صرف حضور اکرم ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو معاف کیا بلکہ مرنے کے بعد اسے اپنی قمیض پہنائی اور ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کرنے کا وعدہ فرمایا۔ مفتی اعظم محمد شفیع (معارف القرآن، بذیل سورۃ المنافقون) لکھتے ہیں کہ کئی بار صحابہ کرامؓ نے اسے قتل کی اجازت چاہی مگر حضور ﷺ نے سختی سے منع فرمایا۔

ایک دن ایک بدو آیا اور اس نے آپ ﷺ کی چادر اس زور سے کھینچی کہ آپ ﷺ کی گردن مبارک سرخ ہو گئی۔ آپ ﷺ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا، بولا کہ میرے اونٹوں کو غلہ سے لاد دے۔ اس نے گستاخانہ جملے بھی کہے آپ ﷺ نے اس کے اونٹوں پر جو اور کھجوریں لدوا دیں اور کچھ تعرض نہ فرمایا۔ (بحوالہ علامہ شبلی نعمانیؒ و علامہ سید سلیمان ندویؒ، سیرت النبی ﷺ، حصہ دوم صفحہ نمبر ۲۱۳)

آپ ﷺ کا فرمان تھا: "طاقتور وہ نہیں جو کسی دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ اصل طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت خود پر قابو رکھے"۔ (مسلم، حدیث نمبر ۲۰۱۴) ایک مرتبہ ایک شخص نے نصیحت سننے کی خواہش کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "غصہ نہ کیا کرو اور اسے تین مرتبہ دہرایا" (البخاری، جلد ۴، صفحہ نمبر ۱۳۹)

ایک دفعہ آپ ﷺ نے ایک مسلمان قبیلے کے قحط دور کرنے کی خاطر ایک یہودی زید بن سعیہ سے اسی دینار قرض لیا۔ چنانچہ اسے قبیلے کو خوراک مہیا کر دی گئی۔ ادائیگی کے وقت سے پہلے ہی زید حضور ﷺ کے پاس آیا اور گستاخانہ انداز میں رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ حضرت عمرؓ اس کی گستاخی کو برداشت نہ کر سکے اور حضور ﷺ سے اس کا سر قلم کرنے کی اجازت چاہی، مگر آپ ﷺ نے فرمایا: "اے عمرؓ! تمہیں چاہیے تھا کہ مجھے حسن ادا کی تلقین کرتے اور اسے حسن طلب کی" پھر آپ ﷺ نے نہ صرف اس کے قرض کی فوری واپسی کا حکم دیا، بلکہ بیس صاع (تقریباً دو من) زیادہ کھجوریں دینے کا حکم دیا۔ اس سلوک سے وہ مسلمان ہو گیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۹، صفحہ نمبر ۱۲۹)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی حلم و برداشت کا مظاہرہ فرمایا۔ ایک سال تک رسول اللہ ﷺ چپکے چپکے اشاعت اسلام کی کوشش کرتے رہے جب مسلمانوں کی تعداد چالیس سے زیادہ ہو گئی تو آپ ﷺ

خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور توحید کا اعلان کیا۔ یہ اعلان سن کر کفار مکہ آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑے اور آپ ﷺ کو مارنا شروع کر دیا۔ حضرت حارث بن ابی ہالہؓ حضور ﷺ کو چھڑوانے کے لیے آئے تو کفار نے حضرت حارثؓ کو اتنی تلواریں ماریں کہ وہ شہید ہو گئے۔ یہ اسلام کی مدافعت کے لیے پہلی شہادت تھی۔ آپ ﷺ نے ہر ظلم کو برداشت کیا۔ اعلان نبوت کے بعد تین سال بڑی سختی اور آزمائش کے تھے۔ ابو جہل اور کفار مکہ کی کھلم کھلا مخالفت' مزاحمت' تضحیک اور سب وشتم کے باوجود آپ ﷺ نے تحمل کا مظاہرہ کیا۔ ۵ء نبوی ﷺ سے ۱۰ء نبوی ﷺ تک یعنی حضرت ابو طالب کی وفات تک کفار مکہ نے تشدد کا مظاہرہ کیا۔ حضرت بلالؓ کو ان کا مالک امیہ دوپہر کے وقت تپتی ریت پر لٹاتا' حضرت خباب بن الارتؓ کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا جاتا یہاں تک کہ ان کی پیٹھ کی چربی نکل آتی' حضرت عمارؓ کو اتنا مارا جاتا کہ آپؓ بے ہوش ہو جاتے۔ حضرت صہیبؓ پر ظلم' ابو فکیہہؓ پر ظلم' مسلمان لونڈیوں لبینہؓ' زنیرہؓ' نہدیہؓ اور ام عبیسؓ پر بے پایاں ظلم' حضرت زبیرؓ' ابو ذرؓ اور حضرت سعد بن وقاصؓ پر ظلم اور سفا کی تاریخ اسلام کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ حضور اکرم ﷺ ہر ظلم اور سختی کو برداشت کرتے اور اف نہ کرتے تھے نہ کسی پر ہاتھ اٹھاتے تھے۔ آپ ﷺ صحابہؓ کو بھی صبر اور برداشت کی تلقین فرماتے اسی ظلم کی بناء پر آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ہجرت حبشہ کا حکم دیا۔ نجاشی نے بے پایاں مذہبی رواداری کا مظاہرہ کیا اور مسلمانوں کو پناہ دی۔ شعب ابی طالب کا واقعہ بھی حضور ﷺ کے برداشت اور تحمل کا عظیم واقعہ ہے۔ یہ محاصرہ تین سال تک رہا۔ بنی ہاشم درختوں کی پتیاں اور طلح گھاس کی پتیاں کھا کھا کر زندگی بسر کرتے تھے اور بچے بھوک سے تمام رات روتے تھے۔ محاصرہ کی قید میں رسول اللہ اور بنی ہاشم اتنے کمزور ہو گئے کہ کسی کی صورت نہیں پہچانی جاتی تھی مگر سب نے کمال برداشت کا مظاہرہ کیا۔ حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد بھی آپ ﷺ نے صبر و تحمل کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت خدیجہؓ بھی رخصت ہوئیں۔ اب آپ ﷺ پر غم کا پہاڑ ٹوٹا مگر آپ ﷺ ان مصیبتوں سے نہ گھبرائے اور تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۱۰ء نبوی ﷺ سے ۱۳ نبوی ﷺ مسلمانوں کے لیے انتہائی ابتلاء و مصیبت کا دور تھا لیکن آپ ﷺ نے صبر و برداشت سے دین اسلام کی ترویج کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ ﷺ طائف تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے تو ان بد بختوں نے نہ صرف آپ ﷺ کا پیغام ٹھکرا دیا بلکہ شہر کے غنڈوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ انہوں نے اس قدر پتھر مارے کہ حضور ﷺ لہولہان ہو کر زمین پر گر پڑے آپ ﷺ کے خادم حضرت زیدؓ آپ ﷺ کو باغ میں لے گئے اور آپ ﷺ کے زخم دھوئے۔ آپ ﷺ نے پھر بھی بد دعا نہ دی بلکہ فرمایا "اے الہ تو ان لوگوں کو ہدایت دے۔ یہ نادان ہیں مجھ کو نہیں پہچانتے"۔

اس کے بعد آپ مدینہ تشریف لے گئے۔ راستے میں ہر تکلیف کو برداشت کیا۔ ہجرت مدینہ کے بعد مسجد نبویؐ کی تعمیر میں مزدور بن کر کام کیا۔ آپ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کو جمع کر کے مواخات کا نظام قائم کیا۔ یہ ایثار

بے مثال تھا۔ ہجرت مدینہ کے بعد بھی کفار کی طرف سے ہر حملے کو برداشت کیا اور اپنے مشن میں ڈٹے رہے۔ غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزہ خندق میں صعوبتوں کو برداشت کیا اور دلیرانہ مقابلہ کرتے رہے۔ یکم جنوری ۶۳۰ء مطابق ۱۰ رمضان المبارک ۸ ھ آپ ﷺ دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر عفو و درگزر، رواداری اور برداشت کی ایک عظیم الشان روایت چھوڑی۔ بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ: (رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، صفحہ نمبر ۳۲۶)

"اکیس سال کی غیر منقطع کشاکش کے بعد مکے پر اچانک اسلامی فوج کا قبضہ ہو گیا اور یہ جوہری بم سے بھی زیادہ بے بس کر دینے والا واقعہ تھا.......... سرور کائنات ﷺ نے فتح مکہ پر اہل شہر کو جمع کر کے کیا کہا تھا؟

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء

"یعنی آج تم پر کوئی الزام باقی نہیں۔ جاؤ تم سب کو چھوڑ دیا جاتا ہے"

"کاش کہ کوئی آئزن ہاور، کوئی سٹالن، کوئی میک آرتھر، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل کی توفیق پاتا اور محرومین کی آئندہ انتقامی جنگ کے امکان کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر کے انسان کو امن و چین عطا کر سکتا"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میثاق مدینہ کے ذریعے مذہبی رواداری اور برداشت کا درس دیا بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ (عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، صفحہ نمبر ۷۵)۔

"یہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور تھا"

آپ ﷺ نے غیر مسلموں کو ایک قومیت کی لڑی میں پرو دیا۔ بقول محمد حسین ہیکل (حیات محمد صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ نمبر ۲۷۰) "معاہدین کی یہ بستی (شہر مدینہ) اسؑ میں رہنے والوں کے لیے امن کا گہوارہ بن گئی"

آپ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں بین الاقوامی امن، رواداری اور برداشت کا درس دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا

"لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے کے لیے ایسی ہی حرام ہیں جیسا کہ تم آج کے دن اس شہر کی اس مہینہ کی حرمت کرتے ہو.........."

"خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو"

(حوالہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین ﷺ جلد اول، صفحات ۳۰۱ سے ۳۰۵ تک)

الغرض آپ ﷺ کی تعلیمات میں مسلم امہ کی محرمات کی تعظیم، ان کے باہمی حقوق کا احترام اور ان پر رحمت اور شفقت کے بارے میں بے شمار ارشادات ہمارے سامنے موجود ہیں۔ آپ ﷺ حریت کا فرمان ہیں،

انصاف کا سرچشمہ ہیں اور انسانی مساوات و برداشت کا پیکر ہیں آپ ﷺ نے ہمیشہ حلم و بردباری کی تعلیم دی۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

عن ابی ھریرۃ ان رجلا قال للنبی صلی اللہ علیه وسلم اوصنی قال لا تغضب فرد د ذالك مرا را قال لا تغضب............رواہ البخاری

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت! مجھے کچھ وصیت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غصہ مت کیا کرو۔ اس شخص نے پھر اپنی وہی درخواست کئی بار دہرائی کہ حضرت مجھے اور وصیت فرمائیں مگر آپ ﷺ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ غصہ مت کیا کرو" اگر ہم ان تعلیمات عالیہ پر عمل کریں تو ہماری زندگیوں میں انقلاب آجائے! حضور ﷺ کے چند اور واقعات ملاحظہ ہوں جن سے آپ ﷺ کے برداشت کا پتہ چلتا ہے۔

وحشی نے حضور ﷺ کے محبوب ترین چچا حضرت حمزہؓ کو بڑی بے دردی سے قتل کیا تھا' وہ مکہ سے بھاگ کر طائف چلا گیا۔ طائف کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رحمت عالم ﷺ کے دامن میں پناہ لی اور اسلام قبول کر لیا۔ حضور ﷺ نے برداشت فرماتے ہوئے صرف اتنا کہا : میرے سامنے نہ آیا کر' تمہیں دیکھ کر مجھے چچا کی یاد آتی ہے۔ (حوالہ صحیح بخاری' قتل حمزہ) ملاحظہ ہو تفصیل کے لیے سیرت النبی ﷺ جلد دوم' صفحہ نمبر ۲۱۴)

ابو سفیان کی بیوی ہندہ نے حضرت حمزہؓ کا سینہ مبارک چاک کیا تھا اور دل و جگر کے ٹکڑے کیے تھے' فتح مکہ کے موقع پر نقاب پوش ہو کر آئی تا کہ حضور ﷺ پہچان نہ سکیں اور امان بھی مل جائے۔ حضور ﷺ نے پہچاننے کے باوجود اسے برداشت کیا اور معاف فرمادیا۔

عکرمہ ابو جہل کے بیٹے تھے' فتح مکہ کے موقع پر یمن بھاگ گئے۔ ان کی زوجہ مسلمان ہو چکی تھیں' وہ یمن گئیں اور عکرمہ کو مسلمان کیا اور تسلی دی اور حضور ﷺ کے دربار اقدس میں لائیں۔ حضور ﷺ فرط مسرت سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے عکرمہؓ کی طرف بڑھے کہ آپ ﷺ کے جسم اطہر پر چادر تک نہ تھی۔ آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ کمال برداشت اور عفو و درگزر کی عکاسی کرتے ہیں :

مرحبا بالراکب المھاجر

'اے ہجرت کرنے والے سوار! تمہارا آنا مبارک ہو" (مشکوۃ : کتاب الادب) نیز سیرت النبی ﷺ (جلد دوم' صفحہ ۲۱۵)

فتح مکہ کے موقع پر صفوان بن امیہ جو قریش کے سرداروں میں سے تھا' بھاگ کر جدہ پہنچا اور سمندر کے راستے یمن جانا چاہتا تھا اس نے عمیر بن وہب کو انعام کی لالچ دے کر حضور ﷺ کو قتل کرانا چاہا تھا۔ عمیر

حضور علیہ کے پاس حاضر ہوئے اور حضور علیہ سے صفوان کے لیے امان کی درخواست کی۔ حضور علیہ نے اپنا عمامہ مبارک بطور امان کی نشانی عطا فرمایا۔ صفوان دربار رسالت میں عمیرؓ کے ہمراہ حاضر ہوا۔ اسے چار ماہ کی مہلت ملی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ اس واقعہ سے بھی حضور علیہ کے حلم، برداشت اور عفو کی ایک روشن مثال ملتی ہے۔

حضور انور علیہ نے سار بن اسود کو بھی معاف فرمادیا جس نے حضور علیہ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو مکہ سے مدینہ شریف ہجرت کے دوران اونٹ سے گرا کر سخت زخمی کر دیا تھا۔ فتح مکہ کے وقت وہ بھاگ کر ایران جانا چاہتا تھا، خود دربارِ رسالت مآب علیہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور علیہ کے احسانات اور علم و عفو کے پیش نظر اقبال جرم کرتا ہے۔ اس نے ایسے جرائم بھی کیے تھے جن کی وجہ سے اسے فتح مکہ کے وقت اشتہاران قتل میں شامل کیا گیا تھا۔ حضور علیہ نے تمام تر جرائم اور اس کی زیادتیوں کو برداشت کرتے ہوئے اسے معاف فرمادیا۔ چنانچہ سہارؓ نے اسلام قبول کر لیا۔

ابو سفیان اسلام کے دشمن تھے۔ بدر سے لے کر فتح مکہ تک جتنی لڑائیاں ہوئیں ان میں ان کا ہاتھ تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر گرفتار ہوئے۔ حضرت عباسؓ ان کو لے کر دربار رسالت ماب علیہ میں لائے۔ حضور علیہ ان سے شفقت اور محبت سے پیش آئے۔ حضرت عمرؓ انہیں قتل کرنا چاہتے تھے لیکن حضور علیہ نے انہیں منع فرمادیا۔ حضور علیہ نے ابو سفیان کے گھر کو امن و امان کا مقام قرار دے کر بے پایاں درگزر اور برداشت کی ایک روشن مثال قائم فرمادی۔ دنیا کے کسی اور فاتح سے برداشت اور عفو کی ایسی مثال سامنے نہیں آتی۔ تاریخ اسلام حضور اکرم علیہ کی بے پایاں مروت اور برداشت کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ اب عدم برداشت کے قومی رجحان پر بحث کی جائے گی۔

عدم برداشت کا قومی رجحان

پاکستان ۱۹۴۷ء میں دو قومی نظریے کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ پاکستان کے لیے مسیحا لطف بہ داماں بھی تھے اور قوم کے درد کا درماں بھی تھے۔ اس وطن کے لمس کی خوشبو، فاصلوں کی دھول، نگر نگر، گرد سفر، طلوع سحر، مہکتے جنگل، سلگتی شام، چنچل سلونی شام، بابائے قوم کے شہر کراچی کے لب ساحل، ساگر میں ڈوبتے ستارے، یہ حرف و صوت کے سائے، یہ خوابناک کھنڈر، بابائے شہر کراچی کے لبِ ساحل کی خونیں لہریں عجیب اور مہیب احساسات پیدا کر رہی ہیں:

جمیل ریت پہ کس کے نشاں ڈھونڈتے ہو
وہ شام خراب ہوئی اور وہ قافلہ بھی گیا

قائداعظمؒ کی یہ دھرتی ہم نے بڑی قربانیوں کے بعد حاصل کی تھی۔ یہ ۷۹۶۰۹۵ مربع کلو میٹر دھرتی بڑی کاوشوں کے بعد حاصل کی گئی تھی۔ قائداعظمؒ نے ڈھاکہ کے ایک جلسہ عام میں ۲۱ مارچ ۱۹۴۸ء کو خطاب کرتے ہوئے سرور کونین ﷺ کا وہ درس دھرایا تھا جو امت مسلمہ کی وحدت اور ترقی کا ضامن ہوتا ہے۔

"میں چاہتا ہوں کہ آپ بنگالی' پنجابی' سندھی' بلوچی اور پٹھان وغیرہ کی اصطلاحوں میں بات نہ کریں۔ میں مانتا ہوں یہ وحدتیں اپنی اپنی جگہ موجود ہیں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ وہ سبق بھول گئے جو تیرہ سو سال پہلے آپ کو سکھایا گیا تھا؟ اسلام نے ہمیں یہی سبق دیا ہے اور آپ یقیناً مجھ سے اتفاق کریں گے کہ آپ خواہ کچھ بھی ہوں اور کہیں بھی ہوں' اول و آخر مسلمان ہیں"۔

ایک اور مقام پر بابائے ملتؒ نے ارشاد فرمایا تھا:

"اسلام اور اس کے نظریات نے ہمیں شخصی آزادی کا سبق دے رکھا ہے۔ ہر شخص سے انصاف' رواداری اور مساوی برتاؤ اسلام کا بنیادی اصول ہے"۔ (جنوری ۱۹۴۸ء کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب)

ہم رواداری' حلم و بردباری اور برداشت کا یہ سبق بھول گئے اور ۱۹۷۱ء میں آدھا ملک گنوا بیٹھے۔

برطانوی صحافی ڈیوڈ لیوشک کی کتاب' پاکستان کرائسس ہمارے بنگالی بھائیوں کے ساتھ زیادتیوں اور عدم برداشت کی منہ بولتی تصویر ہے۔ ملاحظہ ہو:

(David Loshak, Pakistan Crisis)

پاکستان آج بے شمار مسائل سے نبرد آزما ہے۔ اس پر بے شمار خطرات منڈلا رہے ہیں۔ فکری انتشار' خدمت الناس کے جذبے سے عاری اور عدم برداشت کی عادی بیوروکریسی اور کرپٹ ٹیکنوکریسی' مجرمانہ تغافل' ثقافتی کنفیوژن' ثقافتی روایات کی توڑ پھوڑ' محبت' یگانگت' انسیت اور اپنائیت کا فقدان' مختلف قومیتوں کا اندیشہ' لسانی گروہ بندی' علاقائی عصبیتیں' صوبہ واریت' صوبائی تعصب' ذات' برادری' علاقائی تفاوت' رنگ اور نسل کی بنیاد پر عدم برداشت اور تعصب مذہبی رہنماؤں اور تنظیموں میں عدم برداشت کا رجحان' مذہبی فرقہ واریت اور دہشت گردی کا رجحان اتحاد بین المسلمین کا فقدان' اسلام دشمن اور ملک دشمن عناصر اور تنظیموں کا منفی کردار' دلوں پر نفرتوں کا بوجھ' دماغوں پر آلودگیوں کا انبوہ' جسم پر موٹے موٹے منافقت کے لبادے' اغوا' قتل' اغوا برائے تاوان' ڈاکے' بھیانک جرائم' سیاسی اور مذہبی رہنماؤں کا قتل' عصمت دری' خانہ سوزی' جسم سوزی' گولیوں کی گھن گرج' نت نئے بسائے جانے والے قبرستان' ظلم کی کالی راتیں' گھر جلائے ہیں مشعلوں کی طرح' الغرض خوشرنگ زمین کو خون رنگین میں بدل دیا گیا۔ یہ سب عدم برداشت کی قباحتیں ہیں۔

پاکستان میں عدم برداشت کا رجحان ملک کی سلامتی' بقا اور ترقی کے لیے رکاوٹ ہے۔ عدم برداشت کا

رجحان حسب ذیل شعبوں میں ہے:

۱۔ قومی سیاست میں عدم برداشت کا رجحان

۲۔ معاشرتی امور میں عدم برداشت کا رجحان

۳۔ مذہب میں عدم برداشت کا رجحان

۱۹۴۷ـ۵۸ کا دور پاکستان کے لیے ابتلاء کا دور تھا۔ خواجہ ناظم الدین' غلام محمد اور اسکندر مرزا کے دور میں سیاست میں عدم برداشت کا رجحان رہا۔ عدم برداشت کا مظاہرہ آئین ساز اسمبلی توڑنے کی صورت میں کیا گیا۔ ۱۹۶۹ـ۷۱ء کے دوران ہم نے مشرقی پاکستان سے عدم برداشت کا مظاہرہ کیا۔ گو مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں بین الاقوامی سیاست بھی کارفرما تھی تاہم ہم اپنے آپ کو کسی صورت میں بھی بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے۔ ۱۹۷۳ء میں پہلی بار عوامی آئین بنا۔ اس کے آرٹیکل نمبر ۲۰ کے ذریعے مذہب کی آزادی کا تصور دیا گیا۔ نیز آرٹیکل نمبر ۳۶ کے تحت اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کیا گیا۔ ۱۹۸۸ـ۹۶ء کے دوران میں بھی قومی سیاست میں عدم برداشت کا رجحان رہا۔ اب مجوزہ پندرہویں ترمیم میں بھی اقلیتوں کو برداشت کرنے اور ان کے حقوق کی پاسبانی کا ذکر ہے۔

معاشرتی امور میں عدم برداشت کا رجحان انتہائی مضر ہے۔ پاکستانی معاشرے میں اخوت کا جذبہ کم ہوتا نظر آرہا ہے۔ معیشت تباہی کے دہانے پر آن کھڑی ہوئی ہے۔ اس سے جرائم میں اضافہ ہورہا ہے۔ غریب لوگ غربت کو برداشت نہیں کرپاتے اور خودکشی کا سہارہ لیتے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کو معاف نہیں کرتے۔ اوروں کی زیادتیوں کو درگزر نہیں کرتے جس سے جھگڑے اور فسادات عام ہوگئے ہیں۔ کراچی کا مسئلہ عدم برداشت کی وجہ سے گھمبیر ہوتا چلا جارہا ہے۔ سندھ کے اندر سندھی بولنے والوں "مہاجروں' پنجابیوں اور پختونوں میں کشمکش ہے نااتفاقی اور عدم برداشت کا رجحان ہے۔ امن وامان کا یہ مسئلہ فوری حل طلب ہے۔ حکومت کی قوت نافذہ اس مسئلے کے سامنے عاجز ودرماندہ ہے۔ اندرون سندھ ڈاکوؤں کی سرگرمیاں اور ان کے ٹھکانوں کا قلع قمع صرف فوجی ایکشن کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ کراچی ایک کاسموپولیٹن شہر ہے اور اس کی ترقی کے لیے خصوصی ترقیاتی پلان کی ضرورت ہے۔ اس کے شہریوں کا مسئلہ معاشی بھی ہے۔ اس وجہ سے وہ ایک دوسرے کو برداشت نہیں کرتے۔ مالی طور پر خوشحال ہوں گے تو برداشت اور رواداری کا جذبہ بھی اجاگر ہوگا۔ الغرض کراچی شہر کے امن وامان کا مسئلہ اس صورت میں حل ہوگا جب تمام پاکستان کی معیشت بہتر ہوگی۔ سندھ میں غیر جانبدار مردم شماری بھی اشد ضروری ہے تاکہ ملکی منصوبہ بندی اور ترقی میں وہاں کے عوام کو مناسب حصہ ملے۔ ایک اندازے کے مطابق سندھ میں دس لاکھ غیر ملکی باشندے ہیں مثلاً کنسلٹنٹ وغیرہ' انہیں بھی ملک بدر کرنے کی ضرورت ہے۔ (ملاحظہ ہو ڈاکٹر محمد

روق خان 'اکیسویں صدی اور پاکستان' صفحہ نمبر ۴۰۹)

سندھ ایک کثیر اللسانی صوبہ بھی ہے۔ جولائی ۱۹۷۱ء اور جنوری ۱۹۷۲ء میں ہونے والے لسانی فسادات ی عدم برداشت کی ایک بدترین مثال ہیں۔ موسیٰ خان جلال زئی کے مطابق کراچی میں لسانی گروہ بندی حسب ذیل ہے۔

اردو بولنے والے مہاجرین : ۵۴٫۳ فیصد

پنجابی بولنے والے شہری : ۱۳٫۶ فیصد

پشتو بولنے والے شہری : ۸٫۷ فیصد

سندھی بولنے والے شہری : ۶٫۳ فیصد

ماخذ (Musa Khan Jalalzai, Sectarianism and politico Religious Terrorism in Pakistan, pp.203-204)

جان رچرڈ ٹھکراہ کے مطابق پاکستان میں مذہبی جماعتوں میں بھی عدم برداشت کی وجہ سے فرقہ واریت نے جنم لیا ہے۔ ان کے مطابق بلوچستان میں سرداری نظام عدم برداشت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ بلوچستان میں ۲۵ ہزار وریلے موجود ہیں جو علیحدگی پسند ہیں۔ صوبہ سرحد میں ۳ ملین سے زیادہ پٹھان مرکزی حکومت کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور وہ پختونستان کی شکل میں علیحدگی چاہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو :

(John Richard Thakrah, Encyclopaedia of Terrorism and Political Violence, pp.1961, 176-77

فرقہ واریت...... عدم برداشت کی بدترین شکل

قرآن حکیم نے اتفاق اور اتحاد کا درس دیا۔ سورۃ آل عمران کی آیت مبارکہ نمبر ۱۰۳ میں ارشاد ہے :

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا و لا تفرقوا

"مضبوط پکڑو اللہ کی رسی اور آپس میں تفرقہ نہ کرنا"

مذہبی منافرت کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہے :

و قالت الیہود لیست النصری علی شیء و قالت النصری لیست الیہود علی شیء و ھم یتلون الکتب کذلك قال الذین لا یعلمون مثل قولھم (سورۃ البقرہ : ۱۱۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اتفاق اور برداشت کا حکم دیا۔ صحیح مسلم میں ہے :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں' تین باتوں سے خدا خوش ہوتا ہے۔ایک تو یہ کہ اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کی رسی کو اتفاق سے پکڑو اور فرقوں میں نہ بٹو" (حوالہ تفسیر ابن کثیر' اردو ترجمہ' جلد اول' صفحہ ۴۶۲)

اشرف ظفر اپنی تالیف مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی' قرآن حکیم کی روشنی میں۔ایک جائزہ'ایک تجزیہ کے صفحات ۳۱۔۳۰ پر رقم طراز ہے:

"فرقہ بندی کے نتائج بھیانک ہیں۔ان کی وجہ سے عناد' حسد'بغض' محکومی' محتاجی' خوف و حزن کا زہر ہلاہل اور عزت نفس کی تباہی' اصول پرستی کی بجائے شخصیت پرستی اور شخصیت پرستی میں بھی انتہا پرستی' نتیجتاً سرکشی دلوں کی پژمردگی' دل گرفتاری اور پریشان حالی اور پریشان خیالی' یاس و ناامیدی' صلاحیت سلبی اور جنگ و جدال تک نوبت آجاتی ہے۔اس مقصد کے لیے کتنی فقہیں مرتب ہوئیں۔اور آہستہ آہستہ یہ دوری کفر کے فتوؤں تک جا پہنچی حتیٰ کہ ہر مسجد کی پیشانی پر فرقہ کے بت کا کارڈ چسپاں کر دیا گیا"۔

مسلمان فرقہ بندی کی وجہ سے مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ شعیہ' سنی' حنفی' دیوبندی' بریلوی' اہلحدیث اور نقشبندی کہلانے لگ گئے۔ وطن عزیز میں فرقہ واریت کی آگ نے ہمیں پوری لپیٹ میں لے لیا ہے۔ سپاہ محمد اور سپاہ صحابہ کی محاذ آرائی اور متشدد رویہ ہماری معاشرتی اور مذہبی جڑوں کو کھوکھلا کر رہا ہے۔

شجاعت ترمذی عارفی اپنی تصنیف فرقہ واریت :ایک تجزیہ کے صفحہ نمبر ۷ ۲ اور مولانا سید مناظر احسن گیلانی اپنی تصنیف' مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ کے صفحہ نمبر ۱۲۴ پر فرقہ واریت کے مضر اثرات کا ذکر کرتے ہیں الغرض فرقہ واریت عدم برداشت کی ایک بدترین شکل ہے۔یونیورسٹی آف ہل کے پروفیسر نیول او سلیوان تحریر کرتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں ۸۰۰ ملین سنی مسلمان ہیں جو ۱۱۰ ملین شیعہ مسلمانوں کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(Noel O'sullivan, Terrorism, Ideology and Revolution, p.122)

دہشت گردی......دور جدید میں عدم برداشت بھیانک شکل

دہشت گردی دور جدید میں عدم برداشت کی ایک بھیانک اور خوفناک شکل ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں دہشت گردی اور لاقانونیت زوروں پر ہے۔ عدم برداشت جب اقوام عالم میں بڑھ جائے تو پھر یہ دہشت گردی کی بدترین شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔یورپ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے ماہرین عمرانیات اور سکالرز نے ان اہم موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور دور جدید میں اس کی قباحتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ آج انسانیت بربادی اور کشت و خون کے

دہانے پر کھڑی ہے۔ اخوت 'برداشت' باہمی ہمدردی اور محبت کا فقدان ہے۔ جان رچرڈ تھکراہ سے لے کر سٹیون ایزدون تک سب مغربی سکالرز نے دہشت گردی کو دور جدید کا المیہ کہا ہے اور اس کی وجہ عدم برداشت بتلائی ہے۔
اس موضوع پر گفتگو ان مغربی سکالرز کی تصانیف کی روشنی میں کی گئی ہے۔

1. (Paul Wilkinson and A.M. Stewart, Contemporary Research on Terrorism)
2. (Steven Anzovin, Terrorism)
3. (Juliet Lodge, Terrorism a challenge to the State)
4. Bard E.O. Neill, Insurgency & Terrorism)
5. (A.R. Norton,Terrorism (Article) in Oxford Encyclopaedia of the Modern Islamic World, Vol. iv)
6. (John L. Esposito, Islamic Threat: Myth or Reality)

وقت کی اہم ضرورت ہے کہ دہشت گردی کے مسئلے کا بین الاقوامی طور پر حل تلاش کیا جائے بین الاقوامی برادری اس مسئلے کی نزاکتوں اور اس کی ہولناکیوں سے پوری طرح بے خبر ہے۔
مثلاً سٹیون ایزدون دہشت گردی کے بارے میں لکھتا ہے کہ ۱۹۶۸ء سے ۱۹۸۶ء تک دنیا کے ۱۱۷ ممالک دہشت گردی کا شکار ہوئے مثلاً لاطینی امریکہ 'مشرق وسطی' شمالی افریقہ 'شمالی امریکہ' جنوبی یورپ اور ایشیا۔
وہ رقمطراز ہے:

"Terrorism affects the world equally" (Steven Anzovin, Terrorism, p.11

امریکہ میں لاقانونیت اور جرائم کی صورت حال ملاحظہ ہو: (یہ اعداد و شمار ۱۹۹۵ء کے ہیں)

Crime (Rate Per 1.00.000)

کل جرائم:	۵۲۷۷٫۶
بھیانک جرائم:	۶۸۴٫۶
قتل:	۸٫۲
زنابالجبر:	۳۷٫۱
سرقہ بالجبر:	۲۲۰٫۹

تشدد کے واقعات : ۴۱۸۶۳

ماخذ : (World Almanac and Book of facts p.959)

مغربی سکالرز نے دہشت گردی کی مندرجہ ذیل اقسام گنوائی ہیں مثلاً :

۱۔ سیاسی دہشت گردی

۲۔ مذہبی دہشت گردی

۳۔ بین الاقوامی دہشت گردی

۴۔ اقوام میں آزادی کی تحریکیں

پال ولکنسن اور اے ایم سٹیوارٹ نے تو مسلمانوں کے جہاد کو بھی دہشت گردی کا نام دیا ہے۔ یہ ان کا انتہائی متعصبانہ نظریہ ہے۔ ملاحظہ ہو ان کی تصنیف

(Paul Wilkinson and A.M. Stewart, Contemporary Research on Terrorism, pp.55-56

عدم برداشت کا بین الاقوامی رجحان

سورۃ روم کی آیت مبارکہ نمبر ۴۱ میں فساد فی البر والبحر کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ فساد عالمی سطح پر ہے اور اس کی اصل وجہ عدم برداشت ہے جو اقوام عالم کا وطیرہ بن چکا ہے۔ ارشاد ربانی ہے :

ظهر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقهم بعض الذی عملوا لعلهم یرجعون

دور جدید بدترین قسم کا فساد پہلی جنگ عظیم اور دوسری جنگ عظیم کی صورت میں دیکھ چکا ہے۔ جانی نقصانات کے علاوہ مالی نقصانات کی ہولناکیوں کا اندازہ اعداد و شمار سے لگایا جا سکتا ہے۔ :

۱۔ پہلی جنگ عظیم میں خرچ کا تخمینہ : ۸۰ ارب پونڈ

۲۔ جنگ عظیم دوم میں ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۴ء روزانہ وہ رقم جو صرف برطانیہ جنگ پر خرچ کرتا رہا ساڑھے ۱۹ کروڑ پونڈ

بین الاقوامی سطح پر عدم برداشت کی وجہ سے ہر سو ایک فساد برپا ہے۔ افغانستان، کشمیر، فلسطین، بوسنیا، چیچنیا، اریٹیریا، صومالیہ، الجزائر اور دنیا کے دیگر گوشوں میں امن مفقود رہا ہے۔ عدم برداشت کا رجحان اسلحہ کی دوڑ اور ایٹمی پھیلاؤ کی صورت میں نمودار ہو کر اقوام عالم میں عدم تحفظ کا احساس پیدا کر رہا ہے۔

اس صدی میں عدم برداشت کے رجحان نے اقوام عالم کے امن کو پارہ پارہ کر دیا۔ چنانچہ ایک عالمگیر فساد

برپا ہوا۔ چین کی خانہ جنگی (۴۹۔ ۱۹۴۵ء) کوریا کی جنگ (۵۳۔ ۱۹۵۰ء) انڈونیشیا میں فسادات (۶۵۔ ۱۹۵۸ء) کانگو میں خانہ جنگی (۶۴۔ ۱۹۶۰ء) الجیریا اور مراکش کے مابین جھگڑا (۱۹۶۳ء) یمن میں خانہ جنگی (۶۹۔ ۱۹۶۲ء)، ویت نام کی جنگ (۷۲۔ ۱۹۶۵ء) نائیجیریا میں خانہ جنگی (۷۰۔ ۱۹۶۷ء) مصر اور اسرائیل کی جنگ (۱۹۶۷ء)، پاکستان اور انڈیا میں جنگیں ۱۹۷۱ء، ۱۹۶۵ء) انگولا میں خانہ جنگی (۷۶۔ ۱۹۷۵ء) کمبوڈیا میں بحران (۷۹۔ ۱۹۷۸ء) افغانستان کی جنگ (۱۹۷۸ء) اور دیگر ممالک میں جنگیں اقوام کے درمیان عدم برداشت کے رجحان کی وجہ سے ہوئیں۔ اس صدی کے اواخر میں روسی قیصریت کا عظیم الشان قصہ آناً فاناً کھوکھلا ہو گیا۔ روسی اشتراکیت نے بدترین عدم برداشت کا مظاہرہ کیا۔ روسی کمیونزم کی زد میں آکر ہلاک ہونے والوں کی تعداد اڑھائی کروڑ سے چار کروڑ کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ آج دنیائے اسلام نئے عالمی نظام کی زد میں ہے۔ عالم اسلام انڈونیشیا سے مراکش تک اور اندلس سے یمن تک عیسائیت' اشتراکیت' اشتمالیت' سوشلزم' لادینیت' افرنجیت' برہمنیت اور مغربی طاغوتی طاقتوں کے جال میں جکڑا ہوا ہے۔ مغرب کی یہودی لابی نے دنیائے عرب کی پیٹھ میں اسرائیل کا چھرا گھونپ دیا ہے۔ اہل مغرب آج برداشت اور حلم کے جذبے سے عاری نظر آتے ہیں۔ آج پھر وہ صلیبی ذہنیت کے ساتھ مسلمانوں کو دیکھ رہے ہیں۔ فلسطین' کشمیر' عراق' ایران اور لیبیا پر حملے اسی جذبے کا اظہار ہیں۔ بوسنیا میں مسلمانوں کی نسل کشی کا یہ سلسلہ صلیبی جنگوں کا ہی حصہ ہے۔ (بحوالہ نیوز ویک Newsweek" ۱۱ جنوری ۱۹۹۳ء)

آج اقوام متحدہ (UNO) اپنے ایوانوں سے بوسنیا کے نہتے مسلمانوں کے ساتھ کی جانے والی سفاکی کے نظارے دیکھ رہی ہے۔ وہ یورپ جو گھریلو جانوروں اور پالتو جانوروں اور پرندوں سے شفقت سے پیش آتا ہے' آج ان معصوم بوسنیائی مسلمانوں کی تڑپتی لاشوں کو دیکھ کر ٹس سے مس نہیں ہو رہا۔ آج مغرب اس واقعہ کی یاد تازہ کر رہا ہے جب یروشلم میں صلیبی سپاہیوں نے مسجد عمر میں گھس کر نہتے مسلمانوں کا قتل عام کیا تھا۔ ایک عینی شاہد لکھتا ہے کہ اس وقت دل ہلا دینے والے شور و غل میں کسی کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ مسجد عمر کے صحن میں خون سواروں کے ٹخنوں اور گھوڑوں کی رکابوں تک پہنچ رہا تھا۔ ستر ہزار سے زائد مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا۔ یہ تھی عدم برداشت کی ایک دلدوز داستان! اس کے برعکس حضرت عمرؓ جب فلسطین کی فتح کے بعد جب شہر میں داخل ہوتے ہیں تو حکم دیتے ہیں کہ راہبوں پر تلوار نہ اٹھاؤ' عبادت گاہوں کو مسمار نہ کرو۔ آپؓ وہاں کے بشپ کی اجازت حاصل کر کے ان کے گرجے میں نماز ادا فرماتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو شبلی نعمانیؒ الفاروق' جلد اول' صفحہ نمبر ۱۷۴)

سربیا کے عیسائیوں کی درندگی اور مظالم "صلیبی جنگجوؤں" کی آدم خوری کی یاد دلاتے ہیں تاریخ گواہ ہے کہ صلیبی جنگجو مسلمانوں کے گوشت کو بطور ٹانک اور دوا کے استعمال کرتے تھے۔ دو ہزار ترک قیدیوں کے سر کاٹے

گئے۔ کچھ سروں کی ٹرافیوں کے طور پر نمائش کی گئی۔ اہل مغرب کی درندگی اور بوسنیا کے کلمہ گو مسلمانوں سے تشدد اور عدم برداشت کے واقعات کئی ہیں۔ ایک روح فرسا واقعہ ملاحظہ ہو (بحوالہ نیوز ویک Newsweek ۷ اگست ۱۹۹۲ء)

"مشرقی بوسنیا کے علاقے تزلا کے قرب وجوار میں ایک غم سے نڈھال عینی گواہ کے مطابق تین مسلمان لڑکیوں کو جنگلے سے باندھ دیا گیا۔ ان سے اجتماعی آبروریزی کی گئی پھر تین روز کے بعد ان لڑکیوں پر پٹرول چھڑک کر خاکستر کر دیا گیا"۔

کہاں تک ہم سے لو گے انتقام فتح ایوبی
دکھاؤ گے ہمیں جنگ صلیبی کا سماں کب تک

(علامہ شبلی نعمانیؒ)

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: پروفیسر ڈاکٹر محمود علی کی تالیف (بوسنیا: صلیبی جنگیں اور نیا عالمی نظام)

مستشرقین نے ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت ہمارے صبر کو آزمانے کی کاوش جاری رکھی ہے وہ بعض ایسی حرکات کر اٹھتے ہیں کہ مسلم امت کی برداشت سے باہر ہو جاتی ہے۔ ولیم میور سے سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسے بدنام زمانہ مصنفین کی مغربی ممالک میں عزت افزائی ہوتی ہے۔ وہ حضور ﷺ کی ذات اقدس کو برداشت ہی نہیں کرتے اور مذموم ترین گستاخی کر کے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرتے ہیں۔

مغربی دنیا مسلمانوں کو کسی صورت میں بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ روس کے انخلاء کے بعد اب ان کا سب سے بڑا دشمن عالم اسلام ہے۔ کبھی وہ مسلمانوں کو بنیاد پرست کہتے ہیں اور کبھی دہشت گرد۔

بین الاقوامی سطح پر عدم برداشت کا رجحان بدترین شکل میں دوسری جنگ عظیم اول میں نظر آیا جب ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم پھینکے گئے۔ ماضی قریب میں روس نے اپنی جارحیت کا مظاہرہ مشرقی یورپ میں بھی کیا نیز اسلحہ کی ترسیل مختلف ممالک کو کی گئی۔ اسلحہ کا استعمال عدم برداشت ہی کی ایک شکل ہے۔ بقول آصف حسین روس کی طرف سے اسلحہ کی ترسیل کے چند اعداد وشمار ملاحظہ ہوں:

۱۔ اسلحہ جو فروخت کیا (۷۷۔۱۹۷۳): ۲۳ء۴ بلین امریکن ڈالر
۲۔ معاہدہ وارسا کے ممالک کو ترسیل: ۷ء۸ بلین امریکن ڈالر
۳۔ مشرقی وسطیٰ کو ترسیل (۷۹۔۱۹۵۶): ۵۳ فیصد اسلحہ
۴۔ غیر مغربی ممالک کو ترسیل (۸۱۔۱۹۵۵): ۴ء۳ بلین امریکن ڈالر

(Asaf Hussain. Political Terrorism & the state in the Middle East, p.61)

چند سال پہلے انڈیا نے عدم برداشت کی ایک بھونڈی مثال قائم کی۔ بابری مسجد پر لاکھوں ہندوؤں نے ہلا بول دیا۔ گنبد شریف شہید کر دیا۔ مینار مبارک شہید کر دیا گیا۔ آناً فاناً مسجد ملبے کا ڈھیر بن گئی۔ انڈیا نے اپنے متعصبانہ رویے کا اظہار کر کے اپنی ہی ساکھ بین الاقوامی برادری میں برباد کر دی ہے۔ اسی سرزمین پاک و ہند سے شاعر مشرق حضرت علامہ اقبالؒ نے مذہبی برداشت اور رواداری کے گیت الاپے تھے۔ بانگِ درا کی نظم "نیا شوالہ" میں انہوں نے فرمایا تھا:

سونی پڑی ہوئی ہے، مدت سے دل کی بستی
آ اک نیا شوالہ اس دیس میں بنا لیں
دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
دامانِ آسمان سے اس کا کلس ملا دیں
ہر صبح اٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے
سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلا دیں
شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

اس کے مقابلے میں اسلام میں برداشت اور مذہبی رواداری ہے اور غیر مسلموں کے معبدوں کا احترام ہے۔ (ملاحظہ ہو سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ "اسلامی ریاست صفحہ نمبر ۵۸۹) مذہبی رواداری اور برداشت کی ایک روشن مثال حضور ﷺ کے دور میں نجران کے وفد کی ہے۔ یہ وفد نصاریٰ کا تھا جو مدینہ شریف حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اس وفد کی مہمانداری کی۔ مسجد نبوی ﷺ میں ان کو جگہ دی بلکہ ان کو اپنے طور طریقے پر مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھنے کی بھی اجازت فرما دی۔ (ملاحظہ ہو ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم "اسلام کی مذہبی رواداری (مضمون "نقوش" جلد سوم صفحہ نمبر ۶۶۶)۔

دورِ حاضر میں برما اور کسووو میں مسلمانوں پر ظلم و تشدد عدم برداشت کی ایک بد مثال ہے۔ چند دن پہلے نیٹو (N.A.T.O.) کے ممالک نے البانیہ پر حملہ کر دیا۔ اس کے پس پردہ امریکہ کا ہاتھ ہے۔ یہ بھی عدم برداشت اور بربریت کی ایک تازہ مثال ہے۔ اسی قسم کے واقعات کو اور یورپی ممالک کی درندگی کو محمد اسد نے دورِ جدید کی جہالیت کہا تھا۔ انگلینڈ اپنے آپ کو حقوق انسانی کا نقیب کہتا ہے مگر وہاں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کے درمیان عدم برداشت کا رجحان عروج پر پہنچ چکا ہے۔ شمالی آئرلینڈ اس عدم برداشت کی وجہ سے جہنم زار بنا ہوا ہے۔ عدم برداشت روانڈا اور برونڈی کے درمیان بھی حال ہی میں دیکھنے میں آیا ہے۔ دو قبائل ایک دوسرے کو برداشت نہیں کر رہے اور

لڑائی جاری ہے۔ ایٹمی ہتھیاروں کی صنعت عروج پر ہے۔ خدانخواستہ ان کا استعمال دنیا میں قیامت برپا کر سکتا ہے۔ روس نے انڈیا کو ۱۹۹۶ء میں ۲ بلین امریکن ڈالر کے ایٹمی ریکٹر بھیجے۔ اس سے ایٹمی اسلحہ کی دوڑ کا پتہ چلتا ہے۔ (ملاحظہ ہو تفصیل کے لیے)

Prof. James Clay Moltz, Russia in Asia in 1997 moving beyond the strategic partnership, (Article) in Asian Survey, Vol.xxxviii, No. I, January, 1998, P.92)

روزنامہ ڈان نے ۱۹۹۸ء کو "بم کے دھماکوں کا سال" قرار دیا۔ بین الاقوامی سطح پر عدم برداشت کی رذیل حرکت سے دنیا کے مسافر بھی محفوظ نہیں رہے۔ کئی ممالک میں طیارے اغوا ہوئے۔ ڈان کے اعداد و شمار ملاحظہ ہوں۔ سال گزشتہ میں جو طیارے اغوا ہوئے ان کی تفصیل اور بم دھماکوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ بم دھماکوں کی تفصیل

ملک	اموات	ملک	اموات
کینیا	۲۴۴	الجیریا	۱۴۱
پاکستان	۱۴۱	سری لنکا	۷۷
انڈیا	۱۰۰	چین	۷۳
یوگینڈا	۳۰	آئرلینڈ	۲۸
روس	۱۹	یمن	۱۵
صومالیہ	۱۲	ترکی	۱۵
ویت نام	۱۱	تنزانیہ	۱۰
لبنان	۵	فلپائن	۵
Ecuador	۴	کولمبیا	۲
اسرائیل	۲	کشمیر	۸
ساؤتھ افریقہ	۲	کانگو	۲۰

۲۔ اغوا کردہ طیاروں کی تفصیل

تاریخ	طیارہ
۲۵ فروری	ترکش ایئر لائنز

۲۴ مئی	پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز	
۲۲ جون	Spain's Iberia Airlines	
۹ اگست	رشین جیٹ لائنز	
۱۴ ستمبر	ترکش ایئر لائنز	(The Year of the Bomb.: ماخذ
۲۸ اکتوبر	ایئر چائنا	1998 Overview, (Article)
۳۰ اکتوبر	ترکش ایئر لائنز	in Dawn Jan. 1, 1999 khi.

عدم برداشت کا قومی وبین الاقوامی رجحان اور اس کا حل (تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں) :

سیرت طیبہ اور تعلیمات نبوی ﷺ کی مدد سے ہم اپنے طبقاتی' لسانی' علاقائی' معاشی' قومی' معاشرتی سیاسی' اخلاقی اور روحانی مسائل حل کر سکتے ہیں۔ اس نظام رحمت میں ہماری فلاح' سلامتی اور ترقی کی ضمانت پوشیدہ ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (سیرت دوعالم کے صفحہ نمبر ۵۷ پر) حضور ﷺ کی ان صفات کا ذکر کرتے ہیں :

۱۔ آپ ﷺ کا صبر و تحمل

۲۔ ضبط نفس

۳۔ اور بلند حوصلہ

انہی صفات میں اقوام کی ترقی کا راز مضمر ہے۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری اپنی شہرہ آفاق کتاب سیرت الرحیق المختوم کے صفحہ نمبر ۷۶۷ پر رقمطراز ہیں :

"بُردباری' قوت برداشت' قدرت پاکر درگزر اور مشکلات پر صبر ایسے اوصاف تھے جن کے ذریعے اللہ نے آپ ﷺ کی تربیت کی تھی...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند کرداری کا عالم یہ تھا کہ آپ ﷺ کے خلاف دشمنوں کی ایذارسانی اور بدمعاشوں کی خود سری وزیادتی جس قدر بڑھتی گئی' آپ ﷺ کے صبر و حلم میں اسی قدر اضافہ ہوتا گیا"۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے اپنی کتاب "پیغمبر اعظم ﷺ و آخر میں فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں باہمی تعامل میں دیانت " عزتِ نفس' رواداری اور مدارات کا درس دیا۔ (صفحہ نمبر ۶۳۹)

سید اسعد گیلانی نے رسول ﷺ اکرم کی حکمت انقلاب کے صفحہ نمبر ۷۹ پر لکھا ہے : "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمنوں کو اخلاق کے اسلحہ سے فتح کیا"۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

"کوئی مسلمان بازار سے نیزہ لے کر گزرے تو اس کے ایک حصے کو ہاتھ سے تھام لے تا کہ کسی مسلمان کو اذیت نہ پہنچے"۔(بخاری)

نعیم صدیقی نے محسن انسانیت میں درست کہا: "حضور ﷺ کی قائدانہ بصیرت اور سیاسی حکمت کا مطالعہ ہم پر لازم ہے" (صفح نمبر ۵۹) ہم تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں عدم برداشت کے مسئلے کو بخوبی حل کر سکتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: "من حمل علینا السلاح فلیس منا" اس کے باوجود دوسروں پر اسلحہ سے حملہ آور ہونا عدم برداشت کی ایک صورت ہے۔ دیگر احادیث مبارکہ میں بھی بردباری، تحمل، برداشت اور حلم کا درس دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

و عن عبداللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق و قتالہ کفر (متفق علیہ)

پس رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں مختلف گروہوں کا ایک دوسرے کو گالی دینا اور پھر مسلمانوں کا آپس مین قتل کفر قرار دیا گیا ہے۔

سورت بقرہ کی آیت ۲۵۶ میں ارشاد ہے کہ دین میں جبر نہیں۔ چنانچہ غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان بنانے کی اجازت نہیں۔ آپ ﷺ نے عبادات مثلاً روزہ، نماز، حج وغیرہ میں بھی تکالیف کو برداشت کرنے کا درس دیا۔ آپ ﷺ نے تبلیغی مشن میں عقل و حکمت، موعظہ حسنہ، مجادلہ احسن، ذہنی انقلاب، قلبی تبدیلی، دلسوزی، عدم اکراہ اور نرم روی اور برداشت جیسے اصولوں کو سامنے رکھا۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ اقلیتوں کا خیال رکھا۔ مندرجہ ذیل مستشرقین نے بھی اسلام کی پالیسی اقلیتوں کے بارے میں پسند کی اور حضور اکرم ﷺ کی اقلیتوں کے بارے میں رواداری اور برداشت کا رویہ سراہا مثلاً:

i. Thomas Patrick Hughes, A Dictionary of Islam, (Article) Religious Toleration, PP.684-85

ii. Encyclopaedia of Religion & Ethics, (Articles) Toleration by W.F. Adeney, pp.360-365, Toleration (Muhammadan) by T.W. Arnold.

iii. The Oxford Encyclopaedia of the Modern Islamic World, Vol.III, pp.108-113

دی آکسفورڈ انسائیکلوپیڈیا آف دی ماڈرن اسلامک ورلڈ کے مطابق اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی آبادی

۲ء ۱ بلین سے بھی زیادہ ہے۔ قریباً مسلمانوں کا ۳ / ۱ حصہ بطور اقلیتوں کے دنیا کے دیگر ممالک میں رہتا ہے۔ یہ تعداد ۵۰ ۳ ملین سے بھی زیادہ ہے۔ ان پر ہر وقت ملک بدر ہونے کی تلوار لٹکتی رہتی ہے۔ دنیا عدم برداشت کا شکار ہے۔ اس کے مقابلہ میں جزیہ کی معمولی رقم لے کر اسلامی ریاست ذمیوں کے حقوق کی پاسبانی کرتی ہے۔ حضرت عمرؓ تو راہب خانوں اور گرجاؤں کو بھی مالی امداد دیتے تھے۔ زکوۃ کے آٹھ مصارف میں غیر مسلم مستحقین بھی آجاتے ہیں ہارون الرشید کے دور میں برامکہ جو آتش پرست تھے' انھیں اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا۔ ہندوستان میں بھی مسلم بادشاہوں نے ہندوؤں اور دیگر مذاہب والوں سے رواداری اور نرمی کا سلوک رکھا۔ سلطنت عثمانیہ میں غیر مسلموں کو اہم عہدے ملے۔ محمد دوم (الفاتح) نے تو یونانی کلیسا کی مذہبی سربراہی قبول کرلی کیونکہ ان کا سربراہ اس وقت نہیں تھا۔ اس کے برعکس پنجاب میں رنجیت سنگھ نے اپنے دور میں شاہی مسجد کو اصطبل میں تبدیل کر کے عدم برداشت کا مظاہرہ کیا۔ اس کے علاوہ دنیا کے دیگر انقلابات میں تشدد اور عدم برداشت کی بھیانک مثالیں موجود ہیں۔

مثلاً :

۱۔ روس میں کمیونزم کے انقلاب میں اڑھائی سے ۴ کروڑ انسان ہلاک ہوئے۔
۲۔ کوریا میں صرف دو سال میں ۵۰ لاکھ مرد اور عورتیں ہلاک ہوئیں۔ ایک کروڑ لوگ زخمی ہوئے
۳۔ چین میں کمیونزم نافذ کرنے کے لیے ڈیڑھ کروڑ زمینداروں کو پھانسی دی گئی
۴۔ امریکی خانہ جنگی (۶۵۔۱۸۶۱) میں ۸ لاکھ افراد مارے گئے
۵۔ ۱۶۴۸ء۔ ۱۶۱۸ کے دوران میں یورپ کے ملک جرمنی میں ایک کروڑ ۲۰ لاکھ لوگ ہلاک ہوئے

تجاویز

عدم برداشت' تشدد کو قومی اور بین الاقوامی سطح پر روکنے کے لیے حسب ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں :

۱۔ مسلم ممالک حضور اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ کے اس پہلو (عفوو درگزر برداشت و حلم) پر بین الاقوامی سیمنار کروائیں تاکہ نہ صرف مسلم امہ بلکہ مغربی دنیا تعصب سے باہر نکلے۔

۲۔ عدم برداشت کا مسئلہ بلاشبہ بین الاقوامی ہے۔ سی ٹی بی ٹی طرز کے معاہدات بین الاقوامی سطح پر ہوئے ہیں لیکن دہشت گردی اور فرقہ واریت کو روکنے کے لیے یو این او کردار ادا کرے اور بین الاقوامی سطح پر کانفرنس کرائے۔

۳۔ مسلم ممالک سفارتی سطح پر ان مسلم ممالک کو سمجھائیں جو فرقہ واریت کے لیے فنڈ مہیا کرتے ہیں۔ اس کا

تدارک لازم ہے۔

۴۔ عدم برداشت اور تشدد کے پس منظر میں اقتصادی عوامل بھی کارفرما ہوتے ہیں۔ مسلم امہ اپنی اقتصادی حالت بہتر بنائے۔ یہ محنت سے سائنسی ترقی اور سودی نظام سے کٹ کر ہی ممکن ہے۔

۵۔ مسلم علماء فرقہ واریت کو روکنے کے لیے اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی کاوش کریں۔

۶۔ اتحاد بین المسلمین سے اور مشترکہ دفاع سے ہم امت مسلمہ کے خلاف زیادتیوں کا ازالہ کر سکتے ہیں۔

۷۔ جہاں تک قومی سطح پر عدم برداشت کے رجحان کا تعلق ہے' اس مسئلے کا فوری سیاسی حل وقت کی ضرورت ہے۔ رابن جیفری نے پاکستان میں مزید صوبہ جات قائم کرنے کی تجویز دی ہے۔ اس تجویز پر عمل پیرا ہو کر انڈیا نے اپنے آپ کو مستحکم کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو :

(Robin Jeffery, What [illegible] happending to India)

اگر ہم بھی مزید صوبے بنادیں تو امن عامہ کا مسئلہ بھی حل ہو سکتا ہے اور دیگر مسائل بھی۔

الغرض دنیا کے عظیم ترین مفکر اور نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے ہی ہم عدم برداشت جیسے قومی اور بین الاقوامی رجحان کو روک سکتے ہیں۔

اللھم صلی علی محمد النبی الامی و علی اله وسلم

فہرست کتب

(اس مقالے کی تیاری میں حسب ذیل کتب اور مضامین سے استفادہ کیا گیا)

۱۔ القرآن الحکیم

۲۔ اسد سلیم شیخ' رسول اللہ کی خارجہ پالیسی' سنگ میل پبلی کیشنز' لاہور' ۱۹۹۲ء

۳۔ اشرف ظفر' مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی' قرآن حکیم کی روشنی میں ایک جائزہ' ایک تجزیہ' النور پرنٹرز' لاہور ۱۹۸۷ء

۴۔ البخاری' محمد بن اسماعیل بخاری' الجامع الصحیح' طبع مصطفی البابی الحلبی' مصر ۱۳۴۵ھ

۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ' جلد ۱۹' (مقالہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم' دانش گاہ پنجاب' لاہور' ۱۹۸۶ء

۶۔ تفسیر ابن کثیر' ابن کثیر' (اردو ترجمہ) مکتبہ تعمیر انسانیت' لاہور' طبع اول

۷۔ دکتور حسن ابراہیم حسن' تاریخ الاسلام السیاسی والدین والثقافی والاجتماعی' دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۹۶۴ء

۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ' رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی' دارالاشاعت' کراچی ۱۹۸۰ء عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی' اردو اکیڈمی' کراچی ۱۹۸۷ء

۹۔ ڈاکٹر محمد فاروق خان' اکیسویں صدی اور پاکستان' اتمورد' لاہور' ۱۹۹۰ء

۱۰۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر' پیغمبر اعظم ﷺ و آخر' فیروز سنز' لاہور اشاعت اول

۱۱۔ ڈاکٹر خالد علوی' انسان کامل' الفیصل ناشران' لاہور ۱۹۹۷ء

۱۲۔ ڈاکٹر محمد علی ملک' بوسنیا: صلیبی جنگیں اور نیا عالمی نظام' ایجوکیشن ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز' لاہور' ۱۹۹۳ء

۱۳۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی' اسلامی ریاست' اسلامک پبلی کیشنز' لاہور' ۱۹۹۳ء

۱۴۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی' سیرت دو عالم ﷺ ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' ۱۹۸۰ء

۱۵۔ شبلی نعمانی (علامہ) الفاروق' مطبع معارف اعظم گڑھ' ۱۹۷۹ء

۱۶۔ شبلی نعمانیؒ و سلیمان ندویؒ' فرقہ واریت' ایک تجزیہ دائرۃ الفکر' لاہور' ۱۹۹۲ء

۱۷۔ شجاعت ترمذی عارفی' فرقہ واریت' ایک تجزیہ' دائرۃ الفکر' لاہور' ۱۹۹۲ء

۱۸۔ علامہ بوصیری' بردۃ المدیح' مکتبہ اسحاقیہ' کراچی' ۱۹۵۵ء

۱۹۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری' رحمۃ للعالمین ﷺ شیخ غلام علی اینڈ سنز' لاہور' ۱۹۴۶ء

۲۰۔ مسلم (صحیح) مسلم بن الحجاج القشیری' طبع محمد بن علی صبیح و اولادہ مصر' ۱۳۳۴ھ

۲۱۔ مشکوٰۃ المصابیح' امام ولی الدین محمد بن عبداللہ' مکتبہ رحمانیہ' لاہور

۲۲۔ محمد حسین ہیکل' حیات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' ادارہ ثقافت اسلامیہ' لاہور ۱۹۹۳ء

۲۳۔ مفتی اعظم محمد شفیعؒ' معارف القرآن' ادارہ ترجمان القرآن' لاہور ۱۹۷۹ء

۲۴۔ نقوش' جلد سوم' رسول ﷺ نمبر' ادارہ فروغ اردو' لاہور' ۱۹۸۳ء

۲۵۔ نعیم صدیقی' محسن انسانیت ﷺ اسلامی پبلی کیشنز لاہور' ۱۹۸۲ء

۲۶۔ مولانا صفی الدین مبارکپوری' الرحیق المختوم' المکتبۃ السلفیہ' لاہور' محرم الحرام ۱۴۰۸ھ / ستمبر ۱۹۸۷ء

(27) Anzovin Steven, Terrorism, The H.W. Wilson Company, New York, 1986

(28) Asaf Hussain, Political Terrorism & The state in the Middle East, Mansell Publishing Ltd. London and New York, 1988

(29) Briffault Robert, The Making of Humanity.

(30) Dawn, 1998 Overview, The Year of the Bomb, January 1, 1999

(31) Draper John William, A history of the Intellectual Development of Europe, London, 1902

(32) New Encyclopaedia Britannica, 1979 Edition.

(33) New Encyclopaedia of Religion & Ethics, edited by James Hastings, Vol. XII, Charles Scribner's Sons, New York.

(34) Esposito, John L. Islamic Threat; Myth or Reality, New York and Oxford, 1992

(35) Hughes Thomas, A Dictionary of Islam, Premier Book House, Lahore, 1885 Edition, Religious Toleratin, pp.684-5

(36) Jeffery Robin. What is Happening to India, MacMillan Press, London, 1994.

(37) Justice Munir Ahmad, Constitution of the Islamic Republic of Pakistan, Being A Commentary on the Constitution of Pakistan, Vol. I, P.L.D Publishers, Lahore, 1996

(38) Lodge Juliet, Terrorism A Challenge to the State, Mortin Robertson (Publishers), Oxford, 1981.

(39) Loshak David, Pakistan Crisis, William Heinemann Ltd. London, 1971

(40) Moltz James Clay, Russia in Asia in 1997 Moving Beyond the Strategic Partnership, (Article) in Asian Survey, Vol. XXXvIII, No.I, January, 1998

(41) Musa Khan Jalalzai, Sectarianism and Politico- Religious Terrorism in Pakistan, Published by Musa Khan Jalalzai, Lahore,

1992

(42) Newsweek, 17 August, 1992, 11 January, 1993

(43) R.A. Nicholson, A Literary History of the Arabs, Curzon Press, Surrey, England, 1993.

(44) A.R. Norton, Terrorism (Article) in Oxford Encyclopaedia of the Modern Islamic World, Vol.IV

(45) O'Sullivan Noel, Terrorism, Ideology, and Revoluton, Harvester Press, Sussex, England, 1986.

(46) Thackrah John Richard, Encyclopaedia of Terrorism and political Violance, Routledge & Kegan Paul, London and New York, 1987

(47) The Oxford Encyclopaedia of the Modern Islamic World, 4 Volumes, Oxford University Press, New York Oxford, 1995 Edition

(48) World Almanac and Book of Facts, K.P.I., USA, 1997

عدم برداشت کا قومی و بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو اقوام عالم کے نمائندوں نے یونیسکو (عالمی ادارہ برائے ثقافت و سائنس) کے منشور پر دستخط کیے۔ جس میں علاوہ دیگر مقاصد کے ایک مقصد یہ بھی شامل تھا!

"مفاہمت، یگانگت، برداشت اور رواداری کو افراد کے درمیان اور لسانی، سماجی، ثقافتی اور مذہبی گروہوں اور خود مختار قوموں کے درمیان بدرجہ اتم فروغ دینا ہماری ذمہ داری ہوگی، یونیسکو کا ادارہ اپنے اس عہد کی تکمیل کے لیے یعنی امن، اخوت، محبت، آشتی اور برداشت کو عام کرنے کے لیے اپنی رکن حکومتوں پر برابر زور دیتا رہتا ہے کہ ہم نے جو عہد نصف صدی پہلے کیا تھا اسے پورا کرنے کے لیے مستعدی سے اپنا کردار ادا کریں۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو جب اس عہد نامے کے پچاس سال پورے ہوگئے تو دنیا بھر میں برداشت اور رواداری کا دن منایا گیا اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی اور اس کے پیغام کو دور دور تک پھیلانے کے لیے ابلاغ کے ذرائع استعمال کیے گئے۔

یونیسکو کا قیام اور اس کے منشور کی منظوری اس لیے ناگزیر تھی کہ دنیا دوسری عالمی جنگ کے باعث اپنے خون میں نہا کر نکلی تھی اور اپنے کھنڈر پر نظر ڈالتے ہوئے ایک نئے عہد کی تعمیر کو لازمی سمجھ رہی تھی، اس نے یہ بھی سیکھا تھا کہ جنگ جو عدم برداشت کا نتیجہ ہے کسی مسئلے کا حل نہیں۔ مسائل افراد کے درمیان ہوں یا اقوام کے درمیان ان کا حل امن، صلح، برداشت اور رواداری میں ہے (۱)

اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ برداشت اور رواداری رواں صدی کا قومی اور بین الاقوامی سطح پر تمام ممالک اور مذاہب کا مشترکہ مسئلہ اور حل طلب موضوع ہے۔ برداشت اور رواداری کے عملی اظہار اور اس کے نفاذ کی جتنی ضرورت عہد حاضر میں محسوس کی جارہی ہے وہ مخفی نہیں۔ تاہم برداشت، ضبط و تحمل اور رواداری کے بلند بانگ دعوؤں اور تقاضوں کے باوجود یہ بھی ایک عملی حقیقت ہے کہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر عدم برداشت کا جو عملی مظاہرہ موجودہ دور میں نظر آرہا ہے وہ عہد جدید کی مہذب دنیا کے لیے سب سے بڑا چیلنج ہے۔ جس میں نسلی امتیاز،

نی حقوق، علاقائی، قومی، مذہبی اور فرقہ وارانہ منافرت اور مذہبی تعصب و تنگ نظری، برداشت، تحمل اور داری کے طالب ہیں۔

قومی سطح پر عدم برداشت کا عملی مظاہرہ بد قسمتی سے ہماری موجودہ تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔ چنانچہ آج ہبی، مسلکی، علاقائی، نسلی، لسانی اور فرقہ وارانہ تعصبات اور اس کے نتیجہ میں دہشت گردی اور قتل و غارت گری اور ں انسانی جانوں کا ضیاع حد درجہ قابل مذمت اور افسوسناک عمل ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ عدم اشت کا فقدان کے باعث قومی سطح پر لسانی اور فرقہ وارانہ تعصبات کی بنیاد پر تادم تحریر ہزاروں قیمتی انسانی جانوں کا ع ہو چکا ہے اور یہ عمل ایسے ملک میں رونما ہو رہا ہے جو خالصتاً اسلامی نظریے کے تحت وجود میں آیا۔ اسلام اور بر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں کے لیے عدم برداشت کا یہ عمل حد درجہ افسوس ناک ہے۔

اسلام تو ہمیں یہاں تک تعلیم دیتا ہے کہ:

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم (۲)

مسلمانو! جو لوگ اللہ کے سوا معبودانِ باطل کی پرستش کرتے ہیں ان کو برا نہ کہو۔ یہ لوگ بھی نادانی سے کو برا کہنے لگیں گے۔

جبکہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمٰن و رحیم کی راہنما ہدایات و تعلیمات کو موش کر کے فرقہ وارانہ تعصبات اور رنگ و نسل کے تنازعات میں پڑ کر عدم برداشت کے قابل مذمت راستے پر زن ہے۔

شجر ہے فرقہ آرائی، تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو(۳)

ے اور موقع پر اقبال نے کیا خوب کہا!

فرقے ہیں کہیں، کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں(۴)

قومی سطح پر عدم برداشت کے افسوسناک رجحان کے نتیجہ میں ملک میں دہشت گردی، قتل و غارت ی، نسلی اور لسانی عصبیت، مذہبی منافرت اور خودکشی و خود سوزی جیسے واقعات ہماری روزمرہ زندگی کا لازمی حصہ ن چکے ہیں۔

بین الاقوامی سطح پر عدم برداشت کے مناظر دنیا کے ہر خطے میں عام ہیں۔ تاہم عدم برداشت کے نتیجہ

میں ظلم و بربریت اور سفاکی و درندگی کا شکار ہونے والے بیشتر خطوں کے باشندے رسول رحمت ﷺ کے نام لیوا اور امتی ہیں۔ چنانچہ آج مغرب کی انسانی حقوق' تہذیب و تمدن' برداشت اور رواداری کی علمبردار دنیا عدم برداشت اور اسلام دشمنی کے موروثی نظریات کے تحت دوہرا معیار قائم کیے ہوئے ہے۔ چنانچہ اسلامی خطوں اور مسلم اقلیتوں پر عدم برداشت کے عمل کے نتیجہ میں کشمیر' فلسطین' عراق' بوسنیا' کوسوو پر جارحیت اور سفاکیت و درندگی کا وحشیانہ رقص ابلیس جاری ہے'۔ رواں صدی میں دو عظیم عالمگیر جنگوں کے بعد عدم برداشت کے افسوسناک رویہ کے نتیجہ میں انسانی دنیا تیسری عالمی جنگ کے دہانہ پر کھڑی ہے۔

عدم برداشت کے بین الاقوامی رجحان کے نتیجہ میں انسان دوستی اور عالمی امن کی علمبردار مغربی دنیا نے ۱۴ اگست ۱۹۱۴ء کو جنگ عظیم اول کا میدان جنگ گرم کیا جو بعد ازاں ۱۵۶۵ دنوں تک جاری رہی جس میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد تقریباً ۹ ملین' شدید زخمی ہونے والوں کی تعداد ۲۲ ملین' اپاہج اور معذور ہو جانے والوں کی تعداد ۲۵ ملین بتائی جاتی ہے۔ یہ اعداد و شمار میدان جنگ کے ہیں۔ جبکہ شہروں میں مرنے اور زخمی ہونے والے افراد کی تعداد جنگ سے کہیں زیادہ ہے۔ اس جنگ پر ہونے والے اخراجات سے بلجیک' بلجیم' روس' امریکہ' جرمنی' کینیڈا اور آسٹریلیا کے مکینوں کے لیے تمام آسائشوں اور لوازمات کے ساتھ ایک مکان بنایا جا سکتا تھا۔ (۵)

انسانیت کے خلاف عدم برداشت کے بین الاقوامی رجحان کے نتیجہ میں ہونے والی اس جنگ میں ساڑھے چھ کروڑ افراد دھکیلے گئے' ایک کروڑ فوجی میدان میں مارے گئے۔ ڈیڑھ کروڑ شہری قتل ہوئے۔ دو کروڑ سے زائد افراد دائمی معذور ہوئے۔ لاکھوں بچے یتیم ہوئے۔ پچاس لاکھ عورتیں بیوہ ہوئیں' لاکھوں عورتیں' بچے' فوجی اور شہری لاپتہ ہوئے۔ (۶)

جبکہ دوسری عالمی جنگ میں ۳۵ ملین انسان ہلاک ہوئے' ۲۰ ملین ہاتھ پاؤں سے معذور ہوئے' ۱۷ ملین لیٹر خون زمین پر بہایا گیا۔ ۱۲ ملین حمل ساقط ہوئے' ۳۰ ہزار پرائمری' سیکنڈری اسکول' ۶ ہزار یونیورسٹیاں' ۸ ہزار لیبارٹریاں ویران و برباد ہو گئیں۔ (۷)

امریکہ اور جاپان کی جنگ ۱۹۴۵ء میں امریکہ کی طرف سے جاپان پر دو چھوٹے بم گرائے گئے جس سے ہیروشیما میں ۷۰ ہزار افراد اور ناگاساکی میں ۴۰ ہزار افراد ہلاک ہوئے اور اتنے ہی زخمی ہوئے۔ (۸)

بین الاقوامی سطح پر عدم برداشت کا عملی مظاہرہ ایک موقع پر اس وقت دیکھنے میں آیا جب مغرب کی مہذب دنیا کے اتحادی ممالک نے عراق کے خلاف جنگ میں ۴۲ دنوں میں ۸ ہزار ٹن بارود برسایا جو ہیروشیما پر گرائے جانے والے بارود سے ساڑھے سات گنا زیادہ تھا۔ امریکی وزارت خارجہ پنٹاگون کے مطابق ایک لاکھ دس ہزار بم برسائے گئے یعنی ۴۲ دنوں میں اس جنگ میں اوسطاً ہر دو منٹ بعد ایک بم گرایا گیا اور یہ سارے بم جنگی نوعیت

ت والی جگہوں کے علاوہ کنوؤں پانی کے ذخیروں اور رہائشی مقامات پر گرائے گئے۔ عدم برداشت کے بین الاقوامی
ان کی بدترین مثال اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا ۶ اگست ۱۹۹۰ء کا فیصلہ اس سے بھی زیادہ بھیانک نتائج لایا جس
۔ نتیجہ میں عراق پر تجارتی پابندی عائد کیے جانے کے نتیجہ میں پانچ سال کے اندر اندر پانچ لاکھ عراقی باشندے
ت کے منہ میں چلے گئے ۵ سال اور اس سے کم عمر کے ساڑھے تین لاکھ بچے لقمہ اجل بن گئے۔ (۹)

اسلام، پیغمبر اسلام اور عہد نبوی ﷺ کی فتوحات پر اعتراض اور نکتہ چینی کرنے والی مغرب کی مہذب
ا کے لیے عدم برداشت کے عمل کے نتیجہ میں انسانی جانوں کا اتنا بڑا نقصان تازیانہ عبرت ہے' جنگ عظیم اول'
ب عظیم دوم' ناگاساکی' ہیروشیما اور عراق پر جنگ مسلط کرنے والوں کو عہد نبوی کی فتوحات پر اعتراض کا کوئی حق
ں۔

اسلامی دنیا کے معروف محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے عہد نبوی کے غزوات و فتوحات اور جنگی مہمات کے
ں اعداد و شمار ذکر کیے ہیں وہ لکھتے ہیں!

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت مدینہ ایک شہری مملکت نہیں بلکہ ایک وسیع مملکت کا
السلطنت تھا' اس وسیع سلطنت کا تاریخی رقبہ شواہد کی رو سے تین ملین یعنی تیس لاکھ مربع کلومیٹر بن چکا تھا۔
سرے الفاظ میں دس سال تک اوسطاً روزانہ کوئی ۸۴۵ کلو میٹر علاقے کا ملک کے رقبہ میں اضافہ ہوتا رہا۔ سلطنت
یہ توسیع کچھ تو پرامن ذرائع سے ہوئی اور کچھ جنگوں کے نتیجہ میں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و سرایا
، متعلق دیگر تفصیلات کے علاوہ مقتولین اور شہداء کے اعداد و شمار بھی ہمارے سامنے موجود ہیں۔

دس سال میں ایک سو بیس مہینے ہوتے ہیں تو ایک سو بیس کے دوگنے دو سو چالیس آدمی بھی ان لڑائیوں
ں نہیں مرے۔ دشمن کے مقتولین کی تعداد اس سے کم تھی' مسلمانوں کے شہداء کی تعداد دشمن کے مقتولوں سے
ں کم تھی۔ بہر حال بحیثیت مجموعی میدان جنگ میں قتل ہونے والے دشمنوں کی تعداد مہینے میں دو سے بھی کم
ہے۔ (۱۰)

وضوع بحث : تعلیمات و سیرتِ نبوی ﷺ

ہادی آخر و اعظم' سید عرب و عجم' رحمتِ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں آپ کی
ری حیات طیبہ برداشت' رحمت و رافت' صبر و ضبط' عفو و درگزر' اور رواداری و تحمل و برداشت سے عبارت ہے۔

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم حسن اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ قرآن کا بیان ہے :

انک لعلی خلق عظیم (۱۱) ۔ آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں۔

آپ ﷺ کی سیرت اور حیات طیبہ کا ہر شعبہ امت مسلمہ کے لیے مثالی راہ عمل اور لائق اتباع ہے۔

ارشاد ربانی ہے :

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (۱۲)

در حقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان آیہء شریفہ !

"یاایھا لنبی انا ارسلناك شاهدا و مبشرا و نذیرا" کی تفسیر میں امام بخاری نے نقل کیا ہے رحمت عالم علیہ کے متعلق فرمایا گیا!

انت عبدی و رسولی' سمیتك المتوكل' لیس بفظ ولا غلیظ ولا سخاب الاسواق' ولا یدفع السیئة بالسئیة و لكن یعفوا و یصفح' و لن یقبضه الله حتی یقیم به الملة العوجاء بان یقولوا! لا اله الا الله فیفتح بها اعیناً و اذناً صماً و قلوبا غلفا(۱۳)

تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے۔ رحمت عالم نہ سخت کلام ہیں' نہ سخت طبیعت نہ بازار میں شور کرنے والے ہیں اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے لینے والے ہیں۔ وہ معاف کرتے اور درگزر کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز اس دنیا سے نہیں اٹھائے گا جب تک وہ ٹیڑھی قوم کو سیدھا نہیں کرے گا کہ وہ دل سے "لاالہ الااللہ" کہنے لگیں تاکہ ان کی بند آنکھیں اور بہرے کان اور پردہ پڑے ہوئے دل کھل جائیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد پیغمبر رحمت' محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ورافت' برداشت ورواداری اور عفوودرگزر کے متعلق کیا خوب لکھتے ہیں!

"مظلومی میں صبر' مقابلے میں عزم' معاملہ میں راست بازی' اور طاقت واختیار میں عفوودرگزر' برداشت' رواداری' تاریخ انسانیت کے وہ نوادر ہیں جو کسی ایک زندگی کے اندر اس طرح کبھی جمع نہیں ہوئے۔(۱۴)

مشرکین مکہ' منافقین مدینہ' اور یثرب کے یہودیوں نے آپ کو جیسا کچھ ستایا اور گوناگوں تکلیفیں' اذیتیں پہنچائیں ہیں ان کا اندازہ آپ کے حسب ذیل بیان سے لگایا جاسکتا ہے :

لقد او ذیت فی الله و ما یوذی احد (۱۵) مجھے اللہ کے راستے میں ایسا ستایا گیا ہے (انبیاء میں) کسی کو نہیں ستایا گیا۔

اعلان نبوت کے بعد بیشتر اہل مکہ آپ کے بدترین دشمن بن چکے تھے اور دشمنی کے اظہار میں ایذا رسانی' ظلم وستم کا کوئی طریقہ اور موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ تاہم مشرکین مکہ میں جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی' عداوت اور اظہار نفرت میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے ان کے نام حسب ذیل ہیں!

"ابوجہل بن ہشام' ابولہب' اسود بن یغوث' حارث بن قیس' ولید بن مغیرہ' امیہ بن خلف' ابی بن خلف'

قیس بن الفاکہ' عاص بن وائل' نضر بن الحارث' منبہ بن الحجاج' زہیر بن ابی امیہ' سائب بن صیفی' اسود بن عبدالاسد' عاص بن سعید عاص بن ہاشم' عقبہ بن ابی معیط' حکم بن العاص' ابن الاء صدئی' عدی بن حمراء۔

مذکورہ بالا میں سے اکثر وبیشتر آپ کے پڑوسی اور صاحب عزت و وجاہت تھے۔ آپ سے نفرت اور دشمنی کے اظہار میں ہمہ وقت سرگرم رہتے' شب و روز یہی مشغلہ اور یہی دھن تھی' ان مثالی اور بدترین دشمنوں میں بھی ابو جہل' ابو لہب اور عقبہ بن ابی معیط دشمنی میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ (۱۶)

ہادی آخر واعظم' سید عرب و عجم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ دین اور اعلاء کلمتہ الحق کی پاداش میں مشرکین مکہ کے سخت ترین مظالم اور ایذاء رسانی کے باوجود برداشت اور عفو و درگزر کا حکم ہوا۔

خذ العفو و امر بالعرف و اعرض عن الجاهلين (١٧)

درگزر کا شیوہ اختیار کرو اور لوگوں کو نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کش رہو۔

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا:

ادفع بالتی هی احسن السيئة نحن اعلم بما يصفون (١٨)

(اے پیغمبر آپ کے ساتھ جو برائی کرے) اس کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کریں جو بہت ہی اچھا ہو وہ آپ کی نسبت جو کچھ کہا کرتے ہیں اس سے ہم خوب واقف ہیں۔

برداشت' صبر و ضبط' نرمی اور نرم خوئی ہادی آخر واعظم اور توحید کے داعی اکبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت الٰہی نے خاص طور پر اس کا حصہ وافر عنایت فرمایا تھا خود عفو و درگزر اور صبر و برداشت کے مثالی پیکر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

فبما رحمة من الله لنت لهم و لو كنت فظا غليظ القلب لا انفضوا من حولك (١٩)

تو اللہ کی رحمت کے سبب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تم مزاج کے اکھڑ اور دل کے سخت ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے تتر بتر ہو گئے ہوتے۔

سید المرسلین' رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں رافت و رحمت' اور ضبط و برداشت کا وصف سب سے نمایاں طور پر ودیعت کیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو خاص اپنی رحمت کا نتیجہ قرار دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ برداشت' رحمت و رافت' حلم و بردباری' عفو و درگزر' چشم پوشی اور خوش خلقی' غرض ان تمام اخلاق جمیلہ کے عطر کا نام جن میں شان جمال پائی جاتی ہے آپ کی ہی ذات ستودہ صفات میں بدرجہ کمال و تمام موجود تھیں۔ یہی برداشت' رحمت و رافت' رفق و تلطف اور نرم دلی و نرم خوئی ہے جس سے انسان کا اخلاقی حسن دوچند ہو جاتا ہے۔

مشرکین مکہ کی دشمنی اور اظہار نفرت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کو بجائے محمد کے مذمم کہتے تھے۔ محمد کے معنی ستودہ کے ہیں اور مذمم کے معنی مذموم اور برے کے ہیں۔ قریش جب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو مذمم کہہ کر برا کہتے تو آپ فرماتے کہ اے لوگو! تم تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کی یاوہ گوئی کو مجھ سے پھیر دیا وہ مذمم کی برائی کرتے ہیں جبکہ میں تو محمد ہوں۔ (۲۰)

نزول وحی اور اعلان نبوت کے بعد دعوت عام کے موقع پر آپ کے نہایت قریبی عزیز حقیقی چچا ابو لہب عبد العزیٰ نے کہا! تبالک لھذا جمعتنا؟ (معاذ اللہ) تم برباد ہو اس مقصد کے لیے ہم سب کو یہاں جمع کیا۔

اس کے جواب میں سورہ لہب نازل ہوئی اور قریش کی طرف سے ذہنی' جسمانی اور روحانی تکالیف پہنچانے کا آغاز ہوا اور وہ آپ کی مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ (۲۱)

"معجم طبرانی" میں منیب غامدی سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ لوگوں کو یہ فرماتے تھے۔ اے لوگو! "لا الٰہ الا اللہ" کہو فلاح پا جاؤ گے مگر بعض بد نصیب تو آپ ﷺ کو گالیاں دیتے تھے اور آپ پر تھوکتے تھے' اور بعض آپ پر خاک ڈالتے' اسی طرح دوپہر ہو گئی اس وقت ایک لڑکی پانی لے کر آئی اور آپ کے چہرہ انور اور دست اقدس کو دھویا میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا! یہ آپ ﷺ کی صاحبزادی زینبؓ ہیں۔

بخاری نے اس حدیث کو مختصراً اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ یہ حدیث حارث بن حارث غامدی سے بھی مروی ہے اس میں اس قدر اور اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا! اے بیٹی تو اپنے باپ کے مغلوب اور بے عزت ہونے کا خوف مت کر۔ (۲۲)

طارق بن عبد اللہ المحاربیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بازار ذی المجاز میں دیکھا کہ آپ یہ فرماتے جاتے تھے کہ اے لوگو! "لا الٰہ الا اللہ" کہو فلاح پا جاؤ گے اور ایک شخص آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے پتھر مارتا جاتا تھا جس سے جسم مبارک خون آلود ہو گیا' وہ ساتھ ساتھ کہتا جاتا تھا "یا ایھا الناس لا تطیعوہ فانہ کذاب" اے لوگو! ان کی بات نہ سننا یہ جھوٹے ہیں (۲۳)

بنی کنانہ کے ایک شیخ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بازار ذی المجاز میں دیکھا آپ یہ فرماتے تھے اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو کامیاب ہو جاؤ گے اور ابو جہل آپ پر مٹی پھینکتا اور یہ کہتا جاتا تھا: اے لوگو! تم اس کے دھوکے میں نہ آنا یہ تم کو لات اور عزیٰ سے چھڑانا چاہتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف ذرہ برابر بھی التفات نہ فرماتے تھے۔ (۲۴)

حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک موقعہ پر عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ مشرکین

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تکلیف پہنچائی ہو اس کا ذکر کرو' تو عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حطیم میں نماز ادا فرما رہے تھے عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی گردن مبارک میں کپڑا ڈال کر اس قدر زور سے کھینچا کہ گلا گھٹنے لگا سامنے سے ابو بکرؓ آ گئے اور عقبہ کو دھکا دے کر آپ ﷺ کو چھڑایا۔ (۲۵)

ابو لہب کے بیٹے عتبہ اور عتیبہ نے آپ کی صاحبزادیوں حضرت ام کلثوم اور سیدہ رقیہؓ کو طلاق دی۔ (۲۶)

ابو لہب کی بیوی ام جمیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھانے لگی اور راہ میں پتھر لیے کھڑی رہتی۔ (۲۷)

آپ اور آپ کے خانوادہ قریش کا تین برس تک ۷ ء نبوت سے ۱۰ء نبوت تک سوشل بائیکاٹ کیا گیا۔ چنانچہ معصوم بچوں کے لیے کھانے پینے کی چیزیں تک بھیجنا ممنوع تھا۔ (۲۸)

بھوک پیاس سے بچوں کے رونے اور بلبلانے کی آوازیں آتی تھیں لیکن قریش مکہ کا دل نہیں پسیجتا تھا۔ (۲۹)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طواف کرتے دیکھا آپ ﷺ طواف فرما رہے تھے اور عقبہ بن ابی معیط' ابو جہل اور امیہ بن خلف حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے جب آپ ان کے سامنے سے گزرے تو انہوں نے کچھ نازیبا کلمات آپ کو سنا کر کہے' آپ دوسری مرتبہ ادھر سے گزرے تب بھی انہوں نے ایسا ہی کیا جب آپ تیسری مرتبہ گزرے تو پھر اسی قسم کے بے ہودہ کلمات کہنے تو آپ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور ٹھہر گئے اور فرمایا کہ خدا کی قسم تم باز نہ آؤ گے یہاں تک کہ تم پر اللہ کا عذاب جلد نازل ہو۔ (۳۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے اور ابو جہل اور اس کے ساتھی بھی وہاں موجود تھے۔ ابو جہل نے کہا کوئی ایسا نہیں جو اونٹ کی اوجھ اٹھالے تاکہ محمد جب سجدے میں جائے تو وہ اوجھ آپ کی پشت پر رکھ دے۔ اس وقت مشرکین میں جو سب سے زیادہ بدبخت تھا یعنی عقبہ بن ابی معیط وہ اٹھا اور ایک اوجھ اٹھا کر آپ کی پشت پر ڈال دی۔ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں اس منظر کو دیکھ رہا ہوں اور کچھ نہیں کر سکتا اور مشرکین ہیں کہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس رہے ہیں اور ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرے جاتے ہیں' اتنے میں حضرت فاطمۃ الزہرؓا جو اس وقت چار پانچ سال کی تھیں دوڑی ہوئی آئیں اور آپ ﷺ سے اوجھ کو اٹھایا۔ (۳۱)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دو بدترین پڑوسیوں کے درمیان رہتا تھا۔ ابو لہب اور عقبہ بن ابی معیط' یہ دونوں میرے دروازے پر نجاستیں لا کر

ڈالا کرتے تھے۔(۳۲)

غمگسار چچا حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد آپ ﷺ کا کوئی حامی اور مددگار نہ رہا اور حضرت خدیجہؓ کے رخصت ہو جانے سے کوئی تسلی دینے والا اور غمگسار نہ رہا تو آپ ﷺ نے قریش مکہ کی چیرہ دستیوں سے مجبور ہو کر اخیر شوال ۱۰ نبوی میں طائف کا قصد فرمایا کہ شاید یہ لوگ اللہ کی ہدایت کو قبول کریں اور اس کے دین کے حامی اور مددگار ہوں۔ زید بن حارثہؓ کو ہمراہ لے کر طائف تشریف لے گئے۔

عبدیالیل' مسعود حبیب ان تینوں بھائیوں پر جو وہاں کے سرداروں میں سے تھے اسلام پیش کیا' بجائے اس کے کہ کلم حق کو سنتے' نہایت سختی سے آپ کو جواب دیا۔ ایک نے کہا! کیا خدا نے کعبہ کا پردہ چاک کرنے کے لیے تجھ کو نبی بنا کر بھیجا ہے ؟ ایک نے کہا! کیا خدا کو اپنی پیغمبری کے لیے تمہارے سوا اور کوئی نہیں ملا ؟ ایک نے کہا! خدا کی قسم میں تم سے کلام ہی نہیں کروں گا۔ اگر واقعی اللہ نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے تو تمہارے کلام کو رد کرنا سخت خطرناک ہے۔ اور اگر تم اللہ کے رسول نہیں تو پھر قابل خطاب اور التفات نہیں۔ اور بعد ازاں اوباش اور بازاری لڑکوں کو اکسا دیا کہ وہ آپ پر پتھر برسائیں اور آپ کی ہنسی اڑائیں' ظالموں نے اس قدر پتھر برسائے کہ آپ ﷺ زخمی ہو گئے۔ جب آپ ﷺ زخموں کی تکلیف سے بیٹھ جاتے تو یہ بدنصیب آپ کے بازو پکڑ کر دوبارہ پتھر برسانے کے لیے کھڑا کر دیتے اور ہنستے۔(۳۳)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک بار عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ پر کیا احد سے بھی زیادہ سخت دن گزرا ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا! تیری قوم سے جو تکلیفیں پہنچیں سو پہنچیں' لیکن سب سے زیادہ سخت دن وہ گزرا جس دن میں نے اپنے آپ کو عبدیالیل کے بیٹے پر پیش کیا اس نے میری بات کو قبول نہیں کیا" میں وہاں سے نہایت غمگین اور رنجیدہ واپس ہوا مقام قرن الثعالب میں پہنچ کر کچھ افاقہ ہوا' یکایک جو سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک ابر مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے' اور اس میں جبریل امین موجود ہیں جبرئیل نے وہیں سے مجھ کو آواز دی کہ آپ ﷺ کی قوم نے آپ کو جو جواب دیا ہے وہ اللہ نے سن لیا ہے اس وقت اللہ نے آپ کے پاس ملک الجبال کو بھیجا ہے تاکہ آپ ﷺ اس کو جو چاہیں حکم دیں کہ ملک الجبال نے مجھے آواز دی اور سلام کیا اور یہ کہا اے محمد ﷺ اللہ نے مجھے آپ ﷺ کے پاس بھیجا ہے میں ملک الجبال پہاڑوں کے فرشتہ ہوں۔ تمام پہاڑ میرے تصرف میں ہیں آپ ﷺ جو چاہے مجھے حکم دیں۔ اگر آپ ﷺ حکم دیں تو ان دونوں پہاڑوں کو جن کے درمیان اہل مکہ اور اہل طائف رہتے ہیں ملا دوں جس سے تمام لوگ پس جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! نہیں' میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ اللہ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اس وحدہ لاشریک کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔(۳۴)

صحابہ کرامؓ کو قبول اسلام کی پاداش میں اتنا ستایا گیا کہ وہ تنگ آکر حبشہ کو ہجرت کر گئے۔(۳۵)

مشرکین کے پے در پے مظالم اور ایذا رسانی کے نتیجہ میں جو اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ مشرکین کی مجلس ندوہ کے متفقہ فیصلے کے مطابق آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا گیا اور اعلان عام کیا گیا کہ ہر قبیلے سے ایک فرد لیا جائے یوں سب مل کر بیک وقت وار کریں اور معاذ اللہ آپ کو قتل کر دیا جائے تو کسی پر قصاص اور تاوان نہیں آئے گا۔(۳۶)

چنانچہ اس غرض سے رات کو کاشانہ نبوی کا محاصرہ کیا گیا لیکن آپ ﷺ پہرے کے سامنے رات میں مدینہ طیبہ کی ہجرت کے ارادہ سے عازم سفر ہوئے اور مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا۔(۳۷)

جب مشرکین مکہ آپ کے تعاقب میں ناکام ہو گئے تب بھی ان کی آتش عداوت سرد نہ ہوئی اور انہوں نے انتقامی جذبے اور دشمنی کے اظہار کے لیے آپ کی گرفتاری پر سو اونٹوں کا انعام رکھا۔(۳۸)

(جس کی موجودہ دور میں ۵۴۵۴۴ ڈالر رقم بنتی ہے)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام جب تک مکہ میں رہا قریش اور مشرکین مکہ کی ستم ظریفیاں جاری رہیں اور مدینہ پہنچنے پر اور زور پکڑ گئیں۔ مدینہ میں دو مخالف قوتوں کا اور اضافہ ہو گیا' منافقین اور یہود۔

قرآن کریم میں سورہ المنافقون میں منافقین کے کردار کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ مورخ محمد بن حبیب بغدادی نے منافقین کو نام بنام گنایا ہے۔(۳۹)

مدینہ کے یہودی عالم و پیشوا جن کی تعداد تقریباً ۴۵ تھی' رحمت عالم ﷺ کے شدید مخالف اور جانی دشمن تھے انھیں ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ء نے نام بنام گنایا ہے۔(۴۰)

یہود نے کھانے میں زہر ملایا۔(۴۱)

آپ ﷺ پر پتھر کی بھاری سل پھینکنا چاہی۔(۴۲)

لبید بن الاعصم یہودی نے آپ ﷺ پر سحر کیا جس کا اثر آخر تک رہا۔(۴۳)

ایک بار کچھ یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور السلام علیکم کے بجائے "السام علیکم" "تم کو موت آئے کہا' حضرت عائشہؓ نے سنا تو جواب میں کہا!" علیکم و لعنکم اللہ و غضب اللہ علیکم" یعنی تم کو موت آئے' خدا تم پر لعنت بھیجے' اور تم پر خدا کا عذاب نازل ہو۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا! اے عائشہ نرمی اختیار کرو اور سختی اور بد زبانی سے بچو۔(۴۴)

پیکرِ عفو و برداشت ﷺ

انسان کے ذخیرۂ اخلاق میں سب سے کم یاب اور نادر الوجود شے دشمنوں پر رحم' ان سے عفو و درگزر ہے۔

لیکن پیغمبر رحمت محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں یہ جنس فراواں تھی 'اپنے دشمن سے انتقام لینا انسانی فطرت کا لازمی حصہ ہے لیکن یہی فطرت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور تعلیمات میں معدوم نظر آتی ہے۔ آپ نے اپنے بدترین اور انسانی تاریخ کے مثالی دشمنوں سے حسن سلوک 'برداشت ورواداری اور عفوودرگزر کا عملی مظاہرہ کرکے یہ ثابت کردیا کہ آپ دونوں جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے! مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ جو کوئی مجھ پر ظلم کرے میں اسے قدرت انتقام کے باوجود معاف کردوں' جو مجھ سے قطع کرے میں اسے ملاؤں' جو مجھے محروم رکھے میں اسے عطا کروں' غضب اور خوشنودی دونوں حالتوں میں حق گوئی کو شیوہ بناؤں (۴۵) یوں تو آپ کی پوری حیات طیبہ کفار ومشرکین اور دشمنوں سے حسن سلوک 'برداشت 'عفوودرگزر اور رواداری سے عبارت ہے لیکن اسکا اہم موقع ''فتح مکہ'' ۱۰ رمضان ۸ھ جنوری ۶۳۰ء ہے کہ جب آپ ﷺ کو اپنے دشمنوں پر کامل اختیار واقتدار حاصل تھا جب صحن کعبہ میں اسلام' پیغمبر اسلام' اور جاں نثاران اسلام کے دشمن گروہ در گروہ سر جھکائے کھڑے تھے 'کیسے دشمن ؟ جنہوں نے جگر گوشہ رسول کا حمل اپنے نیزوں سے گرایا۔ جنہوں نے داعی اسلام کے سر مبارک کو شانہ مقدس سے جدا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا' جنہوں نے آپ کے چچا کا کلیجہ دانتوں سے چبایا جنہوں نے ہر موقع پر آپ کو بدنام کرنے اور اذیت رسانی میں کوئی دریغ نہیں کیا تھا لیکن آپ نے فتح مکہ کے موقع پر تمام روایات' خدشات اور توقعات کے برعکس برداشت اور عفوودرگزر کے اسوہ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے فرمایا: ''تم پر کوئی ملامت نہیں تم سب آزاد ہو''۔

مشہور سیرت نگار علامہ شبلی نعمانی ''فتح مکہ'' کے تاریخی لمحات کی منظر کشی کرتے ہوئے کیا خوب لکھتے ہیں: ''آپ نے مجمع کی طرف دیکھا تو جباران قریش سامنے تھے 'ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں سب سے پیشرو تھے۔ وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں' وہ بھی تھے جن کی تیغ وسناں نے پیکر قدسی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں' وہ بھی تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑیوں کو لہولہان کردیا کرتے تھے' وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خون نبوت کے سوا کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آآکر ٹکراتا تھا۔ وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریت پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھا تم کو کچھ معلوم ہے میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں...... ؟

یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے' شقی تھے' بے رحم تھے' لیکن مزاج شناس تھے' پکار اٹھے کہ ''اخ کریم و ابن اخ کریم'' تو شریف بھائی اور شریف برادر زادہ ہے۔

ارشاد ہوا......! لا تثریب علیکم الیوم، اذھبوا فانتم الطلقاء تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔(۴۶)

محبت کے یوں جس نے دریا بہائے
دل ان کا بھی چھینا جو سر لینے آئے
اٹھائیں جن سے اذیتیں انہی کے حق میں دعائیں مانگیں
کسی میں یہ شانِ حلم بھی ہے ایسا کوئی حلیم بھی ہے

رحمت عالم رمضان سن ۸ھ میں دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مکہ میں وارد ہوئے تو مشرکین مکہ کو اپنا ظلم وستم یاد تھا اور انتقام کا ڈر تھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے پانچ باتوں کی منادی کرائی!

۱۔ جو مسجد حرام میں داخل ہوا اُسے امان حاصل ہے۔

۲۔ جو کعبۃ اللہ کے پردے سے لپٹا ہو گا وہ مامون ہے

۳۔ جس نے ہتھیار پھینک دیئے وہ بھی مامون ہے

۴۔ ابوسفیان کے گھر میں جو داخل ہوا اُسے بھی امان حاصل ہے

۵۔ جو گھر میں رہا اور دروازہ بند رکھا اُسے بھی امان حاصل ہے۔(۴۷)

ایک اور روایت میں مزید الفاظ ملتے ہیں جس کے مطابق

☆ جو کوئی حکیم بن حزام کے گھر جارہا ہے اسے قتل نہ کیا جائے۔

☆ بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔(۴۸)

☆ زخمی کو قتل نہ کیا جائے کا حکم صادر کیا گیا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ سے رواداری اور محاسن ومکارم اخلاق کا مظاہرہ اس طرح کیا کہ مشرکین میں خاص طور سے قریش سے پوچھا بتاؤ میں تمہارے متعلق کیا فیصلہ کرنے والا ہوں ؟

ان تاریخ ساز کلمات کو مورخ حافظ ابن کثیر "البدایۃ والنہایۃ" میں نقل کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

یا معشر قریش ما ترون انی فاعل فیکم! قالوا خیرا اخ کریم و ابن اخ کریم، قال اذھبوا انتم الطلقاء(۴۹)

اے قریش کی جماعت! تم کیا سمجھتے ہو میں تمہارے متعلق کیا حکم کرنے والا ہوں ؟ وہ بولے 'سب سے بہتر آپ کریم بھائی ہیں (جس میں شرافت وکرامت اور رافت ورحمت کی تمام خوبیاں موجود ہیں) اور کریم بھائی

کے بیٹے ہیں' آپ نے فرمایا! جاؤ تم سب آزاد ہو۔

یورپ کا مشہور دانشور ارتھر گل مین (Arthur Gilman) پیغمبر رحمت کی اس فراخ دلی رواداری برداشت اور عفو عام کے عملی مظاہرہ کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے!

"فتح مکہ کے موقع پر یہ بات ان کے حق میں جائے گی کہ اس وقت جب کہ اہل مکہ کے ماضی کے انتہائی ظالمانہ سلوک پر انہیں جتنا بھی طیش آتا کم تھا اور ان کے انتقام کی آگ بھڑکانے کے لیے کافی تھا مگر آپ نے اپنے لشکر، سپاہ کو ہر قسم کے خون خرابے سے روکا...... محمد کی فتح (در حقیقت دنیا کی فتح تھی' سیاست کی فتح تھی۔ انہوں نے ذاتی مفاد کی ہر علامت کو مٹاڈالا اور ظالمانہ نظام سلطنت کو جڑ سے اکھاڑ دیا' اور جب قریش کے متکبر سردار عاجزانہ گردنیں جھکائے مجرموں کی طرح کھڑے تھے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تمہیں مجھ سے کیا توقع ہے ؟" رحم اے سخی وفیاض بھائی" ارشاد ہوا! جاؤ تم سب آزاد ہو (۵۰)

ہندو سیرت نگار سوامی لکشمن پرشاد "عرب کا چاند" میں لکھتا ہے!" آپ کے اس عدیم المثال حکم سے جو آپ نے اپنے لشکر کو دیا ایسی محبت اور ہمدردی ٹپکتی ہے کہ اس کے تصور سے آج بھی انسان کے اخلاقی احساس میں ایک عجیب، غریب رفعت و وسعت پیدا ہوتی ہے...... جذبات صلح و آشتی اور برداشت کا ایسا بدیع المثال نمونہ تاریخ کے صفحات پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ (۵۱)

سلام اس پر کہ اسرار محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں کھا کر دعائیں دیں

(۵۲)

برداشت' صبر و ضبط اور اعراض کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسرے کو پچھاڑ دے' پہلوان وہ ہے جو غصے میں اپنے کو قابو میں رکھتے ہوئے برداشت سے کام لے (۵۳)

حضرت ابو ہریرہؓ' ابن عمرؓ' حضرت جاریہ بن قدامہؓ' حضرت ابو الدرداءؓ وغیرہ متعدد صحابہ کرامؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی نصیحت کیجئے' ارشاد ہوا کہ غصہ نہ کیا کرو' برداشت سے کام لو' انہیں یہ بات معمولی معلوم ہوئی تو دوبارہ پھر سہ بارہ سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دفعہ یہ فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو۔ (۵۴)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے دو جگہ اپنے کو "غافر" بخشنے والا' پانچ دفعہ "غفار" بڑی بخشائش کرنے والا اور

اتنی ہی دفعہ 'عفو" معاف کرنے والا اور ستر سے زیادہ آیات میں "غفور" بخشنے والا کہا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ اس کے عفوودر گزر کا سمندر کس زور و شور سے جوش مار رہا ہے۔ اللہ نے اپنی تمام صفتوں میں سے اپنی صفت کی تجلی کا پر تو اپنے بندوں میں پیدا کرنے کی بے پردہ دعوت دی ہے' فرماتا ہے!

او تعفوا عن سوء فان الله کان عفوا قدیرا (۵۵) یا کسی برائی کو معاف کرو تو بے شک اللہ معاف کرنے والا قدرت والا ہے۔

انسان اگر برداشت اور ضبط سے کام لیتے ہوئے اپنے کسی قصوروار کو معاف کرتا ہے تو اس کی قدرت بہر حال کامل نہیں 'لیکن اللہ تعالیٰ جس کی قدرت کے سامنے کسی کے دم مارنے کی مجال نہیں وہ معاف فرماتا ہے تو لاچار انسان کو صبر و برداشت کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے قصورواروں کو معاف کرنا کتنا زیبا اور سزاوار ہے تو جس طرح قدرت کاملہ اور اقتدار اعلیٰ کا مالک ہمارے قصوروں کو معاف فرماتا ہے اسی طرح ہمیں بھی چاہیے کہ برداشت اور عفوودر گزر سے کام لیتے ہوئے اپنے قصورواروں کو معاف کریں۔ (۵۶)

و جزاء سیئة سیئة مثلها فمن عفی و اصلح فاجره علی الله انه لا یحب الظالمین (۵۷) اور برائی کا بدہ ویسے ہی برائی ہے لیکن جو شخص معاف کردے اور صلح کرلے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

ولمن صبر و غفران ذلك لمن عزم الامور (۵۸) اور جو شخص صبر کرے اور دوسرے کی لغزش معاف کردے تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

قرآن کریم میں مومنوں اور پرہیزگاروں کا خاص وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ برداشت اور صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے برداشت کا عملی اظہار اس طرح کرتے ہیں!

و الکاظمین الغیظ و العافین عن الناس (۵۹) اور وہ غصے کو پی جاتے ہیں (باوجود تمام تر غضب اور قوت اقتدار کے برداشت سے کام لیتے ہیں) اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں۔

☆ برداشت صبر و ضبط اور عفوودر گزر کے نتائج و ثمرات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا۔

ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینك و بینه عداوة کانه ولی حمیم و ما یلقا ها الا الذین صبر و او ما یلقٰها الا ذو حظ عظیم (۶۰)

اخلاق کی سب سے بھاری اور دشوار ترین تعلیم جو اکثر نفوس پر شاق گزرتی ہے وہ برداشت 'عفوودر گزر ضبط نفس' تحمل اور برداشت کی ہے لیکن اسلام نے اس سنگلاخ زمین کو بھی نہایت آسانی سے طے کیا ہے' سب کو معلوم ہے کہ اسلام میں شرک اور بت پرستی سے کتنی شدید نفرت کا اظہار کیا گیا ہے اور رب ذوالجلال کی توحید اور

عظمت و جلالت کا کتنا اعلیٰ اور ناقابل تبدیل تصور اس نے پیش کیا ہے۔ جو خاص اسلام کا امتیازی حصہ ہے۔ تاہم مسلمانوں کو یہ تاکید کی جاتی ہے کہ تم مشرکوں کے بتوں کو برا بھلا نہ کہو' ایسا نہ ہو کہ وہ ضد میں تمہارے معبود برحق کو برا کہہ بیٹھیں۔ ارشاد ہوا! ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوا بغير علم (٦١) اور جن کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہو کہ وہ اللہ کے بے ادبی سے نادانستہ برا کہہ بیٹھیں۔

یہ برداشت کی انتہائی تعلیم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود کفار مکہ کے سخت ترین مظالم اور ایذا رسانی کا حکم ہوا کہ کفار اور مشرکین کے ظلم و ستم اور گالی گلوچ پر صبر کرو اور ان کو معاف کرو اور اسی برداشت اور عفو و درگزر کا حکم امت کو ہو رہا ہے۔

خذ العفو و امر بالعرف و اعرض عن الجاهلين (٦٢) معاف کرنے کی خو پکڑے رہو اور نیکی کا حکم دیتے رہو اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرو۔

سکون کی حالت میں برداشت اور صبر و درگزر آسان ہے' مگر ضرورت ہے کہ انسان غصے میں بھی برداشت اور صبر و ضبط کا دامن نہ چھوڑے۔ صحابہؓ کی تعریف میں فرمایا گیا! و اذا ماغضبوا هم يغفرون (٦٣) اور جب غصہ آجائے تب بھی وہ معاف کر دیتے ہیں نیکوکار اور پرہیزگار مومنوں کی خاص علامت یہ بیان کی گئی کہ وہ برداشت اور درگزر سے کام لیتے ہوئے اپنے غصے کو پی جاتے ہیں!

والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس (٦٤) اور جو غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں انتقام کی قدرت ہونے اور استطاعت رکھنے کے باوجود برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کو معاف کر دینا بہت بڑی بلند ہمتی کا کام ہے۔ فرمایا گیا!

و لمن صبر و غفر ان ذلك لمن عزم الامور (٦٥) اور البتہ جس نے برداشت کیا اور معاف کیا تو وہ بے شک ہمت کے کام ہیں' اس برداشت اور عفو کو وحی محمدی نے اپنے الفاظ میں "عزم" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جو خاص انبیاء اور پیغمبروں کی توصیف میں آیا ہے!

فاصبر كما صبر اولوا العزم من الرسل (٦٦) اور برداشت کرو جس طرح ہمت اور عزم والے پیغمبروں نے برداشت کیا۔

مندرجہ بالا آیات میں برداشت' صبر عفو و درگزر' تحمل اور ضبط کو بڑی اہمیت' اخلاقی بہادری اور لوالعزمی اللہ کی محبوبیت و تقرب کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سید المرسلین' خاتم النبیین' ہادی آخر و اعظم' سید عرب و عجم پوری کائنات انسانی کے لیے ہادی بنا کر مبعوث کیے گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور ابدی پیغام پوری بنی نوع انسان

کے لیے ہے۔ قرآن کا بیان ہے!

"وما ارسلناك الا كافة للناس بشيرا و نذيرا"

اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ﷺ کی یہی وہ خصوصیت ہے جو آپ کو ہادی عالم ﷺ کی حیثیت سے نمایاں کر کے آپ ﷺ کے ابدی پیغام کی عالمگیریت کا اظہار کرتی ہے۔ جب کہ دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور سیرت و کردار پوری امت مسلمہ کے لیے اسوہ حسنہ اور ابدی نمونہ عمل ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة

بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔ قرآن کریم اور فرامین صادق و امین صلی اللہ علیہ وسلم اس حقیقت کی مزید وضاحت کرتے نظر آتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی پیروی اور مکمل اطاعت نجات اور صلاح و فلاح کا واحد اور یقینی ذریعہ ہے۔

ہادی آخر و اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سراپا برداشت عفو و درگزر' رواداری' اور رحم مجسم تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا یہی وہ پہلو ہے جو آپ ﷺ کو بنی نوع انسان میں ممتاز و منفرد کرتا نظر آتا ہے۔ چنانچہ دعوت اسلام کے آغاز سے فتح مکہ تک کے کٹھن سفر میں حیات طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم برداشت اور عفو و درگزر کے وہ نمونے پیش کرتی ہے جو پوری انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ دعوت اسلام کا آغاز اور تبلیغ دین کا موقع ہو' شعب ابی طالب کی گھاٹی' عام الحزن والملال ہو' طائف کی وادی ہو' دیوانہ' جادوگر اور مجنون کہا جا رہا ہو' جسد اطہر پر گندگی ڈالی جا رہی ہو' راہ میں کانٹے بچھائے جا رہے ہوں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا جا رہا ہو' ہجرت پر گھر بار' آل اولاد اور عزیز و اقارب چھوڑنے پر مجبور کیا جا رہا ہو' جنگ کے معرکے ہوں' احد کے میدان میں دندان مبارک شہید کیے جا رہے ہوں' کھانے میں زہر ملایا جا رہا ہو' مشرکین' منافقین' یہود مدینہ کے کون کون سے مظالم تھے جن پر آپ ﷺ نے صبر و برداشت سے کام نہ لیا۔ صلح حدیبیہ کا موقع ہو' مکہ میں فاتحانہ داخلہ ہو' ہر موقع اور ہر لمحے پر برداشت کا عملی نمونہ پیش کر کے قیامت تک انسانیت کے لیے نمونہ عمل پیش کر دیا۔ آج قومی اور بین الاقوامی سطح پر عدم برداشت کے رویوں میں جو قومی سطح پر فرقہ وارانہ' نسلی' علاقائی اور لسانی و مذہبی اختلافات کی صورت میں نظر آ رہے ہیں' قتل و غارت گری دہشت گردی اور سفاکی کے مناظر اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی سراسر نفی ہیں۔ اسی طرح بین الاقوامی سطح پر برداشت کا ماحول عالمی سطح پر دنیا کے بیشتر خطوں میں نظر آ رہا ہے۔ ان حالات میں راہ نجات اور صلاح و فلاح کا راستہ صرف اور صرف اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تعلیمات نبویؐ میں ہے۔

بنی نوع انسان کی نجات کا راستہ
ہادی انسانیت کے نقش کفِ پا سے ہے آراستہ

حواشی و حوالہ جات

۱۔ حسن عابدی / پاکستانی معاشرہ اور عدم رواداری ص ۵۵، مشعل لاہور ۱۹۹۷ء
۲۔ الانعام ۶ / ۱۰۹
۳۔ اقبال / کلیات اقبال ص ۴۷، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۹۸ء
۴۔ ایضاً
۵۔ مجتبی موسوی / مغربی تمدن کی ایک جھلک ص ۷۶، ترقی اردو بورڈ دہلی
۶۔ اعجاز احمد فکرال / ضرورت امن ص ۳۲، ایشیا بک سینٹر لاہور
۷۔ مجتبی موسوی / مغربی تمدن کی ایک جھلک ص ۷۶
۸۔ ایضاً ص ۷۷
۹۔ ماہنامہ دعوۃ اسلام آباد، جنوری ۱۹۹۶ء
۱۰۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ / خطبات بہاولپور ص ۲۳۸، ص ۲۳۹، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۹۲ء نیز مصنف کی دوسری کتاب عہد نبوی کے میدان جنگ ص ۲ مطبوعہ کراچی
۱۱۔ القلم / ۱۔۴
۱۲۔ الاحزاب / ۲۱
۱۳۔ بخاری / ۱ مع الصحیح ۲ / ۷۱، دار ابن کثیر دمشق، ۱۴۱۰ھ
۱۴۔ ابوالکلام آزاد / رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ص ۴۳۹، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
۱۵۔ احمد بن حنبل / المسند ۳ / ۱۲۰، المطبعۃ المیمنیۃ، مصر ۱۳۰۶
۱۶۔ ابن سعد / الطبقات الکبریٰ ۱ / ۳۴۱، دار صادر بیروت
۱۷۔ الاعراف ۷ / ۱۹۹
۱۸۔ مو ن ۲۳ / ۹۶
۱۹۔ آل عمران / ۱۷
۲۰۔ ابن کثیر / تفسیر القرآن العظیم ۴ / ۵۶۵، دار المعرفۃ بیروت ۱۹۶۹ء
۲۱۔ ابن م / السیرۃ النبویہ ۱ / ۳۱۷، دار الفکر بیروت

۲۰۔ ابن حجر عسقلانی الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ۳ / ۴۶۵ دار احیاء بیروت ۱۳۲۸
۲۱۔ ابن ابی شیبہ / المصنف ۱۴ / ۳۰۰ ادارۃ القرآن کراچی ۱۹۸۶ء
۲۲۔ احمد بن حنبل / المسند ۴ / ۶۳ المکتب الاسلامی بیروت ۱۹۷۸ء
۲۳۔ بخاری / ا مع الصحیح ۲ / ۱۱۷ کتاب التفسیر اصح المطابع کراچی
۲۴۔ السیوطی......الدر المنثور ۸ / ۶۶۶، ۶۶۷ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ
۲۵۔ ابن م ۱ / ۳۵۵ السیوطی ۸ / ۶۶۷
۲۶۔ ابن م ۱ / ۳۴۲ ابن سعد ۳ / ۳۶۷ السہیلی / الروض الانف ۱ / ۲۱۶ مطبعۃ الجمالیۃ مصر ۱۳۳۲ھ
ابن کثیر / البدایۃ والنہایۃ ۲ / ۶۷ مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۵۱ھ
۲۷۔ ابن سعد ۱ / ۲۰۸ ابن م ۱ / ۳۷۷ ابن عبدالبر / الدرر فی اختصار المغازی والسیر ص ۵۳ دار المعارف القاہرہ ۱۴۰۳ھ ابن حزم / جوامع السیرۃ ص ۶۴ ادارہ احیاء السنۃ گوجرانوالہ السہیلی ص ۲۳۱ ابن کثیر ۳ / ۹۵
۲۸۔ ابن سید الناس / عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر ۱ / ۱۴۰ دار المعرفۃ بیروت
۲۹۔ ابن حجر / فتح الباری ۱ / ۳۰۲
۳۰۔ زرقانی / شرح مواہب اللدنیہ ۱ / ۲۵۱ مکتبۃ الاستقامۃ بیروت ۱۹۵۴ء
۳۱۔ محمد ادریس کاندھلوی / سیرۃ المصطفیٰ ۱ / ۲۵۹ مکتبہ مدنیہ لاہور ۱۹۹۲ء
۳۲۔ بخاری / ا مع الصحیح ۱ / ۴۵۸ باب ذکر الملائکۃ اصح المطابع کراچی۔ ابن حجر / فتح الباری ۶ / ۲۲۵
۳۳۔ ابن عبدالبر ص ۴۳ السیوطی ۷ / ۲۸۵
۳۴۔ ابن م ۱ / ۳۸۲، ۳۸۳
۳۵۔ ایضاً ۱ / ۳۸۲
۳۶۔ ایضاً ۱ / ۴۸۹
۳۷۔ ابن حبیب بغدادی / المحبر ص ۴۶۷، ص ۴۷۰ دار المعرفۃ بیروت
۳۸۔ ابن کثیر / البدایۃ والنہایۃ ۲ / ۲۲۷۔۲۳۶
۳۹۔ ابو داؤد / السنن ۲ / ۲۷۱۔۲۷۲ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۸ھ ابن م ۲ / ۳۴۷ ابن سعد ۲ / ۲۰۰
۴۰۔ ابن م ۲ / ۱۹۰ ابن عبدالبر ص ۱۶۴
۴۱۔ ابن سعد ۲ / ۱۹۶۔۱۹۸ السیوطی ۸ / ۶۸۷

۴۴۔ بخاری/۱ مع التصحیح کتاب الادب
۴۵۔ مسلم/۱ مع الصحیح ص ۶' دار احیاء التراث العربی بیروت
۴۶۔ شبلی نعمانی/سیرت النبی ۱/۲۹۴ مکتبہ مدنیہ لاہور ۱۴۰۸ھ
۴۷۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی/بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ ص ۲۲۱' سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد ۱۳۸۶ھ
۴۸۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری/رحمۃ للعالمین ۱/۱۲۹' دار الاشاعت کراچی ۱۴۱۱ھ
۴۹۔ ابن کثیر ۲/۳۰۱
۵۰۔ Arthur Gilman/the Saracens, p.184,m London 1885
۵۱۔ سوامی لکشمن پرشاد/عرب کا چاند ص ۳۹۴' مکتبہ تعمیر انسانیت
۵۲۔ ماہر القادری حوالہ سید رفیع الدین اشفاق/اردو میں نعتیہ شاعری ص ۶۱۶' اردو اکیڈمی کراچی ۱۹۷۶ء
۵۳۔ مسلم/۱ مع الصحیح باب فضل من یملک نفسہ عند الغضب' دار احیاء التراث العربی بیروت
۵۴۔ المنذری/الترغیب والترھیب' باب الترھیم من الغضب' ادارۃ الطباعۃ المنیریہ قاہرہ
۵۵۔ النساء/۳۱
۵۶۔ سید سلیمان ندوی/سیرت النبی ۶/۲۲۷
۵۷۔ الشوریٰ ۴۲/۴۰
۵۸۔ الشوریٰ ۴۲/۴۳
۵۹۔ آل عمران ۳/۱۳۴
۶۰۔ حم سجدہ ۴۱/۳۵
۶۱۔ الانعام/۱۳
۶۲۔ الاعراف/۲۴
۶۳۔ الشوریٰ/۴
۶۴۔ آل عمران/۱۴
۶۵۔ الشورہ/۴
۶۶۔ الاحقاف/۴

عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

سید عزیز الرحمٰن۔ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ و علی الہ و اصحابہ

آفتابِ اسلام جب اس کرۂ ارض پر طلوع ہوا' جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ختمِ نبوت ورسالت سے سرفراز فرما کر مبعوث کیے گئے۔ اس وقت یہ عالمِ آب و گل ایک ہمہ جہتی گردابِ بلا کا شکار تھا' ہر سمت انتشار مکمل اور ہر جانب اضطرابِ مسلسل کا عالم تھا' فضا کچھ اس قسم کی ہو چکی تھی کہ دیدۂ بینا رکھنے والا ہر شخص خود بخود ایک ہمہ جہت اور عالمگیر نوعیت کے انقلاب کا منتظر تھا' اور جو لوگ آسمانی کتابوں اور علومِ نبوت سے شناسائی رکھتے تھے وہ تو کھل کر اس امر کا اظہار کر رہے تھے کہ نبی انقلاب' محسنِ انسانیت' ہادیٔ اعظم' رہنمائے عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد ہے' کتنے ہی لوگ روایتی رسوم اور قبائلی رواج سے تنگ آکر آبائی مذہب چھوڑ چکے تھے۔ (۱) اس فضا اور اس دور کا احوال بہت سے اہلِ سیر نے قلمبند کیا ہے' کئی ایک نے تو خاص اسی موضوع پر تفصیلی کتب بھی تحریر کی ہیں' لیکن اس کا احوال ایک انگریز سیرت نگار سے سنیئے' آر۔وی۔سی۔بوڈلے (R-V-C. Bodley) بعثتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت پوری دنیا کے مشہور اور قابلِ ذکر اقوام کا احوال یوں بیان کرتا ہے۔

"چھٹی صدی عیسوی میں عربوں کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی' اور حقیقت میں تو کسی کی بھی کوئی حیثیت نہ تھی' ایک نزاع کا عالم تھا' تی یورپ اور مغربی ایشیاء کی عظیم سلطنتیں' یا تو تباہ ہو چکی تھیں یا تباہی کے قریب تھی' یہ ایک ایسی دنیا تھی جو اب بھی یونان کی فصاحت' ایران کی عظمت اور روما کی شوکت و جلال پر متحیر تھی اور ایسی کوئی چیز نہ تھی' نہ کوئی مذہب ایسا تھا جو ان میں سے کسی ایک کی جگہ لینے کی حالت میں ہوتا۔ یہودی اپنے مرکز کے بغیر پوری دنیا میں حیران و پریشان سرگرداں تھے' حالات کے مطابق یا تو انہیں برداشت کر لیا جاتا یا پھر انہیں سخت تکالیف دی جاتیں' کوئی ملک ان کا اپنا نہ تھا' اور ان کا مستقبل اسی قدر غیر یقینی تھا جس قدر آج ہے۔

پوپ گریگری اعظم (Gregory the Great) کے حلقہ اثر سے آزاد مسیحی اپنے سہل عقائد کے ہر قسم کے پیچیدہ نی دریافت کر رہے تھے اور اس سلسلے میں (عبادت جان کو) ایک دوسرے کا گلا کاٹنے میں مصروف تھے۔

ایران میں سلطنت کی آخری امید باقی بچی تھی' خسرو ثانی اپنی سلطنت کی توسیع میں مصروف تھا وہ روما کو شکست دے کر کپیڈیشیا (Cappadocia) مصر و شام پر قابض ہو گیا تھا اس نے ۶۲۰ء میں بیت المقدس کو تاراج کر کے مقدس صلیب کو چرالیا تھا اور دارائے اول کی عظمتِ رفتہ کو دوبارہ قائم کر دیا تھا' یوں محسوس ہوتا تھا کہ ق وسطیٰ کی عظمت کو نئی زندگی مل گئی ہے' لیکن حقیقت یہ تھی کہ بازنطینی رومی اب بھی ماضی کی طرح چست و توانا تھے جب خسرو نے اپنی افواج کو لے کر قسطنطنیہ کی فصیلوں پر چڑھائی کی تو انہوں نے آخری کوشش کر دکھائی۔

تی بعید میں بھی حالات کوئی نمایاں تاثر نہیں دے رہے تھے' ہندوستان اب بھی چھوٹی اور غیر اہم ریاستوں پر مشتمل تھا جو سیاسی اور حربی حیثیت میں ایک دوسرے پر غالب آنے کے لیے جدوجہد میں مصروف تھیں۔

چینی اپنی عادت کے مطابق آپس میں ایک دوسرے سے نبرد آزما تھے' خاندانِ سوئی آکر جا چکا تھا اور اس کی جگہ ٹینگ نے لی تھی جو تین صدیوں تک حکمران رہا۔ جاپان میں پہلی بار ایک خاتون تخت نشین ہوئی تھی' ں بدھ مت جڑ پکڑنے لگا تھا اور جاپان کے مذہبی تصورات اور قومی مقاصد پر اثر انداز ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"اسپین اور انگلستان چھوٹے چھوٹے اور غیر اہم ملک تھے' جزائرِ برطانیہ آزاد ریاستوں میں منقسم تھا"(۲)

دورِ حاضر ممکن ہے کہ بعض باتوں میں اس دور سے ممتاز ہو' ممکن ہے اسے بعض پہلوؤں سے ترقی یافتہ بھی قرار دے دیا جائے لیکن اس امر سے انکار کی گنجائش نہیں کہ فتنہ و فساد آج بھی بڑھتا ہوا دکھائی دے رہا ہے' بدی اور شر کی قوتیں آج بھی بھرپور قوت کے ساتھ سرگرمِ عمل ہیں' آج بھی بے اطمینانی اور بے چینی کا ہر طرف دور دورہ ہے' عام آدمی آج بھی اپنی حالت سے مطمئن نہیں ہے' اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مذہب سے پیچھا چھڑوانے والے اب خود مذہب کی تلاش میں سرگرداں ہیں' خرابی حالات آج جس مقام پر نظر آرہی ہے یہ برسوں کی بے اعتدالی اور لغزشوں اور کوتاہیوں کا نتیجہ ہے' مسلم دانشوروں کو رہنے دیجئے غیر مسلم مفکرین اس صورتِ حال کو کس انداز سے محسوس کرتے ہیں اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ معروف برطانوی فلسفی برٹرینڈرسل نے آج سے کوئی چالیس سال قبل یہ سوال اٹھایا تھا کہ "کیا انسان کا کوئی مستقبل ہے"(۳)

یہ سوال اگرچہ خالص مادیت پرستی کے فلسفے کے تحت اٹھایا گیا تھا اور اس کا مقصد مہلک ہتھیاروں کی دوڑ شروع ہو جانے سے انسانیت کو لاحق ہونے والے خطرات کی نشاندہی تھی' لیکن اس سے یہ بہر حال ضرور واضح ہو تا تھا کہ انسان اگر خطِ مستقیم سے ہٹ جائے تو نہ صرف یہ کہ اس کی مفید اور مثبت صلاحیتیں مضر اور منفی سرگر میں صرف ہونے لگتی ہیں' بلکہ وہ اپنے ہی ہم جنسوں کے لیے خطرہ بن جاتا ہے' سوال یہ ہے کہ پھر انسان کی اس آزادی یا آزادروی کا کیا علاج ہے؟ اگر اسے پابند کیا جائے تو کس ضابطے پر؟ اگر کسی انسان ہی کے بنائے ہوئے قانون

سب کو متفق کرنے کی کوشش کی جائے تو پہلے تو یہ امر ویسے ہی محال ہے عقلاً بھی اور مشاہدہ بھی اس کی گواہی دیتا ہے دوسرے اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ ان کا بنایا ہوا دستور ان مقاصد کے لیے مفید ثابت ہوگا جن کی خاطر وہ تشکیل دیا گیا ہے' سو اس کا کیا حل ہے' اگر کوئی شخص مسلمان ہے اور خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کامل رکھتا ہے تب تو اس کے لیے جہاں اسوۂ حسنہ کی صورت میں حیاتِ انسانی کے ہر شعبے کے لیے مکمل رہنمائی موجود ہے وہیں اس کے کردار و عمل کی راہیں بھی متعین کر دی گئی ہیں' لیکن اگر اس کا خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں ہے تب بھی اس کے لیے غور و فکر کے در تو کھلے ہیں' وہ اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ تو کر سکتا ہے' ان میں غور و فکر کر کے اپنی فہم کے مطابق اس بات کا جائزہ تو لے سکتا ہے کہ جو پیغام دیا جا رہا ہے وہ قابلِ عمل ہے یا نہیں' اور اس پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں انسانیت کا فائدہ ہے یا ضرر و نقصان ہے؟ اسی بناء پر اسلام کی دعوت پوری انسانیت کے لیے ہے' آپ ﷺ کو پوری انسانیت کے لیے رہنما و ہادی بنا کر بھیجا گیا' ارشاد باری ہے!

وما ارسلنٰك الا كافة للناس بشيرا و نذيرا و لٰكن اكثر الناس لا يعلمون (۴)

اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام انسانوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے' لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اسی لیے آپ ﷺ کے اکثر خطبات یا ایها الذین امنوا کی جائے یا ایها الناس سے شروع ہوتے تھے' چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب قیامِ قیامت تک آنے والی پوری انسانیت سے ہے' اس لیے ضرورت یہ ہے' اسوۂ حسنہ' سیرت طیبہ اور تعلیمات نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں حیاتِ انسانی کے ہر مسئلے اور دور حاضر کے ہر مسئلے کو پرکھا جائے اور ان کی روشنی میں آئندہ لائحہ عمل ترتیب دیا جائے اور پھر اس پر پورے خلوص اور کامل ذمہ داری سے عمل کیا جائے۔

برداشت و رواداری کا مسئلہ بھی انہیں چند مسائل میں سے ایک ہے جن کا آج قومی اور بین الاقوامی دونوں سطح پر پوری دنیا کو سامنا ہے' صرف عدمِ برداشت اور رواداری کے نہ ہونے کی وجہ سے ان گنت لاینحل مسائل پوری دنیا کے لیے پیدا ہو چکے ہیں جن کی وجہ سے دنیا کی ایک بہت بڑی آبادی شدید خطرات سے دوچار ہے' یقیناً یہ آسمانی تعلیمات اور نبوی طریقِ زندگی سے روگردانی کا نتیجہ ہے اور اس کا حل یہی ہے کہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہوئے قرآن و سنت کی طرف رجوع کیا جائے تاکہ ان مصائب و آلام سے جو ہمارے اپنے پیدا کردہ ہیں ہمیں نجات مل سکے۔

سب سے اہم مسئلہ عدمِ برداشت کا بین الاقوامی رجحان ہے' یہ رجحان گزشتہ کئی صدیوں سے مختلف شکلوں میں برابر جاری ہے۔ اور آج بھی اس کا بڑا شکار مسلمان ہیں' اور لطف یہ ہے کہ عالم اسلام ہی پر شدت پسندی اور عدمِ برداشت کے الزامات عائد کیے جا رہے ہیں' لیکن حقائق کیا کہتے ہیں؟ عدمِ برداشت کے رجحان کے سدباب

اور رواداری کے فروغ کے سلسلے میں ہونے والی کوششوں کے متعلق اعداد و شمار کیا کہتے ہیں ؟اور مختلف قوموں اور گروہوں کی جانب سے کیے جانے والے عملی اقدامات کی حقیقت کیا ہے ؟زیر نظر مقالے میں انہی سوالات کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے 'اور اسلامی تعلیمات اور دیگر مذاہب کی تعلیمات کے تقابلی مطالعہ کے ساتھ ساتھ عملی اقدامات کا بھی تقابل کیا گیا ہے تاکہ اوپر اٹھائے جانے والے سوالات کی روشنی میں حقائق واضح ہو سکیں۔

درحقیقت عنوان کے دو پہلو ہیں 'ایک ہے عدم برداشت کا قومی رجحان اور دوسرا ہے بین الاقوامی رجحان ' اس مختصر سے وقت اور محدود صفحات میں یہ ممکن نہیں ہے کہ ان دونوں پہلوؤں کا کماحقہ احاطہ کیا جائے اس لیے فی الوقت صرف بین الاقوامی رجحان تک اپنی گفتگو کو محدود رکھا جائے گا 'البتہ ضمنی طور پر " قومی رجحان " بھی زیر بحث لایا جائے گا۔

تقابلی مطالعہ کی ضرورت

اس مقالے کا عنوان ہم سے اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم برداشت و رواداری کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی اقدامات کا مطالعہ کرتے ہوئے دیگر ادیان 'مذہبی گروہوں خصوصاً مغرب کے افکار و خیالات اور ان کے طرز عمل کا بھی جائزہ لیں کہ وہ اس بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں ؟اور مخالفین کے ساتھ برداشت و تحمل کے سلسلے میں ان کا کردار کیا ہے۔ کیونکہ اسی صورت میں عدم برداشت کے بین الاقوامی رجحان پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔

برداشت و تحمل کی تشریح

برداشت اور تحمل ہم معنی ہیں 'لفظ تحمل کا مادہ حمل ہے 'حمل کے معنی بوجھ اٹھانے کے ہیں 'پھر اگر لفظ حمل (بالکسر) استعمال ہو تو اس کے معنی ظاہر میں بوجھ اٹھانے کے ہوتے ہیں جیسے کسی جانور پر یا پشت پر بوجھ اٹھانا قرآن کریم میں ہے !

فانه يحمل يوم القيامة وزرا (۵)

اور اگر تحمل (بالفتح) استعمال کیا جائے تو اس کے معنی باطن میں بوجھ اٹھانے کے ہوتے ہیں جیسے بچہ شکم مادر میں اور پھل درخت پر 'قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

واولات الاحمال اجلهن (۶) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے (۷)

اور تحمل کے معنی برداشت کرنے کے ہیں اور تحمل علی نفسہ کے معنی مشقت کے باوجود برداشت کرنے کے ہوتے ہیں۔(۸) اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ تحمل کے معنی بھی برداشت ہی کے ہیں اور یہ طعت کی وہ صفت ہے جس سے انسان میں وہ قوت پیدا ہوتی ہے جس کے سبب وہ جوشِ غضب' اشتعال اور جذبہ انتقام کے باوجود اور انتقام پر قدرت کے ہوتے ہوئے عفوودرگزر سے کام لیتا ہے اور اپنے آپ پر قابو رکھتا ہے' برخلافِ طبیعت اور اشتعال انگیز واقعہ پر رد عمل کے اظہار میں جلدی نہیں کرتا' نہ دشمنی و مخالفت میں حدِ اعتدال سے باہر نکلتا ہے۔

تحمل اور برداشت کا حکم قرآنِ حکیم میں

قرآن حکیم ہر ملے میں انصاف سے کام لینے' عفوودرگزر' برداشت اور تحمل کا درس دیتا ہے' وہ اپنا یہ پیغام مختلف مقامات پر مختلف انداز سے دہراتا ہے' اس طرح وہ ایسی شخصیت کی تعمیر کرتا ہے جو اسلام کی پہچان ہو اور عملی طور پر ہر اعتبار سے پوری انسانیت کے لیے پیغام 'سالمیت و سلامتی" ہو' آیئے چند ایسی آیاتِ ربانی کا مطالعہ کریں جو ہمیں تحمل و برداشت کا درس دیتی ہیں۔ برائی کا بدلہ اچھائی کے ساتھ دینے کی تاکید کرتے ہوئے قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے!

"اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی' برائی کو ایسے طریقے سے دور کرو جو بہتر ہو (اگر ایسا کرو) تو جس شخص میں اور تم میں دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے ولی (قریبی) دوست"(۹)

ان نیک لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جو آخرت میں عمدہ ٹھکانوں کے مستحق قرار پائیں گے قرآن کہتا ہے!

"اور (یہ وہ لوگ ہیں) جو اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے صبر کرتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ (راہِ حق میں) خرچ کرتے ہیں اور برائی کے مقابلے میں بھلائی کرتے ہیں' انہی لوگوں کے لیے آخرت کا گھر ہے"(۱۰)

مذہب کے ملے میں برداشت کی تلقین اور تبدیلی مذہب کے سلسلے میں جبر کی نفی کرتے ہوئے قرآن کا فرمان ہے:

"دین کے ملے میں کوئی زبردستی نہیں' بلاشبہ ہدایت گمراہی سے الگ ظاہر ہو چکی ہے' پھر جس نے جھوٹے معبودوں کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لے آیا تو اس نے ایسی مضبوط رسی پکڑ لی جو ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ خوب جانتا ہے"(۱۱)

اس قرآن حکیم پر اسلام نے کس انداز سے عمل کیا اس کی ایک جھلک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ میں ملتی ہے' انہوں نے اپنے غلام استق کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن جب اس نے انکار کیا تو فرمایا

"لا اکراہ فی الدین"(۱۲)

اسلام کا حکم یہ ہے کہ جب کسی قسم کا معاملہ درپیش ہو تو انصاف کا دامن مضبوطی سے تھامے رہو اور تمہارا کوئی اقدام انصاف سے سر مو تجاوز نہ کرنے پائے اور اس سلسلے میں دوست و دشمن' اپنے پرائے اور مسلم و غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں' ارشادِ باری ہے!

"اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف سے گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ترک نہ کرو (اور) عدل کیا کرو' یہی پرہیزگاری سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے"۔(۱۳)

یہود کی نافرمانیوں اور گستاخیوں کا ذکر کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو درگزر کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

"اور ان (یہود) میں سے چند لوگوں کے سوا ان کی کسی نہ کسی خیانت کی اطلاع آپ کو ہمیشہ ملتی رہے گی سو آپ ان کو معاف کیجئے اور درگزر فرمایئے' بلاشبہ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"(۱۴)

اسلام باطل معبودوں کو بھی برا کہنے سے منع کرتا ہے کیونکہ اس صورت میں ردِ عمل کے طور پر وہ خدائے واحد کو برا کہیں گے' ارشاد ہے!

"اور (اے مسلمانو!) یہ لوگ کہ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں تم ان کو برا بھلا مت کہو کیونکہ پھر وہ بھی جہالت کی بناء پر حد سے تجاوز کر کے اللہ کی شان میں گستاخی کرنے لگیں گے"۔(۱۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور برداشت و تحمل

آپ ﷺ کی قوتِ برداشت اور ضبط و تحمل مثالی تھا' آپ ﷺ کی پوری حیاتِ مقدسہ عفو و درگزر' رحمت و رافت' حلم و تحمل' صبر و ضبط رحم و ترحم اور برداشت و رواداری سے عبارت ہے' ابوالکلام آزادؒ نے بجا کہا ہے کہ!

"مظلومی میں صبر' مقابلے میں عزم' معاملے میں راست بازی اور طاقت و اختیار میں عفو و درگزر اور رواداری تاریخِ انسانیت کے وہ نوادر ہیں جو کسی ایک زندگی کے اندر اس طرح کبھی جمع نہیں ہوئے"۔(۱۶)

اور قاضی عیاض آپ ﷺ کی قوت برداشت کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں!

و هو صلی الله علیه وسلم لا یزید مع کثیرة الاذی الا صبرا و علی اسراف الجاهل الاحلما(۱۷)

"اور آپ ﷺ کو دی جانے والی تکالیف کی کثرت پر آپ ﷺ کا صبر بڑھتا جاتا تھا اور جاہلوں کی جانب سے کی جانے والی زیادتیوں پر آپ ﷺ کا حلم"

انسان کا اصل امتحان اپنے اہل خانہ اور ملازمین کے ساتھ معاشرت میں ہوتا ہے' بہت سے مواقع ایسے آتے ہیں جب انسان کے لیے صبر اور تحمل اور برداشت سے کام لینا عام طور پر ممکن نہیں ہوتا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مراحل میں بھی سب سے جدا اور سب سے ممتاز نظر آتے ہیں' حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے خادمِ خاص تھے ان کا بیان ہے کہ میں نے دس برس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی' خدا کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مجھے اف تک نہیں کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کام کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا۔(۱۸) برداشت و تحمل کا یہ کس قدر بلند رتبہ ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا' سوائے اس شخص کے جس نے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب کیا تو اس سے اللہ کے لیے بدلہ لیا۔(۱۹)

یہ تھا وہ مثالی عفو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثال صبر جس نے اپنوں ہی نہیں غیروں سے بھی تسلیم کروالیا کہ اس سے بڑھ کر تحمل و حلم' اس سے بڑھ کر صبر و ضبط اور اس سے بڑھ کر رواداری کا مظاہرہ ممکن نہیں۔ اس کی مزید مثالیں آپ اس مقالے میں آئندہ پڑھیں گے۔ پہلے دیکھئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ماحول میں اس مثالی قوتِ برداشت کا مظاہرہ کیا وہ ماحول کس قسم کا تھا؟

تحمل و برداشت کے سلسلے میں آپ ﷺ کے اقدامات کا پس منظر

لہٰذا یہ ضروری ہے کہ برداشت و تحمل اور مخالفین سے حسنِ سلوک اور رواداری کے سلسلے میں آپ ﷺ کے اقدامات کا مفصل جائزہ لینے سے قبل اس تاریخی و تہذیبی پس منظر پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے' جس میں آپ ﷺ نے آنکھ کھولی اور جو ماحول آپ ﷺ کے اردگرد موجود تھا' درحقیقت ایک ایسے ماحول میں جو جنگ جوئی' خونخواری اور دہشت انگیزی میں اپنی مثال آپ تھا' آپ ﷺ کا امنِ عامہ' فلاحِ انسانیت' صبر و تحمل' قوتِ برداشت اور ہمہ جہت رواداری کے لیے کام کرنا جائے خود آپ ﷺ کی رسالت کی دلیل اور نبوت کا اعجاز ہے' آج یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص اس پس منظر سے صرفِ نظر کر کے آپ ﷺ کی دعوت' سعی و کوشش' آپ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے کردار و عمل کے بارے میں صحیح رائے قائم کر سکے' اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے آپ ﷺ کی مساعی اور کارناموں سے کماحقہ واقف ہو سکے' اسی بناء پر حضرت عمرؓ کا فرمان تھا کہ جو

شخص اسلامی عہد میں پیدا ہوا اور وہ دور جاہلیت سے واقفیت نہیں رکھتا وہ اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کو نہیں جان سکتا جو انسانیت کے حالات میں انقلابی تبدیلی کے لیے اور اسے دور ظلمت سے نکال کر روشنیو میں لانے کے لیے کیے تھے۔(۲۰) اس لیے ضروری ہے کہ اس وقت کے عرب شرے پر ایک نظر ڈالی جائے۔

دور جاہلیت کی اصل تصویر کشی ان کے شعراء کے کلام میں ملتی ہے' اہل عرب کی تمام دلچسپیاں' ان کی ضروریات' مشاغل' رجحانات' مذہبی خیالات اور ذہنی کیفیات و تخیلات سب کے جاننے کا بنیادی اور بہترین ماخذ دور جاہلیت کے شعراء کے کلام ہیں' ویسے بھی مشہور مقولہ ہے کہ زمانے کا لٹریچر اس دور کی تہذیب و اخلاق کا آئینہ ہوتا ہے۔ اہل عرب کی جنگ جوئی کا کیا عالم تھا؟ وداک بن ثمیل مازنی کہتا ہے'

اذا استجد و الم یسالوا من دعا ھم   لا یة حرب ام بای مکان (۲۱)

"جب ان سے مدد طلب کی جاتی ہے تو وہ یہ سوال نہیں کرتے کہ انہیں لانے والا کون ہے اور نہ یہ دیکھتے ہیں کہ کس جنگ کے لیے یا کس جگہ کے لیے بلایا جارہا ہے۔ حصین بن م اپنی "بہادری" کو ان ا ظ سے تعبیر کرتا ہے۔

نفلق ھا ما من رجال العزة   علینا و ان کانو اعمق و اظلما (۲۲)

"ہم تمہیں قتل کر دینے کے بعد (قرابت داری نبھاتے ہوئے) تم پر روتے ہیں مگر جب قتل کرتے ہیں تو کوئی پرواہ نہیں کرتے"

سوار بن مضرب سعدی اگرچہ اس حد تک نہیں جاتا لیکن جنگ جوئی اس کی بھی فطرت کا حصہ ہے!

و انی لا ازال اخا حروب   اذا لم اجن کنت مجن جان (۲۴)

"میں ہمیشہ لڑائیوں میں گھرا رہتا ہوں' اگر خود ظلم نہیں کرتا تو ظا ل کی سپر بن جاتا ہوں"

اور دشمن کو "مکافات" کی دھمکی دیتے ہوئے ایک شاعر کہتا ہے!

أنختم علینا کلکل الحرب مرة   فنحن ننحرھا علیکم بکلکل (۲۵)

"جس طرح تم نے رے اوپر لڑائی کے اونٹ بٹھا کر ہمیں چور چور کر دیا تھا' ہم بھی تمہیں اسی طرح پاش پاش کر دیں گے"۔

غیرت و حمیت کی بناء پر اپنے مقتول پر نوحہ کرنا بھی عیب سمجھا جاتا تھا' شاعر کہتا ہے!

ولا تراھم و ان جلت مصیبتھم   علی ھالك او ان نضبح من القتل (۲۷)

"خدا نہ کرے کہ ری عورتیں مقتول پر نوحہ کریں یا ہم قتل سے گھبرائیں"۔

ذوالاصبع عدوانی اپنے چچازاد بھائی کو دھمکی دیتے ہوئے کہتا ہے!

یا عمرو الا تدع شتمی و مفقصتی　　　اضربك حتی تقول الهامة اسقونی (۲۸)

"اے عمرو اگر تو مجھے گالیاں دینا اور میری تحقیر کرنا نہیں چھوڑے گا تو میں تجھے مار ڈالوں گا (اور عربوں کے عقیدے کے مطابق) تیری کھوپڑی سے نکلنے والا الو چلاتا رہے گا کہ مجھے سیراب کرو"۔

اور اعشیٰ کا کہنا ہے!

لقد زعمتم بانا لا نقاتلکم　　　انا لا مثالکم یا قومنا قتل (۲۹)

"تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ ہم تم سے جنگ نہیں کریں گے' حالانکہ اے قوم ہم تو تم جیسوں کے لیے بڑے خوں خوار ہیں"۔

ایک شاعر فخریہ کہتا ہے!

و احیانا علی بکرا اخینا　　　اذا ما لم نجد الا اخانا (۳۰)

"اگر کبھی ہمیں (قتل و قتال کے لیے) کوئی حریف قبیلہ نہیں ملتا تو ہم اپنے برادر و حلیف قبیلے پر ہی حملہ کر دیتے ہیں"۔

اور ایک شاعر فقط اس بناء پر قبائل میں لڑائی چھڑ جانے کی دعا کرتا ہے تاکہ اسے اپنی بہادری کے جوہر دکھانے کا موقع ملے' کہتا ہے!

اذا المهرة الشقراء ادرك ظهرها　　　فشب الا له الحرب بین القبائل (۳۱)

"میرا گھوڑا سواری کے قابل ہو جائے تو اللہ قبائل میں جنگ کی آگ بھڑکا دے"

اہلِ عرب کی سفاکی کا یہ عالم تھا کہ زندہ جانوروں کو درخت وغیرہ سے باندھ دیتے اور ان پر تیر اندازی کی مشق کرتے' لڑائیوں میں حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالتے اور عورتیں ان کے ہار بنا کر پہنتیں' منت مانتے کہ دشمن کو قتل کریں گے تو اس کی کھوپڑی میں شراب پئیں گے' مجرموں کو درختوں کی ٹہنیاں جھکا کر اس کے اعضاء ان میں باندھ دیتے اور ٹہنیوں کو چھوڑ دیتے اس طرح مجرموں کا بدن چیر کر ٹہنیوں کے ساتھ رہ جاتا' کبھی عورتوں کو گھوڑے کی دم سے باندھ کر گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے' ان کے بدن کے ٹکڑے اڑ جاتے' کسی شخص کو قید کر کے اس کا کھانا پانی بند کر دیتے حتی کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔ (۳۲) عربوں کے دور جاہلیت میں جذبہ انتقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ عرب جو شراب پر جان دیتے تھے انتقام لینے سے قبل اپنے لیے شراب پینا حرام سمجھتے تھے (۳۳) یہ تھا عرب کی جنگجوئی اور سفاکی کا خلاصہ۔ (۳۴)

اس جنگ جوئی سفاکی اور بے رحمی پر غور کیجئے اور پھر آپ ﷺ کی رواداری' قوتِ برداشت' تحمل و بردباری' صبر و استقامت اور رحم و ترحم کا مشاہدہ کیجئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ ان حالات میں ان اقدامات کے سلسلے میں

آپ ﷺ کو کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا؟ اور آپ ﷺ کو کیا کیا مشکلات پیش آئی ہوں گی؟

اسلام کی آمد سے اہلِ عرب کی فطرت میں جو انقلابی تبدیلی رونما ہوئی اس کا اعتراف خود اہلِ عرب نے بھی کیا اور جو لوگ آپ ﷺ کی کوششوں کے نتیجے میں مسلمان ہوئے انہوں نے خود تسلیم کیا کہ یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ ہمارے درمیان اس قدر رواداری اور باہمی محبت پر مبنی تعلقات قائم ہیں' ایک بار عمرو بن اہشم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں احنف بن قیس کو مخاطب کر کے کہا تھا!

"ایک وہ وقت تھا جب ہم دونوں جاہلیت کی دنیا میں بستے تھے' اس وقت عزت کا مستحق وہ سمجھا جاتا تھا جو زیادہ جاہل اور وحشی ہوتا اور جہالت یہ تھی کہ ہم نے تمارا خون بہایا اور تمہاری عورتوں کو قیدی بنایا آج ہم اسلام کے گھر میں بیٹھے ہیں' آج عزت کا مستحق وہ ہے جو زیادہ بردبار اور حلیم ہے۔ پس اللہ ہمیں اور تمہیں معاف فرمائے" (۳۵)

یہی وجہ ہے کہ ایک غیر مسلم خاتون آپ ﷺ کی کوششوں کو خود آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل قرار دیتی ہیں' مسز اینی بسنت نے ایک بار اپنے لیکچر کے دوران کہا تھا!

"جو شخص ایسے ملک میں پیدا ہوا ہو جس کا میں نے تذکرہ کیا' جس کا ایسے لوگوں سے پالا پڑا ہو جن کے ناگفتہ بہ حالات کا نقشہ کھینچا ہے اور جس نے ان کو مہذب ترین اور متقی بنا دیا ہو' ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ خدا کا رسول نہ ہو"۔ (۳۶)

مخالفین سے سلوک' مختلف مذاہب اور اقوام کی تعلیمات کا تقابلی مطالعہ

اسلام کی قوتِ برداشت' مخالفین کے ساتھ حسنِ سلوک' مذہبی رواداری اور دشمنوں سے عفوودرگزر کے طرزِ عمل کا جائزہ لینے کے لیے ضروری ہے کہ اس سلسلے میں مختلف مذاہب کی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ان کی تعلیمات اس بارے میں کیا کہتی ہیں؟ اور ان معاملات میں ان کا منشور کیا ہے؟ اس سلسلے میں پہلے دیگر مذاہب کا ذکر کیا جاتا ہے بعد میں اس بارے مین آپ ﷺ کی تعلیمات کا بیان ہوگا۔

ہندو تعلیمات

ہندومت کی تعلیمات کا خلاصہ سوامی دیانند کے الفاظ میں یہ ہے!

"دھرم کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلادو' دشمنوں کے کھیتوں کو اجاڑ دو گائے' بیل اور لوگوں کو بھوکا مار کر ہلاک کردو' جس طرح بلی چوہے کو تڑپا تڑپا کر مارتی ہے' اسی طرح دشمنوں کو تڑپا تڑپا کر ہلاک کرو۔ (۳۷)

اور متحدہ ہندوستان میں جب انگریز کی پشت پناہی میں ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں

شروع کی تو مسلمانوں کے بارے میں ان کے کیا خیالات تھے ؟اور ہندوؤں کو ان کے رہنماؤں کی کیا ہدایات تھیں اس کا اندازہ ڈاکٹر کشیوراؤبلی رام کی اس رائے سے کیجئے وہ کہتا ہے !

"ہندوستان کا پورا کوچک ہندوؤں کا ہے جو اس میں ہزار ہا سال سے رہتے سہتے چلے آئے ہیں اور مسلمان دنیا کے اس حصے میں اجنبی اور غیر ملکی ہیں"(۳۸)

ہندوؤں کی عدمِ برداشت کا یہ عالم تھا کہ انہیں مسلمانوں کا اس خطے میں رہنا گوارا ہی نہ تھا' راج کمار اپنٹھی نے ہندو مسلم "اتحاد" کا یہ طریقہ کار پیش کیا تھا!

"بلا شد ہندو مسلم ایکتا (اتحاد) نہیں ہو سکتی' جب تک سب مسلمان شدھ ہو کر ہندو نہ ہو جائیں"(۳۹)

مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے "واردھا منصوبہ" کے نام سے ایک تعلیمی پروگرام شروع کیا تھا' اس میں ہندوؤں کے علاوہ مسلمانوں کے لیے بھی مہاتما گاندھی کی تصویر کی پوجا لازمی تھی' اردو اسکولوں کے ہیڈ ماسٹروں کو ڈسٹرکٹ امراؤتی کے لوکل بورڈ کی جانب سے یہ حکم جاری ہوا تھا۔

"صداقت اور عدم تشدد کا تمام عالم کو پیغام دینے والی عظیم المرتبت ہستی مہاتما گاندھی کی تصویر کی پوجا اور ان کے بلند نظریوں کے متعلق حاضرین کو نیک ہدایت دی جائے"(۴۰)

ہندوؤں کا یہ اچھا عدمِ تشدد تھا جس میں جبراً ایک مذہب کو پوجا پاٹ پر مجبور کیا جا رہا تھا۔

یہودیت

جنگی قیدیوں' مالِ غنیمت اور مفتوحین کے متعلق بائبل کی تعلیمات یہ ہیں۔

"جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا' لیکن عورتوں اور بال بچوں کو اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لیے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی کھانا' ان سب شہروں کا یہی حال کرنا جو تجھ سے بہت دور ہیں اور ان قوموں کے شہر نہیں ہیں' پر ان قوموں کے شہروں میں' جن کو خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے کسی ذی نفس کو زندہ نہ بچا رکھنا بلکہ تو ان کو یعنی حتی' اموری' کنعانی' فرزی' حوی اور یبوسی قوموں کو جیسا کہ خداوند تیرے خدا نے تجھ کو حکم دیا ہے بالکل نیست و نابود کر دینا"۔

موسیٰ نے سرداروں سے کہا!

"کیا تم نے سب عورتیں زندہ بچا رکھی ہیں ؟ان بچوں میں جتنے لڑکے ہیں سب کو مار ڈالو اور جتنی عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں ان کو قتل کر ڈالو' لیکن ان لڑکیوں کو جو مرد سے واقف نہیں اپنے لیے زندہ رکھو"(۴۱)

انگریز

یہاں ان انگریزوں کی ہدایات اور پالیسیوں کا ذکر مطلب ہے جو ایک عرصہ تک سرزمین ہندوستان کے سیاہ و سفید کے مالک رہے' آیئے دیکھیں قوتِ برداشت کے سلسلے میں دنیا کی سب سے بڑی "جمہوریت" کے دعوے دار کیا نمونہ پیش کرتے ہیں؟ انگریزوں کی "جمہوریت پسندی" کے اصل مظاہر اس سے اگلے عنوان کے تحت پیش کیے جائیں گے' یہاں صرف چند جھلکیاں ملاحظہ کیجئے جن کا تعلق پالیسی سے ہے۔

انگریز نے ہندوستان میں مسلمانوں کو دبانے اور انہیں سیاسی اور معاشی طور پر ختم کرنے کے لیے ہندوؤں کو طاقتور کرنے کے پروگرام پر عمل کیا تھا' اس کا اعتراف خود انگریز مورخ ولیم ہنٹر سے سنئے وہ کہتا ہے!

"سندربن کے کمشنر نے گورنمنٹ گزٹ میں اعلان کیا تھا کہ جو ملازمتیں خالی ہوں ان پر سوائے ہندو کے کسی اور کا تقرر نہ کیا جائے" (۴۲)

اور ہندوستان کا گورنر جنرل لارڈ ایلن باور اپنی حکومت کی پالیسی بیان کرتے ہوئے صاف الفاظ میں کہتا ہے!

"میں اس حقیقت سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا کہ یہ نسل (مسلمان) بنیادی طور پر ہماری دشمن ہے' اس لیے ہماری صحیح پالیسی یہ ہے کہ ہندوؤں کو خوش کیا جائے"۔ (۴۳)

آج کے دور میں عدم برداشت کا پوری شدت سے پرچار کرنے والے انگریزوں نے آج سے قریباً ڈیڑھ سو سال قبل برداشت و رواداری کے سلسلے میں کیا کردار ادا کیا تھا اس کی ایک اور جھلک دیکھئے' الہ آباد کے کمانڈ لیفٹینٹ کرنل جان کرک نے ۱۸۵۷ء کے فوراً بعد کہا تھا!

"ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ ہندوستان میں موجودہ مذاہب اور نسلوں کی صورت میں جو اختلاف ہے اسے پوری طاقت صرف کر کے برقرار رکھا جائے اور اسے کسی صورت ختم نہیں ہونا چاہیے' آئندہ حکومتِ ہند کا سب سے بڑا اصول "لڑاؤ اور حکومت کرو" ہونا چاہیے۔ (۴۴)

اور بمبئی کے گورنر لارڈ الفن سٹون نے ۱۴ مئی ۱۸۵۹ء کو اپنی حکومت کو یہ نوٹ لکھا تھا۔

" تقسیم کرو اور حکومت کرو" قدیم رومیوں کا موٹو یہی ہے' ہمیں اس کو اختیار کرنا چاہیے (۴۵)

یہ تھا غیر مسلموں کی تعلیمات کا خلاصہ' اب ملاحظہ کیجئے کہ اسلام مخالفین کو برداشت کرنے اور ان سے حسنِ سلوک کی کیسے تلقین کرتا ہے اور آپ ﷺ کس کس انداز سے عدمِ برداشت کا انسداد اور تحمل و برداشت کی تاکید فرماتے ہیں۔

تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

کسی بھی مخالفت کی انتہا باہمی جنگ کی صورت میں سامنے آتی ہے اور مشہور مقولہ ہے کہ "جنگ میں سب کچھ جائز ہے" لیکن اسلام اس کا قائل نہیں 'وہ جنگ کو ناگزیر ضرورت کے طور پر دیکھتا ہے اور حتی المقدور اس کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ جنگ نہ ہو' حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ دشمن سے جنگ کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت کی دعا کرو' کیونکہ تم نہیں جانتے کہ جنگ کی صورت میں تمہیں کیا حالات پیش آئیں گے ؟ (۴۶) حالانکہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اہلِ عرب بہادری کے جوہر دکھانے کی غرض سے جنگ چھڑنے کی دعائیں کیا کرتے تھے۔

جنگ جسے ہر ایک اپنے اصولوں پر لڑنا پسند کرتا ہے مگر آپ ﷺ نے ایسے اصول تعلیم فرمائے کہ اس میں ایک تو جانی و مالی نقصان کم سے کم ہو دوسرے صرف ان لوگوں سے لڑا جائے جو واقعی آمادۂ پیکار ہیں' دیگر تمام لوگ جن میں ضعیف افراد' بچے اور خواتین شامل ہیں اگرچہ دشمن کی قوم سے تعلق رکھتے ہیں مگر ان سے لڑنا درست نہیں چنانچہ آپ ﷺ کا دستور تھا کہ کہیں حملے کی غرض سے اگر رات کو پہنچتے تو دھوکہ سے حملہ نہیں کرتے تھے۔ (۴۷) غزوۂ موتہ کے لیے لشکر روانہ فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا اور انہیں دیگر نصائح کے علاوہ یہ نصیحت بھی فرمائی کہ ۱۔ ہر حال میں تقویٰ و پرہیزگاری کو ملحوظ رکھنا' ۲۔ اپنے ساتھیوں کی خیر خواہی کرنا' ۳۔ اللہ کی راہ میں اللہ کے نام پر' اللہ سے کفر کرنے والوں سے جہاد کرنا' ۴۔ غداری نہ کرنا' ۵۔ خیانت نہ کرنا' ۶۔ کسی بچے' عورت اور بوڑھے کو قتل مت کرنا' (۴۸) اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو کسی لشکر کا امیر مقرر فرماتے تو اسے تقویٰ و پرہیزگاری کی وصیت فرماتے' ساتھ جانے والے مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کی تلقین کرتے اور فرماتے کہ اللہ کے نام سے اور اسی کے راستے میں جہاد کرو' ان لوگوں سے لڑو جو اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہیں' مالِ غنیمت میں بددیانتی نہ کرو' مثلہ (مقتولوں کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹنا) نہ کرو' بچوں کو قتل مت کرو۔ (۴۹)

فتح مکہ کا موقع ہے' ایک ایسی قوم جو آج سے قبل بیسوں مسلمانوں کو قتل و زخمی اور ہزاروں کو گھر بدر کرا چکی ہے' سینکڑوں مسلمانوں پر اذیت ناک تشدد میں ملوث ہے' دینِ اسلام کو ختم کرنے کے لیے ہر ممکنہ تدبیر آزما چکی ہے' مکہ معظمہ کی پاک سرزمین سے مسلمانوں کو نکال دینے کے بعد بھی اس کی آتشِ انتقام سرد نہیں ہوئی وہ پھر بھی مسلسل سازشوں میں ملوث رہی اور مسلمانوں پر اس نے کئی بھاری جنگیں تک مسلط کر ڈالیں' اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ان کی فتنہ انگیزیوں سے محفوظ نہیں رہ سکے' لیکن آج جب ان سے پرانے حساب چکانے کا موقع ملا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ شہر میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے لشکر کو حکم ہو

رہا ہے!

۱۔جو شخص ہتھیار پھینک دے اسے قتل نہ کیا جائے‘ ۲۔جو خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے اسے قتل نہ کیا جائے‘ ۳۔جو شخص اپنے گھر میں بیٹھا رہے اُسے قتل نہ کیا جائے‘ ۴۔جو ابو سفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے اسے قتل نہ کیا جائے‘ ۵۔جو حکم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔ ۶۔بھاگ جانے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔ ۷۔زخمی کو قتل نہ کیا جائے ۸۔اسیر کو قتل نہ کیا جائے۔(۵۰) کیا اس سے بڑھ کر برداشت‘ رواداری‘ اور تحمل کا مظاہرہ ممکن ہے؟

غیر مسلموں ہی کے بارے میں آپ ﷺ کا یہ اعلان ہے!

"جو مسلمان کسی معاہد (غیر مسلم) پر ظلم کرے گا‘ یا اسے نقصان پہنچائے گا یا اس پر طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے گا یا اس کی رضامندی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے لے گا تو میں اسے غیر مسلم کے لیے (اس غاصب و ظالم مسلمان کے خلاف) اللہ سے انصاف مانگوں گا۔(۵۱)

یہ تھا مخالفین سے حسنِ سلوک کے بارے میں آپ ﷺ کی تعلیمات کا خلاصہ‘ اگلے عنوان کے تحت دیکھتے ہیں کہ عملی میدان میں کس مذہب اور قوم کا کیا کردار ہے؟ اور عملی اقدامات کی روشنی میں کون کس مقام پر کھڑا ہے؟

مخالفین سے سلوک‘ عملی اقدامات کا تقابلی مطالعہ

زبانی پروگراموں اور تعلیمات کے بعد آیئے دیکھیں کہ عملی اقدامات کی روشنی میں کس قوم یا مذہب کا کیا مقام ہے؟ اس لیے کہ کسی جماعت‘ گروہ یا قوم کو پرکھنے کی اصل کسوٹی تو عمل ہی ہے‘ ورنہ خوشنما پروگرام اور دیدہ زیب منشور تو ہر ایک پیش کر سکتا ہے‘ اس سلسلے میں محدود گنجائش کے پیش نظر چند مذاہب اور اقوام کا قدرے اختصار سے تذکرہ کیا جاتا ہے‘ اور آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدامات پر اجمالاً روشنی ڈالی جائے گی۔

ہنود اور برداشت و تحمل

برداشت اور رواداری کی بات کرنے میں کوئی کسی سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا‘ ہر ایک کی یہ خواہش ہے کہ زبانی دعوے اور خوشنما بیانات کے ذریعے اپنے آپ کو دنیا کا سب سے بڑا جمہوریت پسند‘ سب سے زیادہ روادار اور سب سے بڑھ کر مخالفین سے حسنِ سلوک کرنے والا ثابت کر دے‘ لیکن بیانات جاری ہوتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں‘ دعوے سامنے آتے ہیں اور فنا ہو جاتے ہیں لیکن جو چیز باقی رہتی ہے اور تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ کے لیے

ت ہو جاتی ہے وہ فقط کردارِ عمل ہے' کردار ایسی چیز ہے جو اگر برا ہو تو اچھا کہنے سے اچھا نہیں ہو سکتا اور اگر اچھا ہے
اسے لاکھ برا قرار دیا جائے وہ برا نہیں ٹھہر سکتا' حقائق پر کچھ عرصے کے لیے پروپیگنڈے کے ذریعے پردہ ڈالا جا
تا ہے لیکن انہیں تبدیل کر دینا یا ہمیشہ کے لیے انہیں چھپا دینا ممکن نہیں ہے' سچ بالآخر سامنے آتا ہے اور اپنے آپ
منوا کر رہتا ہے' ہندوؤں کا برداشت و تحمل کے سلسلے میں جو کردار ہے اور رواداری کے سلسلے میں ان کی جو
خدمات" ہیں وہ قطعاً قابل رشک نہیں قرار دی جا سکتیں' اپنے بارے میں ان کا اپنا دعویٰ خواہ کچھ ہو' حقائق یہی کہتے
ہیں کہ انہوں نے کسی بھی معاملے میں دوسری اقوام کے ساتھ تحمل و رواداری کا معاملہ نہیں کیا' انہوں نے کبھی
مخالفین کو برداشت نہیں کیا' بلکہ ہمیشہ انہیں دبانے کی کوشش کی' ان کے اقدامات کا پہلا اور سب سے بڑا نشانہ
مسلمان بنے اگرچہ' سکھ' عیسائی' اور خود نچلی ذات کے ہندو کوئی بھی ان کی فتنہ انگیزیوں سے محفوظ نہیں رہ سکا' کچھ
حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں خیال رہے کہ اختصار پیشِ نظر ہے۔

پہلے ہندوؤں کی مقدس کتب کی گواہی دیکھئے! ویدوں کو ملاحظہ کیجئے!

"وہ اندرا جس نے ورترا کو قتل کیا اور جس نے قصبے کے قصبے اور گاؤں کے گاؤں تہہ وبالا کر دیئے' وہ جو
کالے داسوں (غلاموں) کو قتل کرتا ہو"۔

وید دیکھئے! "ہم نے داسوں کو دو ٹکڑوں میں کاٹ ڈالا' قضاوقدر نے ان کو اسی واسطے پیدا کیا تھا"

دعویٰ بھی خوب ہے کہ قضاوقدر نے انہیں اسی لیے پیدا کیا تھا۔ اعداد و شمار بھی ملاحظہ ہوں۔

"اس نے پچاس ہزار سیاہ فام دشمنوں کو لڑائی میں تباہ و غارت کیا" (۵۲)

اب ذرا قیام پاکستان سے قبل کا کچھ احوال دیکھئے! اور فیصلہ کیجئے کہ قیام پاکستان کو ہندوؤں کی عدم برداشت
پالیسی اور جارحیت پسندی کا منطقی نتیجہ قرار دیا جاتا ہے تو بےجا نہیں کہا جاتا؟

قیام پاکستان اور اس کے بعد مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کا ذکر ذرا بعد میں ابھی دیکھئے۔ کہ قیام
پاکستان سے قبل ہندوؤں کا مسلمانوں سے کیا رویہ تھا؟ قیام پاکستان سے قریباً ۳۰ سال قبل ہی ہندوؤں کی جانب سے
مسلم کش فسادات شروع ہو گئے تھے۔ (۵۳) پھر ۱۹۲۲ء میں ہندوؤں کی طرف سے بدنام زمانہ تحریک سنگھٹن
شروع ہوئی اس کے بعد تو ان فسادات کی گویا قطار لگ گئی' ۱۹۲۲ء میں محرم کے موقع پر ملتان میں پہلا بلوہ ہوا' پھر
دہلی' الہ آباد' لکھنو' ناگ پور' جبل پور' گلبرگہ' شاہجہاں پور' اور کوہاٹ وغیرہ میں بڑے بڑے فسادات ہوئے' اور
لارڈ اردن کے بقول ۱۸ ماہ سے بھی کم عرصے میں ان فسادات میں ۲۵۰ افراد قتل اور ۲۵۰۰ سے زائد زخمی ہوئے' اور
ڈاکٹر امبیدکر کے بقول بمبئی میں فروری ۱۹۲۹ء سے اپریل تک ۱۹۳۸ء کے عرصے کے دوران مسلسل ۲۱۰ روز تک
ہنگامے ہوتے رہے' ان میں ۵۶۰ افراد قتل ہوئے اور ۴۵۰۰ افراد زخمی ہوئے اور مارچ ۱۹۳۱ء میں کانپور میں

فسادات میں ۵۰۰ سے زائد افراد ہلاک ہوئے۔(۵۴)

اسی دوران اسلام دشمنی میں ایک اور مسئلہ کھڑا کیا گیا جو گاؤ کشی سے متعلق تھا اس تحریک کی تائید امن عالم کے خود ساختہ علمبردار "مہاتما گاندھی" نے بھی کی اس تحریک کے دوران ہندوؤں کے حوصلے اس قدر بلند ہو گئے تھے کہ ۱۹۲۷ء میں سکھر میں ایک جلسہ عام سے خطاب کے دوران مہاشہ پرتاب سنگھ نے علی الاعلان ہندوؤں کو کہا تھا۔

"اگر تم ایک گائے کی خاطر کراچی سے لے کر مکہ تک تمام مسلمانوں کو ختم کر دو تو بھی تھوڑا ہے ہندو دھرم میں جانوروں کا گوشت کھانا منع ہے لیکن مسلمانوں کا خون پینا جائز ہے کسی ہندو کو اس کے پینے میں پس و پیش نہیں کرنا چاہیے"(۵۵)

اشتعال انگیزی اور عدم برداشت کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو گی ؟

پھر جب قیامِ پاکستان کا اعلان ہوا تو ہندوؤں کو مسلمانوں کے قتلِ عام کا ایک اور موقع مل گیا' چاہیے تو تھا کہ برداشت و تحمل سے کام لیتے ہوئے رضا کارانہ نقلِ آبادی ہوتی لیکن اس عمل کو بھی جبری بنا دیا گیا اور اس دور میں عام اعداد و شمار کے مطابق ۱۵ سے ۲۰ لاکھ مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا' جبکہ سردار عبدالرب نشتر کے بقول پانچ سے دس لاکھ جانیں گئیں نوے ہزار عورتیں غیر مسلموں کے قبضے میں چلی گئیں اور اسی لاکھ مسلمان اپنے جائیداد سے محروم ہو گئے۔(۵۶)

ہندوؤں کی عدمِ برداشت کی ایک مثال اردو زبان ہے' جسے دنیا کی تیسری بڑی زبان تسلیم کیا جاتا ہے(۵۷) قیامِ پاکستان کے کچھ ہی عرصے بعد اس کے بارے میں ہندوؤں نے یہ موقف اختیار کر لیا کہ "اردو تو زبان نہیں ہے"(۵۸).

اور اس کی جگہ ایسی ہندی رائج کرنے کی کوشش کی گئی جس کے متعلق خود ہندوستان کے وزیراعظم جواہر لال نہرو کو یہ کہنا پڑا کہ "یہ تو نرے جڑا توڑ الفاظ کا مجموعہ ہے اور اس طرح کی ہندی کبھی عامۃ الناس کی ہندی نہیں بن سکتی"(۵۹)

اور آخر کار انہیں حلف لفظوں میں مذاہب چھوڑ دینے کا مشورہ دے دیا گیا' اور انہیں ایک ہندو انتہا پسند تنظیم جن سنگھ کے لیڈر حکم چند نے کہا کہ مسلمانوں کو رام غلام اور حولا رام جیسے نام رکھنے چاہئیں' مسلمانوں کو اپنے تہوار بھی نہیں منانے چاہئیں' اور انہیں ہولی' دسہرہ اور بسنت منانی چاہیے۔(۶۰)

اختصار کی خاطر دیگر موضوعات چھوڑ کر اب حال کا جائزہ لیتے ہیں سب جانتے ہیں کہ کشمیر میں عرصہ سے آزادی اور حق خود ارادی کی تحریک جاری ہے' اور اس میں ہزاروں کشمیری مسلمان جاں بحق ہو چکے ہیں' حال

بت کانفرنس کے شعبہ انسانی حقوق کی جانب سے جاری ہونے والے اعداد و شمار کے مطابق فاروق عبداللہ کے ئی سالہ دورِ حکومت میں ۵ ہزار ۶ ۷ ۷ عام کشمیری باشندوں کو شہید کیا جا چکا ہے۔ (۶۱)

اور ہندوستان میں مسلمانوں کی حالتِ زار کے متعلق مسلم لیگ انڈیا کے رہنما جی ایم بنات والا کا کہنا ہے کہ پاکستان کے وقت انڈیا میں سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی ۳۰ فیصد تھی اور اب ۲ فیصد بھی نہیں ۔ (۶۲) یہ تھی ہندوؤں کی عدمِ برداشت کی ایک جھلک۔

دیت اور عدم برداشت

آیئے دیکھیں کہ یہود کے عدمِ برداشت کے سلسلے میں ان کی مذہبی کتب کیا اعداد و شمار نقل کرتی ہیں' لہ اس سے بڑا اعتراف ممکن نہیں ہے' یشوع کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے ان سب (مفتوحین) کو جو اس شہر تھے کیا مرد' کیا عورت' کیا جوان' کیا بوڑھا' کیا بیل' کیا بھیڑ اور کیا گدھا سب کو تہہ تیغ کیا۔ (۶۳)

اور دیکھئے!

"اور جیسا کہ خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا اس کے مطابق انہوں نے مدیانیوں سے جنگ کی اور سب وں کو قتل کیا اور بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو اسیر کیا اور ان کے چوپائے اور بھیڑ بکریاں' ل و اسباب سب کچھ لوٹ لیا' ان کی سکونت گاہوں کے سب شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور سب چھاؤنیوں کو میں پھونک دیا' انہوں نے سارا مال غنیمت اور سب اسیر کیا' انسان اور کیا حیوان ساتھ لیے' جو کچھ مال غنیمت مردوں کے ہاتھ آیا اسے چھوڑ کر لوٹ کے مال میں چھ لاکھ پچھتر ہزار بھیڑ بکریاں' بہتر ہزار گائے بیل' اکسٹھ گدھے اور نفوسِ انسانی میں سے بتیس ہزار ایسی عورتیں شامل تھیں جو مرد سے ناواقف اور اچھوتی ں" (۶۴)

اور حال کے عرصے میں اسرائیل کی صورت میں یہودیت نے عدم برداشت کی جو تاریخ رقم کی ہے وہ ئے خود عالمِ انسانیت کے لیے لمحہ فکریہ اور پوری دنیا کے لیے مقامِ عبرت ہے۔ مثلاً ۱۰۹۹ء میں فتح یروشلم کے نع پر انہوں نے ستر ہزار سے زائد مسلمان مردوں' عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا (۶۵)

مائیت اور عدمِ برداشت

عدمِ برداشت کے سلسلے میں عیسائیت کی تاریخ بھی ہندوؤں سے کم خفت آمیز نہیں ہے' ان کے بارے ایک انگریز ہی کا یہ تبصرہ خاصہ برمحل ہے کہ!

"عیسائیت اپنے دورِ ابتلا میں صلح و آشتی' عفو و درگزر کی تبلیغ کرتا رہا' لیکن اقتدار حاصل کرنے کے بعد

عیسائیوں نے بجائے عفو و درگزر سے کام لینے کے اپنے مخالفین سے عبرت ناک انتقام لیا' کلیسا کا دستور تھا کہ مخالفت کو بزورِ شمشیر کچلا جائے گا...... غیر مذہب کے لوگوں کے لیے عیسائی بننے یا موت کے سوا کوئی راستہ نہ تھا' کوئی راستہ نہ تھا' ایک راستہ شدید ایذاء کا دوسرا نا قابلِ برداشت جسمانی اذیت کا"(۶۶)

اس میں شبہ نہیں کہ عیسائیت کی تاریخ شروع ہی سے جبر و تشدد کی تاریخ ہے اور اس کے ہاں برداشت تحمل کا رجحان کہیں طاق و نظر نہیں آتا' آج تو اس کا بڑا ہدف اسلام اور مسلمان ہیں لیکن اس نے اپنے آغاز میں یہودیت کو بھی برداشت نہیں کیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ عرصہ قبل ۶۱۰ء میں شہنشاہ فوکاس (Phocas) نے یہودیوں کی سرکوبی کے مشن پر انطاکیہ میں اس دور کے معروف فوجی افسر بنوسوس Bono-sus) کو بھیجا' جس نے پوری یہودی آبادی کا خاتمہ کر دیا اور اس طرح کہ ہزاروں کو تلوار سے سینکڑوں کو دریا میں غرق کر کے' آگ میں جلا کر اور درندوں کے سامنے ڈال کر ہلاک کیا۔(۶۷)

پھر اس کے ۲۰ برس بعد ۶۳۰ء میں اومی سلطنت کے شہنشاہ ہرقل (Heraclius) نے عیسائی پادریوں اور مذہبی رہنماؤں کے ایما پر یودی مفتوحین کا اس طرح قتل عام کیا کہ رومی سلطنت میں صرف وہی یہودی باقی بچے جو ملک چھوڑ کر چلے گئے یا کہیں یہ چھپے رہنے میں کامیاب ہو گئے۔(۶۸)

عیسائیت کی عدمِ برداشت کا جائزہ لینا ہے تو پھر ہسپانیہ کی تاریخ اور سقوط غرناطہ سے صرفِ نظر ممکن نہیں' یہ عدمِ برداشت کی کتنی بڑی مثال ہے کہ عیسائیت سے یورپ کے قلب میں ایک مسلمان آبادی کا وجود برداشت نہ ہوا' حالانکہ مغرب نے علوم و فنون کے سلسلے میں مرحوم ہسپانیہ کی جس قدر خوشہ چینی کی' اس سے انکار نہیں کر سکتا' اس طرح ہسانیہ اپنے اندر عیسائیت کی عدمِ برداشت کی ہی نہیں احسان فراموشی کی بھی المناک داستان رکھتا ہے۔

ہم اس حصے کو معروف مسلم اسکالر محمد مارماڈیوک پکتھال کے اس مختصر تبصرے پر ختم کرتے ہیں' وہ لکھتے ہیں!

"کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ہسپانیہ' صقلیہ اور اپالیہ میں مسلمانوں کا ایسا قتل عام ہوا کہ ان ممالک میں مسلمانوں کا نام لیوا بھی باقی نہیں رہا' کیا یہ سچ نہیں ہے کہ یونان کی ۱۸۲۱ء کی بغاوت میں مسلمانوں کو چن چن کر یوں قتل کیا گیا کہ ان کا نام و نشان مٹ گیا اور ان کی مسجدوں کی لفظاً و معناً اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی"۔(۶۹)

انگریز اور برداشت و تحمل

دنیا کے ان تین بڑے مذاہب کے بعد اپنے آپ کو دنیا کی سب سے مہذب قوم تصور کرنے والے انگریزوں کی قوتِ برداشت کا مختصراً تذکرہ کیا جاتا ہے یہاں صرف ان اقدامات کا سرسری جائزہ لیا جائے گا جو

نے مقبوضہ ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف کیے' انگریزوں کی مسلم دشمنی اور عدم برداشت کے مناظر جب یخ کے صفحات میں مستند حوالوں سے سامنے آتے ہیں تو یہ باور کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ آج اپنے آپ کو مہذب ین قرار دینے والی انگریز قوم کی اس حد تک گر سکتی ہے کہ انسانیت کو اس کے ذکر سے بھی ندامت محسوس ہونے لی' سچ ہے کہ انسانی حقوق کی پامالیوں کی یہ داستان ایک "تہذیب یافتہ" قوم نے اپنے خونی سنگینوں سے لکھی ہے' ر جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

۲۷ جنوری ۱۸۵۷ء کو جب بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے ان پر مقدمہ چلانے کا فیصلہ کیا گیا تو اس کے ہی عرصے بعد چند غداران وطن کی نشاندہی پر کیپٹن ہڈسن نے ہمایوں کے مقبرے سے شہزادوں' مرزا مغل' ز سلطان' مرزا ابوبکر اور عبداللہ کو گرفتار کیا' اور انہیں شہر سے ایک میل دور لے جا کر برہنہ کر کے گولیوں سے ید کر دیا گیا' پھر ان کے سر ایک طشت میں رکھ کر بادشاہ کو پیش کیے' پھر ان کی لاشیں کوتوالی کے سامنے لٹکا دی یں اور ان کے سر جیل کے خونی دروازے پر لٹکا دیے گئے' ہڈسن نے شہزادوں کا خون چلو بھر کر پیا اور کہا کہ "اگر ں خون نہ پیتا تو میرا دماغ خراب ہو جاتا"(۷۰)

انگریزی وحشت اس پر بس نہیں کرتی انہوں نے "باغیوں" کو سزا دینے کا ایک بڑا ہی دلخراش طریقہ تیار کیا وہ یہ تھا کہ باغی کو توپ سے باندھ کر اڑا دیتے تھے' ایسے ہی ایک واقعہ کا ذکر ایک انگریز یوں کرتا ہے!

"ایک روز توپ کے بڑے دھماکے کی آواز سے ہم چونک پڑے' جس کے ساتھ ہی ایک ناقابلِ بیان یمی مگر وحشت ناک چیخ بھی سنائی دی' دریافت کرنے پر ایک افسر نے ہمیں بتایا کہ یہ ایک نہایت ہی کرب انگیز ارہ تھا' ایک توپ میں بارود زیادہ بھر گیا جس کے چلانے سے ملزم کا گوشت ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا اور تماشائیوں پر ان کے چھینٹے اور گوشت کے ٹکڑے گرے اور اس کا سر ایک راہ رو پر اس زور سے گرا کہ اسے بھی چوٹ آئی"(۷۱)

اس سارے تشدد کا مقصد ایک اور انگریز کے الفاظ میں فقط یہ تھا کہ "ان بدمعاش مسلمانوں کو بتا دیا جائے ، خدا کے حکم سے صرف انگریز ہی ہندوستان پر حکومت کر سکیں گے۔(۷۲)

انگریز کی اس تشدد پسندی اور قتلِ عام نے مسلمانوں کے محلے کے محلے صاف کر دیئے' کوئی حویلی تاراج یے بغیر نہیں چھوڑی گئی' درختوں پر بھی پھانسیاں آویزاں کر دی گئی تھیں' دہلی کے ان کشتگان فرنگ کا تخمینہ ۲۷ رار لگایا گیا ہے۔(۷۳) غالب نے یہ سب کچھ دیکھ کر ہی کہا تھا

چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے
گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا

شہر دلی کا ذرہ ذرہ خاک
تشنہ خوں ہے مسلماں کا(۷۴)

امریکہ' اور برداشت و تحمل

انگریز کے مختصر تذکرے کے بعد مختصراً امریکہ کا ذکر' امریکہ کی جانب سے مسلمانوں کے بارے میں کیے جانے والے اقدامات علیحدہ سے توجہ کے متقاضی ہیں۔ خصوصاً حالیہ برسوں میں افغانستان پر حملہ (۷۵) اور عراق پر مسلسل بمباری اور پابندیاں جن کے نتیجے میں ہی ۹ لاکھ سے زائد بچے صرف خوراک اور ادویات کی عدم فراہمی کی وجہ سے موت کا شکار ہو گئے ہیں۔ (۷۶) لیکن یہاں صرف جاپان پر اس کے ایٹمی حملوں کے اعداد و شمار پیش کیے جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ ۱۹۴۵ء میں امریکہ و جاپان کی جنگ میں دو چھوٹے ایٹم بم جاپان پر پھینکے گئے تھے ان میں پہلا "ہیروشیما" پر اور دوسرا صرف تین روز بعد "ناگاساکی" پر اور ان کے نتیجے میں ایک لاکھ دس ہزار سے زائد افراد ہلاک اور اتنے ہی زخمی ہوئے۔ (۷۷) اور اس کے مابعد اثرات ان کے علاوہ ہیں۔

اسلامی غزوات اور عالمی جنگوں کا تقابل' اعداد و شمار کے آئینے میں

آیئے اب دیکھیں کہ اسلامی غزوات میں ہلاک و زخمی ہونے والوں کی تعداد بین الاقوامی سطح پر لڑی جانے والی لڑائیوں کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی ہے اور پھر فیصلہ کریں کہ کیا اس کے بعد بھی اسلامی غزوات کو بربریت کا نام دینا اور جہاد کے مقدس لفظ کی توہین کرتے ہوئے اسے مسخ کر کے پیش کرنا کس قدر قرین انصاف ہے!

قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ علیہ کے بیان اور تحقیق کے بموجب ان تمام غزوات و سرایا میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیش آئے مسلمانوں کے مجموعی طور پر ۲۵۹ افراد شہید اور ۱۲۷ افراد زخمی ہوئے۔ جبکہ مخالفین کے مقتولین کی تعداد ۷۵۹ اور اسیروں کی تعداد ۶۵۶۴ ہے' اس طرح ان جنگوں میں کل ۱۰۱۸ افراد قتل' ۱۲۷ زخمی اور ۶۵۶۵ قید ہوئے (مسلمانوں کا ایک اسیر بھی شامل ہے) حالانکہ ان غزوات میں وہ واقعات بھی شامل ہیں جو معروف معنی میں لڑائی تھی ہی نہیں' یا تو فریقین کی غلط فہمی کا نتیجہ تھا یا پھر مجرموں کی سرکوبی کے لیے ٹیمیں روانہ کی گئی تھیں۔ (۷۸) جبکہ معروف مسلم اسکالر ڈاکٹر حمید اللہ کا دعویٰ ہے کہ دشمن کے جتنے لوگ مدنی زندگی کے دس سالوں میں مرے ہیں ان کی تعداد اوسطاً فی مہینہ دو بھی نہیں' اور کل دو سو چالیس افراد بھی مخالفین کے نہیں مرے جبکہ مسلم مقتولوں کی تعداد اس سے بھی کم ہے۔ (۷۹) اب دو عالمگیر جنگوں کے نقصانات کے اعداد و شمار ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے ان دونوں میں کوئی مناسبت ہے۔

جنگِ عظیم اول میں جو ۱۵۶۵ دنوں تک جاری رہی' تقریباً ۹ ملین (۹۰ لاکھ) شدید زخمی ہونے والوں کی تعداد ۲۲ ملین (دو کروڑ ۲۰ لاکھ) اور اپاہج اور معذور ہونے والے ۲۵ ملین (دو کروڑ ۵۰ لاکھ) تھے' یہ اعداد و شمار میدانِ جنگ کے ہیں جبکہ شہروں میں مرنے والے اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ اس جنگ میں مجموعی طور پر ساڑھے چھ کروڑ افراد کے دھکیلے گئے' ایک کروڑ فوجی میدان جنگ میں ہلاک ہوئے' ڈیڑھ کروڑ شہری قتل ہوئے' دو کروڑ سے زائد افراد دائمی معذوری کا شکار بنے' لاکھوں بچے یتیم ہوئے' پچاس لاکھ عورتیں بیوہ ہوئیں' لاکھوں عورتیں بچے' فوجی اور شہری لاپتہ ہوئے۔ (۸۰)

جبکہ دوسری جنگِ عظیم کا احوال اس سے بھی زیادہ خوفناک ہے' اس میں ہلاک ہونے والے فوجی اور شہری افراد کی تعداد ۵۴ء۸ ملین تھی اس جنگ میں کل ۱ء۵ ٹریلین ڈالر لاگت آئی جو تاریخ کی تمام جنگوں پر آنے والی لاگت سے زیادہ تھی۔ (۸۱) اس جنگ میں ۲۰ ملین (دو کروڑ) افراد معذور ہوئے' اور ۱۷ ملین لیٹر خون زمین پر بہادیا گیا۔ (۸۲) یہ تھی "حقوقِ انسانی کے علمبرداروں" کے ہاتھ انسانیت کی بے توقیری۔

اس حصے کے اختتام سے قبل اسی مناسبت سے واشنگٹن پوسٹ کی حالیہ تحقیقاتی رپورٹ بھی ملاحظہ کر لیجئے جس کے مطابق گزشتہ دو ہزار برسوں کے درمیان بڑی جنگوں میں ہلاک ہونے والوں کی مجموعی تعداد ۱۴ کروڑ ۹۰ لاکھ ہے' جن میں سے ۱۰ کروڑ افراد صرف ۲۰ ویں صدی میں ہلاک ہوئے۔ (۸۳)

اب اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والوں کے ذمہ مسلمانوں کی جانب سے اس سوال کا جواب باقی ہے کہ ان اعداد و شمار میں مسلمانوں کا کتنا حصہ ہے۔ ہم اپنی اس گفتگو کو مشہور مغربی مورخ الفریڈ اسمتھ (Alfred Smith) کے اس بیان پر ختم کرتے ہیں جو تسلیم کرتا ہے کہ اسلام نے ہمیشہ نظریاتی فتح حاصل کی ہے' وہ کہتا ہے!

"پیغمبر اسلام نے رواداری کے جو اصول وضع کیے تھے مسلمانوں نے ان پر سختی سے عمل کیا' ان اصولوں کے مطابق عیسائی اور یہودی بھی مسلم ریاست میں امن و سلامتی کی زندگی بسر کر سکتے تھے اور اپنے مذہب پر قائم رہ کر وہ تمام شہری حقوق حاصل کر سکتے تھے جو مسلمانوں کو حاصل تھے"...... مسلم فاتحین کی رواداری اور اسلامی نظریہ حیات کی کشش لاکھوں عیسائیوں اور یہودیوں کو دائرہ اسلام میں لے آئی' یہ مسلمانوں کی عسکری فتح نہیں نظریاتی فتح تھی"۔ (۸۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور برداشت و تحمل

اسلامی جنگوں اور غزوات میں ہونے والا جانا نقصان تو سامنے آچکا اور اس کے مقابل عالمی جنگوں کے نقصانات بھی واضح ہو چکے ہیں' اب یہاں ان چند واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے جب آپ ﷺ نے مخالفین کے ساتھ بے پناہ و بے مثال قوتِ برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ مخالفین کو معاف فرمادیا بلکہ ان کے لیے دعائے ہدایت تک فرمائی اور جانی دشمنوں سے بدلہ تک نہیں لیا۔

بددعا کے موقع پر بھی دعا

طائف کے سفر میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بدسلوکی کی گئی یہاں تک کہ آپ ﷺ بے ہوش ہو کر گر پڑے اس وقت جبرئیل امینؑ ملک الجبال (پہاڑوں کے فرشتے) کے ساتھ آئے اور کہا کہ اللہ نے ہمیں اس لیے بھیجا ہے کہ آپ ﷺ حکم کریں تو دونوں طرف کے پہاڑوں کو ملا کر ان تمام افراد کو کچل دیں' رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے' بلکہ مجھے امید ہے کہ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں کریں گے۔(۸۵)

اسی طرح جب غزوۂ احد میں آپ ﷺ زخمی ہوئے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہو گئے اور آپ ﷺ کا چہرہ مبارک بھی زخمی ہو گیا' ایسے موقع پر بھی رحمتِ اللعالمین علیہ الصلوۃ والتسلیم برداشت و تحمل کی اپنی ہی قائم کردہ بے مثال روایات کی پاسداری فرماتے ہیں اور جب صحابہ کرامؓ یہ عرض کرتے ہیں کہ ان کے لیے بددعا فرمائے تو رحمتہ تمام صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں مبعوث کیا گیا' میں تو ہادی اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں اور پھر ان کفار کے لیے یہ دعا فرماتے ہیں۔

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون(۸٦)

"اے اللہ میری قوم کو ہدایت عطا فرما یہ مجھے جانتے نہیں ہیں"

قحط کے موقع پر مدد

وہی قریشِ مکہ جنہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحابؓ کو شعبِ ابی طالب محصور کر کے انہیں دانے پانی تک کا محتاج کر دیا تھا اور جب بھوک سے بچے بلبلاتے تو یہ خوشی و مسرت کا اظہار کرتے تھے وہی قریشِ مکہ قحط کا شکار ہوئے اور یمامہ کے رئیس ثمامہ بن آثال رضی اللہ عنہ سے جہاں سے مکہ کو غلہ سپلائی ہوتا تھا اسلام لانے کے بعد جب مکہ کو غلے کی فراہمی بند کر دی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے امداد کے طالب ہوئے' ہر چند اہل مکہ کا ظالمانہ کردار آپ ﷺ کے سامنے تھا مگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو ترجیح

دیکھنا برداشت نہ کیا اور ثمامہؓ کو کہلا بھیجا کہ بندشیں اٹھالو اور یوں غلے کی فراہمی پھر سے شروع ہو گئی۔ (۸۷)

فتح مکہ 'قوتِ برداشت کا بے مثال مظاہرہ

تاریخ کا سب سے عجیب 'سب سے حیرت انگیز اور سب سے انوکھا منظر فتح مکہ کے موقع پر نظر آتا ہے' جب سالوں سے دشمنی کرنے والے 'سینکڑوں مسلمانوں کے قاتل 'طرح طرح سے اذیت رسانی میں پیش پیش رہنے والے اور آپ ﷺ کی ذات تک کو براہ راست نشانہ بنانے والے جب مجرموں کی حیثیت میں سامنے آتے ہیں' جب رحمتِ تمام صلی اللہ علیہ وسلم ان پر ہر طرح سے غلبہ پا لیتے ہیں اور پرانے بدلے چکانے اور سالہا سال کا حساب صاف کرنے کا موقع آتا ہے تو آپ ﷺ ان کی طرف دیکھتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تمہیں کچھ علم ہے کہ میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں ؟وہ لوگ آپ ﷺ کے مزاج سے کسی قدر آگاہ تھے 'وہ اس سے قبل بارہا رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتِ عامہ اور عفو و ترحم کا مشاہدہ کر چکے تھے 'فوراً بول اٹھے آپ ﷺ شریف بھائی ہیں 'اور شریف بھائی کی اولاد ہیں 'آپ ﷺ نے فرمایا!

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء (۸۸)

"آج تم پر کچھ الزام نہیں' جاؤ تم سب آزاد ہو"۔

حقیقت یہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ اس سے بڑھ کر برداشت و تحمل اور عفو و درگزر کی کوئی ایک مثال بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا برداشت و تحمل 'غیر مسلم مفکرین کی نظر میں

آپ ﷺ کے ان بے مثال اقدامات نے جو پوری انسانیت کے لیے پیغام امن اور ساری نسلِ انسانی کے لیے راہ نجات ثابت ہوئے' ہر انصاف پسند ذہن کو متاثر کیا اور ہر منصف مزاج شخص اس پر آپ ﷺ کو خراج عقیدت پیش کرتا نظر آتا ہے' حتی کہ وہ مستشرقین بھی اس صف میں دست بستہ کھڑے نظر آتے ہیں جن کی تحقیقات ان کی حق پسندی کا زیادہ ثبوت فراہم نہیں کر سکیں' یہ ایک عجیب تاریخی حقیقت ہے 'اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ نبی رحمت' ہادی اعظم اور محسنِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و رافت 'عفو و درگزر' مثالی رواداری اور بے مثال قوتِ برداشت خود خود انہیں اعترافِ حقیقت کرنے پر مجبور کر رہی ہے' صرف چند ایک بیانات پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

سکھ سیرت نگار جی سنگھ دار فتح مکہ کے موقع پر مشرکینِ مکہ کے ساتھ رحم و کرم اور عفو عام پر مبنی سلوک

کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے!

"سبحان اللہ! کیا ٹھکانہ دریائے رحمت کی اس طغیانی کا' یہ دریا اُمڈا اور ہر غلاظت و عفونت گناہ کی بہالے گیا' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے قتل کے قصد کرنے والوں کو' اپنی نورِ چشم کے قاتلوں کو' اپنے چچا کا کلیجہ کھانے والوں کو سب ہی کو معافی دے دی' اور قطعی معافی' قتلِ عام دنیا کی تاریخوں میں اکثر سنتے تھے مگر قاتلوں کی معافی نہ سنی تھی"(۸۹)

ایک یورپی دانشور آرتھر گلیمن (Arthur Gliman) فتح مکہ ہی کے حوالے سے کہتا ہے!

"فتح مکہ کے موقع پر یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جائے گی کہ اس وقت جبکہ اہل مکہ کے ماضی کے انتہائی ظالمانہ سلوک پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنا بھی طیش آتا کم تھا اور آپ ﷺ کے انتقام کی آگ بھڑکانے کے لیے کافی تھا' مگر آپ ﷺ نے اپنے لشکروسپاہ کو ہر قسم کے خون خرابے سے روکا اور اپنے اللہ کی بندگی اور اطاعت کا مظاہرہ کیا' دوسرے فاتحین کے وحشیانہ طرزِ عمل کے مقابلے میں اسے انتہائی درجے کی شرافت اور انسانیت سے تعبیر کیا جائے گا"(۹۰)

ٹی' ایس رندھاوا ہوشیار پوری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحم دلی' شفقت اور قوتِ برداشت کی داد دیتے ہوئے کہتا ہے!

"حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنا ستایا گیا اتنا کسی ہادی اور پیغمبر کو نہیں ستایا گیا' ایسی حالت میں کیوں نہ محمد صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کی رحم دلی اور شفقت اور مروت علی المخلوقات کی داد دوں' جنہوں نے خود تو ظلم و ستم کے پہاڑ اپنے سر پر اٹھالیے مگر اپنے ستانے والے اور دکھ دینے والوں کو اف تک نہ کہا بلکہ ان کے حق میں دعائیں مانگیں اور طاقت و اقتدار حاصل ہو جانے پر بھی ان سے کوئی انتقام نہیں لیا"(۹۱)

سوامی لکشمن رائے کی رائے دیکھیے!

"مفسر رازِ حیات سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تاریخِ عالم کے تمام صفحاتِ زندگی اس قدر صحیح تفسیر کرنے والی دوسری شخصیتِ عظمیٰ کے بیان سے خالی ہیں' وہ کون سی اذیتیں تھیں جو کفرستانِ عرب کے کافروں نے اپنے عقائدِ باطلہ کی حفاظت کے لیے اس بت شکن پیغمبر کو نہیں دیں' وہ کون سے انسانیت سوز مظالم تھے جو عرب کے درندوں نے اس رحم و ہمدردی کے مجسمے پر نہیں توڑے' وہ کون سے زہرہ گداز ستم تھے جو جہالت کے گہوارے میں پلنے والی قوم نے اپنے سچے ہادی پر روا نہیں رکھے' مگر انسانیت کے اس محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے بجائے بددعا کے دعا ہی نکلی"(۹۲)

لالہ مہر چند لدھیانوی کہتے ہیں!

"بانی اسلام نے دشمنوں کی زبان سے اور ان کے ہاتھوں سے وہ ظلم برداشت کیے جن پر کمزور سے کمزور آدمی بھی بجز کھڑا ہوتا ہے مگر بانی اسلام نے استعداد مقابلہ اور طاقت کے باوجود کبھی جواب میں زبان ہلانا یا ہاتھ اٹھانا پسند نہیں کیا"۔(۹۳)

اور ماسٹر تارا سنگھ ان لوگوں کی کم عقلی پر ہنستے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو پھیلانے میں تلواروں کا کمال سمجھتے ہیں۔

"جب کوئی مجھے یہ کہتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تلوار کے زور سے اپنا مذہب پھیلایا تو مجھے اس شخص کی کم فہمی پر ہنسی آتی ہے"(۹۴)

ایک ہندو سیرت نگار رانا بھگوان داس آپ ﷺ کی رحم دلی اور قوتِ برداشت پر یوں تبصرہ کرتا ہے!

"فتح مکہ نے خون آشامی و درندگی کو ختم کر کے اخلاص محبتِ جاوداں اور امن و عافیتِ ذیشان کا مقدس درس دیا' کاش جنگ میں آگ و خون کا دریا پیدا کرنے والے فاتحینِ عالم جادۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر گامزن ہوتے"(۹۵)

رومانیہ کے دانشور کونسٹن ویرژل فتح مکہ ہی کے بارے میں کہتے ہیں

"مروجہ قوانین کے مطابق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق حاصل تھا کہ شہر کے سارے مردوں کو تہہ تیغ کر ڈالیں یا انہیں اپنا غلام بنالیں' لیکن آپ ﷺ نے اہل مکہ کے لیے عام معافی کا اعلان کر دیا اور حقیقت تو یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کی بخشش نے اہل مکہ کو نئی زندگی عطا کی"۔(۹۶)

اور آخر میں سوئیڈن کے مشہور مستشرق ٹور انڈرے (Torandrae) کی رائے دیکھئے وہ بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ برداشت پر رطب اللسان ہیں!

"غیر ضروری امور پر ذاتی توہین کو برداشت کرنے کا آپ ﷺ کا حوصلہ اور ہمت' یہ صفات بتاتی ہیں کہ آپ ﷺ بے مثال اور منفرد اہلیت کے مالک تھے"۔

واقعہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سی ذہنی برتری رکھنے والا انسان زمامِ کار ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے' خواہ اسے کبھی لمحہ بھر کے لیے مجبوراً جھکنا ہی کیوں نہ پڑے"۔(۹۷)

خلاصہ کلام

آپ نے اسلام کی قوتِ برداشت' دشمنوں سے حسن سلوک اور رواداری کا احوال پڑھا' رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مخالفین سے برتاؤ اور عفوو درگزر کا مشاہدہ کیا' آپ نے قرآنی تعلیمات دیکھیں اور پھر ان کے

پہلو بہ پہلو اقوامِ عالم کے کردار عمل کی چند جھلکیاں بھی آپ کے سامنے پیش کی گئیں کیا یہ سب جاننے کے بعد یہ کہنا قرین انصاف نہ ہوگا کہ درحقیقت رحمتِ عالم ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے کسی بھی پہلو سے کسی بھی حیثیت میں کوئی مقابلہ نہیں مقابلہ تو کجا کوئی آپ ﷺ کے پاسنگ بھی نہیں ہے رہے وہ جو "انسانی حقوق" کے علمبردار ہیں ان کے کاغذی پیراہن بظاہر خواہ کتنے ہی دیدہ زیب کیوں نہ ہوں ان کے کردار کی ستر پوشی کے لیے کافی نہیں اور بارش کا ایک قطرہ بھی ان کا بھرم کھول دینے کے لیے کافی ہے۔

ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ آج عدمِ برداشت کے جو رجحانات قومی یا بین الاقوامی سطح پر فروغ پا رہے ہیں اس کی واحد وجہ قرآنی تعلیمات سے انحراف اور تعلیمات نبوی علی صاحبہا الصلوۃ سے روگردانی ہے اگر ہم آج بھی اپنی کوتاہیوں سے تائب ہو کر قرآنِ حکیم اور اسوۂ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کر لیں تو نہ صرف ان تمام فتنوں مصائب و آلام اور مشکلات و فسادات سے امان پا سکتے ہیں بلکہ پوری دنیا کی امامت کا تاج بھی پھر سے مسلمانوں کے سر پر سج سکتا ہے۔

اختتام سے قبل ایک وضاحت کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زیر نظر مقالے میں غیر مسلم مفکرین اہل علم اور دانشوروں کے حوالہ جات کثرت سے آئے ہیں اس سے مقصود ان لوگوں کو دعوتِ فکر دینا ہے جو ہر چیز کو مغرب کی نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں اور جن کی نظر میں ان کا ہر فرمان مستند ہے اسی بناء پر تقابلی مطالعہ پر بھی خاص توجہ دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائیں اخلاص عطاء فرمائیں اور مفید بنائیں اور ہم سب کو عمل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

آمین و صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمدؐ و آلہ و اصحابہ و ازواجہ و اہل بیتہ اجمعین

مآخذ و حواشی

۱۔ چنانچہ بہت سے لوگ اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر عیسائی ہو گئے تھے یا بت پرستی کے منکر ہو گئے تھے دیکھئے شبلی نعمانی / سیرت النبی جلد اول ۱۲۱ تا ۱۲۴ ادارالاشاعت کراچی طبع اول ۱۹۸۵ء

۲۔ R.V.C Bodley\Th Messenger. P-16-18(بتغیر واختصار)

۳۔ Bertrnd Russell\Has Man a Future?/p-95, London-1961

۴۔ القرآن سورۂ سباء آیت ۲۸

۵۔ القرآن' سورۃ طٰہٰ' آیت ۱۰۰

۶۔ القرآن سورۃ الطلاق آیت ۴

۷۔ ابن المنظور / لسان العرب' جلد ۱۱' صفحہ ۷۴ تا ۷۶ انشر ادب الحوزہ' قم ایران' ۱۴۰۵ھ

۸۔ لوئس معلوف / المنجد' صفحہ ۱۵۰' مطبع کاثولیکیہ' طبعہ عاشرہ' بیروت ۱۹۴۷ء

۹۔ القرآن' سورۃ حٰم السجدہ آیت ۳۴

۱۰۔ القرآن سورۃ الرعد آیت ۲۲

۱۱۔ القرآن سورۃ البقرہ آیت ۲۵۶

۱۲۔ شبلی نعمانی / الفاروق' جلد دوم' صفحہ ۵۷۴' مکتبہ صدیقیہ' ملتان' ۱۹۵۲ء

۱۳۔ القرآن سورۃ المائدہ آیت ۸

۱۴۔ القرآن' سورۃ المائدہ آیت ۱۳

۱۵۔ القرآن سورۃ الانعام آیت ۱۰۸

۱۶۔ ابوالکلام آزاد / رسول رحمت ﷺ صفحہ ۴۳۹' مرتبہ مولانا غلام رسول مہر' شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

۱۷۔ قاضی عیاض / الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۶۱' مصطفیٰ البابی الحلبی' قاہرہ مصر' ۱۹۵۰ء

۱۸۔ مسلم / الصحیح کتاب الفضائل باب حسنِ خلقہ' قدیمی کتب خانہ کراچی

۱۹۔ قاضی عیاض / الشفا' جلد اول صفحہ ۶۱

۲۰۔ رشید رضا / تفسیر المنار ج۔۱' صفحہ ۲۴' دار المنار' مصر' طبع ثالثہ ۱۳۶۷ھ

۲۱۔ احمد حسن زیات / تاریخ ادب عربی' اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طاہر سورتی' صفحہ ۸۸' شیخ غلام علی اینڈ سنز' لاہور' طبع اول ۱۹۶۱ء

۲۲۔ نقوش رسول نمبر' ج۔۳' صفحہ ۴۶۲' ادارہ فروغِ اردو لاہور' ۱۹۸۳ء

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ ابوالکلام آزاد / اسلام کا نظریہ' جنگ' صفحہ ۱۲۴' بساطِ ادب لاہور' طبع ۱۹۸۷ء

۲۶۔ شبلی نعمانی / سیرت النبی' ج۔۱' صفحہ ۳۰۰

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ احمد حسن زیات / تاریخ ادب عربی' صفحہ ۸۵

۲۹۔ ایضاً صفحہ ۱۱۷

۳۰۔ دیوان تماسہ طبعہ میر محمد کتب خانہ کراچی

۳۱۔ ایضاً

۳۲۔ شبلی نعمانی / سیرت النبی ﷺ ج۔ ۴ صفحہ ۱۶۱

۳۳۔ محمود شکری آلوسی / بلوغ الارب فی احوال العرب اردو ترجمہ از ڈاکٹر پر محم د حسن ج۔ ۳ صفحہ ۴۹۰ مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۶۷ء

۳۴۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے محمود شکری آلوسی / بلوغ ادب ج۔ ۳ از صفحہ ۴۹۰ تا ۴۹۴ و سیرت النبی ج۔ ۴ صفحہ ۱۴۸۔۱۶۱ اور ابوالکلام آزاد / اسلام کا نظریہ جنگ صفحہ ۹

۳۵۔ احمد حسن زیات / تاریخ ادب عربی صفحہ ۱۲۰

۳۶۔ ماہنامہ مدینہ انڈیا جولائی ۱۹۳۳

۳۷۔ چوہدری غلام رسول / مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ صفحہ ۱۰۱۔ ۱۰۳ علمی کتب خانہ لاہور ۱۹۸۰ء

۳۸۔ منشی عبدالرحمٰن خاں / تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی صفحہ ۲۴ ادارہ اسلامیات لاہور اشاعت دوم ۱۹۹۲ء

۳۹۔ ایضاً صفحہ ۲۸

۴۰۔ تفصیل کے لیے دیکھئے سید فضل الرحمٰن / تحریک پاکستان کے فکری محرکات صفحہ ۷۰ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی ۱۹۹۷ء

۴۱۔ نقوش رسول نمبر ج۔ ۴ صفحہ ۳۱۱۔ ۳۱۲

۴۲۔ پروفیسر سید محمد سلیم / مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت صفحہ ۲۰۹۔ ۲۱۰ ادارہ تعلیمی تحقیق لاہور اشاعت سوم ۱۹۹۳ء

۴۳۔ وہی مولف / تاریخ نظریہ پاکستان صفحہ ۶۷ ادارہ تعلیمی تحقیق لاہور اشاعت سوم ۱۹۹۶ء

۴۴۔ جانباز مرزا / انگریز کے باغی مسلمان صفحہ ۳۴۱ مکتبہ تبصرہ لاہور ۱۹۹۰ء

۴۵۔ ایضاً

۴۶۔ قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی / تفسیر مظہری ج۔ ۹ صفحہ ۲۵ مجلس اشاعت العلوم حیدر آباد دکن

۴۷۔ بخاری / الصحیح کتاب المغازی باب غزوہ خیبر

۴۸۔ زرقانی / شرح مواہب اللدنیہ ج۔ ۲ صفحہ ۲۶۹

۴۔ تفصیل روایت کے لیے دیکھیے امام مسلم بن حجاج / الصحیح کتاب الجہاد والسیر باب تامیر الامام الامراء علی البعوث اور امام ترمذی / الجامع السنن ج۔ ۳ صفحہ ۲۲۸ رقم الحدیث ۱۶۶۳ وامام ابو داؤد السنن کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین۔ قدیمی کتب خانہ کراچی

۴۔ اس بیان کا کچھ حصہ ابن ہشام / السیرۃ النبویہ ج۔ ۴ ۸۹۔۹۰ میں اور مکمل بیان قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری / رحمۃ للعالمین ج۔ ۱ صفحہ ۱۱۸ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۷۳ء نے دیا ہے

۔ بخاری / الصحیح کتاب الجہاد

۵۔ نقوش ج۔ ۴ صفحہ ۳۱۲

۵۔ ڈاکٹر اشتیاق حسن قریشی / بر عظیم پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ صفحہ ۳۶۳ ترجمہ ہلال احمد زبیری شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ جامعہ کراچی اشاعت چہارم ۱۹۸۹ء

۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے سید حسن ریاض / پاکستان ناگزیر تھا صفحہ ۱۵۰۔۱۵۱ شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ جامعہ کراچی اشاعت ششم ۱۹۹۲ء

۵۔ منشی عبدالرحمٰن خاں / تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی صفحہ ۲۷۔۲۸ ادارہ اسلامیات لاہور اشاعت دوم ۱۹۹۲ء

۵۔ ایضاً صفحہ ۲۳۶

۵۔ ایضاً صفحہ ۳۳۹ بحوالہ یونیسکو رپورٹ

۵۔ محولہ بالا

۵۔ روزنامہ صدق جدید ۲۹ / جنوری ۱۹۵۴ء انڈیا

۶۔ روزنامہ نوائے وقت ۳ / اکتوبر ۱۹۵۵ء

۶۔ روزنامہ جنگ کراچی ۸ / مارچ ۱۹۹۹ء

۶۱۔ انٹرویو جی ایم بنات والا صدر مسلم لیگ انڈیا نشریہ بی بی سی اردو سروس ۱۰ مارچ ۱۹۹۹ء

۶۲۔ چوہدری غلام رسول / مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ صفحہ ۱۰۳

۶۴۔ نقوش ج۔ ۴ صفحہ ۳۱۲

۶۵۔ Arnold toyn bee J. / Astudy of history. V-12

۶۶۔ Atrur Gilman/The Saracens, p-184, London, 1887

۶۷۔ سید ابوالحسن علی ندوی / انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر صفحہ ۷۴ مجلس نشریات اسلام

کراچی، ۱۹۶۷ء

۶۸۔ محولہ بالا

۶۹۔ محمد مارماڈیوک پکتھال / اسلامی کلچر اردو ترجمہ پروفیسر محمد ایوب منیر، صفحہ ۸۲، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور

۷۰۔ جانباز مرزا / انگریز کے باغی مسلمان، صفحہ ۱۳۴

۷۱۔ ایڈورڈ تھامسن / انقلاب ۱۸۵۷ء، اردو ترجمہ Other Side of the Medal مترجم شیخ حسام الدین صفحہ ۴۱، گوتم پبلشرز لاہور، ۱۹۹۴

۷۲۔ ایضاً، صفحہ ۳۹، انگریز کے مظالم کی تفصیل کے لیے اس کے علاوہ دیکھیے، جانباز مرزا / انگریز کے باغی مسلمان، سید فضل الرحمٰن / تحریک پاکستان کے فکری محرکات اور پروفیسر سید محمد سلیم / تاریخ نظریہ پاکستان

۷۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۳، صفحہ ۱۸۳، دانش گاہ پنجاب لاہور طبع اول ۱۹۸۹ء

۷۴۔ مرزا غالب / دیوان غالب کامل صفحہ ۳۴۶، مرتبہ کالی داس گپتا رضا، انجمن ترقی اردو پاکستان، اشاعت سوم ۱۹۹۶ء

۷۵۔ جبکہ آج بھی دوبارہ حملوں کی دھمکیاں جاری ہیں، ملاحظہ کیجیے روزنامہ جنگ ۱۲۔ ۱۳ مارچ ۱۹۹۹ء کراچی

۷۶۔ روزنامہ ڈان کراچی، ۲۰ دسمبر ۱۹۹۸ء

۷۷۔ روزنامہ جنگ کراچی، ۳۰ دسمبر ۱۹۹۸ء

۷۸۔ قاضی سلیمان منصور پوری / رحمۃ للعالمین ج۔ ۲، صفحہ ۲۱۳

۷۹۔ ڈاکٹر حمید اللہ / خطبات بہاولپور صفحہ ۲۲۳، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، اشاعت چہارم ۱۹۹۲ء

۸۰۔ روزنامہ جنگ کراچی ۳۰ دسمبر ۱۹۹۸ء

۸۱۔ ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی، ۲۵ ستمبر ۱۹۹۵ء

۸۲۔ روزنامہ جنگ کراچی ۳۰ دسمبر ۱۹۹۸ء

۸۳۔ ایضاً، ۱۴ مارچ / ۱۹۹۹ء

۸۴۔ ابو محمد امام الدین / غیر مسلم مشاہیر عالم اور محاسنِ اسلام، صفحہ ۹۔ صدیقی ٹرسٹ کراچی

۸۵۔ بخاری / الصحیح، ج۔ ۲، صفحہ ۱۴۶

۸۶۔ قاضی عیاض / الشفاء، ج۔ ۱، صفحہ ۶۱

۸۷۔ ابن ہشام / السیرۃ النبویہ، ج۔ ۴، صفحہ ۲۴۵

۸۔ شبلی نعمانی / سیرت النبی ج۔۱ صفحہ ۳۰۰

۔ جی سنگھ دارا / رسول عربی ﷺ صفحہ ۱۱۸ سیرت اکیڈمی لاہور ۱۹۸۹ء

۔ Artur Gilman/The Saracens, P-184-185, London, 1887

۔ ماہنامہ مولوی دہلی ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

۔ اخبار صحیفہ حیدر آباد دکن نومبر ۱۹۳۲ء

۹۔ ماہنامہ مدینہ انڈیا جولائی ۱۹۳۲ء

۹۔ اخبار ارامان دہلی ۷ا جولائی ۱۹۳۲ء

۹۔ ڈاکٹر حافظ محمد ثانی / روزنامہ جنگ کراچی ۳۰ دسمبر ۱۹۹۸ء

۹۔ سیارہ ڈائجسٹ / عکس سیرت نمبر جون ۱۹۹۶ء

۹۔ رشید احمد جالندھری / مقالات سیرت ۱۹۸۹ء وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان اسلام آباد صفحہ ۲۷۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عدم برداشت کا قومی وبین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

عبدالماجد' مانسہرہ

دنیا کے تمام ظلم و ستم' قتل و غارت' فتنہ و فساد اور جنگ و جدال کی بنیادی وجہ عدم برداشت ہے۔ عدم برداشت کی وجہ سے بھائی بھائی کا گلا کاٹ دیتا ہے' گھر اجڑ جاتے ہیں' اقوام آپس میں لڑتی ہیں' ایک ملک دوسرے پر حملہ کر کے ہزاروں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔

یہ بے صبری اور عدم برداشت ہی ہے جس کی وجہ سے پاکستان میں مختلف نسلی' لسانی' مسلکی اور مذہبی گروہ اور جماعتیں آپس مین دست و گریباں ہیں' ہندوستان میں مسلمانوں پر ہندوؤں کا تشدد اور عیسائیوں اور ہندوؤں کی باہمی چپقلش ہے۔ کوسوو میں سربوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام ہے' کشمیر میں بھارتی فوجیوں کی بربریت ہے۔ فلسطینیوں پر اسرائیل کے مظالم ہیں۔ یہ عدم برداشت ہی ہے جس کی وجہ سے روس نے افغانستان میں کئی سال جنگ کر کے سولہ لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کا خون بہایا اور امریکہ نے عراقی عوام پر بیالیس دنوں کی خلیجی جنگ کے دوران اٹھاسی ہزار ٹن سے زیادہ گولہ بارود گرا کر ہیروشیما کی تباہی کا ریکارڈ توڑ دیا(۱) اور خود امریکہ کے سابقہ اٹارنی جنرل ریمزے کلارک (Ramsey Clark) کے مطابق خلیجی جنگ کے دوران اور مابعد کے پانچ سالوں میں پانچ لاکھ افراد لقمہ اجل بن گئے اور یونیسیف (UNICEF) کی رپورٹ کے مطابق پانچ سال سے کم عمر کے جو بچے ہلاک ہوئے ان کی تعداد تین لاکھ سے زیادہ ہے۔ اس بے رحمی' سفاکی اور انسانیت سوز مظالم پر ریمزے کلارک بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ :

That is Crime against humanity of enormous maghitude (۲)

(یعنی انسانیت کے خلاف یہ ایک بہت بڑا جرم ہے) یہ دوسروں کو برداشت نہ کرنے کا نتیجہ ہے کہ اس وقت پوری دنیا تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے اور تہذیبی ٹکراؤ کا خطرہ پیدا ہو چکا ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ عدم برداشت کے پیدا ہونے کے اسباب کیا ہیں۔

1-0 عدم برداشت کے اسباب (Causes of Intolerance)

(۱-۱) نسلی، لونی، لسانی، وطنی اور قومی برتری کا احساس

(۱-۲) دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کی خواہش یعنی حب تفوق (Urge to dominate)

(۱-۳) عدل وانصاف کا فوری نہ ملنا

(۱-۴) استحصالی نظاموں کی وجہ سے غربت، بے روزگاری اور احساس محرومی وغیرہ کا موجود نہ ہونا

(۱-۵) اخلاقی اور مذہبی تعلیمات پر عمل نہ ہونا۔

(۱-۶) مذہبی برتری کا احساس اور اپنے نظریات ومعتقدات کو دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش کرنا

1-۱ حیاتیات، نفسیات اور بشریات کے ماہرین (Biologists, Psychologist & Anthropologists) لمبی تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہر بچہ فطرتی طور پر معصوم پیدا ہوتا ہے اس کی جبلت (Instinct) میں دوسرے انسانوں کے ساتھ کسی قسم کی رقابت یا تعصب نہیں ہوتا بعد میں ماحول (Environment) اس کے اندر مختلف قسم کے تعصبات اور احساسات پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ بعض لوگوں کے لیے محبت کے جذبات پیدا کر لیتا ہے اور بعض کے لیے نفرت کے۔(۳)

1-۲ اسی طرح یہ بات بھی تحقیق سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ رنگ، نسل، وطن اور قوم کے حوالے سے کسی انسان کی فطرت میں کوئی تعصب اور تفوق کا جذبہ نہیں پایا جاتا، بعد میں والدین اور ماحول اسے ان چیزوں پر فخر و غرور کرنا سکھاتے ہیں نتیجتاً وہ دوسروں کو کم تر سمجھنے لگتا ہے اور یوں انسانوں کے اندر "من دیگرم تو دیگری" کے احساس کے تحت ایک دوسرے سے ٹکراؤ اور تصادم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔(۴)

1-۳، 1-۴ استحصالی نظاموں کی موجودگی کی وجہ سے تمام افراد اور اقوام کو انصاف نہیں ملتا یا دیر سے ملتا ہے جس کی وجہ سے افراد اور اقوام میں احساس محرومی (Sense of deprivation) اور قنوطیت (Frustrdtion) پیدا ہوتی ہے جو کہ مختلف معاشی ومعاشرتی ناہمواریوں کو جنم دے کر آپس میں ٹکراؤ کی کیفیات کو جنم دیتی ہیں۔(۵) اسی طرح ظلم اور عدم مساوات بھی معاشرے میں فساد کا سبب بنتے ہیں۔

1-۵ صرف مادی وسائنسی ترقی اور مجرد قانون معاشرے کے مختلف افراد کے باہمی تعلقات کو درست نہیں کر سکتے بلکہ اس کے لیے افراد کے اندر اخلاقی تعلیمات کے ذریعے انقلاب ضروری ہے جیسا کہ پروفیسر ارنلڈ ٹائن بی اپنے مضمون "تاریخ کے جدید انسان کو متنبہ کر رہی ہے" میں لکھتے ہیں کہ "ہمارے مسائل کا حل سائنسی تجربہ گاہوں میں نہیں مل سکتا۔ ہمارے مسائل اخلاقی ہیں اور سائنس اخلاق کے دائرے میں کوئی دخل نہیں رکھتی۔ اپنی معاشرتی بیماریوں کو خدا کے بغیر حل کرنے کے نتائج ہمارے سامنے آچکے ہیں۔ آخر میں وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ

"دور حاضر کی سب سے بڑی ضرورت ایک فوق الطبعی ایمان کا احیاء ہے"(۶)

۶-۱ مذہبی بنیادوں پر بھی انسانوں کے درمیان کشیدگی رہی ہے وہ اس وجہ سے نہیں کہ مذہب یہ سکھاتا بلکہ اس وجہ سے کہ جب کوئی قوم یا فرد یہ تصور کرتے ہوئے کہ حق اس کے پاس ہے اور حق کے لیے یہ ضروری کہ اسے دوسروں پر مسلط کیا جائے اگر مخاطب نہ مانے تو اس پر تشدد کیا جائے اور اس سے بزور منوایا جائے۔ مذہبی کے معاملے میں یہ ذہنیت آپس میں ٹکراؤ بلکہ جنگوں کو جنم دیتی ہے۔ ایسا کئی بار تاریخ میں ہوا ہے اور اب بھی ہو ہے۔

عدم برداشت کے مذکورہ بالا اسباب کو ختم کرنے کے لیے اس وقت دنیا میں کوئی نظام موثر ثابت نہیں عالمی لیول پر سوشلزم کا بھی تجزیہ ہو چکا، سرمایہ دارانہ نظام بھی آزمایا جا چکا، مغربی جمہوری نظام کے ثمرات کا بھی مشاہدہ کر چکی اور موجودہ مغربی تہذیب اور نیو ورلڈ آرڈر کے نتائج بھی سب کے سامنے ہیں۔ اب صرف ایک نظام رہتا ہے اور وہ ہے رحمۃ للعٰلمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا "دین اسلام" جس کے بارے میں کے تمام دانشوروں اور انسانیت کے بہی خواہوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ "ایسے وقت میں جبکہ اسلحہ کی قوت اقتصادی غلبہ کے نفرت انگیز دباؤ سے نسل انسانی اپنی پیاری آزادیاں گنواتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اسلام ہی مستقبل میں انسانیت کی آزادی کے قلعے کا آخری پشتہ ہے اور عالمی سیاست کی تنظیم نو کے لیے حقیقی طور پر بڑا مددگار ثابت ہو سکتا ہے"۔(۸)

2-0 صبر و برداشت کے لیے اسلامی اصول و تصورات

اسلام کی عطا کردہ تعلیمات صبر و برداشت کی بنیاد نہ تو مخصوص چند مشترک مادی اغراض پر ہے اور نہ ہنگامی و عارضی حالات نے انہیں جنم دیا ہے اور نہ ان میں کسی خاص قوم یا ملک کی سیاسی یا معاشی بہبود پوشیدہ ہے۔ ان کا واضع یعنی رب العالمین وہ ہستی ہے جو تمام انسانوں کا خالق ہے اور وہ ان کی نفسیات سے کما حقہ' واقف ہے اس لیے اس نے ان تعلیمات کی فطرت ہی ایسی بنائی ہے کہ وہ ہر انسان میں "زندہ رہنے اور زندہ رہنے دینے" کے جذبے کو پروان چڑھاتی ہیں وہ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہیں وہ انسان کے دل و دماغ اور طرز عمل میں تنگ نظری کی بجائے وسیع النظری اور محدودیت کی جائے آفاقیت پیدا کرتی ہیں۔ یہ نسلی، لونی، وطنی، قومی اور طبقاتی منافرت کو مٹا کر اخوت و انسانی مساوات کا سبق دیتی ہیں یہ تمام انسانوں کو اللہ کا کنبہ قرار دے کر یہ باور کراتی ہیں کہ بہترین وہ ہے جو خدا کے کنبے کے ساتھ ہمدردی اور حسن سلوک کا مظاہرہ کرے پھر اس کے ساتھ یہ تعلیمات ایسی اخلاقی و قانونی ضمانتیں بھی عطا کرتی ہیں کہ اگر ان کو اپنایا جائے تو مذہب و مسلک کے اختلاف کے باوجود ان کے ذریعے قومی اور بین الاقوامی سطح پر صبر و برداشت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور امن و بھائی چارگی کی فضا عام ہوتی ہے۔

آیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ تعلیماتِ صبر و برداشت کا ذرا تفصیل سے جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کیسے وہ تعلیمات انسانوں کے اندر دوسروں کو برداشت کرنے کے جذبات پیدا کرتی ہیں اور ان تمام وجوہات کا کیسے خاتمہ کرتی ہے جو نسل انسانی میں بغض و عناد اور تصادم کا باعث بنتی ہیں۔

۲۔ وحدت انسانیت کا تصور

انسانیت پر یہ اسلام کا بڑا احسان ہے کہ اس نے وحدت انسانیت کا ایسا تصور دیا جو رنگ، نسل، لسانیت اور وطنیت کے تمام بتوں کو پاش پاش کر کے بھائی چارے کی مشترکہ اساس فراہم کرتا ہے وہ انسانوں کے ذہن میں یہ بات راسخ کرتا ہے کہ جس طرح سارے انسان ایک خدا کی مخلوق ہیں اسی طرح وہ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اور ان سب میں ایک ہی ماں باپ کا خون دوڑ رہا ہے جس طرح ایک ماں باپ کی اولاد مختلف رنگ و روپ، مختلف قوت و صلاحیت اور مختلف عقل و ضمیر کے باوجود حقوق میں برابر ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے مساویانہ سلوک کرتے ہیں چھوٹے چھوٹے اختلافات اور رنجشوں کے باوجود ایک دوسرے کے دکھ درد اور خوشیوں میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اسی طرح تمام دنیا کے انسانوں کو فرداً فرداً اور اجتماعی طور پر ایسا ہی بننے کی کوشش کرنا چاہیے۔ آپ ﷺ نے انسانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ سرور زمانہ اور اختلاف ماحول کی وجہ سے اگرچہ وقتی طور پر رنگ و زبان میں فرق آجاتا ہے لیکن بنیاد سب کی ایک ہے یعنی تمام حضرت آدم کی اولاد ہیں اور انہیں مٹی سے بنایا گیا تھا پھر انسانوں کو یہ بتایا کہ وہ معرفت و شناخت کی آسانی کے لیے خاندان اور قبیلوں کی حدبندیاں قائم رکھ سکتے ہیں مگر انہیں کسی طرح بھی عزت و ذلت، برتری و کمتری کا معیار نہیں بنا سکتے، عزت و ذلت اور برتری و کمتری کا معیار صرف ایک ہے اور وہ ہے تقوی اور پرہیزگاری والی زندگی، اس کے علاوہ پیغمبر اسلام ﷺ کی زبان صدق سے کئی مواقع پر بے جا انسانی تفریق اور مصنوعی تفاخر کو مٹانے کے لیے نہایت بلیغ اور موثر خطبے نکلے ہیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

"کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فوقیت نہیں اسی طرح سرخ و سفید رنگ والے کو کسی سیاہ فام پر اور کسی سیاہ فام کو کسی سرخ و سفید رنگ والے پر کوئی فوقیت نہیں" (۹)

کونوا عباد الله اخوانا اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ (۱۰)

الخلق عیال الله فاحب الخلق الی الله من احسن الی عیاله ساری مخلوق خدا کی کفالت میں ہے (کنبہ کی طرح ہے) تو وہ شخص اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوگا جو اس کی عیال کے ساتھ حسن سلوک کرے گا۔ (۱۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مصنوعی امتیازات (Artificial discrimination) کو مٹانے کے

لیے صرف خطبوں پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تعلیمات کو "مواخاۃ" اور میثاق مدینہ کی شکل میں عملی طور پر نافذ کر کے دکھایا۔

اس وقت تمام دنیا میں ذات پات اور رنگ و نسل کی وجہ سے جو تفریق اور فساد موجود ہے اس کا واحد علاج تعلیمات نبوی ہیں' امریکہ میں اس وقت سترہ لاکھ سے زیادہ افراد قید خانوں اور جیلوں میں بند ہیں۔ ساٹھ فی صد سے زیادہ قومیتوں یا نسلی اقلیتوں سے تعلق رکھتے ہیں اور آدھے سے زیادہ سیاہ فام ہیں (۱۲) اور اسی طرح کی ایک تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ کسی سفید فام کی نسبت سیاہ فام کو سزائے موت کے امکانات پندرہ فی صد زیادہ ہیں اور یہ کہ نسلی علاقائی اور معاشی حیثیت اس بات کا تعین کرتی ہیں کہ کون سزائے موت پائے گا اور کون نہیں۔ (۱۳)

۲-۲ عصبیت کا خاتمہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف مثبت طور پر بھائی چارے اور مساوات کی تعلیم نہیں دی بلکہ منفی طور پر ہر طرح کی تنگ نظری اور عصبیتوں کا خاتمہ کیا تاکہ نسل انسانی عصبیتوں کی وجہ سے عدم برداشت کا شکار نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصبیت جاھلیہ کو رد کرتے ہوئے فرمایا۔ مامنا من دعا الی عصبیة۔ لیس منا من قاتل عصبیة و لیس منا من مات علی عصبیة وہ شخص ہم میں سے نہیں جو تعصب کی دعوت دے۔ وہ شخص بھی مسلمان نہیں جو عصبیت کی وجہ سے کسی سے لڑے اور وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں جو عصبیت پر مرے۔ کسی صحابی نے پوچھا کہ عصبیت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان تعین قومك علی الظلم (۱۴) اور دوسری روایت میں ہے کہ ان ینصر الرجل قومه علی الظلم یعنی عصبیت یہ ہے کہ آدمی ظلم میں اپنی قوم کی مدد کرے۔ (۱۵) پاکستان میں مختلف لسانی' نسلی' اور صوبائی عصبیت کا خاتمہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہے۔

3-0 تحمل و برداشت کے لیے اخلاقی تعلیمات

اسلام اپنی اخلاقی تعلیمات کے ذریعے انسان کے دل و دماغ میں ہمہ گیری پیدا کرنا چاہتا ہے اور اس کے داخل و خارج کو سنوار کر اس کی قوت برداشت بڑھاتا ہے اسلام اپنی اخلاقی تعلیمات کے ذریعے انسان کے دل میں خوف خدا اور آخرت کی جوابدہی کا یقین پیدا کر کے اسے عمل پر آمادہ کرتا ہے۔ اسلامی اخلاقیات کی ایک طویل فہرست ہے ان میں سے چند اہم عنوانات یہ ہیں: برائی کے مقابلے میں نیکی کرنا' بدی کو معاف کرنا' عفو و درگزر سے کام لینا' رحم و کرم کرنا' غصہ کو پی جانا' نرمی سے بات کرنا' معاملات میں بھی رفق و لطف کا اظہار کرنا' صلح پسندی' ازلی برادری کے ساتھ نیک سلوک کرنا' جانوروں کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرنا' دشمنوں کو معاف کرنا۔

ان تعلیمات میں کہیں بھی تنگ نظری کا شائبہ نظر نہیں آتا بلکہ جس طرح رب العلمین کی ربوبیت ساری مخلوق کے لیے عام ہے اسی طرح اسلام کی اخلاقی تعلیمات بھی ہمہ گیر ہیں دوست دشمن سب اس میں برابر ہیں۔ پھر اسلامی شریعت نے صرف محاسن اخلاق ہی کی تعلیم نہیں دی بلکہ ان رذائل سے بھی سختی سے منع کیا جو انسانی تعلقات کے بگاڑ اور فساد کا موجب بنتے ہیں جیسے جھوٹ بولنا' فخر و غرور کرنا' کسی کو بلاوجہ برا کہنا' بے ایمانی اور بدعہدی کرنا' فساد برپا کرنا' دوسروں کی حق تلفی کرنا' بدگمانی کرنا' کسی کو پیدائشی یا نسلی طور پر ذلیل سمجھنا' تمسخر اڑانا' معاملات میں بددیانتی کرنا وغیرہ۔ ان رذائل سے نہ صرف روکا گیا ہے بلکہ دنیا و آخرت میں ان کے برے نتائج سے آگاہ کیا ہے اور آخرت میں ناکامی کا سبب بتایا گیا ہے۔

ان تمام اخلاقی تعلیمات میں سے چند محاسن و رذائل کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

۱-۳ برائی کے مقابلے میں بھلائی کرنا

قرآن میں ارشاد خداوندی ہے!

"بھلائی اور برائی برابر نہیں۔ تم برائی کا جواب اچھائی سے دو پھر تم دیکھو کہ تم میں اور جس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسے دوست قرابت والا۔ اور یہ بات اس کو ملتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ اس کو ملتی ہے جو بڑے نصیب و قسمت والا ہوتا ہے"۔(۱۶)

دوسری جگہ ارشاد ہے!

ویدرءُون بالحسنة السیئة اولئك لهم عقبى الدار (۱۷)

وہ برائی کو نیکی سے دفعہ کرتے ہیں ان کے لیے آخرت کا اچھا انجام ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے اول الذکر آیت کی شرح ان الفاظ میں کی ہے

"امر الله المؤمنين بالصبر عند الغضب و الحلم عند الجهل و العفو عند الاسائة فاذا فعلوا ذالك عصمهم الله من الشيطن و خضع لهم عدو هم كانه ولى حميم"(۱۸)

"اللہ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ غصہ کے وقت صبر کا' جہالت کے وقت برداشت کا اور برائی کے وقت معافی کا معاملہ کریں۔ جب ایسا کریں گے تو اللہ انہیں شیطان سے محفوظ کر دے گا اور ان کے دشمن کو ان کے لیے جھکا دے گا گویا کہ وہ قریبی دوست ہو"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ان الله لا يمحوا السيىء بالسيىء ولكن يمحو السيئى بالحسن ان الخبيث لا يمحو الخبيث (۱۹)

"اللہ برائی کو برائی کے ذریعے نہیں ختم کرتا بلکہ برائی کو بھلائی سے مٹاتا ہے۔ بری چیز کبھی بری چیز کو نہیں

مثاتی "اور یہ بھی ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے صل من قطعك و اعف عمن ظلمك و احسن الی من اساء الیك (۲۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی صبر وبرداشت اور برائی کے مقابلے میں بھلائی کرنے کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

فتح مکہ کے دن جب بعض صحابہؓ نے یہ نعرہ لگایا کہ آج کشت وخون کا دن ہے آج دشمنوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا دن ہے۔ الیوم یوم الملحمة کی آواز جب آپ نے سنی تو فرمایا الیوم یوم المرحمة آج رحم وکرم کا دن ہے اور اپنے جانی دشمنوں کو فرمایا اذھبوا فانتم الطلقاء جاؤ تم لوگ تمام سزاؤں سے بری ہو۔ (۲۱)

عثمان بن طلحہ کو جو اس سے پہلے کعبہ کے کلید بردار تھے ان سے کنجی اپنے ہاتھ مبارک میں لے کر پھر واپس کردی اور فرمایا الیوم یوم البر و الوفاء آج کا دن نیکی اور وفا شعاری کا ہے۔ (۲۲)

خیبر میں اپنی زہر دینے والی یہودیہ کو معاف کیا' چچا حمزہؓ کے قاتل سے درگزر کیا اور ان کے کلیجے کو چبانے والی عورت ہندہ کو معاف کیا طائف والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھروں کی بارش کر کے لہولہان کر دیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں رحمت وہدایت کی دعا کی' احد میں اپنے چہرے کے زخمی کرنے والوں کے حق میں دعائے خیر کی اور دشمنوں کے حق میں بددعا کے لیے کہا گیا تو فرمایا کہ میں دنیا میں لعنت کے لیے نہیں بلکہ رحمت کے لیے آیا ہوں (۲۳) آج مسلمانوں کو ایسی تعلیمات کو اپنانے کی انتہائی ضرورت ہے۔

۲-۳ رفق ولطف

اس کا مطلب یہ ہے کہ معاملات اور بات چیت میں سختی اور درشتی سے کام نہ لیا جائے بلکہ نرمی اور سہولت اختیار کی جائے تحمل اور نرمی کی اہمیت قرآن واحادیث میں بڑی شد ومد سے بیان کی گئی ہے حضور اکرم ﷺ کی نرم دلی کو اللہ نے اپنی رحمت قرار دیا ہے اور فرمایا کہ اگر آپ ﷺ سخت دل اور مزاج کے سخت ہوتے تو لوگ آپ ﷺ سے تتر بتر ہو جاتے۔ (۲۴)

فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ نرم ومہربان ہے اور نرمی اور مہربانی کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نرمی پر وہ چیز دیتا ہے جو سختی پر نہیں دیتا اور نہ کسی اور چیز پر دیتا ہے۔ نرمی جس چیز میں ہو تو اس کو زینت دے گی اور جس چیز سے بھی اٹھ جائے گی اس کو بدنما اور عیب دار بنا دے گی۔ من یحرم الرفق یحرم الخیر کلہ جو شخص نرمی سے خالی ہو گیا وہ ہر بھلائی سے خالی ہو گیا (۲۵) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر آگ کو حرام قرار دیا جو لوگوں کے قریب ہو اور نرم اور آسان ہو۔ (۲۶)

۴-۳ غیض و غضب کی جگہ حلم و بردباری

غیض و غضب اور غصہ ایک سلبی اخلاقی قدر اور مذموم ناپسندیدہ فعل ہے کیونکہ اس کی وجہ سے بہت سے ظالمانہ اور بے دردی کے کام انسان سے سرزد ہو جاتے ہیں جن پر بعد میں اکثر پشیمانی اور ندامت ہوتی ہے اس لیے تعلیمات نبوی میں غصہ کو قابو کرنے پر بڑا زور دیا ہے ایک اچھے مسلمان کی یہ تعریف قرآن میں بیان کی ہے والکاظمین الغیظ و العافین عن الناس (۲۷) اور وہ غصہ پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔ دوسری جگہ ہے واذا ما غضبوا ھم یغفرون (۲۸) اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ کسی شخص نے عرض کیا اوصنی مجھے وصیت فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تغضب غصہ نہ کر (یعنی برداشت کر) اس شخص نے بار بار عرض کیا آپ نے ہر مرتبہ یہی فرمایا کہ غصہ نہ کر (۲۹) لوگ عموماً غصہ نکالنے یا کسی سے انتقام لینے کو بہادری سمجھتے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیس الشدید بالصرعۃ انما الشدید الذی یملك نفسہ عندالغضب (۳۰) یعنی زور آور اور پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو رکھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص انتقام لینے پر قادر ہونے کے باوجود انتقام نہیں لیتا بلکہ معاف کر دیتا ہے اللہ اس کو اپنے سب بندوں سے زیادہ عزیز رکھتا ہے (۳۱) یہ درست ہے کہ غصہ پینے میں تلخ گھونٹ ہے لیکن اس کی تلخی میں جو حلاوت ہے اور اس کے پینے میں جو خیر و برکت ہے وہ کسی اور مشروب میں نہیں آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی رضا کے لیے غصے کے گھونٹ کو پینا سب سے افضل گھونٹ ہے۔ غصہ ایک نفسیاتی مرض ہے جو ایمان کو خراب کر دیتا ہے فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ان الغضب لیفسد الایمان کما یفسدا لصبر العسل یعنی غصہ ایمان کو ایسا خراب کر لیتا ہے جیسے ایلوا شہد کو خراب کر لیتا ہے (۳۲) اس میں شک نہیں کہ غصہ ایک جبلی تقاضا ہے لیکن اس پر قابو رکھنے سے انسان دنیا و آخرت میں مصائب و عذاب سے بچ جاتا ہے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی زبان بند رکھتا ہے اللہ اس کے عیب کی پردہ پوشی کرتا ہے اور جس نے اپنے غصے کو روکا اللہ قیامت کے دن اس کو عذاب سے بچائے گا ایک حدیث ہے لا تغضب ولك الجنۃ غصہ نہ کر تیرے لیے جنت ہے (۳۳)

قرآن عظیم میں ۹۰ سے زیادہ بار صبر کا ذکر ہے اور ۱۶ مقامات پر صبر و برداشت کا حکم ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں نصف ایمان صبر ہے اور نصف ایمان شکر ہے (۳۴) ان تعلیمات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے غصہ و عدم برداشت کو ختم کرنے کے لیے کتنی ترغیبات دی ہیں کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ غصہ ہی اصل میں تمام برائیوں کی بنیاد ہے اور صبر و تحمل ایک اعلیٰ ترین حفاظتی تدبیر ہے اس تدبیر کے ذریعے انسان فساد کے ہر بم کو Defuse (ناکارہ) کر سکتا

ہے اور دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔

4-0 میدان جنگ میں بھی برداشت کا حکم

اسلام نے جنگ کی اجازت دو صورتوں میں دی ہے ایک یہ کہ مسلمانوں پر اس حد تک ظلم کیا جائے کہ وہ بنیادی (۳۵) حقوق سے محروم ہو جائیں (یعنی انسان کی جان، مال، عزت، نسل، دین اور فکر و عقل کا تحفظ نہ ہو سکے) دوسرے یہ کہ ان کے دین کو مٹانے کی کوشش کی جائے۔ حضرت علیؓ کا قول جنگ کے سلسلہ میں اسلام کی روح کو کامل طور پر ظاہر کرتا ہے۔

ولقد کانت حربهم لا طمینان علی امرین دیارهم من تغزوا و دینهم من ان یطمس (۳۶)
مسلمانوں کی دشمنوں سے جنگ دو باتوں کے اطمینان کے لیے ہوتی ہے ایک یہ کہ ان کی بستیوں پر کوئی جنگ نہ مسلط کر دی جائے اور دوسرے یہ کہ ان کے دین کو مٹانے کی کوشش نہ کی جائے۔

اس طرح اسلامی جنگ ظلم کے خاتمے، مظلوموں کی حمایت اور تمام مذاہب کے مقامات عبادت کی حفاظت کے لیے ہوتی ہے (۳۷) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اور تعلیمات بھی اس پر شاہد ہیں کہ میدان جنگ میں پہلے مخالفین کو اسلام کی دعوت دی جاتی تھی۔ اگر وہ قبول نہ کرتے تو جزیہ کی قبولیت کے ساتھ جنگ روک لی جاتی اور اگر یہ دونوں باتیں فریق مخالف قبول نہ کرتا تو پھر جنگ شروع کی جاتی کیونکہ لان الاسلام یدعوا الی السلام ولا یقبل الاستسلام بالباطل والاستسلام فی الخضوع للباطل (۳۸) یعنی بے شک اسلام امن کا خواہاں ہے لیکن باطل کے سامنے جھکنا اور باطل کی تابعداری قبول نہیں کر سکتا۔ اس طرح اگر جنگ کے دوران بھی فریق مخالف صلح کے لیے تیار ہو جائے تو اس کی پیشکش کو قبول کرتے ہوئے صلح کر لینے کی ہدایت ہے آپ علیہ السلام کی زندگی اس پر شاہد ہے کہ مکہ کے تیرہ سالوں میں مشرکین کی تمام تکالیف کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے جھیلا لیکن جنگ کی صورت نہیں پیدا ہونے دی اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں فتنہ و فساد سے بچنے کے لیے یہود مدینہ سے معاہدہ امن کر لیا اور بعد کی جتنی جنگیں ہوئیں وہ جارحانہ نہیں بلکہ یا تو دفاعی تھیں یا پھر اپنے دین و ایمان اور مسلمانوں کو کسی خطرہ سے بچانے اور ان کے بنیادی حقوق کی حفاظت کے لیے تھیں۔

عام طور پر دنیا کی جنگوں میں کوئی ضابطہ اخلاق نہیں ہوتا بلکہ جنگ میں ہر چیز جائز سمجھی جاتی ہے لیکن اسلامی جہاد (قتال) نفسانیت یا توسیع پسندی کے لیے نہیں اس لیے جنگ کے دوران بھی اخلاقی قدروں کے لحاظ کا حکم دیا اور ہر قسم کے ظلم سے منع کیا ہے چوں، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، لوٹ مار اور مثلہ کرنے سے منع کیا، سفراء، اور قاصدوں کو امان دینے کا حکم دیا، اسیروں سے نیک سلوک کی تلقین کی (۳۹) اور مخالفین کی دشمنی کی وجہ سے عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے کا حکم دیا۔

اسلام کی ان ہی تعلیمات صبر و برداشت کی بدولت عہد نبوی کے کل غزوات و سرایا میں صرف ۲۵۹ مسلمان شہید ہوئے' ۱۲۷ زخمی ہوئے' مخالفین کے ۷۵۹ افراد مقتول ہوئے اور ۱۶۵۶۴ افراد قید ہوئے ۶۳۴۷ کے بارے میں صاف معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ازراہ لطف و احسان بلا کسی شرط کے آزاد کر لیا۔(۴۰)

اس کے مقابلے میں داعیان امن و سلامتی کی رزم گاہوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ چند جنگوں میں لاکھوں کروڑوں انسان موت کے گھاٹ اتارے گئے مثلاً تیس سالہ جنگ جس میں فرانس' آسٹریا اور سویڈن وغیرہ نے حصہ لیا اور ۱۶۱۸ سے ۱۶۴۸ء تک جاری رہی اس میں صرف جرمنی کے ایک کروڑ بیس لاکھ افراد مارے گئے پہلی جنگ عظیم میں ایک کروڑ افراد مارے گئے ۲ کروڑ مجروح ہوئے اور بعد میں جنگ کی تباہ کاریوں کی وجہ سے کئی لاکھ افراد مر گئے' دوسری عالمگیر جنگ میں دو کروڑ افراد مارے گئے اور ایک ہزار بلین امریکی ڈالر کا مال و اسباب تباہ ہوا۔(۴۱)

5-0 انسداد فساد کے لیے حقوق کا تعین

ان تعلیمات کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کو فتنہ و فساد سے بچانے کے لیے ہر ایک کے حقوق متعین کر دیئے۔ چونکہ مسلمان دنیا میں اللہ کا خلیفہ ہے اور یہاں اس نے اس کے احکامات کو نافذ کر کے امن و سلامتی کا دور دورہ کرنا ہے اس لیے مسلمانوں کے آپس کے تعلقات کا درست ہونا انتہائی ضروری ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے تعلقات کی درستی کے لیے بڑی تفصیلی ہدایات دی ہیں حضور علیہ السلام نے مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیا ہے اور سب سے اچھا مسلمان اس کو کہا ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ مسلمان کی عزت و آبرو کی طرف ہاتھ بڑھانے کو سب سے بڑا ربا (سود) قرار دیا ہے۔ کسی مسلمان کے ساتھ تین دن سے زائد قطع تعلق ناجائز و حرام کہا ہے۔ مسلمانوں کے قتل پر اللہ کے غضب اور جہنم کا مستحق ٹھہرایا کسی مسلمان کے قتل کو ساری دنیا کے زوال سے بڑا وبال قرار دیا۔ آپس میں کینے' بغض اور حسد کو سختی سے منع فرمایا۔

لا تحاسدوا ولا تناجشوا ولا تباغضوا ولا تدابروا ولا يبيع بعضكم على بعض و كونوا عباد الله اخوانا

آپس میں ایک دوسرے کے خلاف مت بھڑکاؤ' اور آپس میں بغض نہ رکھو' نہ آپس میں پیٹھ پیچھے برائی کرو اور اور نہ کوئی کسی کی بیع پر بیع کرے اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔

خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: لوگو! تمہارے خون' تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر

ایسی ہی حرام ہیں جیسا کہ آج کے دن تم اس شہر اور اس مہینہ کی حرمت کرتے ہو...... خبردار میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو اور یہ بھی فرمایا مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ تو اس پر ظلم کرے، نہ اس کو بے مدد چھوڑے اور نہ اس کی تکذیب کرے اور نہ اس کی تحقیر کرے (۴۲) اور فرمایا انازعیم ببیت فی وسط الجنة لمن ترك المرء بحق (۴۳) (وهو بحق)

اور کسی مسلمان کو خوفزدہ کرنے سے منع فرمایا: لا یحل لمسلم ان یروع مسلما (۴۴)

یہ وہ اصولی تعلیمات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے نازک آبگینہ کی حفاظت کے لیے عطا فرمائی تھیں۔ آج کے مسلمانوں کو ان تعلیمات پر عمل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ تاکہ مسلمانوں کے آپس کے تعلقات درست ہوں اور امن و بھائی چارہ قائم ہو۔

6-0 عدم برداشت کا نتیجہ...... مسلمانوں کا آپس میں جنگ و جدال

سطور بالا سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات افراط و تفریط سے پاک راہ معتدل کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور بنی نوع انسان کو پرامن بقا باہمی (Peaceful Mutual Co-exis-tence) کے اصول کے ذریعے ایک کنبہ بنانے کی صلاحیت رکھتی ہیں لیکن بدقسمتی سے آج مسلمان ان تعلیمات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے آپس میں ہی دست و گریباں ہیں۔ وہ امت جو ہر لحاظ سے ناقابل تقسیم وحدت تھی اور جسے بنیان مرصوص بن کر زمانے میں اسلام کے پیغام کو پوری انسانیت تک پہنچانا تھا آج وہ خود افتراق و تشتت کا شکار ہے۔ مسلمانوں کی مختلف جماعتیں اور گروہ مسلکوں کی بنیاد پر ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں اور چھوٹے چھوٹے فروعی اور نقطہ نظر کے اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ غیر مسلموں والا سلوک شروع کر دیا ہے جو کہ انتہائی خطرناک ہے۔ کسی بھی معاملے میں اختلاف رائے کا ہونا کوئی مذموم چیز نہیں کیونکہ قدرت کے نظام میں سو فیصد یکسانیت (Monotony) محال ہے لیکن اختلاف رائے کو اتنا بڑھا لینا کہ بات باہمی نزاع اور جنگ و جدال تک پہنچ جائے یہ بہر حال مذموم اور ناپسندیدہ ہے۔ غیر منصوص احکام میں اختلاف رائے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں آپ کی مجلس میں بھی ہوتا رہا اور خلفائے راشدینؓ اور صحابہؓ کے عہد میں جب نئے نئے مسائل سامنے آئے جن کا ذکر قرآن و احادیث میں صراحتاً نہ تھا تو اختلاف رائے ہوا اور یہ اختلاف رائے عقل و دیانت کی بنا پر ناگزیر (۴۵) تھا لیکن بات کبھی مستقل جھگڑوں اور ایک دوسرے کی تفسیق و تکفیر تک نہیں پہنچی جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے ایک دفعہ حضرت ابی ابن کعبؓ اور عبداللہ ابن مسعودؓ کا ایک مسئلہ میں اختلاف ہو رہا تھا حضرت عمر فاروقؓ نے سنا تو غضب ناک ہو کر باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ "افسوس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ میں دو ایسے شخص جھگڑ رہے ہیں جن کی طرف لوگوں کی نظریں ہیں اور جن سے لوگ دین کا استفادہ کرتے ہیں" پھر دونوں حضرات

کے اختلاف کا فیصلہ یوں کیا یعنی صحیح بات تو ابی ابن کعب کی ہے مگر اجتہاد میں کوتاہی ابن مسعودؓ نے بھی نہیں کی(۴۶) حضرت عمر فاروقؓ کے اس فیصلے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اجتہادی مسائل واختلافات میں ایک قول صحیح وصواب ہوتا ہے اور دوسرا اگرچہ صواب نہیں ہوتا مگر ملامت اس پر بھی نہیں کی جا سکتی کیونکہ بخاری و مسلم میں عمرو بن العاصؓ سے ایک روایت ہے کہ جب کوئی اجتہاد کرے اور وہ حکم ٹھیک ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور جب اجتہاد میں غلطی ہو تو اس کو ایک اجر ملتا ہے(۴۷) دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایسے اجتہادی مسائل میں اختلاف پر زور دینا اہل علم کے لیے مناسب نہیں جس سے ایک دوسرے پر ملامت یا نزاع وجدال کے خطرات پیدا ہوں۔

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ مجتہدین کو آپس میں ایک دوسرے کا تخطیہ نہیں کرنا چاہیے یعنی ان میں ایک دوسرے کو یوں نہ کہے کہ آپ غلطی پر ہیں(۴۸) کیونکہ مجتہدین کے اختلافات میں جب کوئی جانب منکر نہیں ہوتی تو غیر منکر پر نکیر خود منکر ہے اس لیے نرمی وخیر خواہی سے انسان دوسرے کو متنبہ کردے اگر وہ قبول کرلے تو بہتر ہے ورنہ جھگڑا اور بدگوئی نہ کرے۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ علم میں جھگڑا اور جدال نور علم کو انسان کے قلب سے نکال دیتا ہے کسی نے عرض کیا کہ ایک شخص جس کو سنت کا علم ہے کیا وہ حفاظت سنت میں جدال کر سکتا ہے فرمایا نہیں بلکہ اس کو چاہیے کہ مخاطب کو صحیح بات سے آگاہ کردے وہ قبول کرلے تو بہتر ہے ورنہ سکوت اختیار کرے۔ (نزاع وجدال سے پرہیز کرے) قرآن میں وجادلهم بالتی هی احسن کا یہی مطلب ہے کہ محبت ودلیل کے ساتھ افہام و تفہیم کی کوشش کی جائے۔(۵۰) اور بقول مولانا مفتی محمد شفیعؒ اجتہادی وفروعی اختلاف کے ساتھ جو معاملہ آج کل کیا جارہا ہے کہ اسی بحث ومباحثہ کو دین کی بنیاد بنالی گئی ہے اور اس پر باہمی جنگ وجدال اور سب وشتم تک نوبت پہنچادی گئی ہے یہ طرز عمل بلاشبہ ولا تفرقوا کی کھلی مخالفت اور صحابہؓ وتابعینؒ کی سنت کے بالکل خلاف ہے 'اسلاف امت میں کبھی کہیں نہیں سنایا گیا کہ اجتہادی اختلافات کی بنا پر اپنے سے مختلف نظریہ رکھنے والوں پر اس طرح نکیر کیا گیا ہو(۵۱) (جیسا کہ آج کل ہورہا ہے)

آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے وارثوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے آپس میں رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے افہام وتفہیم پیدا کرنا ہوگی (و اعتصموا بحبل الله جميعا و لا تفرقوا) اور بزرگوں کے اس قول پر عمل کرنا ہوگا کہ "اپنے مسلک کو چھوڑو نہ اور دوسرے کے مسلک کو چھیڑو نہ (۵۲) کیونکہ تمام امت کا اس پر اتفاق ہے اور عقلاً بھی اس کے سوا کوئی صورت دین پر عمل کرنے کی نہیں کہ جو لوگ خود اجتہاد کا درجہ نہیں رکھتے وہ اجتہادی مسائل میں کسی امام یا مجتہد کی رائے پر عمل کریں اور اسی طرح دوسرے کسی دوسرے امام مجتہد کی پیروی کریں تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ "انہیں فقہ کے مذاہب اربعہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یکساں تصور کرنے کی ہدایت کی کیونکہ فقہ کے تمام قوانین کی

اصل بنیاد تو عنایت الٰہی ہے اس کے بعد جیسے جیسے زمانہ بدلتا گیا اس کے مطابق اس اصل سے نئی شاخیں اور الگ الگ صورتیں بنتی جاتی ہیں چونکہ رسول اللہ ﷺ کی روح کے جوہر میں ان تمام فقہی فروعات کا بنیادی علم موجود ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ان میں سے ایک دوسرے پر کوئی امتیاز نہ ہو"۔

آگے وہ لکھتے ہیں "بات دراصل یہ ہے کہ فقہ کے مذاہب گو ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن جہاں تک فقہ کے ضمن میں دین اسلام کے ضروری اصول و مبادی کا تعلق ہے وہ مذاہب فقہ میں سے ہر مذہب میں موجود ہیں"(۵۳)

اس لیے آج علماء کرام کو فقہی و فروعی مسائل میں توسع اور وسیع النظری کا ثبوت دیتے ہوئے ایک دوسیر کو برداشت کرنا ہوگا اور اپنی تحریر و تقریر کے ذریعے امت کے اندر اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا کرنا ہوگی اور اگر تنقید ضروری ہی ہو تو پھر قرآنی حکم

ولا یجر منکم شنأن قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی (۵۴) کے مطابق مخالف کے معاملے میں عدل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا ہوگا اور دوسروں پر تنقید کرتے وقت یہ بات متحضر رہے کہ رب العالمین کی عدالت میں ہر بات اور دعوے کو ثابت کرنا پڑے گا (کوئی ایسا دعویٰ جزم کے ساتھ نہ کیا جائے جسے شرعی اصولوں کے مطابق وہاں ثابت نہ کیا جا سکے۔(۵۵)

6-1 باہمی تکفیر کا مسئلہ

مسلمانوں کے درمیان افتراق و انتشار کا بڑا سبب تکفیر کا فتنہ ہے یعنی ایک فرقے یا مسلک کا دوسرے کو برداشت نہ کرتے ہوئے اس کے متبعین کو کافر قرار دے کر خارج از اسلام سمجھنا(۵۶) باہمی تکفیر کا یہ فتنہ اتنا وبائی ہے جس کی زد سے آج کوئی مسلمان محفوظ نہیں کیونکہ ہر مسلمان کا کسی مسلک یا جماعت سے تعلق ہے جو دوسرے کے نزدیک نہ صرف یہ کہ کافر بلکہ مباح الدم اور واجب القتل ہے۔ بعض مفتیوں کے ایسے فتوے بھی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ جو شخص فلاں فرقے اور اس کے فلاں فلاں اشخاص کو کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے ایسے ہی فتوؤں اور مناظروں کی وجہ سے امت مسلمہ اس وقت متحارب گروپوں میں تقسیم ہے اور اس مسئلہ کی وجہ سے امت کو جتنا نقصان پہنچا اور عالمی سطح پر مسلمانوں کی جتنی بدنامی ہوئی اتنی کسی اور مسئلہ کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ اس وجہ سے جدید تعلیم یافتہ طبقے کی علماء اور اسلام سے بعد کی کیفیت پیدا ہوئی ہے...... یہی وہ فتنہ ہے جس کی وجہ سے آج امت کی پناہ گاہیں (عبادت گاہیں) بھی محفوظ نہیں اور انہیں مسلمانوں کے معصوم خون کے ساتھ رنگین کیا جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن و حدیث سے جو ہدایات ملتی ہیں ان کے مطابق جو شخص ضروریات دین کا انکار نہ کرتا ہو اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہو وہ جتنا بھی گناہ گار اور کبائر کا مرتکب ہو اس کی تکفیر کسی طرح بھی جائز نہیں۔ مسلمان بڑی سے

بڑی ناگوار بات بلکہ گالی تک برداشت کر لیتا ہے لیکن جب اسے کافر کہا جائے تو وہ یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس فتنہ کے سدباب کے لیے بڑی واضح تعلیمات عطا کی ہیں۔

عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث من اصل الایمان الکف عن من قال لاالہ الا اللہ۔ لا تکفرہ بذنب ولا تخرجہ من الاسلام بعمل(۵۷) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں اصل ایمان ہیں ان کا ایمان سے گہرا تعلق ہے ایک یہ کہ جو شخص کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہو اس کے متعلق زبان کو روک رکھنا' نہ کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر کی جائے اور نہ کسی برے عمل کی وجہ سے اسے اسلام سے خارج کیا جائے۔ جو شخص کسی کو کافر کہے درانحالیکہ وہ حقیقت میں کافر نہ ہو تو کفر کا فتویٰ تکفیر کرنے والے کی طرف لوٹ آئے گا ایما رجل قال لاخیہ یا کافر فقد باء بھا احدھما(۵۸) جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو کافر کہے تو یہ قول دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور پڑے گا۔ لا یرمی رجل رجلاً بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذالک (۵۹) جب کبھی ایک شخص دوسرے پر فسق یا کفر کی تہمت لگاتا ہے تو وہ تہمت اس پر لوٹ آئے گی اگر وہ شخص جس پر تہمت لگائی تھی در حقیقت کافر یا فاسق نہ ہو۔ من دعا رجلا بالکفر او قال عدو اللہ و لیس کذالک الا حار علیہ(۶۰) جو شخص کسی کو کافر یا دشمن خدا کہے جبکہ وہ شخص ایسا نہ تھا تو یہ قول خود قائل پر ضرور پڑے گا۔ من لعن مومنا فھو کقتلہ و من قذف مومنا بالکفر فھو کقتلہ(۶۱) جس نے کسی مومن پر لعنت کی اس نے گویا اسے قتل کیا اور جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی اس نے گویا اسے قتل کر دیا۔ اس طرح فقہاء نے کفر کے حوالے سے یہ اصول بیان کیا ہے من قواعد اھل السنۃ والجماعۃ ان لایکفر واحد من اھل القبلۃ(۶۲) اہل سنت والجماعۃ کے بنیادی قواعد میں سے ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے اور امام ابو حنیفہؒ نے بھی یہی کہا ہے عن ابی حنیفۃ لا نکفر اھل القبلۃ بذنب (۶۳) اور اہل قبلہ سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب فقہاء نے یہ دیا ہے و اعلم ان اھل القبلۃ الذین اتفقوا علی ما ھو من ضروریات الدین کحدوث العالم و حشر الاجساد(۶۴)

مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی کتاب جواہر الفقہ میں ضابطہ کفر کے ذیل میں لکھا ہے "اگر کسی خاص شخص یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو خواہ تردد کے اسباب میں علماء کا اختلاف' خواہ قرآن کا تعارض ہو یا اصول کا غموض تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم لگایا جائے نہ اسلام کا حکم۔ اس کی نظیر وہ حکم ہے جو اہل کتاب کی مشتبہ روایات کے متعلق احادیث میں وارد ہے کہ لا تصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوھم و قولوا امنا باللہ و ما انزل الینا یعنی اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب اور کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اس نے اتارا ہم پر۔ (۶۵)

روایات بالا سے یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ مسئلہ تکفیر نہایت نازک مسئلہ ہے اور بقول مولانا

مودودی...... "اسلام میں کسی شخص یا گروہ کو کافر کہہ دینے کا معنی یہی نہیں ہے اس کے اعتقاد اور نیت پر حملہ کیا گیا بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلامی معاشرے اور اس کے ایک فرد یا چند افراد کے درمیان برادری، محبت، معاشرت اور باہمی تعاون کے جتنے رشتے تھے سب کاٹ دیئے گئے اور امت مسلمہ کے جسم سے ایک عضو یا متعدد اعضاء کو کاٹ کر پھینک دیا گیا۔ یہ فعل اگر اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہو تو یقیناً حق ہے اس صورت میں اس سڑے ہوئے عضو کو کاٹ کر پھینک دینا ہی اسلام کے ساتھ سچی خیر خواہی ہے لیکن اگر قانون الٰہی کی رو سے وہ سڑا ہوا نہ ہو اور محض ظلم سے کاٹ ڈالا ہو تو ظلم خود اس عضو سے بڑھ کر اس جسم پر ہو گا جس سے وہ کاٹا گیا ہو"(٦٦)

یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دینی رشتہ کے احترام کی سخت تاکید کی ہے اور اس شخص کے بارے میں سخت عذاب کی دھمکی دی ہے جو امت کے افراد میں فتنہ وانتشار کا باعث بنے۔(٦٧)

6-2 شیعہ سنی تنازع

گذشتہ چودہ سو سال سے شیعہ امت مسلمہ میں ایک فرقے کی حیثیت سے موجود ہیں اور اس کے باوجود کہ ان میں سے بعض غالی گروہوں کی انتہائی گمراہی پر مشتمل عقائد کی وجہ سے مختلف علماء، فقہاء نے ان کی تفسیق و تکفیر بھی کی لیکن مجموعی اعتبار سے کبھی بھی امت کا تمام اہل تشیع کی تکفیر پر اجماع نہیں ہوا۔(٦٨) (کیونکہ ان میں کئی فرقے اعتدال پسند اور بعض بین بین ہیں) امت کی تاریخ میں معمولی نہیں بڑے بڑے اختلاف ہوئے لیکن ان کی بنیاد پر کسی کی تکفیر نہیں ہوئی۔ جس قدر (Tolerance) اسلام کی تاریخ میں رہا ہے اس کی مثال دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی جبکہ عیسائیت کے مختلف فرقوں میں اتنا کشت و خون ہوا ہے کہ اس پر خود ان کی گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں۔ لیکن اس کے برعکس اسلام نے اختلافات کو Absorb کیا ہے کیونکہ مختلف ادوار میں جو فرقے پیدا ہوئے وہ چونکہ بنیادی ایمانی عقائد اور ارکان اسلام کو کسی نہ کسی صورت میں مانتے تھے لہٰذا نہ ان کی تکفیر ہوئی اور نہ انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا۔ چنانچہ علماء متقدمین نے مختلف فرقوں پر جو کتابیں لکھی ہیں ان میں ان فرقوں (معتزلہ، مرجئہ، قدریہ، روافض اور جہمیہ وغیرہ) کو مسلم قرار دیا اور ان کے عقائد وافکار پر بحث و تحقیق کی۔ البتہ بعض کتابوں میں ان کو فرقہ ضالہ یعنی گمراہ اور بھٹکے ہوئے فرقوں سے تعبیر کیا(٦٩) شیخ ابوالحسن الاشعری نے اس طرح کی ایک کتاب لکھی اس کا نام "مقالات الاسلامین" رکھا جو اس کتاب میں ذکر شدہ فرقوں کے مسلمان ہونے پر دلالت کرتا ہے اسی طرح مصری عالم شیخ ابو زہرہ نے اس موضوع پر ایک عام فہم کتاب لکھی ہے جس میں ان سب فرقوں کو (ماسوائے ان کی چند شاخوں کے) مسلم تسلیم کرتے ہوئے ان کے عقائد و نظریات کو واضح کیا۔ (اس کا اردو ترجمہ پاکستان کے ایک پروفیسر غلام احمد حریری نے کیا ہے)۔

بالفرض اگر کوئی شخص یا گروہ کچھ ایسے غلط عقائد کا قائل تھا اور کہیں تکفیر بھی ہوئی ہے لیکن موجودہ دور میں جو قتل و غارت اور جنگ و جدال کا بازار گرم ہوا ہے ایسا کبھی کسی دور میں نہیں ہوا اور نہ ہی کسی فرد یا گروہ کو اسلام اس کی اجازت دیتا ہے کہ قانون اپنے ہاتھوں میں لے کر دوسرے اشخاص یا گروہ پر مسلح حملے کرے اور پھر اس سے آگے بڑھ کر ان کے مقامات عبادت پر حملے کیے جائیں اور اسے جہاد اور کار ثواب قرار دیا جائے۔ اسلام تو کھلے کافروں کی معابد کو نقصان پہنچانے یا ان پر حملے کرنے کو حرام اور گناہ کبیرہ قرار دیتا ہے (ملاحظہ ہو اس مضمون کی سیکشن نمبر ۸) جبکہ یہاں اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے دوسروں کے معابد پر حملے کرتے ہیں اور مسلمانوں کا بے گناہ قتل عام کرتے ہیں۔ حضرت علیؑ کا اسوہ اس حوالے سے تمام گروہوں کے لیے مشعل راہ بن سکتا ہے کہ آپ نے اپنے دور کے خوارج کو (جو اعلانیہ طور پر اسلامی حکومت کے خلاف تھے اور بزور شمشیر اس کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے یا ور ہی غلط خیالات و نظریات کے قائل تھے) یہ پیغام دیا

کونوا حیث شئتم و بیننا و بینکم ان لا تسفکوا دماء و لا تقطعوا سبیلا و لا تظلموا احدا (۷۱)

تم جہاں چاہو رہو، ہمارے تمہارے درمیان شرط یہ ہے کہ تم خونریزی اور راہزنی اختیار نہ کرو اور ظلم سے باز رہو۔

ایک دوسرے موقع پر انہیں یہاں تک پیغام دیا لا نبدء کم بقتال ما لم تحدثوا فسادا جب تک تم فساد کے مرتکب نہیں ہو گے ہم تمہارے خلاف لڑائی کی ابتدا نہیں کریں گے۔ (۷۲)

آج امت مسلمہ کے مختلف گروہوں اور جماعتوں کو تحمل و برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے Peace-fully ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کی ضرورت ہے اور بجائے سختی اور تشدد کے آپس میں افہام و تفہیم پیدا کرنا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے کیونکہ زبردستی اور شدت سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا بلکہ مزید الجھ جاتا ہے جیسا اہل سنت کے ایک بڑے عالم اور شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ' نے مختلف جماعتوں اور گروہوں کے رہنماؤں اور کارکنوں کے نام اپنے ایک خط میں یہ لکھا۔

"نوجوان جذباتی ہوتے ہیں اور جذبات میں بہت کچھ کر اور کہہ جاتے ہیں شدت اور سختی سے کبھی بھی مسائل حل نہیں ہوتے اور نہ قوت و طاقت سے کسی فرد یا نظریہ کو ختم کیا جا سکتا ہے...... اس لیے گذارش ہے کہ نوجوانوں کو قولاً اور فعلاً شدت اختیار کرنے سے سختی کے ساتھ روکیں۔ در و دیوار پر کافر کافر لکھنے اور نعرہ بازی سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا (اور ہوا ہے) عیاں را چہ بیاں" (۷۳)

چونکہ مسئلہ تکفیر کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر بہت زیادہ فساد اور کشت و خون ہو چکا ہے اس لیے حکومت کو فوراً اس مسئلہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور تمام مسالک کے علماء پر مشتمل ایک بورڈ بنا کر ایک متفقہ ضابطہ

اخلاق ہونا چاہیے جیسا کہ توہین رسالت پر سزائے موت ہے اسی طرح کا ایک قانون منظور کروانا چاہیے جس میں صحابہ کرامؓ اور اہل بیت عظامؓ اور ازواج مطہراتؓ کی توہین پر سخت سزائیں مقرر ہوں۔ مزید بر آں امن و امان کے قیام اور بد امنی ختم کرنے کے لیے تکفیر کے عمل پر پابندی لگائی جائے اور بلا وجہ اس کا ارتکاب کرنے والوں پر سخت تعزیری سزائیں مقرر ہوں۔

7-0 مذہبی رواداری اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

اسلام کے خلاف مغرب کے بے جا پروپیگنڈے اور خوف کے بیان کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی اسلام کی تعلیمات پیش کر دی جائیں جو دوسرے مذاہب اور اس کے ماننے والوں کو برداشت کرنے کے حوالے سے ہیں۔

معاشرے میں فتنہ و فساد اور بگاڑ و انتشار کی ایک بڑی وجہ تنگ نظری اور تعصب ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیمات دی ہیں وہ مذہبی تعصب اور تنگ نظری کو ختم کر کے معاشرے کی تشکیل رواداری کے اصولوں پر کرتی ہیں چونکہ حضور ﷺ نے جو تعلیمات دی ہیں وہ مذہبی تعصب اور تنگ نظری کو ختم کر کے معاشرے کی تشکیل رواداری کے اصولوں پر کرتی ہیں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اقوام عالم کے لیے رحمت بن کر آئے تھے اور اسلام بھی تمام قوموں کے لیے رحمت ہے اس لیے مذہب کے حوالے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات بڑی وسعت پر مبنی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل دین کے باب میں قطعاً آزادی نہ تھی بلکہ مذہب تبدیل کرنے کے لیے بڑی سختی برتی جاتی تھی علامہ فرید وجدی نے لکھا ہے .... "مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کرنے میں بے رحمی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ جو لوگ انکار کرتے تھے وہ بڑھکتی ہوئی آگ کے حوالے کیے جاتے' پھاڑنے والے حیوانات کے آگے ڈالے جاتے تھے یا ان کو ہلکی آگ پر کئی روز پگھل پگھل کر مرنے دیا جاتا (۷۴)۔ جبکہ اسلام کی مذہبی رواداری کا ذکر گوبینو (Gobineau) نے ان الفاظ میں کی ہے۔

"اگر ہم مذہبی اصولوں سے سیاسی ضروریات کو الگ کر دیں جنہوں نے مذہب کے نام پر زبان اور ہاتھ سے کام لیا تو کوئی مذہبی اسلام کی مثل روادار اور صلح کل نہیں ملے گا جس نے دوسروں کو اس قدر مذہبی آزادی بلکہ ان کے دین و ایمان سے کوئی سروکار نہ رکھا ہو...... رواداری مسلمانوں کی طبعیت کا ایک محکم خاصہ اور مکمل مذہبی آزادی ان کے مذہب کا دستور العمل رہا ہے" (۷۵)۔

اسلام دنیا کا واحد دین ہے جس نے آکر اعلان کیا کہ مذہب کے معاملے میں کوئی زبردستی اور جبر نہیں (لا اکراہ فی الدین) (۷۶) کیونکہ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔ اس لیے جو چاہے اسے قبول کرے اور جو چاہے انکار کرے (فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر) (۷۷)

اسلام نے دیگر مذاہب کے ساتھ پر امن بقائے باہمی کا رشتہ قائم کرنے کے لیے اہل کتاب کو آگے بڑھنے کی دعوت یوں دی...... یٰا اھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم (۷۸) اے اہل کتاب آؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے تمہارے درمیان مشترک ہو اور ہم ان کے ساتھ باہم مل جل کر رہیں۔ بنیادی تعلیم کے ساتھ مذہب کی مختلف شکلوں میں رواداری برتنے کا حکم دیا لکل امة جعلنا منسکا ھم نا سکوہ فلا ینازعنك فی الامر (۷۹) ہر امت کے لیے عبادت کا ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے جس پر وہ چلتی ہے اس معاملے پر لوگ آپ سے جھگڑا نہ کریں۔ ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور راہ عمل مقرر کیا ہے اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا (۸۰)

دوسرے مذہب کے پیشواؤں اور بزرگوں کو برا کہنے سے منع کیا گیا (۸۱) اور دوسرے مذاہب کے ہادیان سے یہاں تک کہہ دیا اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی' ہمارے اعمال ہمارے ساتھ اور ہم جواب دہ ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ اور خود تم ان پر جوابدہ ہو۔ ہمارا تم سے کوئی جھگڑا نہیں اور تمہارا ہمارے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں' اللہ تمہیں اور ہمیں اکٹھا کرے گا (۸۲) تمہارے لیے تمہارا دین اور ہمارے لیے ہمارا دین ہے (۸۳)
ان تمام آیات سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ سابقہ شریعتیں اصلی شکل میں موجود ہیں یا اب بھی قابل عمل ہیں بلکہ ان آیات میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راہ راست پر ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم (مع مسلمانوں کے) اپنی شریعت کا اتباع کرتے ہوئے دوسروں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کریں' دوسرے مذاہب کو برداشت کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان کو اسلام کی طرف دعوت دیں اس سے آگے آپ ان کو زور سے اسلام میں داخل کرنے کے مکلف اور ذمہ دار نہیں۔ کئی آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صاف حکم دیا ان علیك الا البلاغ (۸۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض صرف پیغام پہنچا دینا ہے۔ و ما انت علیھم بوکیل (۸۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر کارساز نہیں' و ما انت علیھم بجبار (۸۶) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر زبردستی کرنے والے نہیں' انما انت مذکرO لست علیھم بمصیطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان کو نصیحت کرنے والے ہیں ان پر داروغہ نہیں (۸۷) کہ زور سے ان کو ہدایت دیں۔ افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین کیا آپ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں (۸۸) دوسرے مذاہب' ان کے مذہبی پیشواؤں اور عبادت خانوں کی حفاظت کا حکم دیا گیا۔

لا یھدم لھم بیعة ولا یمنعون من ضرب النواقیس الافی اوقات الصلٰوة ولا من اخراج الصلبان فی یوم عیدھم (۸۹) یہودیوں اور عیسائیوں کے عبادت خانے نہ گرائے جائیں' یہ لوگ ناقوس بجانے سے نہ روکے جائیں البتہ نماز کے اوقات مستثنیٰ رہیں گے اور اپنی عید کے دن صلیب نکالنے سے نہ روکے جائیں۔ (۹۰)

کسی پادری کو اس کے موقف سے کسی راہب کو اس کی راہبیت سے' کسی کاہن کو اس کی کہانت سے نہ ہٹایا جائے اور کسی پر کسی قسم کی سختی نہ کی جائے (۹۱) ۱۷۱ھ میں خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ حکومت میں منہدم شدہ گرجوں کی تعمیر اس وقت کے سر کردہ علماء لیث بن سعد اور عبد اللہ ابن لہیعہ وغیرہ کے مشورے سے ہوئی (۹۲) ابو عبیدہ نے کئی ملکوں کے تذکرے کے بعد لکھا ہے کہ ان کے باشندے اپنے اپنے مذہب اور شریعتوں پر باقی رکھے گئے تھے۔ فقہ اسلامی میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان غیر مسلموں کے خنزیر یا شراب کو ضائع کر دے تو اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ (۹۳) حالانکہ یہ دونوں چیزیں اسلام میں حرام ہیں' ہر مذہب کے ماننے والوں کو پرسنل لاء اور کلچر میں آزادی دی گئی ہے۔ ھم احرار فی شھاداتھم و مناکحاتھم و مواریثھم و جمیع احکامھم (۹۴) یعنی یہ لوگ اپنی شہادت کے احکام' نکاح کے معاملات وراثت کے قوانین اور دوسرے تمام پرسنل لاء میں آزاد ہوں گے ولا یحال بینھم و بین شرائعھم ان کے اور ان کی شریعتوں کے درمیان حائل نہ بنا جائے (۹۵) اور ان کے دین میں کسی قسم کی زبردستی نہ کی جائے۔ (۹۶)

شام کی فتح کے پندرہ سال بعد حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک پادری نے اپنے دوست کے نام ایک خط میں لکھا! یہ طائی (عرب) جنہیں خدا نے آج کل حکومت عطا فرمائی ہے اور وہ ہمارے مالک بن بیٹھے ہیں لیکن وہ عیسائی مذہب سے بالکل برسرپیکار نہیں بلکہ اس کے برخلاف وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور کلیساؤں کو جاگیریں عطا کرتے ہیں۔ (۹۷)

ان تمام تصریحات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے دوسرے مذاہب کو جس قدر آزادی اور سہولتیں دی ہیں اور جس حد تک برداشت کیا ہے اس کا عشر عشیر بھی اس وقت کی کہلائی جانے والی مہذب قوموں کو حاصل نہیں۔

8-0 تعلیمات صبر و برداشت...... غیر مسلموں کے بارے میں

اسلام کی تعلیمات صبر و برداشت کا نتیجہ تھا کہ عباسیہ اور دیگر مسلمان حکمرانوں کے عہد میں مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ پرامن طریقہ سے مل جل کر رہے اور کبھی بھی مذہبی اور تہذیبی ٹکراؤ کی نوبت نہیں آئی لیکن اس وقت امریکہ اور دیگر مغربی اقوام کی غلط پالیسیوں اور اسلامی ممالک میں ان کی بے جا مداخلت کی وجہ سے بعض جگہوں پر مسلمان ردعمل کا شکار ہو کر مختلف قسم کی تخریبی سرگرمیوں کے مرتکب ہو رہے ہیں جس کی وجہ سے مغربی میڈیا اور مفکرین (مغرب) بے جا طور پر انہیں دہشت گرد اور انتہا پسند قرار دیتے ہیں حالانکہ ان تمام تخریبی کارروائیوں کے اصل ذمہ دار خود امریکہ اور اس کے حواری ہیں (جس کا ذکر بعد میں کیا جائے گا) یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اسلام مسلمانوں کو ممکن حد تک عدل و انصاف کا دامن مضبوطی سے تھامنے کا حکم کرتا ہے اور کسی

م کی دشمنی میں بھی اس پر ظلم اور ناانصافی کی ہر شکل کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ امریکہ اور دیگر یورپی ممالک اگر اسلامی
مالک میں مظالم ڈھاتے ہیں تو تمام اسلامی ممالک کا فرض ہے کہ اجتماعی طور پر انہیں ایسا کرنے سے روکیں۔ لیکن
سلام کسی فرد یا گروہ کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں غیر مسلموں کی جان و مال
ران کے سفارت خانوں یا معابد کو نقصان پہنچائے کیونکہ فقہ کی اصطلاح میں ایسے تمام لوگ مستامن (۹۸) کہلاتے
ں اور ان کی حفاظت ضروری ہے جو پاسپورٹ یا ویزا لے کر کسی دینی یا دنیاوی مقصد کے لیے عارضی طور پر اسلامی
مالک میں قیام پذیر ہوں ایسے اشخاص کی جان و مال اور عزت و آبرو مسلمانوں کے لیے ایک امانت ہے جس کی
فاظت ضروری ہے۔ اب یہی شخص مستقل طور پر رہنے کا فیصلہ کر لے تو اس کی حیثیت ذمی کی ہو جاتی ہے
ضور ﷺ نے مستامن اور ذمی کے حقوق کی بڑی تاکید کی ہے۔ اور اگر کوئی مسلمان غیر مسلموں میں سے کسی کو قتل
ڈالے تو ثبوت کے بعد قصاص میں اس مسلمان کو قتل کیا جائے گا اور اس طرح معاہد (مستامن یا ذمی) کے قتل کے
ے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے سخت عذاب کی وعید سنائی ہے۔ من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة
ان ريحها ليوجد من مسيرة اربعين عاماً (۹۹) جس نے غیر مسلم معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو سے بھی
محروم ہوگا حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے بھی محسوس ہوگی۔ دوسری روایت میں ہے کہ جس نے
ی معاہد پر ظلم کیا یا اس کے حقوق میں کمی کی یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر دباؤ ڈالا یا اس کی مرضی کے خلاف اس
سے کوئی چیز لی تو قیامت کے دن میں خود اس کے خلاف مستغیث ہوں گا۔ (۱۰۰) اسی طرح وہ مسلمان جو دوسرے
سلامی یا غیر اسلامی ممالک میں تجارت یا سفارت یا دوسری اغراض سے عارضی طور پر جائے وہ بھی معاہد ہے اور جس
طرح وہ اسلامی ملک میں تمام اسلامی حدود و قوانین کا پابند رہے گا اسی طرح سے باہر بھی پابند رہے گا اور وہ نہ تو کسی
شہری کی عزت و آبرو اور جان سے کھیل سکتا ہے اور نہ ہی اس ملک یا اس کے شہریوں کی ملک کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور
نہ ہی دھوکہ دہی سے کوئی مال حاصل کر سکتا ہے اصول یہ ہے المسلم ملتزم باحكام الاسلام حيث ما
كان (۱۰۱) مسلمان جہاں بھی رہے گا اسے اسلامی احکام کا پابند رہنا ہوگا اور حرم تعرضه بشيء من دمه و ماله اور
اس کے اوپر کسی کے مال اور جان پر تعرض حرام ہے (۱۰۲) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مومن کی پہچان یہ
بتائی۔ المؤمن من امنه الناس على دمائهم و اموالهم مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنے جان و مال کے بارے میں
مامون اور بے خوف ہوں۔ تمام علماء غیر مسلموں کے بارے میں متفقہ طور پر لکھتے ہیں و يجب كف الاذى و
تحريم غيبة كالمسلم (۱۰۳) مسلمان کی طرح غیر مسلم کو تکلیف سے بچانا واجب ہے اور اس کی غیبت اسی طرح
حرام ہے جس طرح مسلمان کی غیبت۔

یہ ہیں وہ تعلیمات جو رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو عطا فرمائیں جن پر عمل

پیدا ہو کر تمام انسان مذہب و مسلک کے اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کو برداشت کر کے ایک کنبہ کی حیثیت اختیار کر سکتے تھے اور یہ دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن سکتی تھی۔

لیکن ناس ہو مغربی تہذیب کا۔ جس نے اگرچہ انسانوں کو بے انتہا سہولتوں سے بہرہ مند کیا لیکن اس نے خدائے واحد پر ایمان و یقین کو چھین کر اس کے ذہن کو محدود کر دیا اور یوں وہ صرف اپنی قوم اور اپنے ملک کے فائدے کے لیے تو سوچتا رہا لیکن اس کی سوچ عالمی نہ بن سکی۔

اس محدود سوچ کے نتیجے میں اس نے ایسا نظام وضع کیا جس نے انسان کی سوچ میں آفاقیت کی بجائے محدودیت اور وسیع النظری کی بجائے تنگ نظری پیدا کی اور یوں انسان ایک دفعہ پھر علی شفاحفرة من النار کے مصداق آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ گیا۔

اس بات کا اعتراف تمام عقلاء بالخصوص غیر متعصب عقلائے مغرب نے کیا ہے۔ مثلاً برنارڈ شا کارلائل گبن ہیٹی اور ڈریپر وغیرہ............ یہ اعتراف اس بات کا ثبوت ہے کہ واقعی بے خدا مغربی نظام انسان کو تباہ کر ڈالے گا اگر اس کی جگہ متبادل اسلامی نظام حیات کو نہ لایا گیا۔

آیئے ذرا تفصیل میں جا کر دیکھتے ہیں کہ اس وقت لادینی نظام نے کس طرح انسانیت کو تباہی و بربادی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے اور اس سے نجات کس طرح ممکن ہے۔

9-0 بین الاقوامی سطح پر عدم برداشت اور تشدد کی وجوہات اور ان کا حل

عالمی سطح پر سرد جنگ کے خاتمے اور امریکہ کے دنیا کی واحد سپر یم پاور بننے کے بعد اس کے مفکرین نے دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اب دنیا کے لیے صرف مغربی لادینی سرمایہ دارانہ جمہوری نظام Western Scecular capitalistic Democratic System) ہی بہترین نظام ہے اسے فرانسس فوکو یاما نے (۱۰۴)"The End of History" (تاریخ کے اختتام) کا نام دیا۔ لیکن دوسری طرف جب انہوں نے دیکھا کہ اسلام امریکہ اور دیگر یورپی ممالک میں تیزی سے پھیل رہا ہے اور اسلامی ممالک میں نفاذ اسلام کی تحریکیں زور پکڑ رہی ہیں تب انہیں اسلام سے خطرہ محسوس ہوا اور مغربی دانشوروں نے ایک نیا شوشہ چھوڑا کہ مغربی تہذیب کو سوشلزم وغیرہ سے تو خطرہ نہیں رہا لیکن ایک تہذیب ایسی ہے جو مستقبل میں اس کے لیے خطرہ ثابت ہو سکتی ہے اور وہ ہے اسلامی تہذیب۔

اس خیال کو سیموئیل پی ہنٹنگٹن نے "Clash of Civilizations"(۱۰۵) کا نام دیا اور اسی طرح کے خطرے کا اظہار دیگر کئی مغربی دانشوروں نے کیا ہے۔ بوشانن (Patricr Buchanen) نے کہا:

" For a millenium, the struggle for mankind's desting

was between christianity and Islam, in the 21st century it may be so again"(۱۰۶)

یہی صاحب دوسری جگہ خطرے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں

"The muslim threat is global in nature [redacted] muslims in Europe Soviet Union and America proliferate & prosper"(۱۰۷)

ایک اور عیسائی دانشور یوں کہتا ہے

"Islam has become [redacted] new threat to the peace and progress of the world"(۱۰۸)

فنانشیل ٹائم کے ایک مقالہ نگار نے "Will Islam Bury Us" کے عنوان سے اسلام سے اپنے خطرے کا اظہار کیا ہے (۱۰۹)

مغربی دانشور "اسلامی خطرے" کا اظہار مختلف جگہوں پر تشدد اور عدم برداشت کے اکا دکا واقعات کی وجہ سے کرتے ہیں (جن کا بعض مسلمان ارتکاب کرتے ہیں) اور چند واقعات کی وجہ سے وہ سارے عالم اسلام کو بین الاقوامی خطرہ کہہ دیتے ہیں اور بقول پروفیسر ایسپی سائٹو (Esposito)

"The selective analysis fails to tell the whole story, to provide full contexts of muslim attitudes, events & actions, or fails to account for the diversity of muslim practice while it sheds some light it is paratial light that obscuresor distorts the full picture".(۱۱۰)

آگے وہ کہتا ہے کہ عالم اسلام کے بارے میں اس قسم کا عموم ہمارے علم کی بجائے ہماری جہالت میں اضافہ کرتا ہے

"Selective and therefore biased analysis adds to our ignorance rather than our knowledge, narrows our perception rather than broadening our understanding"(۱۱۱)

حالانکہ اسلام یا اسلامی تہذیب ان کے لیے خطرہ نہیں بلکہ ان کا اپنایا ہوا غلط استحصالی نظام مستقبل کے لیے خطرہ ہے جس کی وجہ سے اس وقت بھی پوری دنیا معاشی بدحالی اور اخلاقی بے راہ روی کا شکار ہے جو کہ لازمی طور

پر بدامنی اور فساد فی الارض کا باعث ہے جس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

9-1 مغربی سرمایہ دارانہ استحصالی نظام کی بدولت اس وقت دنیا میں ایک ارب تیس کروڑ ایسے افراد ہیں جن کو روزانہ ایک ڈالر سے کم میں گزارا کرنا پڑتا ہے اور روزانہ پینتیس ہزار افراد غذا کی کمی اور قابل علاج بیماریوں کے ہاتھوں دم توڑ دیتے ہیں (۱۱۲) اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق اس وقت بیس فیصد امیر ترین افراد دنیا کی اسی فی صد دولت ' تجارت ' سرمایہ کاری اور چھتوں پر قابض ہیں اور باقی بیس فیصد افراد صرف ایک فی صد تجارت ' سرمایہ کاری اور چھتوں کے حامل ہیں (۱۱۳)۔

9-2 وجہ یہ ہے کہ مغرب نے دنیا کے تمام ممالک بشمول اسلامی ممالک میں بے جا مداخلت کر کے ان کے معاشی اور معدنی وسائل پر قبضہ کیا ہے اور عالمی اقتصادی پالیسیوں کو آئی ایم ایف (I.M.F) ورلڈ بینک اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کے ذریعے اپنے کنٹرول میں لیا اور عرب ممالک کے تیل اور دولت پر ناجائز قبضہ کیا۔

9-3 کویت اور سعودی عرب کی حفاظت کے نام پر اپنے ہزاروں فوجیوں کو عرب کی سرزمین پر رہنے کا جواز فراہم کیا۔ مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کا ناسور پیدا کر کے مسلمانوں کے لیے ایک مستقل خطرہ کھڑا کر دیا اور پھر اپنے دوہرے معیار کے تحت اسرائیل وغیرہ کے لیے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کے علی الرغم مراعات جاری رکھیں (۱۱۴) جبکہ اسلامی ممالک میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں نے نام پر مداخلت کی اور ظالمانہ پابندیاں لگا کر اپنے خلاف نفرت اور غصے کے جذبات پیدا کیے۔ امریکہ کے عراق اور افغانستان پر حملوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور اپنے خلاف راہ عامہ کو مزید ہموار کیا۔

9-4 مغربی میڈیا اور اس کے دانشوروں نے مسلمانوں کو اشتعال انگیز ناموں (بنیاد پرست -Fundamen talist) دہشت گرد (Terrorist) جنونی (Fanatics) انتہا پسند (Extremist) وغیرہ) سے یاد کر کے اپنے خلاف مسلمانوں کے غصے کی لہر میں مزید اضافہ کیا (۱۱۵)

9-5 اسی طرح امریکی کانگریس نے "مذہبی مواخذے سے آزادی" کے نام سے ایک بل منظور کر کے امریکی صدر کو دیگر ممالک میں بے جا مداخلت کا جواز فراہم کرنے کی کوشش کی نتیجتاً ۷ ممالک میں مذہبی آزادی کی نگرانی اور اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے نام پر مداخلت شروع کر دی (۱۱۶) (جبکہ خود امریکہ میں انسانی حقوق کا حال تمام دنیا سے بدتر ہے (۱۱۷) اور جرائم کی شرح تمام ممالک سے زیادہ ہے (۱۱۸) ان تمام بے انصافیوں اور غلط پالیسیوں کی وجہ سے اگر غریب اقوام اور مسلمانوں کے اندر مغرب کے خلاف غصے اور نفرت کے جذبات پیدا ہوں اور عدم برداشت کا شکار ہو کر چند انتہائی اقدامات کے مرتکب ہوں تو ذمہ دار مغرب کا استحصالی نظام ہے نہ کہ غریب اقوام اور مسلمان۔ (اگرچہ اسلام رد عمل کی صورت میں بھی) بے گناہ انسانوں کے قتل عام کی اجازت نہیں دیتا) (۱۱۹)

9-7 عدم برداشت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مغرب نے پہلے خود آسمانی ہدایت اور مذہبی اقدار و روایات سے انحراف کیا پھر تمام انسانی معاشرے کو ان حدود و قیود سے آزادی کے پر فریب نعرے کی آڑ میں انتشار اور فساد سے ہم کنار کیا اور جدید مواصلاتی سہولتوں سے اپنا اباحیت پسند کلچر دوسری اقوام پر مسلط کرنے کی کوشش کی اور جب مسلمانوں کی طرف سے اس مغربی کلچر کے خلاف آواز اٹھی تو اسے مغرب نے رجعت اور قدامت پسندی کا نام دیا۔

مغرب کی مذکورہ بالا تمام غلط پالیسیوں اور ہوس اقتدار کی بڑھتی ہوئی خواہش (Urge to domi-nate) اور میڈیا کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز ناموں اور پروپیگنڈے کے باوجود اگر اسلام مغربی ممالک میں دن بدن پھیل رہا ہے تو اس سے خائف ہو کر کبھی اسے "Islamic Threat" کہنا اور کبھی "Clash of civilizations" نام دینا کسی طرح درست نہیں کیونکہ تہذیبی کشمکش اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کی وجہ سے نہیں بلکہ دنیا کے وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کا نتیجہ ہے جیسے ایک مغربی مفکر لکھتا ہے

"Clash of civilizations is not so much over jesus christ, confucious or prophet Muhammad as it is over the un-equal distribution of world power, Wealth and influence"(۱۲۰)

اس وقت عدم برداشت اور فساد فی الارض کا اصل ذمہ دار آسمانی ہدایت سے مروم مغربی نظام ہے جسے مغرب نے غلطی سے بہترین نظام کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی اور اسے (The End of History) کا نام دے کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی اب اس سے بہتر کوئی نظام دنیا کے لیے نہیں دیا جا سکتا۔ حالانکہ یہ تاریخ کا اختتام نہیں بلکہ تاریخ کے جدید آغاز کا وقت ہے(۱۲۱) اور یہ اس وقت کی سب سے بڑی پکار ہے...... کہ عالمی وسائل، خزانہ اور دولت منصفانہ طور پر تقسیم ہوں تاکہ پوری دنیا میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو۔ اگر یہ تقسیم پر امن طریقے سے نہ ہوئی تو پھر ایک بہت بڑے تصادم کے بعد ہو گی جیسا کہ Global Sharing of Power کا مقالہ نگار رقم طراز ہے۔

"The challenge of our time is whether a redistribution of power, which is sine qua non (essential candition) of a stable world order can be based on some overriding principles and brought through peaceful means. If not, it will take place through series of social, econamic con-

vulsion and politico-military conflicts.(۱۲۲)

ان تمام حقائق کی روشنی میں ضرورت اس امر کی ہے کہ امریکہ اور دیگر مغربی اقوام اسلام کے امن و سلامتی والے نظام کو خطرہ کی بجائے سمجھنے کی کوشش کریں اور دنیا میں جو فساد ' انتشار اور بدامنی ہے اس کی اصل تہہ تک پہنچ کر اسے دور کرنے کی کوشش کریں اور جیسے اسلام نے اپنے ہزار سالہ دور اقتدار میں تمام مذاہب کو برداشت کیا اسی طرح آج مغرب کو اسلام اور دیگر مذاہب اور تہذیبوں کو برداشت کرنے کی ضرورت ہے (۱۲۳)۔

لیکن یہ بات بظاہر مغرب سے بعید نظر آتی ہے اس لیے آج امت مسلمہ کو اپنی صفوں کے اندر اتحاد و اتفاق پیدا کر کے اپنے فرض منصبی کو پورا کرتے ہوئے دلائل و براہین سے تمام دنیا کو اسلام کی طرف دعوت دینے کی ضرورت ہے اور اسلام کے حوالے سے مغرب کے پھیلائے ہوئے شکوک و شبہات کا رد بھی ضروری ہے۔ مواصلاتی انقلاب اور دیگر جدید سہولتوں نے تمام دنیا کو ایک بستی (Global village) کی شکل دے کر دعوت کے اس کام کو مزید آسان بنا دیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان ایمان و تقویٰ اور صبر و برداشت کی صفات سے آراستہ ہو کر تمام دنیا کے سامنے عملی طور پر اسلام کو پیش کریں۔

قائداعظم محمد علی جناح کے الفاظ میں

"ہمیں دنیا کے سامنے ایک ایسا نظام پیش کرنا چاہیے جو انسانی مساوات اور عدل عمرانی کے اسلامی تصورات پر مبنی ہو۔ صرف یہی وہ طریق ہے جس سے ہم اس فریضہ سے عہدہ برآ ہو سکیں گے جو ہم پر مسلمان ہونے کی حیثیت سے عائد ہوتا ہے اور ہم دنیا کو وہ پیغام دے سکیں گے جو اسے تباہیوں سے بچالے گا اور نوع انسانی بہبود و مسرت اور خوشحالی کا ضامن ہو سکے گا۔ یہ کام کسی اور نظام سے نہیں ہو سکتا" (۱۲۴)

تمت بالخير

هذا هو المرام.................. و الله اعلم بحقيقة الكلام

و صلى الله تعالى على خير خلقه محمد و اله و اصحابه و اتباعه اجمعين

حواشی و حوالہ جات

۱۔ Ramsey clark, Impact nterna (Vol:25, No 9, Sep;1995)

حوالہ ماہنامہ میثاق اکتوبر ۱۹۹۸ء۔ مدیر ڈاکٹر اسرار احمد۔ مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن 'لاہور ص ۵۸

۲۔ Ibid (ایضاً) P-59

۳۔ Ruch, F.L; Psychology and Life (Scott, Foresman and company, New-yark- P-680 Enough has been said throughot this book on the way that social attitudes are acquired through learning to indicate the falsity of the "Instinct hypothesis of [redacted] prejudice" If race prejudice were an inborn human characteristic, [redacted] would be found in all groups (of human), but it is not so..........

یہ بات مغرب والے آج کہہ رہے ہیں لیکن پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل دنیا کو یہ بتایا تھا کہ ہر بچہ بغیر کسی تعصب ور قابت کے فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے کل مولد یولد علی فطرة فابواہ یھودانہ او ینصرانہ و یمجسانہ اور قرآن کی سورۃ الروم کی آیت نمبر ۳۰ فطرة اللہ التی فطر الناس علیھا سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے۔

۴۔ Ibid (ایضاً) P-674, Psychology of Racial Conflict

اور اس کتاب کا صفحہ ۶۸۹ جہاں پر مصنف کتاب ہذا لکھتا ہے

"War is not the result of man's "aggressive instinct" but of habits, atitudes of beliefs that he has acquired [redacted] result of social conditioning:........

صفحہ 687 پر یہی مصنف لکھتا ہے

Children whose parents allow them to play with children of different ethnic groups, with no fuss or special comment...... accept them just as people [redacted] are not likely to grow up feelings that there are unbridgeable gaps between different groups of mankind.

۵۔ احساس محرومی اور قنوطیت کے بارے میں بھی ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ یہ تشدد اور ٹکراؤ کو جنم دیتے ہیں۔

When unable to get what they want, people behave aggressively, the aggression being directed not necessarily against the source of frustration but against any person or group who happens to be convenient [redacted] visible..... P-681-682 حوالہ بالا

اسی طرح ٹلی نے ۱۹۶۹ء میں لکھا

Historically, collective violence has flowed regularly out of the central political processes of western countries. Men seeking to seize, hold or realign the levers of power has continually engaged in collective violence as [redacted] part of their struggle. The oppressed have struck in the name of justice,

the privileged in the name of order those in name of fear. (Psyschology & life by Zambardo 1st edition-1975-P-624.

اس وضاحت اور حوالوں کی ضرورت اس لیے محسوس کی گئی تاکہ یہ ثابت کیا جاسکتے کہ عدم برداشت کے اسباب رب العالمین نے انسان کی فطرت میں نہیں ڈالے بلکہ بعد میں والدین اور ماحول اسے یہ چیزیں سکھاتے ہیں۔

اس لیے اگر انسان کی صحیح آسمانی تعلیمات کے ذریعے رہنمائی کی جائے تو عدم برداشت کے تمام اسباب ختم ہو کر یہاں امن وامان قائم ہو سکتا ہے۔

۶۔ پروفیسر خورشید احمد=اسلامی نظریہ حیات ص ۱۰۱'۱۰۲

اسی طرح کے خیالات کا اظہار سابق امریکی صدر نکسن نے اپنی کتاب (Beyond peace) "ورائے امن" میں تفصیل سے کیا ہے۔ "ہمارے شہروں کو گھن لگا ہوا ہے اور اس کی سرانڈ ہمارے روحانی' اخلاقی اور تہذیبی عادات واطوار مین رچ بس چکی ہے جس سے غربت' جرائم اور دیگر عوامی سہولتوں کے ناجائز استعمال جیسے عوارض نے جنم لیا ہے" ایک جگہ وہ لکھتے ہیں "آتش زن' لٹیرے' ڈاکو اور فسادی اس لیے آگ نہیں لگاتے' لوٹتے اور ڈکیتی اور تشدد کرتے ہیں کہ وہ غریب ہیں بلکہ اس لیے کرتے ہیں کہ وہ تہذیبی اعتبار سے گل سڑ گئے ہیں"۔ حوالہ میثاق (ماہنامہ) اکتوبر ۱۹۹۸ء ص ۵۰

۷۔ رحمٰن مذنب۔ تہذیب وتمدن اور اسلام.......... ۱۹۹۳ء۔ ص ۳۹۱

۸۔ ایضاً ص ۳۹۰

۹۔ مسند احمد بحوالہ سیرت النبی ﷺ شبلی نعمانی' سید سلیمان ندوی مکتبہ مدنیہ لاہور ج ۲ ص ۹۳

۱۰۔ بخاری شریف' ایضاج ۶' ص ۱۶۱

۱۱۔ الحدیث بحوالہ اسلامی ثقافت ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

۱۲۔ روزنامہ مشرق ۱۶ مارچ ۱۹۹۹ء مضمون "امریکہ میں انسانی حقوق کی حالت زار" مشرق سروس

۱۳۔ روزنامہ نوائے وقت ۲۲ مارچ ۱۹۹۹ء مضمون "حقوق انسانی کا تحفظ اور امریکہ" محمد آصف شیخ

۱۴۔ ابوداؤد بحوالہ اربعین نووی مولفہ امام محی ابن شرف الدین النووی۔ نعمانی کتب خانہ اردو بازار' لاہور

۱۵۔ ابن ماجہ حوالہ نمبر ۱۴

۱۶۔ حم السجدہ ۳۴'۳۵

۱۷۔ الرعد ۲۲

۱۸۔ ابن کثیر ج ۴' ص ۱۰۱' قدیمی کتب خانہ' اردو بازار کراچی

۱۹۔ مشکوۃ۔ الجزء الثانی ص ۸۴۵' حوالہ کاروان حیات۔ مولانا وحید الدین۔ فضلی سنز لمیٹڈ۔ اردو بازار کراچی ص ۱۵۸

۲۰۔ الحدیث۔ حوالہ معارف القرآن۔ مولانا مفتی محمد شفیع مکتبہ دار العلوم کورنگی' کراچی ج ۲ ص ۱۹۰

۲۱۔ مولانا مجیب اللہ ندوی۔ اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات۔ مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری' لاہور ۱۹۹۰ء ص ۶۴

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ سارے واقعات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ سیرت النبی ﷺ شبلی نعمانی۔ ج ۴

۲۴۔ ال عمران۔ ۱۵۹

۲۵۔ مشکوۃ المصابیح۔ الجزء الثالث حوالہ کاروان ملت ص ۱۵۹

۲۶۔ ترمذی۔ حوالہ سیرت النبی ﷺ ج ۶، ص ۲۳۷

۲۷۔ ال عمران، ۱۳۴

۲۸۔ الشوریٰ۔ ۳۷

۲۹۔ بخاری شریف حوالہ اربعین نووی ص ۱۱۴

۳۰۔ بخاری و مسلم۔ حوالہ اربعین نووی ص ۱۱۵

۳۱۔ الحدیث

۳۲۔ بیہقی حوالہ مظاہر حق

۳۳۔ اربعین نووی ص ۱۱۷

۳۴۔ قاضی سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمین۔ پروگریسو بک سنٹر اردو بازار، لاہور ج ۳ ص ۳۴۱

۳۵۔ یہ پانچ حقوق فقہاء اسلام نے قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں متعین کیے ہیں۔ اصلی عبادت موافقات شاطبی ج ۴، ص ۲۲، ملاحظہ ہو "مجموع الضروریات خمسة حفظ الدین والنفس و النسل و المال و العقل" فقہاء نے لکھا اگر ان پانچ حقوق کی رعایت نہیں دی جائے گی تو انفرادی زندگی میں فساد و بگاڑ پیدا ہو گا اور پھر قومی و بین الاقوامی معاملات میں بھی کشیدگی پیدا ہو گی۔ اسلام نے ہر ایسے طریقے کو منع کیا ہے جس کی وجہ سے انسان کے یہ پانچ حقوق معطل ہوں۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات از مجیب اللہ ندوی ص ۵۸

۳۶۔ العلاقات الدولہ ص ۵۱ حوالہ اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات از مجیب اللہ ندوی ص ۱۴۸

۳۷۔ مفہوم قرآنی آیات۔ سورۃ الحج ۳۹، ۴۰

۳۸۔ قول شیخ ابو زہرہ حوالہ ۳۶

۳۹۔ سیرت النبی ﷺ ج ۱، ص ۳۴۰ اور الجہاد فی الاسلام۔ مصنفہ، مولانا مودودی ص ۲۲۴ تا ۲۳۴

۴۰۔ قاضی سلمان منصور پوری۔ اسوہ حسنہ مسلم پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور ص ۷۶

۴۱۔ ایضاً اور انعام یافتہ مضامین۔ وزارت مذہبی امور۔ اسلام آباد ص ۳۶

۴۲۔ اس سیکشن کے لیے زیادہ استفادہ سیرت النبی ﷺ ج ۶، ص ۱۵۴............۱۶۰ سے کیا ہے

۴۳۔ ترجمہ: میں اس شخص کے لیے جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کی ضمانت لیتا ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے یہ حدیث جسٹس مفتی محمد تقی صاحب کی کتاب "میرے والد میرے شیخ (مفتی محمد شفیع صاحبؒ) کے ص ۱۶۳ سے لی گئی ہے۔

۴۴۔ ابو داؤد۔ کتاب الادب۔ حوالہ دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۱، ذیل عنوان "مسلم"

۴۵۔ ماہنامہ تدریس القرآن (اگست ۹۸ء) میں علامہ ابن قیم کی کتاب اعلام الموقعین کے حوالہ سے یہ بات لکھی ہے حضرت عمر

فاروقؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے درمیان ۱۰۰ مسائل میں اختلاف تھا۔ اسی طرح اور صحابہ کے درمیان میں راویوں کے اختلاف کا ذکر ہے .... کسی نے بھی اختلاف کو برا نہیں مانا۔ تمام لوگوں نے اس کو ایک فطری معاملہ سمجھا جس سے نہ باہمی محبت ختم ہوئی اور نہ مسلمانوں کی جماعت میں کوئی انتشار پیدا ہوا۔ ص ۵' زیر نگرانی۔ جمعیت تعلیم القرآن (ٹرسٹ) عالمگیر روڈ' کراچی۔

۴۶۔ جامع العلم ج ۲' ص ۸۴ حوالہ وحدت امت۔ مفتی محمد شفیعؒ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور [redacted] ۱۹۸ء ص ۱۷

۴۷۔ مولانا مفتی محمد شفیعؒ' معارف القرآن۔ ج ۲' ص ۱۴۳

۴۸۔ ملاحظہ ہو حوالہ نمبر ۴۶

۴۹۔ اوجز المسالک۔ حوالہ وحدت امت ص ۱۷

۵۰۔ مولانا سرفراز خان صاحب صفدر' تبلیغ اسلام مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ۱۹۹۴ء ص ۴۹

۵۱۔ مفتی محمد شفیعؒ' معارف القرآن ج ۲ ص ۱۴۴

۵۲۔ یہ قول مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ہے جو کہ دراسات اسلامیہ (قاضی مجیب الرحمٰن) سے لیا گیا ہے۔

۵۳۔ قاضی جاوید۔ افکار شاہ ولی اللہ ص ۱۷۳' اور ارمغان شاہ ولی اللہ۔ مرتب محمد سرور ص ۱۷۸' ادارہ ثقافت اسلامیہ روڈ' لاہور۔

۵۴۔ المائدہ' ۸

۵۵۔ دوسروں پر تنقید کے حوالہ سے احتیاط تثبت کے لیے ملاحظہ ہو۔ جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی کتاب "میرے والد میرے شیخ اور ان کا مزاج و مذاق کے صفحات ۱۱۳...... ۳۴ ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

۵۶۔ باہمی تکفیر کے سلسلے میں مزید تفصیل ملاحظہ ہو مولانا محمد طاسینؒ کا کتابچہ "مسئلہ ایمان و کفر قرآن و حدیث کی روشنی میں" تنظیم اسلامی' پاکستان۔ ۶۷۔۱۷' علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو۔ لاہور' ۱۹۹۷ء

۵۷۔ سنن ابی داؤد ج اول ص ۳۴۳۔ حوالہ نمبر ۵۶۔ ص ۷

۵۸۔ صحیح بخاری۔ حوالہ تفہیمات۔ حصہ دوم۔ مولانا مودودی...... اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۸۱ء ص ۱۸۱

۵۹۔ ایضاً

۶۰۔ صحیح مسلم حوالہ مذکورہ

۶۱۔ صحیح بخاری حوالہ مذکورہ

۶۲۔ شرح عقائد نسفیہ۔ حوالہ جواہر الفقہ۔ مفتی محمد شفیع صاحب۔ ادارہ المعارف' کراچی نمبر ۱۴' ج ۱ ص ۳۰

۶۳۔ جواہر الفقہ۔ ج ۱ ص ۳۱

۶۴۔ ایضاً ص ۳۳

۶۵۔ ایضاً ص ۶۳

۶۶۔ مولانا مودودی۔ تفہیمات۔ حصہ دوم۔ ص ۱۸۱' ۱۸۲

۶۷۔ امت مسلمہ میں فتنہ و انتشار پھیلانے پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے عذاب کی وعیدوں کے لیے ملاحظہ ہو

ڈاکٹر اسرار احمد کی کتاب "امت مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل" میں طبع شدہ تقریر حضرت مولانا محمد یوسف"

۔ اہل تشیع کے بارے میں شیخ ابو زہرہ اپنی کتاب اسلامی مذاہب کے ص ۴۳۔ ۴۷ پر لکھتے ہیں کہ ان کے بعض فرقوں میں حد درجہ کا غلو پایا جاتا تھا جیسے غرابیہ 'سبیہ' کیسانیہ اور ان کے اشباہ وامثال۔

شیخ ابو زہرہ آگے لکھتے ہیں۔ ان غالی فرقوں کے بارے میں موجودہ شیعہ بھی یہی کہتے ہیں یہ اہل قبلہ میں بھی شمار کیے جانے کے قابل نہیں چہ جائیکہ ان کو شیعہ تصور کیا جائے۔ شیخ کہتے ہیں اس لیے ہمیں ان کے اس دعوے کی تائید کرنا چاہیے۔

اسی طرح مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے بانی مولانا صوفی عبدالحمید صاحب کا ذوق بھی یہی ہے وہ لکھتے ہیں اس ملک میں بریلوی' دیوبندی' اہلحدیث اور شیعہ سبھی رہتے ہیں اور یہ بات ذہن سے نکال دیں کہ ان میں سے کوئی کافر ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ مسلمان ہوتے ہوئے بعض میں گمراہی پائی جاتی ہے اور بعض غلط چیزیں پائی جاتی ہیں مگر ہیں تو سب مسلمانوں ہی کے مختلف فرقے۔ ان سب کو اس ملک میں رہنے کا حق حاصل ہے۔ سب کا فرض ہے کہ وہ انصاف اور اعتدال کے ساتھ رہیں...... ایک مسلک کے لوگوں کا دوسرے مسلک کے لوگوں کے خلاف مشتعل کرنا تو بدترین قسم کی غنڈہ گردی ہے۔

خطبات سواتی۔ مکتبہ دروس القرآن' فاروق گنج گوجرانوالہ ۱۹۹۵ء ص ۲۶۵۔ ۲۶۶

ہم نے گذشتہ سال سے اس مسئلہ پر کافی تحقیق کی۔ مختلف علماء وقت سے رجوع کیا۔ جن میں مولانا جسٹس تقی عثمانی اور مولانا مفتی محمد جمال صاحب وغیرہ سرفہرست ہیں جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی کا بھی نقطہ نظر یہی ہے اور انہوں نے لکھا ہے کہ مفتی محمد شفیع صاحب کا بھی یہی ذوق تھا کہ "جو شخص (شیعہ یا کوئی اور) بنیادی ضروریات دین کا انکار نہ کرتا ہو تو اس کی تکفیر نہ کی جائے.......... کیونکہ کسی کو کافر قرار دینا چونکہ نہایت سنگین معاملہ ہے اس لیے اس میں بے حد احتیاط ضروری ہے اگر بالفرض کوئی تقیہ بھی کرے تو وہ اپنے باطنی غلط عقائد کی وجہ سے عنداللہ کافر ہوگا۔ لیکن فتویٰ اس کے ظاہری اقوال پر ہی دیا جائے گا۔ اس لیے گذشتہ چودہ سو سال میں علماء اہل سنت کی اکثریت نے شیعوں کو علی الاطلاق کافر نہیں کہا۔ ہاں جو شخص ضروریات دین کا انکار کرتا ہو وہ بلاشبہ کافر ہے۔ (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

رجسٹر فتاویٰ جامعہ دار العلوم۔ کراچی ص ۵۳ تحریر ۱۴۔ ۱۲ '۱۴۱۲ھ (ہمارے پاس مذکورہ فتویٰ کی فوٹو کاپی موجود ہے)

۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مولانا محمد طاسین صاحب کا کتابچہ 'مسئلہ ایمان وکفر قرآن وحدیث کی روشنی میں ص ۱۳۔

۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو۔ اختلف الناس بعد نبیهم فی اشیاء کثیرة و ضلل فیها بعضهم بعضا و بری بعضهم بعضا فساء وا افرقا متباینین و احذا بالمتشتین الاالاسلام یحمعهم و یشمل علیهم۔

یعنی لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے بعد بہت سی باتوں میں اختلاف کیا بعض نے بعض کو گمراہ قرار دیا اور بعض نے بعض کو بری گردانا پس اس طرح وہ باہم مختلف گروہ اور جدا جدا جماعتیں بن گئے۔ مگر یہ کہ اسلام ان سب کو جمع کرتا ہے اور ان سب کو دائرہ اسلام میں شامل کرتا ہے۔ مقالات الاسلامیین۔ ص ۲

۔ نیل الاوطار ج ۷ 'ص ۴۹ بحوالہ اسلام اور جدید دور کے مسائل۔ مولانا محمد تقی امینی۔ قدیمی کتب خانہ مقابل آرام 'کراچی نمبر ا ص ۲۹۶

۷۲۔ ایضاً.......... ص ۲۹۷

۷۳۔ مولانا سرفراز خان صفدر مکتوب گرامی شائع کردہ مدرسہ فیضان سرفراز۔ پل نوشہرہ۔ سانسی۔ جناح روڈ 'گوجرانوالہ

۱۹۹۲ء ص ص ۳، ۴

۷۴۔ المدینہ والاسلام بحوالہ انعام یافتہ مضامین۔ وزارت مذہبی امور ۱۹۸۷ء ص ۴۱

۷۵۔ پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ۔ دعوت اسلام۔ محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور۔ ۱۹۷۲ء ص ۳۹۸

۷۶۔ البقرہ ۲۵۶

۷۷۔ الکہف ۲۹

۷۸۔ ال عمران ۶۴

۷۹۔ الحج ۶۷

۸۰۔ المائدہ ۴۸

۸۱۔ الانعام ۱۰۸

۸۲۔ الشوری ۱۵

۸۳۔ الکافرون ۶

۸۴۔ الشوری ۴۸

۸۵۔ الشوری ۶

۸۶۔ ق ۴۵

۸۷۔ الغاشیہ ۲۲

۸۸۔ یونس ۹۹

۸۹۔ کتاب الخراج امام ابو یوسف ص ۱۴۳، بحوالہ اسلام اور جدید دور کے مسائل۔ مولانا تقی امینی ص ۳۳۵

۹۰۔ ایضاً

۹۱۔ ایضاً

۹۲۔ ایضاً

۹۳۔ ردالمختار ج ۳، ص ۲۷۳ بحوالہ اسلامی ریاست میں ذمیوں کے حقوق۔ مولانا مودودی ص ۱۶

۹۴۔ الاموال ص ۱۴۰، بحوالہ اسلام اور جدید دور کے مسائل ص ۳۳۶

۹۵۔ طبری۔ بحوالہ مذکورہ ص ۳۳۷

۹۶۔ ایضاً۔ حضور ﷺ کے دور میں کئی ایسے واقعات ہوئے جو اسلام کے دوسرے مذاہب کو برداشت کرنے کے واضح ثبو[ت] ہیں۔ نجران کے عیسائیوں کا آپ کی خدمت میں حاضری کے بعد مسجد نبوی میں اپنے طریقے سے نماز ادا کرنا (ف[تح] صلوا صلاتھم) اور اس سے زیادہ برداشت اور رواداری کا کیا ثبوت ہو گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف کے ب[ت] پرستوں مشرکوں کے وفد کو مدینہ میں مسجد نبوی کے ایک گوشے میں خیمہ لگا کر ٹھہرایا حالانکہ خیمہ کے لیے مدینہ میں ج[گہ] کم نہ تھی۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ ناپاک ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا۔ لیس علی الارض [من] نجاستھم شی۔ ان واقعات کے بعد سید مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں "ہم اندازہ نہیں کر سکتے کہ ٹوٹی ہوئی انسانیت کو

کے آخری جوڑنے والے نے جوڑنے میں اپنی سرگرمیوں کو کہاں تک پہنچادیا۔ انسانیت کے سب سے بڑے بھی خواہ ایسے ہی ہو سکتے ہیں"۔

۹۔ عہد نبوی کا نظام حکمرانی بحوالہ اسلام اور جدید دور کے مسائل ص ۳۴۷

۹۔ مجیب اللہ ندوی۔ اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات ص ۱۲۰

۔ الحدیث تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۹۳ و من قتل معاهدا...... فقد اخفر بذمة الله فلا يرح رائحة الجنة......(ابن ماجہ)

۱۰۔ ابو داؤد۔ کتاب الجہاد۔ بحوالہ الجہاد فی الاسلام۔ مولانا مودودی۔ ادارہ ترجمان القرآن لاہور ص ۲۷۶

۱۔ سرخسی ج ۱۰ ص ۶۵ حوالہ ۹۸

۱۰۔ ایضاً (سورہ ممتحنہ کی آیت نمبر ۸ سے بھی کفار کے ساتھ تعلقات کی حدود کا پتہ چلتا ہے۔ ملاحظہ ہو معارف القرآن ج ۲ ص ۵۰،۵۱)

۱۰۔ بحوالہ الجہاد فی الاسلام ص ۲۸۹

۱۰۔ فرانسس فوکایاما (Francis Fukuyama) جاپانی نژاد امریکی مورخ نے ۱۹۸۹ء میں امریکی جریدے The National Interest میں The End of History کے عنوان سے اپنا مقالہ تحریر کیا جس میں یہ دعویٰ کیا کہ بنی نوع انسان کا نظریاتی ارتقاء پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے اور اس لیے اب انسانی تاریخ بھی اپنے اختتام کو پہنچ چکی ہے۔ فوکایاما کے اپنے الفاظ میں

"ہمارے مشاہدے میں جو کچھ آرہا ہے وہ محض سرد جنگ کا خاتمہ یا تاریخ کے کسی خاص دور کی رفت گزشت نہیں بلکہ انسانی تاریخ کا اختتام ہے' یعنی انسان کے نظریاتی ارتقاء کا نقطہ آخریں اور انسانی طرز حکومت کی آخری شکل کے طور پر مغربی جمہوریت کی جہانگیری" بحوالہ نکسن کی کتاب "ورائے امن" ۱۹۹۴ء

اس مقالہ کی اہمیت کے پیش نظر جان۔ ٹی روڈ نے اسے ۱۹۹۱ء میں اپنی کتاب "Taking Sides" کے مجموعہ مضامین میں شامل کر لیا جس سے اس مقالے کا بہت چرچا ہوا۔ چنانچہ مصنف نے ۱۹۹۲ء میں اس مقالہ کو ایک کتاب کی صورت میں "The End of History and the Last Man" کے نام سے شائع کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کتاب پر اب تک مختلف زبانوں میں ایک ہزار کے لگ بھگ مقالات شائع ہو چکے ہیں۔

- ماخوذ از ماہنامہ میثاق۔ اکتوبر ۱۹۹۸ء از مضمون چوہدری مظفر حسین (اکیڈمک اینڈ ایڈمنسٹریٹو ڈائریکٹر آل پاکستان ایجوکیشن کانگریس)

۱۰۵۔ "Clash of civilizations" تہذیبوں کا ٹکراؤ و تصادم۔ امریکی سیاسی مبصر اور مشیر "Samoet P. Huntington" نے ۱۹۹۳ء میں لکھا۔ جس پر دنیا میں بہت زیادہ بحث و تمحیص ہو رہی ہے۔ اس کے نزدیک اب دنیا میں قوموں اور ملکوں کا نہیں بلکہ تہذیبوں کا ٹکراؤ ہو گا۔ اس نے لکھا ہے کہ اس وقت دنیا میں آٹھ تہذیبیں موجود ہیں۔ ایک ہماری مغربی تہذیب اور سات دوسری۔ ان میں سے پانچ کو تو ہم آسانی سے اپنے اندر سمو سکتے ہیں اور انہیں ہضم کر سکتے ہیں لیکن دو تہذیبیں ایسی ہیں کہ وہ ہمارے لیے لوہے کے چنے ثابت ہوں گی۔ ایک مسلم تہذیب اور دوسری کنفیوشس تہذیب جس کی نمائندگی اس وقت چین کر رہا ہے۔ لہٰذا اس نے مغرب کو دو مشورے دیے جن پر عمل پیرا ہو کر ان دونوں تہذیبوں کا

مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک یہ کہ چین کو اسلامی ملکوں کے قریب نہ آنے دیا جائے۔ اور دوسرا مشورہ اس نے یہ دیا کہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو ہوا دی جائے (جیسے کراچی میں فساد اور دیگر مسلکی لڑائی اور شیعہ سنی تصادم) اس لیے اگر ہم مغربی تہذیب کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو آپس کے اختلافات کو ختم کرنا ہوگا اور اتحاد و یکجہتی کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔

۱۰۶۔ Esposito, John, L; The Islamic Threat, Mythor Reality ox-ford, University Press; Newyork, Ox-ford-1992-P-175 (Mr. Esposito is professor of Religion [redacted] International Affairs, Georgetown University [redacted] Directory of the Cenlre for Muslim- Christian Understandig.

۱۰۷۔ Ibid- ایضاً

۱۰۸۔ Walker Alan; Address in "Islam and the Challenges of the Contemporary world" by Prof. Dr. Saeedullah Qazi-Sheikh Zayed Islamic Centre, University of Peshawar-1995-P.191

۱۰۹۔ ملاحظہ ہو' ہفت روزہ "ندا" ایڈیٹر اقتدار احمد۔ ۱۲ افغانی روڈ' سمن آباد' لاہور۔ ۳۱ جولائی ۱۹۹۰ء

اسی مضمون کے شروع میں لکھا ہے

Muslim Fundamentelism may will about to replace Russia Communism [redacted] the Real Threat to Western Stability

۱۱۰۔ ملاحظہ ہو حوالہ نمبر ۱۰۶ کا ص ۱۷۳

۱۱۱۔ ایضاً ص ۱۷۳

۱۱۲۔ ماہنامہ العصر نے ایمنسٹی انٹرنیشنل کے حوالے سے یہ رپورٹ دی ہے۔ ایڈیٹر مفتی غلام الرحمٰن صاحب۔ جامعہ عثمانیہ نوتھیہ روڈ' پشاور جولائی / اگست ۱۹۹۸ء

۱۱۳۔ اصل رپورٹ ملاحظہ ہو

The richest 20 percent of human kind has control over 87.7 percent of world GDP, 84.2 percent of world trade, 85.5 percent of world domestic savings and 85.0 percent of world domestic investment. As against this the Poorest 20 percent of human kind controls merdy 1.4 percent of world GDP, 0.9 percent of world trade, 0.9 of world saving & world investment- UNDP's Human development report in Press Review- P-51, Feb 1996- Vol.iii

۱۱۴۔ Esposito : the Isamic Threat, Myth [redacted] Reality- P.196 "It is indecd hypocritical for the U.S. to come to the aid of Kuwait while it remains silent about

Israel's invasion [redacted] occupation of the West Bank, Gaza strip Golan Height, Lebanan............ Israel is receving [redacted] 4 billion a year from the U.S.

۱۱۵۔ Ibid.

The American Government does not equate the ach[redacted] of jewish or christian extremist leaders or groups with judaism ar christianity as a whole- P.

لیکن چند واقعات کی وجہ سے وہ سارے اسلام کو بدنام کرنے کے لیے برے نام دے دیتے ہیں جیسے "cviminal culture" Monolitbic, violent, aggressive religion مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اکبر ایس احمد کی کتاب "Living Islam" P-206 اور حوالہ نمبر ۱۰۸ کا ص ۱۹۲، ۱۹۳ (انقلاب طالبان کے بعد مغرب کے لیے مزید خطرہ پیدا ہو چکا ہے)۔

عدم برداشت کا قومی وبین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

محمد اکرام اللہ جان قاسمی۔ پشاور

عدمِ برداشت کا مفہوم

اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش میں انسان کو جن عناصرِ اربعہ سے تشکیل دیا تھا ان میں سے ایک سورج کی تپش تھی۔ اسی تپش اور گرمی نے انسان کی طبعیت میں حرارت اور غضب کا روپ دھار لیا اور یوں فطرتاً ہر انسان میں موجود ہے۔

اگرچہ تمام انسانوں کی فطرت یکساں نہیں ہے اور اس لیے اختلافِ طبائع کی وجہ سے اخلاقی استعدادیں اور نفسانی قوتیں یکساں نہیں ہیں بلکہ انسانوں میں سے بعض کمزور و پست ہمت ہیں تو کوئی قوی اور بلند حوصلہ' کوئی خاکسار اور متواضع ہیں تو کوئی مغرور اور خوددار' کوئی ڈرپوک اور بزدل ہیں تو کوئی نڈر اور بہادر' کوئی بردبار اور متحمل مزاج ہیں تو کوئی غصیلے اور' غضبناک' تاہم غصہ اور غضب کا عنصر باوجود کمی بیشی کے ہر انسان میں موجود ہے۔

غضب کیا ہے؟ یہ نفس اور طبعیت کے خلاف امور سامنے آنے پر مزاج میں غصہ اور ناپسندیدگی کے آثار پیدا ہونے' ان نامناسب امور کو ختم کرنے کے درپے ہونے اور ان کی مضرت سے اپنی مدافعت کرنے کا نام ہے۔

قوتِ غضب کے کمی و بیشی کے لحاظ سے دو مراتب ہیں ایک وہ ہے جو قابو میں رہے اور دوسرے وہ ہے جو قابو سے باہر ہو جائے اس دوسری قسم کو عدمِ برداشت کا نام دیا جاتا ہے۔

عدمِ برداشت کا قومی رجحان

کسی ملک کے باسیوں کے لیے قومی سطح پر یعنی ایک ہی ملک میں رہتے ہوئے بعض امور ناقابل برداشت ہوتے ہیں اور باوجودیکہ ان کا قومی و ملی مفاد و نقصان مشترکہ ہوتا ہے پھر بھی بعض اوقات ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار نظر آتے ہیں اس کے کئی اسباب ہوتے ہیں کبھی مختلف زبانوں والے اس دنگل میں آکود پڑتے ہیں

پٹھان، پنجابی، سندھی اور بلوچی وغیرہ کہ ہر کوئی اپنی زبان پر فخر کرتا ہے اور دوسری زبان والوں کو پست اور نیچی نگاہ سے دیکھتا ہے حالانکہ زبان تو محض اظہارِ خیال کا ذریعہ ہے اور عزت و شرافت کا اصل معیار انسان کا ذاتی بلند کردار اور اعلیٰ افعال و اعمال ہیں۔

قومی سطح پر عدم برداشت کا سبب کبھی قوم قبیلے بنتے ہیں یہاں بھی نسبی تفاخر اور قومی تعصب کارفرما ہوتا ہے، بے جا طور پر اپنے قوم قبیلے کو اونچا خیال کرنا اور دوسروں کو قومیت کی بنیاد پر ذلیل سمجھنا اس لحاظ سے بھی خلافِ عقل ہے کہ کسی انسان کا کسی قوم یا قبیلہ میں پیدا ہونا اس کے حق میں غیر اختیاری چیز ہے اگر اللہ چاہتا تو اسے اس سے کم حیثیت والے قوم قبیلہ میں پیدا کرتا تو پھر کیا وہ ماتم کرتا اور اپنا سر منہ پیٹتا؟

عدم برداشت کے اسباب کبھی فروعی مذہبی مسائل اور مسلکی گروہ بندیاں بنتی ہیں لیکن مذہبی زعماء اگر ٹھنڈے دل سے غور کریں تو معلوم ہوگا کہ دینِ اسلام کے اصول و مبادی ایک ہی ہیں جن پر سب متفق اور متحد ہیں اور ان میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ رہے فروعی اور جزوی مسائل تو ان میں اختلاف کرنا کوئی ایسی بات نہیں جو ایک انسان کو مذہب سے نکالکر کافر ٹھہرادے۔ اس قسم کے اختلافات تو صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی موجود تھے پھر بھی ان حضرات کا اتفاق و اتحاد ضرب المثل تھا۔ لہٰذا کیا یہ ممکن نہیں کہ ان حضرات کی پیروی میں فروعی اختلافات کے باوجود تمام مسلمان جسدِ واحد کی طرح متحد ہوں؟

اس طرح عدمِ برداشت کے مظاہر کبھی صوبائی عصبیت کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ کہتے ہیں "ہمارا تعلق فلاں صوبے کے ساتھ ہے اور ہم ایسے ایسے ہیں" حقیقت کی آنکھ سے کوئی نہیں دیکھتا کہ کسی کا تعلق کسی بھی صوبہ کے ساتھ ہو، سب ایک ہی ملک کے باسی ہیں اور سب ایک ہی جسم کے مختلف اعضاء کی مانند ہیں۔ اگر کسی جسم کی آنکھ فخر کرنا شروع کردے کہ میرا مقام سر میں ہے اور میرا یہ کردار ہے جو کہ کسی دوسرے عضو کا نہیں ہے تو کیا یہ عقلمندی کی بات ہے؟ ہرگز نہیں اس لیے کہ ہر عضو کا اپنا اپنا کردار ہے اور سب کا نفع و نقصان مشترک ہے تاہم یہ حقیقت جائے خود قائم ہے کہ قومی سطح پر صوبائی عصبیت کو ہوا دینے والے اسباب کبھی اربابِ حل و عقد کے روا کردہ ظالمانہ امور ہوتے ہیں کہ ایک صوبہ کے حقوق غصب کر کے دوسرے صوبہ کو دے دیتے ہیں اور کسی ایک صوبہ کو قصداً عمداً پست رکھتے ہیں ایسی صورت میں ضروری ہے کہ ملک کے اربابِ بست و کشاد عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں اور وہ تمام رعایا اور ملک کے تمام حصوں کو ایک ہی نظر سے دیکھیں۔

عدم برداشت کا بین الاقوامی رجحان

عدم برداشت کے بعض مظاہر عالمی سطح پر سامنے آتے ہیں جن کی وجہ سے ایک ملک دوسرے ملک کے خلاف یا کئی ممالک دوسرے کئی ممالک کے خلاف صف آراء ہو جاتے ہیں اس کی بھی کئی وجوہات و اسباب ہوتے

ہیں۔

کبھی تو مذہبی چپقلش اس سلسلے میں عدم برداشت کا ذریعہ بنتی ہے اور ہم عملاً دیکھتے ہیں کہ اگر ایک ملک توحید کا پرستار ہے اور دوسرا شرک کا دلدادہ تو عموماً عقیدہ کی بنیاد پر ان کے آپس میں یا تو لڑائیاں ہوتی ہیں یا ایک دوسرے کے خلاف ایسے افعال واطوار اپناتے ہیں جس سے عدم برداشت کے رجحان کو ہوا ملتی ہے۔

ممالک کے درمیان عدم برداشت کا ایک ذریعہ سیاسی تعلقات کی عدمِ استواری ہوتی ہے اس سلسلے میں کبھی تو کسی ملک کی خارجہ پالیسی کے خدوخال ہی دوسرے ملک کی دشمنی اور رقابت پر مبنی ہوتے ہیں کبھی ماضی کے جنگ وجدال والے واقعات اور تعلقات کی سابقہ عدم اتواری اس کا سبب بنتی ہے اور کبھی جدید جغرافیائی حالات او ایک ملک کے توسیعی عزائم ان مخالف جذبات کو ہوا دیتے ہیں۔

موجودہ دور میں جبکہ کامیابی اور عزت کی معراج صرف مال ودولت کو سمجھا جانے لگا ہے مالی اور تجارتی برتری اور اس میں ایک دوسرے سے سبقت کی بازی لے جانے کی کوشش عالمی سطح پر عدم برداشت کا ذریعہ بنتی رہی ہے اس چیز نے پوری دنیا کو تین طبقوں میں تقسیم کر دیا ہے یعنی ترقی یافتہ ممالک ' ترقی پذیر ممالک اور پسماندہ ممالک ترقی یافتہ ممالک کا کردار زمین پر فرعون کے کردار سے کسی طرح کم نہیں۔ ترقی پذیر مماک ترقی یافتہ بننے کی کوشش مین دن رات سرگردان اور ہر جائز وناجائز وسائل کو بروئے کار لانے میں مصروف ہیں۔ باقی رہے پسماندہ ممالک تو ذلت وپستی ان کا مقدر بن چکی ہے چاہے تو کوئی ایک ڈبل روٹی ڈے کر ان کا مذہب خرید لے اور چاہے تو دو چار روپے میں ان کی عزت وآبرو برباد کر دے۔ اس طبقاتی کشمکش نے نازک صورتحال اختیار کر لی ہے اور اس کی وجہ سے عالمی سطح پر عدم برداشت کے کئی مظاہر سامنے آرہے ہیں۔

عدم برداشت کے عمومی اسباب ومحرکات

قومی وبین الاقوامی عنوان کے تحت عدم برداشت کے رجحان کے بعض اسباب کا تذکرہ ہو چکا مگر یہ جاننا ضروری ہے کہ عمومی اور انفرادی طور پر وہ کون سے اسباب اور محرکات ہیں جن کے وجود میں آنے سے ایک انسان عدم برداشت کا شکار ہو جاتا ہے اور کبھی نہ صرف یہ کہ اپنے حق یا اپنی عزت کے تحفظ کے لیے کمربستہ ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات انصاف وعدالت کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر ظلم وبربریت پر آمادہ ہو جاتا ہے یہ اسباب ومحرکات اجمالاً مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ خلافِ فطرت وخلاف طبیعت امور

انسان کی فطرت ہے کہ جب فطرت ' طبیعت کے موافق کسی امر کو کرتا ہوا پاتا ہے تو اس کی طبیعت خوش ہو جاتی ہے اور جب کوئی کام فطرت کے منافی دیکھتا ہے تو ناراض ہو جاتا ہے پھر خلافِ طبیعت کام کبھی تو معمو

نوعیت کا ہوتا ہے اور کبھی برداشت سے باہر ہوتا ہے جسے انسان دیکھ کر عدم برداشت کا شکار ہو جاتا ہے۔

۲۔ عزتِ نفس کی مجروحی

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اسے عزت و شرافت دی ہے۔ جب کوئی انسان اپنی عزت کو پامال ہوتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس سے یہ صورتِ حال برداشت نہیں ہوتی اور وہ عدمِ برداشت کا شکار ہو جاتا ہے۔

۳۔ غصب حقوق

انسان فطری لحاظ سے کمزور پیدا کیا گیا ہے اور اس کمزوری کی بناء پر ہر انسان دوسرے کے تعاون کا محتاج ہوتا ہے یہی تعاون ہر انسان کا حق بنتا ہے جس کی ادائیگی کا دوسرا انسان مکلف ہے۔ جب کوئی انسان دیکھتا ہے کہ اس کے حق کو غصب کیا جارہا ہے تو یہ حالت اس کے لیے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔

۴۔ خیانت اور بددیانتی

خیانت اور بددیانتی برے اوصاف ہیں اور انسان کی طبیعت اسے ناپسند کرتی ہے۔ جب کسی انسان کے ساتھ خیانت کی جائے اور بددیانتی سے کام لیا جائے تو وہ اسے برداشت نہیں کر سکتا اور یہ چیز عدم برداشت کا محرک بن جاتی ہے۔

۵۔ غداری اور دغابازی

ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ صاف صاف معاملہ کیا جائے اور فریب دھوکہ دہی اور غداری و دغابازی سے بچا جائے جب کسی انسان کے ساتھ کسی دوسرے شخص کی طرف سے یہ مکروہ صورتِ حال پیش آتی ہے تو وہ اسے برداشت نہیں کر سکتا اور بعض اوقات اپنے آپے سے نکل کر عدمِ برداشت کا شکار ہو جاتا ہے۔

۶۔ ظلم و بربریت

ہر انسان عدالت و انصاف کا خواہاں اور ظلم و بربریت سے گریزاں رہتا ہے اگر کہیں کسی انسان پر ظلم ہوتا ہے اور بربریت کا شکار ہوتا ہے تو یہ صورتِ حال اس سے کسی طرح برداشت نہیں ہوتی اور وہ اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہوا آمادہ پیکار بن جاتا ہے۔

۷۔ بغض و عداوت

ہر انسان دوسرے انسان کی دوستی چاہتا ہے اور خواہاں رہتا ہے کہ دوسروں کے دل میں اس کے لیے اچھے

جذبات قائم ہوں لیکن اگر کوئی شخص کہیں اس کے خلاف دل میں کدورت رکھتا ہے اور دشمنی پر اتر آتا ہے تو جواباً یہ بھی اس شخص کے لیے عداوت پر مبنی جذبات کا شکار ہو جاتا ہے۔

۸۔ غیبت اور چغل خوری

ہر انسان میں کمزوریاں ہوتی ہیں اور ہر انسان چاہتا ہے کہ اس کی کمزوریوں پر پردہ پڑا رہے۔ جب کوئی انسان ان کمزوریوں کو دوسروں تک منتقل کرتا ہے تو یہ امر غیبت اور چغل خوری کی صورت اختیار کرتا ہے اور انسان کی قوتِ غضب کو للکارتا ہے۔

۹۔ بہتان طرازی

بعض اوقات کسی انسان پر ناکردہ گناہ کی صورت میں بھی باتیں بنتی ہیں اور دوسروں تک منتقل ہوتی ہیں۔ جب متعلقہ شخص کو علم ہوتا ہے تو سخت ناراض اور سیخ پا ہوتا ہے یوں یہ صورتِ حال عدمِ برداشت کا سبب بنتی ہے۔

۱۰۔ جھوٹ

جھوٹ ایک انتہائی برا وصف ہے اور یہ قول کے علاوہ انسان کے عمل و کردار کو شامل ہے یہاں تک کہ ہر خلافِ حقیقت چیز جھوٹ کے زمرہ میں آتی ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی جھوٹا معاملہ نہ کیا جائے لیکن اگر کہیں ایسی صورتِ حال پیش آتی ہے کہ کوئی انسان جھوٹ کا شکار بنتا ہے تو اس سے یہ حالت کسی طور پر برداشت نہیں ہوتی۔

۱۱۔ وعدہ خلافی

ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ جو وعدہ کیا جائے وہ ہر وقت اور صحیح طریقہ پر پورا ہو۔ اگر کہیں وعدہ خلافی کی صورت بنتی ہے تو یہ انسان کے عدمِ برداشت کا ذریعہ بنتی ہے۔

۱۲۔ بے حیائی

شرم و حیاء ایک عمدہ وصف ہے اور ہر ذی شعور و باعزت انسان کا لباس ہے اگر کوئی انسان اس لباس کو اترتا ہوا دیکھتا ہے تو سیخ پا ہوتا ہے اور اس سے یہ صورتحال برداشت نہیں ہوتی۔

۱۳۔ فحش گوئی

خوش گفتاری انسان کا زیور ہے اور بدگفتاری بداخلاقی کا پیش خیمہ ہے۔ دنیا کے بیشتر لڑائی جھگڑے بدگفتاری کے باعث چھڑتے ہیں۔ جب کسی انسان کے سامنے گندی اور غلیظ زبان استعمال ہوتی ہے تو وہ غیض و غضب میں آکر عدمِ برداشت کا شکار ہو جاتا ہے۔

۱۴۔ دور خاپن

دور خاپن منافقت کادوسرا نام ہے اگر کوئی شخص کسی کے سامنے اس کی اچھائی اور دوسرے کی برائی بیان کرتا ہے اور پھر دوسرے کے پاس جاکر اس کی اچھائی اور پہلے والے شخص کی برائی بیان کرتا ہے تو یہ دور خاپن ہے اور صاف طبیعت کا مالک ایسے انسان کو سخت ناپسند کرتا ہے بعض اوقات یہ صورتحال عدم برداشت کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔

۱۵۔ بدگمانی

بدگمانی' سوء ظن اور تجسّس بری صفات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ بعض اوقات بدگمانی خواہ مخواہ الزام تراشی اور بہتان طرازی کا ذریعہ بن جاتی ہے اور ایسے جذبات ابھر آتے ہیں جو برداشت سے باہر ہوتے ہیں۔

تحمل اور برداشت کے بارے میں اسلام کے حکیمانہ اصول

غصہ و غضب ایک انسانی فطری چیز ہے اس کے بارے میں اسلام کا پہلا اصول یہ ہے کہ اس عنصر کو انسانی طبیعت سے بالکل ختم کرنا نہیں چاہیے بلکہ اسے قابو میں رکھ کر عقل کے ماتحت رکھنا چاہیے کیونکہ قوتِ غضب اگر افراط و تفریط سے پاک ہو اور عقل کے قابو میں ہو تو اس کا نام شجاعت ہے اور یہ دلیری' آزادی' حق گوئی' بلند ہمتی' بردباری' استقلال' وقار' صبر و سکون' جہدِ مسلسل اور جہاد وغیرہ کی صورتوں میں مختلف روپ دھارتی ہے اور اگر یہی قوت حد اعتدال سے زیادہ ہو جاتی ہے تو اس سے غرور و نخوت' خود پرستی' تکبر' تحقیر' ظلم اور غارتگری کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور یہی قوت اگر کم ہو کر کمزور پڑ جاتی ہے تو اس سے ذلت و پستی' کم حوصلگی' خوف اور دناءت کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس عنصر کو بالکل ختم کرنے کی تعلیم نہیں دی ہے بلکہ دبانے اور قابو میں رکھنے کی تاکید کی ہے چنانچہ قرآن کریم نے الکاظمین الغیظ کہہ کر غصہ پی جانے والوں کی تعریف کی ہے الفاقدین الغیظ (غصہ ختم کرنے والوں) کی تعریف نہیں کی۔ اس طرح بعض مقامات پر غصہ مطلوب و محمود ہوتا ہے چنانچہ مسلمانوں کی تعریف جہاں رحماء بینھم سے کی ہے وہاں اشداء علی الکفار بھی قابل تعریف چیز گردانی گئی ہے اور جہاں اذلة علی المؤمنین کہہ دیا ہے وہاں اعزة علی الکافرین بھی اچھی صفت بتائی گئی ہے۔ یہاں تک کہ خدا کے دین کے معاملہ میں خالص سخت گیری کو و اشدھم فی امر اللہ عمر کہہ کر طرۂ امتیاز بتایا گیا ہے۔

اسلام سے قبل مذاہب میں قوتِ غضب کو انسانی طبیعت سے بالکل محو کرنا ایک ضروری اخلاقی قدر خیال

کیا جاتا تھا بلکہ مذہب کی پوری چکی اس کے گرد گھومتی تھی مثلاً بدھ مت اور عیسائیت اس سلسلے میں آگے نظر آتے ہیں چنانچہ انجیل متی میں ہے۔

"میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مار دے تو دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔(۱)

اس میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ اپنا بدلہ نہ لینا چاہیے مگر آگے مارنے والے کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے عیسائیت اپنی تمام تر اخلاقی تعلیمات کے ساتھ اس بارے میں خاموش ہے۔ اسلام نے اپنی ذات کے معاملہ میں بدلہ لینے کا اصول بتاتے ہوئے اس سے کہیں بڑھ کر تعلیم دی ہے اور بتایا کہ جس نے تیرے ساتھ برائی کی تو جواب میں اس کے ساتھ اچھائی کر ادفع بالتی ھی احسن اور فرمایا احسن الی من اساء الیك۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جہاں اپنی ذات کا تعلق ہو زیادتی کرنے والے کو نہ صرف معاف کرنا چاہیے بلکہ اس کے ساتھ اچھائی سے پیش آنا چاہیے البتہ جہاں دین اور خدا اور رسول کا معاملہ ہو وہاں غصہ و سخت گیری مذموم نہیں بلکہ محمود ہے۔

عدمِ برداشت کا رجحان اور تعلیمات نبوی

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو حسنِ اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر فائز فرمایا تھا قرآن پاک میں ارشاد ہے وانك لعلی خلق عظیم(۲) اور اس لیے مسلمانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ(۳) بے شک تمہارے لیے رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے چنانچہ جب ہم رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ اشاعتِ دین کے سلسلہ میں مصائب و تکالیف سے پر نظر آتی ہے۔ قریش مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا گالیاں دیں' راستوں میں کانٹے بچھائے' جسم اطہر پر نجاستیں گرائیں' جادوگر' مجنون اور نہ جانے کیا کیا نام دیئے اور قتل کے منصوبے بنائے مگر تاریخ شاہد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے کوئی انتقام نہیں لیا۔(۴)

عفو و درگزر دراصل اس وقت صحیح معانی ہے جب دشمن گرفت میں ہو اور وہ بے بس و مجبور ہو' فتح مکہ کے بعد کفار و مشرکین کا خیال تھا کہ اب ہم میں سے کسی کی خیر نہیں اس لیے کہ وہ کون سی کسر تھی جو انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو تکلیفیں دینے میں روا نہیں رکھی تھی مگر رسول اکرم ﷺ نے اعلان فرمایا لا تثریب علیکم الیوم۔ اذھبوا فانتم الطلقاء(۵) آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے چچا حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی بن حرب فتح مکہ کے بعد طائف بھاگ گیا مگر جب اہلِ طائف نے بھی اسلام قبول کیا تو وحشی کے لیے جائے پناہ نہیں رہی اور جب مجبور اور دربار نبوت میں اسلام لانے کی غرض سے حاضر ہوا تو حضور ﷺ

نے اس کا اسلام لانا قبول فرما کر سب کچھ معاف فرمادیا(۶)ابوسفیان کی بیوی ھند اسلام لانے سے قبل سخت ترین دشمنِ اسلام تھی اسی نے حضرت حمزہؓ کو شہید کروا کر ناک کان کٹوائے' سینہ چاک کرایا اور دل و جگر نکلوا کر کچا چبایا۔ فتح مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اسلام قبول کرتے وقت بھی آدابِ مجلس کے خلاف بعض باتوں میں بے باکی کا اظہار کیا مگر حضور ﷺ مسکرا دیئے اور اس کے اسلام لانے پر خوشی کا اظہار فرمایا(۷)اس طرح عکرمہ بن ابی جہل اسلام لانے سے قبل باپ کی طرح سخت ترین دشمن اسلام تھے۔ فتح مکہ کے دن خوف کے مارے بھاگ کر یمن چلے گئے مگر اس کی بیوی نے جو مسلمان ہو چکی تھی حضور ﷺ سے عکرمہ کے لیے امان طلب کیا اور عکرمہ جب دربار نبوت میں پہنچے تو حضور ﷺ فرطِ خوشی سے اس کی طرف ایسے دوڑے کہ چادر مبارک جسمِ اطہر سے کھسک کر گر پڑی(۸)بدلہ لینے میں خوفِ خداوندی کا یہ عالم تھا کہ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت تقسیم فرمارہے تھے لوگوں کا بہت ہجوم تھا ایک شخص آکر حضور ﷺ پر منہ کے بل گر گیا دستِ مبارک میں پتلی سی لکڑی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ٹھوکا دیا اتفاق سے لکڑی کا سرا اس کے منہ میں لگ گیا اور خراش آگئی۔ فرمایا مجھ سے اپنا بدلہ لے لو۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے معاف کر دیا۔(۹)

حلم وبرداشت کی یہی تعلیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دی چنانچہ فرمایا کہ پہلوان وہ نہیں جو لوگوں کو پچھاڑے۔ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے(۱۰)نیز حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اپنا غصہ فرو کرے اللہ تعالیٰ اس سے اپنا عذاب ہٹا دیتے ہیں اور جو اپنی زبان کی حفاظت کرے اللہ اس کے عیوب کی پردہ پوشی فرمادیتے ہیں(۱۱)نیز رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص حقدار ہونے کے باوجود جھگڑا کرنا چھوڑ دے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ جنگ کے درمیان ایک محل بنادیتے ہیں(۱۲)حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے کچھ نصیحت فرمادیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غصہ مت کیا کر اس نے کئی مرتبہ یہ بات کہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار یہی جواب دیا کہ غصہ نہ کیا کر(۱۳) نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور اللہ تعالیٰ کو مخلوقات میں سے محبوب ترین وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے(۱۴)حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک دفعہ اپنے غلام کو مار رہے تھے پیچھے سے آنحضرت ﷺ کی آواز آئی۔ حضرت ابن مسعودؓ متوجہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا جتنا قابو تم کو اس غلام پر ہے اس سے زیادہ خدا کو تم پر ہے۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ مجھ پر آنحضرت ﷺ کی نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ میں نے پھر کسی غلام کو نہیں مارا(۱۵)ایک شخص نے حضور ﷺ سے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ روزانہ ستر مرتبہ اس سے مراد تحدید نہیں بلکہ درگذر کی کثرت ہے(۱۶)بعض لوگوں کا خیال ہے کہ

اگر وہ بدلہ نہیں لیں گے تو ان کے رعب و وقار اور ادب میں فرق آجائے گا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص عفو و درگزر سے کام لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھا دیتے ہیں۔(۱۷)

عام انسانوں کے بالمقابل یہود اسلام کے سخت ترین دشمن تھے ان سے اور دیگر کفار کے ساتھ حلم اور بردباری کے واقعات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کثرت کے ساتھ منقول ہیں۔ ایک بار یہودیوں کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ السام علیکم یعنی تم پر موت ہو۔ حضرت عائشہؓ سمجھ گئیں اور انہوں نے جواب میں کہا وعلیکم السام و اللعنة یعنی تم پر موت اور لعنت ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا عائشہ! ٹھہر جاؤ خدا تمام کاموں میں نرمی کو پسند کرتا ہے(۱۸) حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کافر تھیں جہالت کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کرتی۔ ابو ہریرہؓ نے خدمت اقدس میں عرض کی تو بجائے بد دعا دینے کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک ہدایت کی دعا کے لیے اٹھ گئے(۱۹) ایک دفعہ ایک یہودی کا جنازہ گذر رہا تھا جنازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم احترامِ آدمیت کی خاطر کھڑے ہو گئے(۲۰) ایک یہودی لڑکا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری دیا کرتا تھا ایک دفعہ وہ کئی روز تک نظر نہیں آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تو بتایا کہ وہ بیمار ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے(۲۱) نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ عبداللہ بن ابی الحمساء نے آپ سے کچھ معاملہ طلب کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھا کر چلے گئے کہ حساب بے باق کر دیتے ہیں اتفاق سے وہ واپس آنا بھول گئے تین دن بعد وہاں سے گزر ہوا تو آپ اسی جگہ تشریف رکھتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تین دن سے تمہارے انتظار میں یہاں بیٹھا ہوں(۲۲)۔

یہ اسلام ہی کا ظرف ہے کہ اس نے مسلم کافر اور مشرک تمام انسانوں کے ساتھ بلا امتیاز اچھا سلوک روا رکھنے کی تاکید کی ہے اور صراحت کی ہے لا یرحمه الله من لا یرحم الناس یہاں مسلمین نہیں فرمایا بلکہ الناس کہہ کر تمام انسانیت کو اس میں شامل کر دیا۔

چنانچہ آج انسانیت اگر رسول اکرم ﷺ کے اسوہ و اخلاق کو نمونہ بنا کر اس کے مطابق عمل کریں تو دنیا سے ساری اخلاقی برائیاں اور جھگڑے دور ہو سکتے ہیں اور عدمِ برداشت کا رجحان ختم ہو کر تحمل و برداشت کے جذبات پر مبنی معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے۔

حواشی ومراجع

۱۔ انجیل متی ۵ :۳۹

۲۔ سورۃ القلم آیت ۴۔

۳۔ سورۃ الاحزاب آیت ۲۱

۴۔ الذھبی' محمد بن احمد' شمس الدین :السیرۃ النبویۃ' طبع ریاض' ص ۳۲۰

۵۔ صفی الرحمن مبارکپوری :الرحیق المختوم ص ۵۵۱

۶۔ ابن کثیر :البدایہ والنھایۃ' ج ۴' ص ۱۸/ البخاری :الجامع الصحیح ج ۲ ص ۵۸۳

۷۔ ابن کثیر :السیرۃ النبویہ' طبع القاہرۃ' ج ۳ ص ۶۰۳/ الرحیق المختوم ص ۵۵۶

۸۔ محمد یوسف الکاندھلوی :حیاۃ الصحابہؓ ج ۱ ص ۱۵۶

۹۔ ابوداؤد' الامام : سنن ابی داؤد' طبع ملتان' ج ۲ ص ۲۷۶

۱۰۔ مسلم بن حجاج :الجامع الصحیح' کتاب البر' باب فضل من یملک نفسہ عند الغضب

۱۱۔ الطبرانی فی الاوس

۱۲۔ ترمذی : جامع الترمذی' ابواب البر والصلۃ

۱۳۔ بخاری :الجامع الصحیح' کتاب البر والصلۃ

۱۴۔ بیہقی : شعب الایمان

۱۵۔ ترمذی' ابواب البر والصلہ' باب ماجاء فی ادب الخادم

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ ترمذی' ابواب البر والصلہ' باب ماجاء فی التواضع

۱۸۔ بخاری' کتاب الادب باب الرفق فی الامر کلہ

۱۹۔ السیوطی :الخصائص الکبری' طبع بیروت' ج ۲ ص ۱۶۹

۲۰۔ بخاری' ج ۱ ص ۱۷۵

۲۱۔ ایضاً' ج ۱ ص ۱۸۱

۲۲۔ شبلی نعمانی : سیرۃ النبی' ج ۲' ص ۲۰۸

عدم برداشت کا قومی وبین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

پروفیسر عبدالرزاق۔ قلات

حمد و ثناء اس ذات کے لیے جس نے کارخانہ عالم کو وجود بخشا.........اور درود و سلام اس کے آخری پیغمبر پر جس نے جہاں میں حق کا بول بالا کیا۔ امابعد "عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان" اور تعلیمات نبوی ﷺ ناچیز کے خیال میں عصر حاضر کے سلگتے اور فوری توجہ کے لائق مسائل میں سے ایک ہے۔ ویسے تو "عدم برداشت" کا رجحان پوری دنیا پر چھائی ہوئی ہے لیکن مسلم امہ پر اس کے خطرناک آثار اور مہلک نتائج چشم بینا کے لیے اظہر من الشمس ہے۔

اس معاملے میں اگر حقیقت پسندی سے دیکھا جائے تو بڑی حد تک معاملہ ہم نے خود بگاڑا ہے ہمارے نام نہاد دانشوروں نے یکطرفہ سطحی اور جذباتی تحریریں لکھ کر پوری قوم کو جذبات اور اشتعال میں لایا ہے۔ اگر ہم موازنہ کریں تو ایک مسلم سکالر "احمد دیدات" آج بھی مغربی دنیا میں عین کلیسا کے گھنٹی کے سائے میں اپنا نقطہ نظر بلا خوف و خطر پیش کرتا ہے اور سامعین (جو کہ عیسائی مذہب کے پیرؤکار ہوتے ہیں) کبھی اشتعال میں نہیں آتے وہ دلائل اور براہین کے سامنے سر تسلیم خم کرتے نظر آتے ہیں۔ اب تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ کریں کیا؟ ہمارا معاشرہ کسی پادری یا بشپ کو "مسجد" میں ہمارے عقائد کے خلاف تقریر کرنے یا تنقید کرنے کی اجازت دے سکتا ہے؟ یقیناً ہرگز نہیں۔ اسلام اور عیسائیت تو در کنار ہمارا جذباتی معاشرہ شیعہ' سنی' دیوبندی اور بریلوی کے لیے بھی دلائل اور براہین کے زبان میں گفتگو کرنے کو برداشت نہیں کر سکتا۔

الغرض یہ واضح ہے کہ عدم برداشت کا مسئلہ دراصل ہمارا داخلی مسئلہ ہے نہ کہ کسی دوسرے مذہب یا قوم کا لہذا ہم ہی نے اس "عدم برداشت" کی وجوہات کا کھوج لگانا ہے۔ ناچیز کے خیال میں ان وجوہات میں سر فہرست وجہ یہ ہے کہ بحیثیت "امہ" ہم نے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع اور اطاعت کا فریضہ ادا نہیں کیا گفتگو تحریر اور تنقید میں ہم نے سنت کے بجائے یکطرفہ خیالات' ذاتی اور قومی جذبات اور منفی احساسات کو سامنے رکھا اور

آگے بڑھے۔ زیر نظر "مقالہ" میں موضوع کی مناسبت سے صورتحال کا جائزہ لیا گیا ہے۔ تاہم زیر نظر مقالہ کی حیثیت ایک ابتدائی کوشش کی ہے۔وہ زیر بحث مسئلہ پر ہر پہلو سے کوئی جامع مقالہ نہیں۔وہ صرف اس لیے ہے کہ تاکہ اس موضوع کی خصوصی اہمیت کو لوگوں کے سامنے نمایاں کیا جاسکے وہ آغاز کلام ہے نہ کہ خاتمہ بحث۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دین میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ آپ کا قول آپ کا عمل تمام مسلمانوں کے لیے معیاری نمونہ ہے ہم کو اپنی زندگی کے ہر معاملے میں آپ کے طریقے کی پیروی کرنی ہے۔ہم کو ہر معاملے میں آپ کا مقلد بنتا ہے۔ سنت رسول ﷺ کی پیروی ہی میں دنیا کی کامیابی کا راز بھی ہے اور سنت رسول ﷺ کی پیروی ہی میں آخرت کی کامیابی کا راز بھی۔اس بات سے تمام مسلمانوں کو اتفاق ہے' اس معاملے میں مسلمانوں کے درمیان دورائے نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت دین میں حجت کی حیثیت رکھتی ہے۔ مگر یہ سوال کہ خود سنت کیا ہے ؟اس بات میں شعوری یا غیر شعوری طور پر مسلمانوں کے درمیان زبردست غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے سنت ہر اس طریقے کا نام ہے جو رسولِ اکرم ﷺ کی زندگی کی بعض نسبتاً فروعی اور ضمنی چیزوں کو انھوں نے اپنی فہرست سنت میں داخل کیا ہے جو لوگ ان کا اہتمام کرتے ہیں وہ متبع سنت کہے جاتے ہیں۔ حالانکہ سنت کی اصل حقیقت کے اعتبار سے وہ سنت کے اتباع سے بہت دور ہوتے ہیں۔ یہاں میں ایک مثال کے ذریعہ معاملے کی وضاحت کروں گا۔ایک حدیث کتابوں میں ان الفاظ میں آئی ہے۔ حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خادمہ کو بلایا (جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی یا ام سلمہؓ کی تھی) خادمہ نے آنے میں دیر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر غصہ ظاہر ہو گیا۔اس کے بعد حضرت ام سلمہ اٹھی' اور پردے کے پاس جاکر دیکھا تو انہیں پایا کہ خادمہ کھیل رہی تھی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ایک مسواک تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خادمہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "اگر مجھے قیامت کے دن کے بدلے کا ڈر نہ ہوتا تو میں تجھ کو اس مسواک سے مارتا"۔(۱)

لوگوں نے اتباع سنت کے جذبے کے تحت یہ اہتمام کیا کہ مسواک کو اپنی جیبوں میں رکھنے لگے تاکہ جب بھی وضو کرنا ہو فوراً مسواک لے کر سنت کی تعمیل کر سکے۔ مسواک کا یہ اہتمام بذات خود کوئی قابل اعتراض بات نہیں یقیناً مسواک سنت ہے حتی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لولا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواك" (۲) اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو میں انہیں مسواک کا حکم دے دیتا۔اس بنا پر کوئی شخص اگر مسواک کا اہتمام کریں تو یقیناً وہ ایک سنت پر عمل قرار پائے گا۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا مذکورہ روایت میں صرف اس ایک بات کا حکم ہے ؟ حقیقت یہ ہے کہ روایت میں اسی کے ساتھ ایک اور سنت کا ذکر بھی موجود ہے۔ مگر لوگوں نے ایک سنت کو لیا دوسرے سنت کو چھوڑ دیا بد قسمتی سے لوگوں نے جس چیز کو اہمیت نہ دی وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہم ترین

سنت تھی۔ اس معاملے میں مسلمانوں کا حال اس شخص کا ہوا ہے جس کے پاس ایک پھل ہو اور وہ اس پھل کے چھلکے کو لے لیں اور اس کے مغز کو الگ کر کے پھینک دیں۔ اس روایت پر غور کیجئے اس میں دو باتوں کا ذکر ہے ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ جس وقت اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک مسواک تھی۔ روایت کا دوسرا جزیہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خادمہ سے شکایت ہوئی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جی چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مسواک سے مارے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخرت میں پکڑ کا اندیشہ ہوا' محض اس بناء پر خادمہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں مارا۔ گویا ایک سنت ہے دانت کو صاف کرنے کے لیے مسواک استعمال کرنا' دوسری سنت ہے اللہ کے ڈر کا' ذہن پر اتنا غلبہ ہونا کہ آدمی شکایت کے باوجود اور قابو رکھنے کے باوجود دوسرے کو تکلیف پہنچانے سے رک جائے۔ وہ مسواک جیسی کسی معمولی چیز سے بھی دوسرے کو نہ مارے۔ مسلمانوں نے پہلی سنت کو دوسری سنت سے الگ کر دیا۔ انہوں نے پہلی سنت کو لیا اور دوسری سنت کو چھوڑ دیا۔ آج مسلمانوں کے اندر کروڑوں افراد ہیں جو مسواک کی سنت پر عمل کرتے ہیں' مگر شکایتوں اور ناخوشگواریوں کو برداشت کرنا اور قابو رکھتے ہوئے دوسرے کے خلاف کارروائی نہ کرنا' یہ دوسری سنت اتنی کم یاب ہے کہ مشکل ہی سے چند افراد ایسے مل سکتے ہیں جو واقعتاً ان سنتوں کا اہتمام کرتے ہوں۔

قرآن حکیم میں مختلف الفاظ میں بتکرار ایسے احکام ملتے ہیں کہ رسول ﷺ کی سنت اختیار کرو مگر اتباع سنت کے نام پر ہمارے ہاں آج جن چیزوں کا زبردست اہتمام ہوتا ہے۔ ان کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔ البتہ دوسری قسم کی سنت کا ذکر قرآن میں کثرت سے ہے۔ اور یہ دوسری سنتیں وہی ہیں جن کو مسلمانوں نے اپنی اتباع سنت کی فہرست سے خارج کر رکھا ہے۔ اس معاملے کو ایک مثال سے مزید تائید دی جاسکتی ہے۔ "سورۃ الاحزاب" قرآن کی ۳۳ ویں سورۃ ہے۔ اس سورۃ کے ایک حصے میں غزوہ احزاب پر تبصرہ ہے جو ۵ ھ میں پیش آیا اس موقع پر اگرچہ باقاعدہ لڑائی نہیں ہوئی' تاہم وہ لوگ تقریباً ایک ماہ تک مدینے کا محاصرہ کیے رہے۔ مشرکین مکہ ۱۲ ہزار کی تعداد میں اکٹھا ہو کر مدینہ پر چڑھائی کی تھی۔ اس محاصرے کے دوران بڑے سخت حالات پیش آئے۔ چنانچہ قرآن میں اس کی بابت یہ الفاظ نازل ہوئے۔ کہ "جب دشمن اوپر سے' اور نیچے سے تم پر چڑھ آئیں جب دہشت سے آنکھیں پتھرا گئیں (کھل گئیں) اور کلیجے منہ کو آگئے اور تم اللہ پر طرح طرح کی بدگمانیاں کرنے لگے اس وقت اہل ایمان آزمائش میں ڈالے گئے۔ اور بری طرح جھنجھوڑے گئے"۔

اس نازک موقع پر کمزور مسلمانوں سے بہت سی کمزوریاں ظاہر ہوگئیں۔ وہ پوری طرح صبر واستقامت کا ثبوت نہ دے سکیں۔ اس سورۃ میں ایسے لوگوں پر تبصرہ کیا گیا ہے اس سلسلے میں ارشاد ہوا ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاخرو ذکر اللہ کثیرا بے شک تمہارے لیے اللہ کے

رسول میں بہترین نمونہ ہے۔ اس شخص کے لیے جو اللہ کا اور آخرت کے دن کا امیدوار ہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کریں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ محاصرہ احزاب کے سخت حالات جس طرح عام مسلمانوں پر پیش آئیں بالکل اسی طرح وہ رسول ﷺ پر بھی پیش آئیں۔ رسول ﷺ پر تو زیادہ سخت حالات پاش آئے کیونکہ دشمنوں کا اصل نشانہ تو دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ مگر رسول کی حالت یہ رہی کہ وہ پورے صبر اور استقامت کے ساتھ جمے رہے۔ انہوں نے ہر تلخی اور ہر شدت کو اللہ کی خاطر برداشت کیا۔ یہ کردار کا نمونہ جو رسول ﷺ نے پیش کیا وہی تمام مسلمانوں کو اپنی زندگی میں پیش کرنا چاہیے۔ رسول ﷺ کی اسی سنت پر تمام مسلمانوں کو چلنا چاہیے تھا۔ گویا اس آیت میں جس سنت رسول ﷺ کا ذکر ہے وہ صبر کی سنت ہے۔ یعنی دین کی راہ میں تلخیوں کو برداشت کرنا اور ناخوشگواریوں کے باوجود دین کے طریقہ پر جمے رہنا۔ مگر آج کیا حال ہے آج آپ سنت کے تذکرے میں سنت برداشت 'یا سنت صبر کا لفظ بولے۔ تو سننے والوں کو بڑا عجیب معلوم ہوگا۔ ان کو یقین ہی نہیں آئے گا۔ کہ یہ بھی کوئی سنت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غلط رواج کے نتیجہ میں بس کچھ خاص چیزوں کو سنت سمجھ لیا گیا ہے مثلاً داڑھی' مسواک و دائیں ہاتھ سے پانی پینا وغیرہ وغیرہ۔ سنت کے نام سے موجودہ زمانے میں لوگ بس اسی قسم کی سنتوں کو جانتے ہیں۔ اور ان چیزوں کا پورا اہتمام کرتے ہیں۔ مگر دوسری چیزیں سنتِ رسول ﷺ کی حیثیت سے ان کے ذہن کا جزو نہیں بنی۔ اس لیے اتباع سنت کے تحت ان کو اختیار کرنا بھی ضروری نہیں سمجھتے آج امت میں بے شمار لوگ ہیں۔ جو اتباع سنت کا باقاعدہ اہتمام کرتے ہیں۔ مگر اتباع سنت کے نام پر جن چیزوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ وہ دین کے کچھ ضمنی اور جزئی آداب ہیں ان کے علاوہ دین میں جو اصل اہمیت کی چیزیں ہیں جو دین میں رئیسی اور مرکزی حیثیت رکھتے ہیں ان کو شعوری یا غیر شعوری طور پر سنت سے خارج سمجھ لیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ اتباع سنت کے باوجود اتباعِ سنت کے فوائد حاصل نہیں ہوتے۔ سنتوں میں اس تفریق کا سبب کیا ہے ؟ ارباب دانش کے لیے یہ ایک لمحہ فکریہ ہونا چاہیے۔ مگر بدقسمتی سے پوری ملت کا یہ حال ہے کہ آج بے شمار لوگ ہیں جو سنت کی اہمیت کا اقرار کرتے ہیں۔ جو سنت کے اتباع کا زبردست اہتمام کرتے ہیں۔ مگر سنت کے لفظ سے وہ جن چیزوں کو جانتے ہیں وہ بس چند آداب ہیں۔ ان جزئی آداب کا وہ خیالکرتے ہیں مگر ان کے علاوہ جو بڑی بڑی سنتیں ہیں ان کے بارے میں رسول اللہ نے بار بار تاکید فرمائی ہے۔ ان کے اتباع کا متبعین سنت کے یہاں کوئی اہتمام نہیں پایا جاتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں کو وہ سنت کے نام سے جانتے ہی نہیں۔ آپ کسی مجلس میں معروف سنتوں کا ذکر کریں تو کسی شخص کو اجنبیت محسوس نہیں ہوگی۔ لیکن اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کے الفاظ بولے مثلاً سنت برداشت' سنت تفکر سنت اعراض' سنت صبر وغیرہ۔ تو لوگ آپ کو عجیب نگاہوں سے دیکھیں گے۔ ان کو ایسا معلوم ہوگا جیسا کہ آپ لوگوں کو ایک نیا دین پیش کر رہے ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا بدا الاسلام غریبا و سیعود

کما بدا فطوبیٰ للغرباء اسلام شروع ہوا تو وہ اجنبی تھا۔ پھر دوبارہ وہ اجنبی ہو گا۔ پس اجنبیوں کو مبارک ہو۔(۳)
اس حدیث میں دین کی اجنبی ہونے کا جو ذکر ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لوگ نماز پڑھنا چھوڑ دیں گے۔ یا کوئی شخص حج کرنے والا باقی نہیں رہے گا۔ دوسرے حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ نماز اور روزہ ادا کرنے والے لوگ آخر وقت تک دنیا میں باقی رہی نگے۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے۔ اس میں دین کی اجنبی ہونے سے مراد وہی چیزیں ہیں جس کی ایک مثال آج کے دور میں نظر آتی ہے کہ مسواک رکھنا۔ داڑھی کا ایک مشت کے مقدار میں ہونا وغیرہ لوگوں کے درمیان معروف ہوں مگر سنت برداشت اور سنت صبر لوگوں کے درمیان اجنبی بن جائیں۔ بعض چیزیں وہ ہیں جو باعتبار حقیقت سنت ہیں نہ کہ باعتبار ظاہر۔ ایسے معاملات میں آج مسلمانوں نے بس ظاہری صورت کو پکڑ لیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ وہ سنت پر عمل کر رہے ہیں۔ حالانکہ ان معاملات میں سنت ایک حقیقت کا نام ہے نہ کہ ایک ظاہری صورت کا۔ مثال کے طور پر ذکر کر لیجئے بے شمار لوگ ہیں جو صبح وشام چند مخصوص الفاظ یا جملوں کا ورد کرتے رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح وہ مسنون "اذکار" پر عمل کر رہے ہیں۔ حالانکہ مسنون اذکار مسنون "کیفیات" کا نام ہے۔ نہ کہ مسنون اذکار کچھ الفاظ اور کچھ مخصوص جملوں کا نام ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ذکر حقیقتاً خدا کی یاد دلاتا تھا۔ آپ پر ہر وقت اللہ کی یاد کا غلبہ رہتا تھا ایک ظاہری نتیجے کے طور پر کچھ الفاظ آپ کے زبان مبارک سے نکل پڑتے تھے۔ یہ الفاظ بلاشبہ ذکر تھے مگر وہ اپنی اندرونی حقیقت کی بنا پر ذکر تھے نہ کہ محض اپنے ظاہری الفاظ کی بنا پر۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ پاک کی نہایت گہری معرفت حاصل تھی۔ حدیث میں آپ کو دائم الفکرہ کہا گیا ہے آپ ہر وقت خدا کی فکر میں ڈوبے رہتے تھے۔(۴) آپ کو الہ کی بے پایاں نعمتیں یاد آتیں اور آپ شکر کے جذبے سے سرشار ہو جاتے۔ آپ اللہ کی عظمتوں کا تصور کرتے اور آپ کا سینہ اللہ کی بڑائی کے احساس سے بھر جاتا۔ اس وقت بے اختیار آپ کے زبان پر یہ الفاظ جاری ہو جاتے۔ سبحان اللہ عظیم یہ آپ کا ذکر۔ آپ کا ہر ذکر ایک قلبی حالت اور کیفیت کا ترجمان ہوتا تھا۔ اور یہی حقیقت ہے ان تمام اذکار کا جن کو مسنون اذکار کہا جاتا ہے موجودہ زمانہ میں کثرت سے ایسے مسلمان پائے جاتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کے شان میں شاندار الفاظ بولیں گے سیرت رسول ﷺ یا میلاد رسول ﷺ کے جلسوں میں خطابت اور شاعری کے جوہر دکھا کر داد تحسین وصول کریں گے ان معاملات میں وہ زبردست جوش وخروش دکھائیں گے مگر دوسری طرف وہ نماز نہیں پڑھیں گے کسی مظلوم کی دادرسی نہیں کریں گے۔ مالدار ہونے کے باوجود فریضہ حج ادا نہیں کریں گے ان معاملات میں انہیں رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی پیروی میں کوئی دلچسپی نہ ہو گی۔ ایسے محبت رسول ﷺ اور عشق رسول ﷺ کی دین میں کوئی قیمت نہیں۔ دین میں وہی محبت رسول معتبر ہے۔ جس کے ساتھ اطاعت رسول پائی جاتی ہوں۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ کہو کہ اگر تم اللہ سے محبت

رتے ہو تو تم میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اس آیت کی تشریح میں مفسرین نے لکھا ہے کہ خدا اور سول ﷺ کی محبت میں صرف اظہار محبت کافی نہیں اس کے ساتھ لازم ہے کہ آدمی کا عمل بھی اس کے مطابق و۔ جو شخص محبت کا دعویٰ کرے اور اسی کے ساتھ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی مخالفت کر رہا ہو۔ تو شخص جھوٹا ہے۔ فمن ادعی عن محبة مع مخالفه عن سنت رسول الله فهو كذاب (۵) لوگوں کے ذہن یں سیرت رسول ﷺ فقط یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عجائبات کا اور کرامات کا ذکر کیا جائے یہ ان کی زبردست ول ہے جس میں امت مسلمہ مبتلا ہے۔ انہوں نے غیر سیرت کو سیرت اور غیر سنت کو سنت سمجھ رکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو رسول اللہ ﷺ ماننے کا واحد مطلب یہ ہے کہ آپ کو قابل اتباع اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو نمونہ سمجھا جائے الفاظ کے میدان میں جوش و خروش دکھانے سے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا حق ادا نہیں ہوتا۔

زندگی کے معاملات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے کیا نمونہ چھوڑا ہے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث مبارکہ لائق توجہ ہو کہ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے لڑکے اگر تو اس پر قادر ہے کہ تو صبح و شام اس طرح کرے کہ تیرے دل میں کسی کے خلاف کینہ نہ ہو۔ تو ایسا کر پھر آپ نے فرمایا۔ اے لڑکے یہ میری سنت ہے۔ اور جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہو گا۔ (۶) رسول ﷺ کی سنت کا تعلق صرف کپڑا، بال، برتن یا مسواک جیسی چیزوں سے نہیں ہے۔ بلکہ ایک آدمی کی پوری زندگی سے ہیں۔ لوگوں کے درمیان آپ کیسے رہیں اس کے بارے میں سنت رسول ﷺ یہ ہے کہ آپ کا دل لوگوں کے خلاف برے جذبات اور منفی احساسات سے پاک ہو۔ جب بھی ایک آدمی دوسرے آدمیوں کے درمیان رہتا ہے تو اس دوران طرح طرح کے باہمی مسائل اور مشکلات پیش آتے ہیں۔ بار بار ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کو دوسرے کے خلاف رنجش اور شکایت پیش آتی ہے ایسا ہونا فطری ہے۔ مگر خدا کے رسول ﷺ کی سنت یہ ہے کہ ایسے جذبات کو اپنے دل میں ٹھہرنے نہ دیا جائے۔ بلکہ انہیں باہر نکال دیا جائے۔ شکایتوں کو نظر انداز کرنا رنجشوں کو بھول جانا غلطیوں کو معاف کر دینا تکلیف کو اپنے اوپر سہہ لینا جائے اس کے کہ اس کو دوسرے کے اوپر ڈالا جائے۔ یہ پیغمبر ﷺ کا طریقہ ہے اور جنت انہی لوگوں کے لیے ہے جو پیغمبر ﷺ کے طریقہ کو اختیار کریں۔ جو لوگ پیغمبر ﷺ کے طریقے کو چھوڑ کر اپنے نفس کی ترغیبات پر چلیں جو لوگ اپنے سینے کو منفی جذبات سے پاک کرنے کے بجائے اس کو منفی جذبات کا آشیانہ بنائے ایسے لوگ آخرت میں پیغمبروں اور خدا کے نیک بندوں کی آبادی سے دور ہوں گے۔ کیونکہ انہوں نے پیغمبروں اور نیک بندوں کی روش کو اپنے لیے پسند نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تم اپنے دشمنوں پر اس وقت تک غالب رہو گے جب تک میری

سنت کو پکڑے رہو گے۔ اور جب تم میری سنت سے نکل جاؤ گے تو اللہ تمہارے اوپر ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو نہ تم سے ڈرے گا اور نہ تم پر رحم کرے گا۔ یہاں تک کہ تم میری سنت کی طرف لوٹ آجاؤ۔ (۷) رسول اللہ ﷺ نے جو دین چھوڑا ہے اس میں کوئی کمی نہیں جس کو کوئی شخص پورا کرے۔ اس میں کوئی زیادتی نہیں جس کو کوئی اس سے دور کرے۔ یہ پوری طرح ایک کامل دین ہے۔ ہماری کامیابی کی واحد صورت یہ ہے کہ ہم اس کی اسی طرح پیروی کریں۔ جس طرح وہ ہیں۔ اگر ہم نے اس میں کمی بیشی کی کوشش کی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ باہمی اختلافات تصادم شروع ہو جائے گا۔ اور باہمی اختلاف ہی کا دوسرا نام کمزوری اور مغلوبیت ہے۔ اور چڑ چڑاپن و عدم برداشت اور ذہنی بونا پن اسی باہمی اختلاف کے مزید ثمرات ہیں۔ جس کا عام مشاہدہ آج وطن عزیز کے اندر اور کرہ ارض کے چپے چپے پر آباد مسلمان معاشرے میں کیا جاسکتا ہے۔

رسولِ اقدس ﷺ نے ہمیں چند عقائد بتائے ہیں۔ خدا ایک ہے۔ نبیوں پر خدا اپنے فرشتوں کے ذریعے اپنا کلام بھیجتا ہے۔ مرنے کے بعد جنت اور دوزخ ہیں۔ ان عقائد کو ہمیں اسی طرح ماننا ہے۔ جس طرح قرآن حدیث میں آیا ہے اگر ہم اپنی طرف سے موشگافیاں کریں اور نئی نئی کلامی بحثیں چھیڑیں تو اس کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ مختلف لوگ مختلف باتیں نکالیں گے۔ رایوں کا اختلاف امت کو ایک دوسرے سے ٹکرادے گا۔ اسی طرح عبادت کے معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ احکام بتادیئے اور ان کو کر کے دکھایا۔ اب ہمیں چاہیے کہ ان کو جیسا ہے ویسا ہی پکڑلیں۔ اگر ہم نے عبادت میں نئے نئے مسائل اور نئے طریقے نکالے تو اس کا لازمی نتیجہ فرقہ بندی ہوگا۔ جو بالآخر ساری امت کو کمزور کرنے کا باعث بنے گا۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے تکلیف پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ صبر کرو اور اپنے بھائی کو معاف کرو۔ (۸) اب اگر ایسے موقع پر ایک آدمی دوسرے آدمی سے بدلہ لینے اور اس کو اس کے کیے کا مزہ چکھانے کے لیے کھڑا ہو جائے تو اس سے آپس کا ٹکراؤ وجود میں آئے گا۔ جو بالآخر ساری امت کو کمزور کردے گا۔ حکومت کے معاملات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ منصب کی خواہش نہ کرو۔ (۹) اب اگر لوگ عہدہ اور منصب کی خواہش کرنے لگے تو باہمی رقابت اور دشمنی پیدا ہوگی۔ امت کے اندر مختلف جتھے بن کر ایک دوسرے سے لڑنے لگیں گے۔ ملت خود اپنے افراد کے ہاتھوں برباد کی جانے لگے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ دنیا کو غیر اہم سمجھو اور ساری توجہ آخرت کی طرف لگاؤ۔ (۱۰) اب اگر امت کے لوگ دنیا کی چیزوں کو اپنا مقصود سمجھ لیں تو ایک ایک چیز کے کئی کئی امیدوار بن جائیں گے۔ اور اس کے حصول کے لیے باہم لڑنا شروع کر دیں گے۔ اس کے نتیجے میں پورا مسلم معاشرہ حسد و بغض و عداوت اور انتقام کی آگ میں جل اٹھے گا۔ ایسے میں عدم برداشت کا رجحان ہی نہیں طوفان ظہور پذیر ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کا بولنے کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ہمیشہ واضح انداز میں بولتے تھے۔ الفاظ کو ٹھہر ٹھہر کر ادا

فرماتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ محترمہ سیدنا عائشہؓ نے بعد کے زمانے کے لوگوں کو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ تم لوگوں کی طرح تیز تیز نہیں بولتے تھے۔ بلکہ آپ کے کلام میں فصل ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو یاد کرتا تھا ایک اور روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ سلم اس طرح ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے کہ اگر گننے والا گنے تو اس کو گن لے (۱۱) مومن کا کلام ایک ایسے شخص کا کلام ہوتا ہے جو اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ مومن کو یقین ہوتا ہے کہ اس کا ہر لفظ فرشتے لکھ رہے ہیں۔ وہ اپنے ہر قول کے لیے خدا کے ہاں جواب دہ ہونے والا ہے۔ مومن کا یہ یقین اس کے اندر ذمہ داری کا احساس پیدا کر دیتا ہے۔ وہ جب بولتا ہے اس کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہ خدا اور فرشتوں کے سامنے بول رہا ہے۔ یہ تصور اس کے زبان پر لگام لگا دیتا ہے۔ وہ بولنے سے پہلے سوچتا ہے وہ جب بولتا ہے تو الفاظ تول کر زبان سے نکالتا ہے خدا کا خوف اس سے تیز کلامی کا انداز چھین لیتا ہے۔ اور آخرت کی جوابدہی کا احساس اس کی جوشِ تقریر میں رکاوٹ بنتا ہے۔ جو شخص اس قسم کی شدید احساسات سے دبا ہوا ہو۔ وہ آخری حد تک ایک سنجیدہ انسان ہوتا ہے اور سنجیدہ انسان کی گفتگو کا انداز وہی ہوتا ہے۔ جو حضرت عائشہؓ کی مذکورہ روایت میں نظر آتا ہے۔ مومن کے دل میں دوسروں کے لیے خیر خواہی ہوتی ہے اسی لیے وہ مومن کے لیے بھی وہی چیز چاہتا ہے جس کا وہ خود بھی خواہاں ہو۔ (۱۲) مومن دوسرے کی ہدایت کا حریص ہوتا ہے اس لیے جب وہ دیکھتا ہے کہ دوسرا شخص صحیح ہدایت حاصل کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ تو وہ اس کے لیے بددعا نہیں کرتا بلکہ خدا کے حضور وہ اس شخص کے لیے دعا کرتا ہے کہ خدا اس کا سینہ ہدایت کے لیے کھول دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ (۱۳) رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد دراصل ایسے ہی انسان کے طرز عمل کو بیان کرتا ہے۔ جو شخص اس طرح مسلم بنتا ہے وہ ایسا انسان ہوتا ہے جو خدا کو ہر آن اپنے اوپر طاری کیے ہوئے ہو۔ اس کا پورا رویہ اس احساس کے تحت متعین ہوتا ہے کہ خدا اس کو دیکھ رہا ہے اگر وہ خدا کے مرضی کے خلاف چلے تو وہ خدا کی پکڑ سے بچ نہیں سکتا۔ یہ احساس اس سے یہ طاقت چھین لیتا ہے کہ وہ کسی کے خلاف استعمال ہو۔ یہ احساس اس سے یہ طاقت ختم کر دیتا ہے کہ وہ کسی کے خلاف دست درازی کرے۔ اس کی زبان کھلتی ہے تو صحیح بات کے لیے کھلتی ہے۔ اس کا ہاتھ اٹھتا ہے تو انصاف قائم کرنے کے لیے اٹھتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو حق کی جانب کھڑا کرتا ہے۔ نہ کہ ناحق کی جانب۔

موجودہ دنیا دار الامتحان ہے یہاں آدمی کو آزمائش کے لیے رکھا گیا ہے۔ آزمائش ہمیشہ اس وقت ہوتی ہے جبکہ آدمی دو چیزوں کے درمیان ہو۔ سورج، چاند اور زمین و آسمان امتحان کی حالت میں نہیں ہیں کیونکہ وہ ایک ہی متعین انداز سفر کر سکتے ہیں۔ اس کے برعکس انسان امتحان کی حالت میں ہے۔ کیونکہ وہ اختیار رکھتا ہے۔ کہ چاہے تو وہ ایک رخ پر چلے اور چاہے تو دوسرے رخ پر۔ اس حقیقت کی روشنی میں دیکھیے تو اوپر کی حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ

مسلمان وہ ہے کہ جس کو موقع ہو کہ وہ اپنے بھائی کے خلاف اپنی زبان کھولے مگر اس کے باوجود وہ خدا کی خاطر اپنی زبان کو بند کر لیں۔ مسلمان وہ ہے جس کو یہ موقع ہو کہ وہ اپنے بھائی کے خلاف ہاتھ اٹھائے۔ مگر خدا کا خوف اس کے اوپر اتنا غالب ہو کہ اس کے ہاتھ اس کے بھائی پر اٹھنے سے رک جائے۔ موجودہ دنیا میں آدمی ہر وقت اور ہر گھڑی انصاف اور بے انصافی کے درمیان ہے۔ مسلمان وہ ہے جس نے بے انصافی کو چھوڑ کر انصاف کا راستہ اختیار کیا اگرچہ بے انصافی کا راستہ بھی اس کے لیے پوری طرح کھلا ہوا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی مثال ایسی ہے جیسے کہ رسی میں بندھا ہوا گھوڑا۔ وہ گھومتا ہے پھر اپنے کھونٹے کی طرف آتا ہے۔ جانور ایک ظاہری رسی میں بندھا ہوتا ہے مگر ایمان اس طرح کی کوئی ظاہری رسی نہیں ہے۔ یہ ایک نظر نہ آنے والی رسی ہے۔ جانور مجبور ہوتا ہے کہ وہ اپنی رسی سے آگے نہ جائے۔ مگر مومن یہی کام اپنے ارادے سے کرتا ہے۔ اللہ کی پکڑ کا اندیشہ اس کے لیے ایک نظر نہ آنے والی رسی بن جاتا ہے۔ جو ہر وقت اس کو اندر سے تھامے رہتا ہے۔ وہ وہاں تک جاتا ہے جہاں اللہ نے اس کو جانے کی اجازت دی ہے۔ اور وہاں جانے سے رک جاتا ہے جہاں اللہ نے اس کو جانے سے منع فرمایا ہے۔ وہ اللہ کا ایک بندھا ہوا بندہ ہوتا ہے نہ کہ آزاد چھوڑا ہوا جانور دنیا میں آدمی کا امتحان یہ ہے کہ وہ اختیار رکھتے ہوئے بے اختیار ہو جائے۔ وہ آزادی کا موقع پاتے ہوئے اپنے آپ کو پابند بنا دے وہ ایک آدمی پر غصہ کرنے کی قدرت رکھتا ہو مگر وہ اسے معاف کر دے۔ ایک حق بات اس کے سامنے آئے اور وہ اس کو جھٹلانے کے لیے آزاد ہو۔ پھر بھی وہ اس کے آگے جھک جائے۔ وہ ایک شخص کو نظر انداز کر دینے کی حیثیت میں ہو۔ مگر اللہ کے خیال سے وہ اس کو نظر انداز نہ کریں۔ اللہ نے ہر معاملے میں آدمی کے لیے ایک حد مقرر کر دی ہے۔ آدمی کو اسی حد کے اندر رہنا ہے اس کے باہر اس کو نہیں جانا ہے۔ دوسرے کے بارے میں رائے قائم کرنے کی حد یہ ہے کہ وہ خارجی واقعات کی بنیاد پر رائے قائم کریں۔ اس لیے آدمی کو ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ وہ قیاس اور گمان کی بنیاد پر کسی دوسرے کے بارے میں رائے زنی کرنے لگے۔ تنقید کی حد یہ ہے کہ واضح دلائل کی بنیاد پر کسی فرد طبقہ یا کسی قوم کا رد کیا جائے اسی لیے آدمی کو ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ وہ دلیل کے بغیر کسی فرد یا ملت کو برا بھلا کہنا شروع کریں۔ گفتگو کی حد یہ ہے کہ آدمی سنجیدہ انداز میں اپنی بات دوسروں کے سامنے رکھیں۔ اسی لیے آدمی کو ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ وہ گالی وگلوچ یا محض شخصی فتوی کی روشنی میں دشنام طرازی اختیار کریں کسی شخص کسی طبقہ کو برا سمجھنے کی حد یہ ہے کہ معلوم واقعات سے ثابت ہو جانے کے بعد اس کو برا سمجھا جائے۔ اسی لیے آدمی کے لیے جائز نہیں کہ نامعلوم اور غیر ثابت شدہ واقعہ کو بنیاد بنا کر کسی کے بارے میں برا خیال قائم کریں۔

رسی سے بندھا ہوا گھوڑا رسی کی لمبائی تک آزاد ہوتا ہے اور اس کے بعد پابند۔ مومن اللہ تعالیٰ کی اجازت کے دائرے میں آزاد ہے۔ اور خدا کی ممنوعات کے دائرے میں پابند۔ جو شخص اس حد بندی کو قبول کر کے زندگی

گزارے وہی مومن ہے۔ اور اسی کے لیے آخرت کی جنتیں ہیں۔ جو شخص اس حد بندی کو قبول نہ کرے وہ خدا کی نظر میں مجرم ہے۔ اور آخرت میں اس کے لیے جہنم کی آگ کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

طائف کے میدان میں رسول عربی ﷺ کی پر امن دعوت اسلام کے جواب میں مشرکین مکہ کی جانب سے جو کچھ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ذہنی و جسمانی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اور عذاب کے فرشتوں کا ظہور بھی ہوا۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم با اختیار تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی چاہتے آن واحد میں وہ واقعہ بن جاتا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی راہ میں اس منفی سلوک کو برداشت کیا۔ (۱۴) واقعہ طائف سے پیغمبر ﷺ کا انداز اور طریقہ کار معلوم ہوتا ہے۔ لوگوں کی طرف سے پیغمبر کو خواہ کتنی ہی تکلیف پہنچے وہ منفی نفسیات میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اس کے اندر نفرت اور انتقام کا جذبہ نہیں بھڑکتا۔ وہ حال کے بجائے مستقبل کو دیکھتا ہے۔ اس کی نظریں سامنے کے واقعات کی بجائے ان واقعات پر ہوتی ہیں جو آئندہ ظہور میں آسکتے ہیں وہ آنے والے بہترین امکان کی امید میں آج کے ناخوشگواریوں کو برداشت کرتا ہے۔

فرد سے تعلق کا معاملہ ہو یا قوموں سے تعلق کا معاملہ۔ ہر معاملے میں پیغمبر کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جذبات سے اوپر اٹھ کر سوچے اور شکایتوں اور تکلیفوں سے بلند ہو کر لوگوں کے ساتھ معاملہ کریں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک اثر ہے۔ انہوں نے فرمایا تین مواقع پر تم اپنے دل کو تلاش کرو۔ قرآن سننے کے وقت۔ ذکر کی مجلسوں میں اور تنہائی کے اوقات میں۔ اگر ان مواقع پر تم اس کو نہ پاؤ۔ تو اللہ سے دعا کرو کہ وہ تم کو ایک دل دے دیں کیونکہ تمہارے پاس دل نہیں ہے۔ ان یمن علیك بقلب فانه لا قلب لك (۱۵) انسان کے سینہ میں دل اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ اللہ کی تجلیات کا مسکن بنے۔ دل گویا اللہ کا گھر ہے۔ اس لیے جب اللہ کا کلام پڑھا جائے تو چاہیے کہ انسان کا دل اس سے دہل اٹھے۔ جب خدا کا چرچا (ذکر) کیا جائے تو دل اس کی عظمت کے احساس سے تڑپ اٹھے۔ جب آدمی اپنی تنہائیوں میں ہو تو اس کا دل خدا کو اپنا ہم نشین پائے۔ اور اس پر وہ تجربات گزریں جو اللہ کی یاد سے قلب انسانی پر گزرتے ہیں۔ اگر ایسا ہو تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آدمی کا دل زندہ ہے۔ وہ حقیقتاً صاحب دل ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دل مر چکا ہے۔ اس کو وہ دل حاصل نہیں۔ جو خدا کی تجلیات کا ''معبد'' بن سکیں۔ وہ لمحات جب کہ دل کے تار خصوصی طور پر جاگ اٹھتے ہیں۔ اس وقت بھی اس کے دل کے تار نہیں جاگیں۔ ایسے آدمی کو جاننا چاہیے کہ وہ اپنے سب سے قیمتی متاع ''دل'' سے محروم ہو گیا ہے اس کو سب سے زیادہ جس چیز کی دعا کرنی چاہیے وہ یہ کہ اس کا رب اس کو ایک دل عطاء کر دے۔

دنیا میں انسان کس طرح رہے گا قرآن حکیم اس معاملہ کی یوں وضاحت کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو اور ان کی ذریت کو زمین پر آباد کیا تو اس سے فرمایا کہ تم لوگ زمین پر بسو اور تم لوگ ایک دوسرے کے دشمن

ہو گے بعضکم لبعض عدو سورۃ الاعراف آیت ۲۴ آیت کریمہ سے یہ بات مترشح ہے کہ دنیا میں انسان درختوں اور پہاڑوں کی مانند نہیں رہے گا۔ بلکہ وہ متحرک اور متصادم مخلوق کی مانند رہے گا۔ یہاں انسانوں کے مابین باہمی تعلقات مسابقت (Cmpetition) کی بنیاد پر قائم ہوں گے۔ یہاں ایک فرد اور دوسرے فرد ایک گروہ دوسرے گروہ اور ایک قوم دوسرے قوم کے درمیان ٹکراؤ پیش آئے گا۔ ٹکراؤ کے نتیجہ کے طور پر نوبت جنگ و جدال تک پہنچے گی آپس میں دشمنیاں قائم ہوں گی اس نظام تخلیق کا پہلا مظاہرہ ہابیل اور قابیل کے خونی نزاع کی صورت میں پیش آیا اور عصر حاضر کیا؟ یہ سلسلہ اب سیدنا عیسی علیہ السلام اور دجال تک جاری رہے گا۔ دوسرے لفظوں میں اس نظام تخلیق کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں آدمی کو ہر وقت چیلنج کے حالت میں رہنا ہو گا۔ یہاں افراد اور قوموں کو روکاوٹوں اور مخالفتوں حتی کہ دشمنیوں کے درمیان "سفر زندگی" طے کرنا پڑے گا۔ گویا دنیا کی زندگی آدمی کی فکر و عمل کا امتحان ہو گی۔ اب جو شخص اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کو استعمال کرے گا وہ کامیاب ہو گا جو نہیں کرے گا وہ ناکام ہو گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے انسانی دنیا میں مقابلہ اور مسابقت کا بعینہ وہی نظام قائم کیا ہے جو حیوانات کے درمیان بڑے پیانے پر قائم ہے۔ حیوانات کی دنیا کا نظام اس طرح ہے کہ ہرن کے پیچھے بھیڑیا دوڑ رہا ہے۔ اگر بھیڑیا اس طرحنہ دوڑے تو ہرن اپنی اصل جوہر حیات کو کھودے گا۔ یہاں بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کا پیچھا کر رہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو مچھلیوں کی نشو و نما کا عمل رک جائے۔ بالکل اسی طرح انسانی زندگی میں بھی تمام ترقیاں مقابلہ اور مسابقت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اگر زندگی میں اختلاف اور مقابلہ کا ماحول باقی نہ رہے تو ہر قسم کی ترقیوں کا بھی خاتمہ ہو جائے۔

نبی اکرم ﷺ کے طریقہ کار کو جب ملاحظہ کیا جائے تو ایک عجیب نکتہ سامنے آرہا ہے۔ سیرت کی کتابوں میں ایک روایت یوں بیان کی جاتی ہے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فلر مکہ سے طائف کا سفر فرمایا۔ درمیان میں ایک راستہ ملا جو بظاہر تنگ اور دشوار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس راستہ کا نام کیا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ (الضیقہ) تنگ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں وہ آسان ہے۔ بل ھی الیسری۔ (۱۶) مذکورہ راستہ حقیقتاً تنگ تھا مگر اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آسان راستہ قرار دیا۔ اس طرح آپ نے تعلیم دی کہ زندگی ایک امتحان ہے۔ یہاں ضرور تنگی اور دشواری پیش آئے گی۔ تمہارا کام یہ نہیں کہ دشواری کو دشواری کہہ کر اپنے آپ کو بے حوصلہ کرلو۔ یا اس کے خلاف فریاد اور احتجاج کرنے لگو۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم تنگی کو کشادگی میں مبدل (convert) کرو۔ تم جنگ کے میدان میں نکل کر امن کے میدان میں پڑاؤ ڈالو۔ فریق آخر کی طرف سے ہر اشتعال ہر تخریب پر مشتعل ہونے کے بجائے صبر، حوصلہ، درگزر اور برداشت سے کام لے کر مشکل کو آسان بنایا جائے۔ تو ناچیز کے خیال میں "عدم برداشت" کے موجودہ قومی اور بین الاقوامی رجحان پر سنت رسول ﷺ کی روشنی میں فتح کرنا یقینی ہے۔ وما علینا الا البلاغ

حوالہ جات

۱،۲۔ ترمذی شریف جلد اول صفحہ ۵ (باب الطہارۃ)

۳۔ ترمذی جلد ثانی ص ۷۸، مشکوۃ شریف جلد اول ص ۲۹

۴۔ شمائل ترمذی شریف ص ۷۸

۵۔ تفسیر الہام الرحمٰن جلد ۴ صفحہ ۱۲۴

۶۔ مشکوۃ المصابیح جلد اول صفحہ ۳۰

۷۔ بخاری شریف باب اعتصام بالکتاب والسنہ

۸۔ بخاری شریف جلد دوئم کتاب الرقاق ص ۵۸

۹۔ بخاری جلد دوئم کتاب الاحکام ص ۱۰۵۸

۱۰۔ بخاری جلد ثانی صفحہ ۹۴۹ کتاب الرقاق

۱۱۔ مشکوۃ باب اخلاق وشمائل ص ۵۱۹۰ ترمذی ص ۱۵

۱۲۔ بخاری جلد اول ص ۷ مشکوۃ ص ۴۲۲

۱۳۔ بخاری کتاب الایمان مشکوۃ کتاب الادب

۱۴۔ ترمذی شریف ابواب الزھد جلد ثانی صفحہ ۶۲

۱۵۔ تجرید البخاری جلد دوئم صفحہ ۹۶۳ کتاب الرقاق

۱۶۔ سیرت ابن ہشام الجزء الرابع صفحہ ۱۲۷

عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

ڈاکٹر عبدالخالق خان، میرپور

فرد کے دائرے میں عدم برداشت کی واضح صورتیں کچھ یوں ہیں :

۱۔ زندگی کے حقائق سے فرار کا عملی مظاہرہ منشیات کے ذریعے دل و دماغ کو مفلوج اور ماؤف کرنے سے کیا جاتا ہے۔

۲۔ مسائل و مصائب برداشت کرنے کی بجائے خودکشی کا ارتکاب ہوتا ہے۔

۳۔ دوسروں کی کامیابی پر حسد کی آگ میں جلنا۔

مذہبی حوالے سے منفی رجحانات جب سماج کے دائرے تک پھیلتے ہیں تو ایک مذہبی فرقہ تشکیل ہوتا ہے جو دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے مذہبی پلیٹ فارم سے مدمقابل پر تابڑ توڑ حملے کرتا ہے۔ یوں فرقہ واریت کی وباء پھیل جاتی ہے۔ اقتدار کے طلب گار کو موجودہ سیاسی پارٹی میں اپنا مقصد پورا ہوتا نظر نہیں آتا تو وہ نئی سیاسی پارٹی تشکیل دے دیتا ہے یہ رجحان وسیع ہوتا ہے تو سیاسی پارٹیوں کے انبار لگ جاتے ہیں۔ معیشت کے میدان میں ایک صنعت کار دوسرے کو برداشت نہیں کرتا اور اجارہ داری قائم کرنا چاہتا ہے۔ ایسے ہی جاگیرداروں اور وڈیروں کا عدم برداشت کا رجحان ہے۔ یہ قومی رجحان کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔

بین الاقوامی سطح پر ایک قوم اور ایک ملک دوسرے ملک کو برداشت نہیں کرتا۔ توسیع پسندی، جارحیت اور بین الاقوامی قیادت کے لیے بڑی طاقتوں کی آویزش یہ بین الاقوامی دائرہ ہی عدم برداشت۔ منفی رجحانات ہیں عدم برداشت کے مسائل کا حل تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا ہے۔

فرد میں عدم برداشت کا رجحان

فرد میں عدم برداشت کا رجحان پیدا کرنے کا باعث نفس امارہ ہے جو اسے دوسروں کے مقابلے میں برتر بنے رہنے اور سب کا حاکم بننے کی انگیخت کرتا رہتا ہے۔ بلاشبہ یہ رجحان برائی کی جانب ترغیب کی بنیاد ہے۔ نفس امارہ کی اس

خصوصیت کا ذکر قرآن پاک میں یوں کیا گیا ہے!

وما ابرئُ نفسی ان النفس لأمارة بالسُّوء الاما رحم ربی ۔(۱)

اور میں اپنے نفس کو بری نہیں بتلاتا' نفس تو بری ہی بات بتلاتا ہے' بجز اس کے جس پر میرا رب رحم کرے۔

نفس امارہ کی عدم برداشت کی خصوصیت شیخ احمد سرہندیؒ کے حسب ذیل الفاظ میں واضح ہوتی ہے:

"انسان کا نفس امارہ جاہ و سرداری کی محبت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کا ارادہ ہمیشہ ہوتا ہے کہ اپنے اقران اور ہم عصر لوگوں پر فوقیت حاصل کرے۔ اور اس کی ذات کا تقاضا یہ ہے کہ ساری مخلوق اس کی محتاج ہو اور اس کے احکام کی اطاعت کرے۔ اور وہ خود کسی کا محتاج نہ ہو' اور نہ اس پر کوئی حکم چلائے۔(۲)

نفس امارہ کے اسی منفی رجحان کی وجہ سے اس سے عداوت رکھنے کا حکم حدیث قدسی میں دیا گیا ہے:

عاد نفسك فانها انتصبت بمعاداتی'(۳)

اپنے نفس سے عداوت رکھو' کیونکہ یہ میری دشمنی پر کمربستہ ہے۔

فرد میں عدم برداشت کا رجحان پروان چڑھنے کا ایک سبب اللہ تعالیٰ سے توجہ ہٹا کر مخلوق کی جانب مائل ہونا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں شیخ احمد سرہندی رقمطراز ہیں:

"یہ انسان اگر اپنا رخ کائنات کی طرف رکھے تو جتنا زیادہ اسے میلا کچیلا کہیں ٹھیک ہے۔ اور اگر اس کا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو پھر مصفیٰ اور نہایت پیش نما ہے۔ ان تعلقات کی میل کچیل سے مکمل آزادی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے"۔(۴)

نفس کو برگشتہ کر اس میں سرکشی اور تکبر والی خواہشات کے بارے میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

اس میں شک نہیں کہ تیرا نفس اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور ملک ہے۔ لیکن دنیا کی شہوات و لذت اور اسباب غرور و تکبر اسے راہ راست سے برگشتہ کیے ہوئے ہیں"۔(۵)

دوسرے مقام پر نفس کی شرارتوں کے بارے میں آپ لکھتے ہیں:

"پس نفس کا کام گستاخی و بے ادبی ہے اور مخلوقات کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا' نیز وہ اللہ کے دیئے ہوئے رزق پر کبھی مطمئن اور شکر گزار نہیں ہوتا اور ہمیشہ خواہشات کی کثرت سے انسان کو اضطراب میں مبتلا رکھتا ہے"(۶)

نفس انسان میں برداشت کی قوت سلب کرنے اس میں بغاوت کا رجحان اجاگر کرتا رہتا ہے نفس کے بارے میں داتا گنج بخشؒ نے مشائخ کے اقوال قلمبند کیے ہیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اشد الحجاب رؤية النفس و تدبيرها

بندے کے لیے سخت ترین حجاب نفس کو دیکھنا اور اس کی پیروی اختیار کرنا ہے

حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں:

النفس صفة لا تسكن الابالباطل

نفس کی صفت ہی یہ ہے کہ وہ باطل سے سکون پاتا ہے اور راہ حق وہ ہرگز بری نہیں پاتا

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں

اساس الكفر قيامت على امراد نفسك

کفر کی بنیاد تیرا اپنے نفس کی خواہش پر قائم رہنا ہے

حضرت سلیمان درائیؒ فرماتے ہیں

النفس خائنة بالامانة و مانعة من الرضاء و الفضل الاعمال خلافها

نفس امانت میں خیانت کرنے والا اور طلب رضائے الٰہی سے روکنے والا اور سب سے بہتر عمل نفس کی خلاف ورزی ہے۔

مشیت الٰہی اور زندگی کے حقائق سے برگشتہ کر کے فرد میں عدم برداشت کے رجحانات کو فروغ دینے والا عنصر خود انسان کے اندر پایا جاتا ہے جس معاشرے کے افراد کی اخلاقی و روحانی تربیت کا اہتمام نہ ہو اس کا مجموعی رجحان عدم برداشت اور احکامات الٰہی سے فرار ہی ہوگا۔

فرد میں عدم برداشت کے رجحانات کو فروغ دینے والے عناصر غضب کینہ اور حسد ہیں' غضب کے بارے میں استاد عبدالسلام ہارون لکھتے ہیں:

"بہر صورت غضب کی جگہ قلب ہے اور اس کے معنی ہیں بدلہ لینے کے لیے دل کے خون کا جوش مارنا۔(۸)

آپ لکھتے ہیں:

"..........اس سے معلوم ہوا کہ غصہ بھڑکانے والی یہ چیزیں ہیں' کبر و عجب' مزاح اور فضول ہنسی مخول کرنا' دوسرے کو بنانا' عیب لگانا' بات کاٹنا' ضد کرنا' فریب کرنا' اور حصول جاہ و مال میں کثرت سے حرص کرنا"۔

حسد کی برائی کے زیر عنوان موصوف رقمطراز ہیں :

"واضح ہو کہ حسد بھی کینہ کی شاخ ہے اور کینہ غصہ کا نتیجہ ہے تو حسد غصہ کی شاخ در شاخ ہوا۔ اور غصہ اصل اصول ٹھہرا' پھر حسد کی اتنی شاخیں ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا"۔(۱۰)

حدیث نبوی کی رو سے حسد بد ترین وصف ہے جو نیکیوں کو غارت کر دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے :

ایاکم والحسد فان الحسد یأ کل الحسنات کما تأ کل النار الحطب(۱۱)

دیکھو حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔

عدم برداشت کا رجحان قومی سطح پر

اسلامی مملکت میں افراد اور معاشرے رجحان کا اندازہ مساجد سے لگایا جا سکتا ہے یہ وہ مقامات ہیں جن سے مسلمانوں کے احوال اور حالات کا اظہار ہوتا ہے یہ انتہائی تاسف انگیز بات ہے کہ عالم اسلام میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص مساجد کا ماحول مبینہ طور پر عدم برداشت کا انتہائی منفی رجحان کا عکاس ہے۔ بہت پہلے علامہ مشرقی نے مساجد میں تفرقہ اور عدم برداشت کی جو تصویر پیش کی تھی اس کی ایک جھلک ان کے الفاظ میں بغرض ملاحظہ پیش ہے :

"وہ اعلان خدا کے نقار خانے آج باہمی رنج و حسد کے باعث خموشوں کے مقبرے بن گئے ! ہر مسجد دوسری مسجد کے مقابل صف آرا' اور ہر دل دوسرے دل سے جدا ہے ! فروعی اختلافات ہیں' عقائد کی ہولناک تفریق ہے' الفاظ اور بغاوت پر تفرقہ بندیاں ہیں' پیش امام کا جہل محیط ہے' بے حسی کی بیکاری اور نامرادی کا جمود ہے ! پھر پریشانی دل اور فکر معاش میں چند پے در پے سجدے ہیں' برسوں کی بھولی ہوئی یاد دہانیاں وسط نماز میں ہیں' پھر...... پھر منافقت کی رسمی علیک سلیک' یا دو ایک سطحی مصافحے ہیں پھر خانہ خدا سے نکل کر ان سجدوں کی رعونت اور عبادت کا غرور ہے !"

آپ نے عالم اسلام میں عدم برداشت اور افتراق و انتشار کا جائزہ پیش کرتے ہوئے "مساجد ضرار" کا نقشہ یوں پیش کیا ہے :

"آج عالم اسلام کے قریب قریب ہر قریے اور قصبے میں محلوں اور کوچوں کی اکثر مسجدیں صحیح معنوں میں "مساجد ضرار" ہیں۔ وہ سب کی سب دین اسلام کے اندر ہولناک تفرقے ڈال رہی ہیں۔ امت کی اجتماعی قوت کو منتشر کر رہی ہیں۔ ہر امام اپنی اپنی دکان سجائے سربازار بیٹھا

ہے۔ حتی الامکان اپنے حلقہ اثر کے مٹھی بھر افراد کو جمہور سے الگ رکھنے کی سعی میں منہمک ہے۔ جا بجا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدا مسجد کو سراہتا ہے۔ اپنے باسی ٹکڑوں اور ریزگی کو محفوظ رکھنے کی غرض سے شہر کے کسی بڑے سے بڑے پیش امام کا مقتدی اور مطیع بنا گوارا نہیں کرتا۔ راہنمایان امت اور پیش اماموں میں یہ اطاعت کا فقدان اور یہ عصیان امیر فی الحقیقت وہ ظلم عظیم ہے جس کا سم آلود اثر مقتدیوں کی رگ رگ میں اثر کر چکا ہے"۔(۱۲)

علامہ نے ساٹھ کی دہائی میں مسلمانوں کے عدم برداشت اور انتشار کا جو نقشہ پیش کیا تھا۔ بیسویں صدی کے اختتام پر یہ مسئلہ اس کی نسبت کہیں زیادہ گھمبیر ہو چکا ہے' مسلمانوں بیشمار فرقوں میں بٹ جانے کا ایسا منفی رجحان ہے جو اصلاح طلب ہے چونکہ افتراق و انتشار کی ایسی فضا ایک طرف تو مسلمانوں کو اغیار کے لیے تر نوالہ بناتی ہے اور دوسری طرف اسلام کی جو عملی تصویر دنیا کے سامنے آتی ہے وہ کافی بھیانک ہے۔ اس سے اسلام خود بدنام ہوتا ہے مسلمانوں کے اس عدم برداشت اور فرقہ بندی کا رونا علامہ اقبال نے بھی رویا تھا۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

(۱۳)

مساجد کے اندر نمازیوں کی قتل و غارت' یہ مذہبی دہشت گردی' علماء کا قتل اور جوابی قتل عدم برداشت کے وہ بیج ہیں جو مولویوں نے خود ہی بوئے ہیں اور آج خود ہی ان کے ترش میوے کھانے پر مجبور ہیں۔ یہ عدم برداشت کا بدترین رجحان ہے۔ جو تعلیمات نبوی ﷺ سے بالکل مخائر اور منشائے ایزدی کے برعکس ہے۔

بین الاقوامی عدم برداشت کا رجحان

عدم برداشت کے بین الاقوامی رجحان کی نمایاں صورت "نیو ورلڈ آرڈر" ہے ایک دوسرے کو برداشت کرنے والی "سرد جنگ" کے نتیجہ میں Polar نظام کی بجائے Uni polar نظام منظر عام پہ آیا۔ جس کی رو سے امریکہ کے لیے دیگر ممالک کے مفادات قابل برداشت نہیں ہیں۔ اس کے پیش نظر یہ ہے کہ ساری دنیا کو اسے سیاسی اور معاشی مفادات کے تابع بنا دیا جائے۔ تاکہ بلا شرکت غیرے دنیا پر حکمرانی کر سکے۔

عدم برداشت اور اپنی بالاتری کے لیے سرگرمی (Struggle for existance) کوئی نئی بات نہیں اس نوعیت کی منفی سرگرمیاں چھٹی صدی عیسوی میں اپنے عروج پر تھیں۔ انہی رجحانات کے سدباب کے لیے الہی انتظام (Divine arrangement) کے طور پر ایسے موقعہ پر انسانیت کے مصلح اعظم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے جب عدم برداشت اور قبائلی اور قومی آویزش کی صورتحال یہ تھی:

(خبردار! دور جاہلیت کا سارا نظام میں نے اپنے پاؤں تلے روند ڈالا۔ آج سے نظام جاہلیت کے سارے خون کالعدم قرار دیے جاتے ہیں۔ اور آج سے نظام جاہلیت کے سارے سودی لین دین بھی ختم کیے جاتے ہیں)۔

دور جاہلیت میں عدم برداشت کا یہ بدترین رجحان پایا جاتا تھا کہ الوہیت کے حقوق بھی انسانوں نے اپنی طرف منسوب کر دیے تھے۔ اس صورتحال کا نقشہ کھینچتے ہوئے جناب نعیم صدیقی رقمطراز ہیں:

"الوہیت کے یہ حقوق خدائے واحد سے الگ کر کے بہت سی انسانی طاقتوں نے پارہ پارہ کر کے بانٹ رکھے تھے۔ اور بے شمار الٰہ تمدن پر سوار تھے۔ انسان کا اپنا نفس اور اس کی خواہشیں' خاندان اور برادری کی رسمیں' نسلی' قومی اور قبیلوی وحدتوں کی روایات' جاگیردار اور پجاری طبقوں کی بالادستی' شاہی خاندانوں اور درباری اشراف کی کبر پسندی' یہ مختلف طبق بر طبق الوہیتیں تھیں۔ جن کے نیچے عام آدمی پس رہا تھا"(۱۴)

عدم برداشت کے اس رجحان کو ختم کرنے کے لیے آپ ﷺ نے لا الٰہ الا اللہ کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

كلمة واحدة تعطونيها تملكون بها العرب و تدين لكم بها العجم(۱۵)

بس وہ ایک کلمہ ہے..... اگر مجھ سے قبول کر لو تو اس کے ذریعے سارے عرب کو زیر نگیں کر لو گے اور سارا عجم تمہارے پیچھے چلے گا۔

خطہ عرب کے جنوب میں سلطنت حبش' مشرق میں سلطنت فارس اور شمال میں سلطنت روم کا تسلط تھا۔ ان سلطنتوں کے مابین عدم برداشت اور آویزش کی صورتحال تھی۔ اس منفی رجحان کے تادیر برقرار رہنے کی صلاحیت نہ تھی اس لیے دائرہ مکمل ہوتے ہی انسانیت کے اسی نقطہ پر مراجعت کا اعلان بزبان نبی ﷺ ان الفاظ میں ہوا:

ان الزمان قد استدار كهيئة يوم خلق الله السموت و الارض(۱۶)

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو جس حالت میں پیدا کیا تھا زمانہ اپنے حالات اور واقعات کا دائرہ مکمل کر کے دوبارہ اس مقام پر آ گیا ہے۔

معاشرتی اور معاشی پہلوؤں میں بھی مسابقت اور عدم برداشت کے استحصالی نظامات کا رجحان پایا جاتا تھا۔ اس رجحان کی بیخ کنی کا اعلان بزبان نبی ﷺ نے ان الفاظ میں کیا:

الا كل شی من امر الجاهليه تحت قدمی موضوع و ان كل دم كان فی الجاهلية موضوع(۱۷)

جاہلیت جدیدہ میں جس طرح اشیاء کی فروخت کے لیے گاہکوں کی تلاش اور منڈیوں پر قبضہ کی مسابقت

اور عدم برداشت کا رجحان پایا جاتا ہے ایسا ہی رجحان جاہلیت اولیٰ میں بھی پایا جاتا تھا۔ گھوڑا دوڑانے اور پانی پلانے کے معاملات میں مدمقابل کو برداشت نہ کرنے کا رجحان قبائلی جنگوں پر منتج ہوا کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے مال و جان کی حرمت کی تعلیم ان الفاظ میں دی :

یا ایھا الناس انّ دماء کم و اموالکم و اعراضکم حرام علیکم الی ان تلقوا ربکم کحرمتہ یومکم ھذا و کحرمتہ شھر کم ھذا فی بلد کم ھذا۔(۱۸)

اے بنی نوع انسان! بیشک تمہاری جانیں اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں قیامت تک ایک دوسرے پر حرام کر دی گئی ہیں۔ جس طرح آج کے دن کی حرمت اور اس مہینہ کی حرمت تمہارے اس شہر میں برقرار ہے۔

نبوی ﷺ فراست نے عدم برداشت اور باہم جدل و قتال کے رجحان کے دوبارہ لوٹ آنے کا احساس کرتے ہوئے تنبیہ فرمائی :

الا لا ترجوا بعدی ضلالا یضرب بعضکم رقاب بعض(۱۹)

خبردار! تم میرے بعد پلٹ کر گمراہ نہ ہو جانا' یوں کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگ جاؤ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طبقاتی اور معاشرتی عدم برداشت اور کشمکش کے سدباب کے لیے نوع انسانیت کو جامع تعلیم دیتے ہوئے فرمایا :

الناس من آدم (کلکم من بنی آدم) و آدم من تراب الا کل ماثرۃ او دم او مال بدعی بہ فھو تحت قدمی ھاتین...... ایھاالناس ان ربکم واحد و اباکم واحد ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم فلیس لعربی علی عجمی فضل ولا لعجمی علی عربی ولا لاسود علی ابیض ولا لابیض علی اسود فضل الا بالتقویٰ۔(۲۰)

تمام بنی نوع انسان' آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔ اب فضیلت و برتری کے سارے (جھوٹے) دعوے' جان و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔.......... اے لوگو! تم سب کا رب ایک ہے' اور باپ بھی ایک ہے۔ مگر تم میں بزرگ و برتر وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی برتری نہیں اور نہ ہی کسی کالے کو گورے پر اور کسی گورے کو کالے پر برتری حاصل ہے۔ ساری برتریاں کردار و عمل پر مبنی ہیں۔

دولت مند طبقات (Haves) میں محروم طبقات (Haves not) کے لیے عدم برداشت کا ان پر برتری رکھنے کا جو رجحان پایا جاتا تھا۔ اس کی بنیاد سود ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رجحان کے انسداد کے

یہ ان الفاظ میں تعلیم دی۔

ان کل ربا موضوع و لکن لکم روس اموالکم لا تظلمون و لا تظلمون قضی اللہ لا ربا(۲۱)

بے شک آج سے ہر قسم کا سود منسوخ کیا جاتا ہے۔ تم راس المال کے سوا نہ کچھ لے سکتے ہو اور نہ کچھ لے تے ہو۔ نہ تم سودی لین دین کی صورت میں ایک دوسرے پر ظلم کرو اور نہ قیامت میں تم پر ظلم کیا جائے گا یہ فیصلہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ سود ممنوع ہے۔

طاقتور اقوام کمزور قوموں کو متمول طبقات زیردست طبقات کو برداشت نہیں کرتے۔ یہ رجحان اب بھی جاتا ہے تب بھی پایا جاتا تھا۔ اس کے بارے میں آپ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

ارقائکم اطعموھم مما تاکلون واکسوھم مما تلبسون(۲۲)

لوگو! زیردست افراد کا خیال رکھنا۔ زیردستوں کا خیال رکھنا۔ انہیں وہی کچھ کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ اور ہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔

نبی تعلیمات کے زیر اثر صدیوں تک مسلمانوں نے عرب و عجم میں عدم برداشت کا منفی رجحان پروان میں چڑھنے دیا۔ امن و آشتی اور عدل و مساوات کی فضا قائم کرنے کی سعی کی جاتی رہی۔ لیکن جب امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ مسلمان نبوی ﷺ تعلیمات بھول گئے جس کے نتیجہ میں ایک طرف انہیں زبردست پسپائی ہوئی وسری طرف عالمی اقتدار ان طاقتوں کے پاس چلا گیا جو اخلاقی و روحانی اقدار سے عاری تھیں۔ ان کے نزدیک جو طاقتور ہے وہی حقدار ہے۔ یعنی جینے کا حق اسے ہی حاصل ہے (Survival of the fittest) اس نقطہ نظر (Doctrine) کے تحت مغربی اقوام میدان مسابقت میں عدم برداشت کے کیل کانٹے سے لیس ہو کر اترتی رہیں' س رجحان کا عملی مظاہرہ بڑی بڑی حسب ذیل جنگوں کی صورت میں ہوا۔

The war of spanish succession

The war of Austrian Succession

The war of American independence crimean war

قوموں کا ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنے کا رجحان جنگ و جدل کے لامتناہی سلسلے کے طور پر طویل عرصہ تک یورپ اور امریکہ پر سایہ فگن رہا۔ اس سلسلہ کی کڑی تیس سالوں کے اندر دو عالمی جنگیں لڑی گئیں۔ جن میں جرمنوں کا نعرہ یہ تھا "We want a place in the Sun" جبکہ امریکہ' برطانیہ اور فرانس بھی منڈیوں پر بہر صورت قابض رہنا چاہتے تھے۔ مذکورہ جنگیں کروڑوں انسانوں کی جانیں تلف کر کے اختتام پذیر ہوئیں ایک طرف امپریلزم (Imperialism) کے پلیٹ فارم پر سیٹو' نیٹو اور سنٹو اور دوسری جانب کمیونزم (-Commun

ism) کے پلیٹ فارم پروار ساپکٹ عدم برداشت کے نئے رجحانات منظم انداز میں سامنے آئے۔ چالیس سال تک دو قطبی نظام (B1 polar System) عدم برداشت کے تکلیف دہ رجحان کے تحت سرد جنگ میں مصروف رہے تا آنکہ ۱۹۸۸ء میں جنیوا معاہدے کے نتیجے میں روس نے امریکہ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے اور امریکہ واحد سپرپاور کے طور پر ابھر کر سامنے آیا۔ اب بین الاقوامی صورتحال یہ ہے کہ واحد سپرپاور کے طور پر امریکہ میں دوسری اقوام کو برداشت نہ کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ ایران، عراق، مشرق وسطی پاکستان اور دیگر ممالک کو سیاسی اقتصادی، عسکری اور ثقافتی پہلوؤں میں خود مختار رہ کر اپنا تشخص برقرار رکھنا کار داد ہے۔ آگے بڑھنے سے قبل اس موقعہ پر اس نکتہ کی نشاندہی معلوم ہوتی ہے کہ اقوام عالم کی باہمی آویزش اور عدم برداشت کے رجحانات مبینہ طور پر ان تعلیمات سے مغائر ہیں جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی انسان کے لیے ورثے کے طور پر امت مسلم کو عطا فرمائی تھیں آپ ﷺ کے الفاظ ترکت فیکم امرین کتاب اللہ و سنتی طرفہ تماشہ یہ ہے کہ جن ورثاء (علماء) کو نوع انسانیت کی راہنمائی کے لیے یہ ترکہ عطا فرمایا گیا تھا وہ خود فرقہ بندی کی صورت میں ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنے کے عارضہ میں مبتلا ہو کر دعوت و تبلیغ کے فریضہ کی انجام دہی سے معذور ہو گئے۔ اس بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ عالم انسانیت تک نبوی تعلیمات نہ پہنچانے کی کوتاہی کی وجہ سے علماء امت پر ان تمام منفی رجحانات کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو عدم برداشت کی بناء پر اقوام عالم میں پروان چڑھتے ہیں۔

تعلیمات نبوی بلا کم و کاست اقوام عالم کو پہنچا کر ہی قرآن کی صداقت اور نبی پاک ﷺ کی عظمت ثابت ہو سکتی ہے۔ علمائے امت کی اس کوتاہی پر تنقید کرتے ہوئے علامہ عنایت اللہ مشرقی ان الفاظ میں احساس دلاتے ہیں:

"............بلکہ وہ خلاق ارض و سما کی طرف سے صرف عرب نہیں بلکہ پوری نوع انسان کو اپنی لپیٹ میں لینے کی ایک تحریک تھی تاکہ اس پوری نوع سے خدا مقصود پیدائش کائنات تک پہنچنے کا کام لے۔ جب تک دو اور چار کی طرح رسول صلعم کے لائے ہوئے پیغام یعنی قرآن کو اس کے اصلی رنگ میں لا کر .... نہ کر دیا جائے نہ رسول ﷺ کو سچا نبی ثابت کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی قرآن کے خدا کا پیغام ہونے کے بارے میں کوئی قطعی یقین پیدا ہو سکتا ہے۔ (۲۳) عدم برداشت اور اقوام عالم کی باہمی آویزش کا سبب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل شدہ الٰہی تعلیمات جو دین فطرت کی جانب راہنمائی کرتی ہیں اور اگر پورے اہتمام کے ساتھ انسانیت تک پہنچا دی جائیں تو اس پلیٹ فارم پر عالم اتحاد قائم ہو سکتا ہے۔ علامہ مشرقی فکر انگیز بات کہتے ہیں:

"مذہب (اسلام) نہ صرف دین فطرت ہے اور اس کے سوا کسی دوسرے لائحہ عمل کو اختیار کرنا انسان کی ہلاکت کا باعث ہوگا"۔ (۲۴)

آگے چل کر علامہ لکھتے ہیں:

"............ قرآن کا تعلق تمام کائنات' تمام ہی نوع انسان 'اور عالم آراء حقائق سے ہے کسی خاص گروہ یا جغرافیائی حدود یا وقتی ومقامی موضوعات سے ہرگز نہیں ہی امور بذات خود اس یقین کے موئد ہیں کہ قرآن کو دنیا کے سامنے پیش کرنے والا شخص کسی انتہائی مقصد کو لے کر آیا تھا"(۲۵)

آپ لکھتے ہیں :

"قرآن کی تعلیم آج چودہ سو برس گزر جانے کے باوجود اس قدر حیران کن طور پر بلند وبالا ہے کہ اس وقت دنیا کی بلند ترین اور مہذب ترین قوم کے سائنس دانوں کی نگاہیں بھی اس تعلیم کے پاسنگ تک اب تک نہیں پہنچ سکیں اور قومیں اب تک باہمی جنگ وجدال اور خسیس ترین مقاصد کے جنگل میں کسی باخبر انسان کی راہنمائی نہ ہونے کے باعث بری طرح گرفتار ہیں"۔(۲۶)

پیش گوئی

روس اور امریکہ کی باہم آویزش اور روحانی متحرک کے فقدان کے تناظر میں علامہ مشرقی نے ان دونوں کے زوال کی پیش گوئی کرتے ہوئے مسلمانوں کو نعم البدل کے طور پر عالمی کردار ادا کرنے کی انگخت کرتے ہوئے احساس دلایا ہے :

"............ چونکہ ان دونوں قوموں کے افراد میں صحیفہ فطرت سے شغف کا کوئی روحانی یا نفسیاتی متحرک موجود نہیں ہے اور دونوں کے سامنے کائنات کی پیدائش کا کوئی مقصد اس لیے موجود نہیں ہے کہ ان کا لگاؤ فاطر السموات والارض سے نہیں اس لیے یقینی امر ہے کہ اس ٹکراؤ سے دونوں ہلاک ہو جائیں وہ وقت دین اسلام کے لیے پھر ایک عظیم الشان عروج ہوگا بشرطیکہ مسلمانوں نے خدا اور قرآن سے وہی لگاؤ پیدا کر لیا جو قرن اول میں تھا۔ اور عالمی غلبے کے لیے ایک دفعہ پھر ہر مسلمان اپنی پوری جان اور پورا مال لے کر اسی طرح حاضر ہو گیا جس طرح کہ رسول خدا صلعم نے اپنی زندگی میں کر دکھایا تھا۔ دین اسلام کو پھر زندہ کرنے کا وہ نادر موقع ہے جو ہی نوع انسان کو اب تک میسر نہ ہوا تھا اور لازم ہے کہ اس کی تیاری مسلمان ابھی سے کر لیں"۔(۲۷)

علامہ مرحوم کی دور اندیشی کو داد دینی پڑتی ہے کہ دونوں عالمی طاقتوں کی ہلاکت کے بارے میں لگ بھگ چالیس برس پہلے جو اندازہ لگایا تھا وہ جزوی طور پر درست ثابت ہو گیا ہے اور قرائن بتاتے ہیں کہ یہ مکمل درست

ثابت ہوگا۔ مسلمانوں کے لیے آپ نے جو وصیت کی ہے آج اس پر عمل پیرا ہونے کا وقت آن پہنچا ہے۔

تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عدم برداشت کے رجحانات کے سدباب کے لیے سیرت طیبہ میں صحیح حل موجود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت کے زیر اثر افراد کے مابین منافرت کی بجائے اخوت پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے نعمت قرار دیتے ہوئے فرمایا:

واذکروا نعمة اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا (۲۸)

اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر کے تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت دی تمہارے دلوں میں اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

و الف بین قلوبھم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم عزیز حکیم (۲۹)

اور الفت ڈالی ان کے دلوں میں اگر آپ خرچ کر دیتے جو کچھ زمین میں ہے سب نہ الفت ڈال سکتے ان کے دلوں میں لیکن اللہ نے الفت ڈالی ان میں بے شک وہ زور آور ہے حکمت والا۔

خوف وگھبراہٹ اور مصائب و شدائد کے موقع پر دل و دماغ کو منفی اثرات سے محفوظ رکھتے ہوئے استقلال کا مظاہرہ کرنا اخلاقی بلندی اور استحکام کی بناء پر ہی ممکن ہے۔ تعلیمات نبوی میں اس اخلاقی بلندی کا بطریق احسن اہتمام موجود ہے انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے نامساعدت اور مصائب کو برداشت کرنے کی صلاحیت ودیعت رکھی ہے۔ اسی صلاحیت کو بروئے کار لانے کے لیے زبان نبوی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا حکم یوں بیان فرمایا:۔

واصبر علی ما اصابك ان ذلك من عزم الامور (۳۰)

اور جو مصیبت آپ کو پیش آئے اسے برداشت کرو یہ بڑے عزم کی بات ہے۔

نامساعدت اور ناموافقت میں اپنے آپ کو قابو میں رکھنا اور ایسی صورتحال کو برداشت کرنا اس لحاظ سے بڑی عنایت خداوندی ہے کہ اس بناء پر انسان کو اللہ تعالیٰ کی معیت کا اعزاز حاصل ہوتا ہے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔

ان اللہ مع الصابرین (۳۱)

بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

دوسری کی جانب سے پہنچائی گئی اذیت پر جذبات کا اشتعال اور آپے سے باہر ہونا عین ممکن ہے۔ یہ صورتحال بہت ہی ناقابل برداشت ہوتی ہے کہ مدمقابل کی گالی سن کر صبر کیا جائے یا طاقت رکھتے ہوئے اپنا

جواب پتھر سے نہ دیا جائے۔ اسی عدم برداشت کا مظاہرہ روزانہ ہوتا ہے اور گالی کا جواب گولی سے اور ایک قتل کے بدلے کئی قتل اکثر ہوتے ہیں۔ اس خونی دھارے کو روکنے کا انتہائی نبوی تعلیمات میں موجود ہے۔ آپ ﷺ نے وحی کے الفاظ یوں بیان فرمائے!

والکاظمین الغیظ و العافین عن الناس (۳۲)

اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کر لیتے ہیں لوگوں کو۔

مکہ کے جن لوگوں نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔ اور آپ ﷺ کے جملہ ساتھیوں کا عرصہ حیات تنگ کر کے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا ایسے ظالموں کا ظلم برداشت کرتے ہوئے انہیں معاف کر دینا بے شک رحمت للعالمین ﷺ کا ظرف ہی ہو سکتا ہے لیکن اس میں انسانیت کے لیے برداشت کا نمونہ بھی موجود ہے آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر اپنے مخالفین اور ظلم کے پہاڑ توڑنے والوں کو ان الفاظ سے معافی کا مژدہ سنایا!

لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم و ھو ارحم الراحمین (۳۳)

کچھ الزام نہیں تم پر آج بخشے اللہ تم کو اور وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان۔

عدم برداشت کا حل 'تعلیمات نبوی ﷺ میں

عدم برداشت کا انفرادی' قومی اور بین الاقوامی مسئلہ اس کا متقاضی ہے کہ اس کا حقیقی حل تلاش کیا جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان کے جملہ مسائل کا حل تعلیمات نبوی ﷺ میں ہی مضمر ہے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے لیے نمونہ ہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ و الیوم الاخر (۳۴)

در حقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے۔ ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور آخرت کا امیدوار ہو۔

اس حکم خداوندی کی تعمیل میں ہمیں زیر بحث معاملہ کے بارے میں اسوہ حسنہ کی جانب رجوع کرنا ہوگا۔

سفر طائف میں اوباشوں نے آپ ﷺ کو شدید جسمانی اذیت پہنچائی اسے آپ ﷺ نے جس صبر و تحمل سے برداشت کیا اس کی مثال ناممکن ہے۔ آپ ﷺ نے اس موقعہ پر اللہ سے رجوع کرتے ہوئے دعا فرمائی:

"اللھم الیك اشکو ضعف قوتی و قلۃ حیلتی و ھوانی علی الناس یا ارحم الرحمن انت رب المستضعفین و انت ربی الی من تکلنی الی بعدی یتجھمنی؟......"

الٰہی! اپنی کمزوری' بے سروسامانی' اور لوگوں کی تحقیر کی بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں تو سب رحم

کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ درماندہ اور عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے مجھے کس کے سپرد کر رہا ہے؟......

روایات کے مطابق اس موقعہ پر جبرائیل امین آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تھے اور دیگر فرشتے بھی جنہوں نے پیشکش کی تھی کہ اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو پہاڑوں کو ان اوباشوں پر گرا دیں۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ان کی نسل سے کوئی مسلمان لا سکتا ہے یہ صبر و تحمل اور برداشت کا ایسا نمونہ ہے جسے سامنے رکھ کر مبلغین۔

صبر

نفسِ انسانی کا رجحان اس جانب ہوتا ہے جو اس کے لیے حقیقتاً نقصان دہ ہوتا ہے لیکن اس کے لیے ایسے امور میں ترغیب کے لوازمات موجود ہوتے ہیں۔ انسان کے لیے ان سے بچنا اور الگ رہنا قابل برداشت ہوتا ہے۔ ان سے روکنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احکامات خداوندی سے انسانیت کو آگاہ کیا چند ہدایات درج ذیل ہیں:

واصبر لحکم ربك فانك باعيننا (۳۵)

اے رسول تو اپنے پروردگار کے فیصلہ کا ثابت قدمی کے ساتھ منتظر رہ۔ کیونکہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

الصابرين فی الباساء و الضراء و حين البأس اولئك الذين صدقوا و اولئك هم المتقون(۳۶)

واستعينوا بالصبر والصلوة(۳۷)

صبر اور دعا سے مدد حاصل کرو۔

عفو

عفو ودرگزر کے بارے میں حکم خداوندی ہے

ادفع بالتی هی احسن السئية نحن اعلم بما يصفون(۳۸)

ارشاد نبوی ہے۔

وما زاد الله رجلا يعفوا الا اعزا (۳۹)

اللہ تعالیٰ عفو و درگزر کرنے والے کی عزت میں اضافہ کرتا ہے۔

بھائی چارہ

انسان میں برداشت کا مادہ اور اطمینان پیدا کرنے کا باعث ذکر الٰہی بھی ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے :

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب(۴۰)

خوب سن لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو ہی جاتا ہے۔

حسب ذیل ارشادات نبوی ﷺ باہم محبت اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی متقاضی ہیں۔

لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ(۴۱)

تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ(۴۲)

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

المؤمن اخو المؤمن کالجسد الواحد ان اشتکی شیئاً وجد الم ذلك فی سائر جسدہ(۴۳)

ہر مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے۔ جیسے ایک جسم۔ اگر کوئی حصہ بھی تکلیف میں مبتلا ہو تو وہ اپنے سارے جسم میں تکلیف محسوس کرے گا۔

عالمگیر امت کے لیے اصول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور دعوت میں نوع انسانیت کے لیے برداشت 'اخوت اور امت واحدہ کے لیے ترغیب پائی جاتی ہے۔ جناب ایس۔ ایم شاہد رقمطراز ہیں :

> اولین چیز جو ہمیں آپ ﷺ کی دعوت میں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ رنگ و نسل اور زبان و وطن کے سارے امتیازات کو نظر انداز کر کے انسان کو بحیثیت انسان مخاطب کرتے ہیں۔ اور چند اصول پیش کرتے ہیں جو تمام انسانوں کی بھلائی کے لیے ہیں۔ ان اصولوں کو جو بھی مان لے وہ مسلمان ہے اور ایک عالمگیر امت مسلمہ کا فرد ہے۔ خواہ وہ کالا ہو یا گورا 'مشرق کا رہنے والا ہو یا مغرب کا 'عربی ہو یا عجمی" .... "کوئی چھوت چھات 'کوئی اونچ نیچ 'کوئی نسلی یا طبقاتی امتیاز 'کوئی لسانی یا قومی یا جغرافیائی افتراق جو عقیدے کی وحدت قائم ہو جانے کے بعد ایک انسان کو دوسرے انسان سے جدا کرتا ہے 'اس امت میں نہیں ہے"(۴۴)

منشائے خداوندگی یہ ہے کہ رواداری کا وہ سلیقہ اختیار کریں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عطا کیا ہے چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہا کم عنہ فانتھوا (۴۵)

اور جو دیں تمہیں رسول ﷺ سو لے لو اور جس سے منع کریں اسے چھوڑ دو۔

مراجع

۱۔ یوسف: ۵۳

۲۔ مکتوبات امام ربانی: شیخ احمد سرہندی' مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی حصہ اول' دفتر اول' ۱۹۷۶' ص ۱۸۷

۳۔ حدیث قدسی (جناب مجدد نے مکتوب مذکور میں اس کا حوالہ دیا ہے)

۴۔ مکتوبات امام ربانی' محولہ بالا' ص ۳۴۷

۵۔ فتوح الغیب: حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ادارہ اسلامیات لاہور' ۱۹۸۱ء ص ۳۵

۶۔ ایضاً' ص ۱۱۳

۷۔ کشف المحجوب: سید علی ہجویری' داتا گنج بخشؒ نوری بک ڈپو لاہور ۱۳۹۷' ص ۲۷۰

۸۔ تہذیب احیاء العلوم: استاد عبدالسلام ہارون' شیخ غلام علی اینڈ سنز س ن' ص ۳۱۹

۹۔ ایضاً' ص ۳۲۰

۱۰۔ ایضاً' ص ۳۲۶

۱۱۔ صحیح بخاری شریف

۱۲۔ الصلوۃ اور اس کے تقاضے: مرتبہ خاکسار' عبدالحمید اصر' حوالہ تذکرہ علامہ مشرقی' ج ۱' ص ۲۵۶' الفیصل ناشران و تاجران لاہور' ۱۹۹۴' ص ۴۲

۱۳۔ جواب شکوہ: علامہ ڈاکٹر محمد اقبال

۱۴۔ محسن انسانیت: نعیم احمد صدیقی' اسلامک پبلیکیشنز لاہور' ۱۹۸۲ء' ص............۳

۱۵۔ سیرت ابن ہشام' ج ۳' ص ۲۷

۱۶۔ سیرت ابن ہشام' ج ۲' ص ۶۰۴

۱۷۔ خطبہ حجۃ الوداع

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ تکملہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم : علامہ عنایت اللہ خان المشرقی' التذکرہ پبلی کیشنز' لاہور' س ن' ص ۳۰۔

۲۴۔ ایضاً' ص ۵۵

۲۵۔ ایضاً' ص ۷۳

۲۶۔ ایضاً' ص ۷۳

۲۷۔ ایضاً' ص ۴۹

۲۸۔ آل عمران : ۱۰۳

۲۹۔ انفال : ۶۳

۳۰۔ لقمان : ۱۷

۳۱۔ البقرۃ : ۱۵۳

۳۲۔ آل عمران : ۱۳۴

۳۳۔ یوسف : ۹۲' حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو جن الفاظ میں معاف فرمایا تھا وہی الفاظ آپ ﷺ نے دہرائے۔

۳۴۔ احزاب : ۲۱

۳۵۔ طور : ۴۸

۳۶۔ البقرۃ : ۱۷۷

۳۷۔ البقرۃ : ۱۵۳

۳۸۔ مومنون : ۹۶

۳۹۔ صحیح بخاری شریف

۴۰۔ رعد: ۲۸

۴۱۔ بخاری' ترمذی' نسائی

۴۲۔ صحیحین

۴۳۔ مسلم' ترمذی

۴۴۔ مذاہب عالم: ایس۔ایم شاہد' نیو بک پیلس لاہور' س ن' ص ۸۱۳

۴۵۔ حشر: ۷

عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

پروفیسر ایم نذیر احمد تشنہ

قومی و بین الاقوامی عدم برداشت کے رجحان کا جائزہ لینے کے لیے اس کے پس منظر میں کارفرما عوامل کا بغور مطالعہ ضروری ہے جن کی وجہ سے اقوام عالم کے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور نرمی' محبت و مودت کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے تصور قومیت میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ مختلف جغرافی خطوں میں نسل اور زبان کے تعلق سے الگ الگ قومیں معرض وجود میں آتی ہیں۔ ان میں سے ہر قومیت کے افراد کے باہمی مفادات ممکن ہے کہ ہم آہنگ ہوں لیکن حقیقت ی ہے کہ مختلف قومیتوں میں ہم آہنگی کی جائے تضاد پایا جاتا ہے۔ پھر یہ تضاد ان کو باہمی مسابقت مقابلہ اور بالآخر مقاتلہ تک لے جاتا ہے۔ خلافت عثمانیہ سے دنیائے عرب کا امریکہ' فرانس اور برطانیہ کا آلہ کار بن کر الگ ہونا اور پھر ۱۹۲۴ء میں مصطفیٰ کمال اتاترک کا خلافت کو ختم کر کے قومیت کے نام پر ترکی کو ترقی دینا اس کی ایک مثال ہے۔

برعظیم میں تحریک پاکستان کی بنیاد دو قومی نظریہ بنا۔ مسلمانوں نے "قومیں اوطان سے بنتی ہیں" کو ٹھکرا کر قومیں نظریئے سے بنتی ہیں' کو اساس بنایا اور پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے لیکن ۱۹۷۱ء میں خطے' نسل اور زبان کے تعصب نے جوش مارا۔ اسی طرح مشرقی پاکستان کے عوام عدم برداشت کے رجحان کی زد میں آگئے اور یوں کرۂ ارض کی سب سے بڑی اسلامی مملکت دولخت ہو گئی۔

نظریہ وطن میں نسل اور زبان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ایران' عراق اور ترکی میں ۷۴۶۰۰ مربع میل میں ۹ لاکھ کرد آباد ہیں۔ تینوں ممالک کردوں کو ان کا جائز مقام دینے سے گریزاں ہیں اور کرد مسلم ممالک کے مسلمان شہری ہونے کے باوجود نسل کے نام پر اپنے الگ تشخص کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ حال ہی میں ترکی حکومت نے کرد رہنما عبداللہ اوجلان کو گرفتار کر کے بغاوت کا مقدمہ قائم کر دیا ہے۔

نسل پرستی یوگوسلاویہ میں بھی رنگ لائی۔ ۱۹۹۱ء میں چھ کی وحدت سے تین ریاستیں الگ ہو گئیں۔

۱۹۹۲ء میں بوسنیا کی پارلیمنٹ نے بھی خود مختاری اختیار کرلی اور اقوام متحدہ کا ممبر بن گیا۔ یوگو سلاویہ اور سربیا بوسنیائی مسلم ریاست کو پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے سربوں کی پشت پناہی کر کے البانوی نژاد مسلمانوں کا قتل عام شروع کرادیا۔ بوسنیا میں خون ریزی‘ عصمت دری اور گینگ ریپ کا بازار گرم ہو گیا اور تین لاکھ البانوی نژاد مسلمان گھربار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ بین الاقوامی طور پر کوششیں ہو رہی ہیں کہ بوسنیا کے مسلمانوں اور سربوں میں امن کا معاہدہ طے پا جائے۔

سائپرس بھی نسل پرستی کا شکار ہو کر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ شمالی حصے میں ۷۲ فیصد یونانی اور ۱۸ فیصد ترک‘ جب کہ جنوبی حصے میں ۹۹ فیصد ترک اور ایک فیصد یونانی تھے۔

نسلی تعصب امریکی معاشرت کی پیشانی کا بدنما داغ ہے۔ امریکہ میں سیاہ فاموں کو ذلیل و رسوا کرنا امریکی تہذیب کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ امریکہ میں سیاہ فاموں کو سفید فاموں کے ہم پلہ بننے کے لیے آگ و خون کے دریا سے گزرنا پڑا ہے۔ مغربی ممالک فراخ دلی کے دعوؤں کے باوجود بھی نسلی تعصب سے جان نہیں چھڑا سکے۔ حال ہی میں ڈیلی ٹیلی گراف نے جائزہ رپورٹ تیار کی ہے جس میں ۸۰ فیصد برطانوی باشندوں نے رائے دی تھی کہ ”نسل پرستی“ آج بھی ختم نہیں ہوئی۔ امریکی صدر ابراہم لنکن نے غلامی کو ختم کرنے کا حکم دیا تھا جس کے نتیجے میں ہولناک لڑائیوں کا سلسلہ چل نکلا اور لاکھوں امریکی دونوں طرف سے لقمہ اجل بنے‘ حتیٰ کہ ابرہام لنکن خود بھی قتل ہو گیا۔

روس نے افغانستان کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنایا مگر یہ اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔ آخر اسے جنیوا معاہدے ۱۴ اپریل ۱۹۸۸ء کو افغانستان خالی کرنا پڑا۔ افغانستان کی جنگ میں روس کا اندرونی توازن اس حد تک بگڑ گیا کہ وہ اپنی وحدت کو قائم نہ رکھ سکا۔ مجاہدین ۸۰ فیصد علاقے پر قابض تھے مگر اقتدار جنرل نجیب اللہ کو ملا۔ اس سے افغانستان خانہ جنگی کی لپیٹ میں آگیا اور آج تک حالت جنگ میں ہے۔

بڑی طاقتوں کی چال بازی بھی کمزور ملکوں کو اپنا آلہ کار بنائے رکھتی ہے۔ اس کی ایک مثال دنیائے عرب میں اسرائیل کی حکومت کا قیام ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں یہودیوں نے اپنی مالی اور فوجی امداد سے اتحادیوں کو اپنا ہمنوا بنالیا جس کے نتیجے میں ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو امریکہ اور برطانیہ کی ملی بھگت سے اسرائیلی حکومت قائم کر دی گئی۔ عربوں نے اس شجرہ خبیثہ کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے ۱۹۴۸ء‘ ۱۹۵۶ء‘ ۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۳ء کی جنگیں لڑیں مگر وہ اس کا قلع قمع نہ کر سکے اور خود انتشار کا شکار ہو کر رہ گئے۔

برطانیہ نے ۱۹۴۷ء میں برعظیم کو ۳ جون ۱۹۴۷ء کے منصوبے کے تحت دو مملکتوں میں تقسیم کیا مگر ریاست جموں و کشمیر کا بھارت سے الحاق کر کے اور پنجاب کی غیر منصفانہ تقسیم کر کے دو ملکوں کو الجھا دیا۔ بھارت بڑی طاقت ہونے کی وجہ سے پاکستان کے وجود کو تسلیم کرنے سے ہمیشہ گریزاں رہا ہے۔ اسنے دو قومی نظریے کو باطل

قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ پہلے اس کا خیال تھا کہ پاکستان معاشی طور پر نڈھال ہو کر اکھنڈ بھارت بننے کی خود درخواست کرے گا۔ اس کی یہ آرزو بر نہ آئی تو وہ کنفڈریشن کے ذریعے نظریہ پاکستان کو غلط ثابت کرنے کی کوشش میں ہے۔ بھارت ریاست جموں و کشمیر سے استصواب رائے کا سلامتی کونسل میں وعدہ کرنے کے بعد وعدہ خلافی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اس طرح پاکستان اور بھارت کے درمیان ۱۹۴۸ء ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگیں ہو چکی ہیں۔ ۱۹۹۰ء سے مجاہدین آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ بھارت کی سات لاکھ فوج ریاست جموں و کشمیر میں برسرپیکار ہے جس کے نتیجے میں ہزاروں کشمیری جام شہادت نوش کر چکے ہیں' ہزاروں عورتیں اپنی عصمت کی بھینٹ چڑھا چکی ہیں اور ہزاروں بچے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر چکے ہیں۔ شہداء نے اپنے خون سے آزادی کے جو دیپ روشن کیے ہیں' ان کی روشنی سے ہی ظلمت کی تاریکی چھٹے گی۔

بعض ممالک بڑی طاقتوں کا آلہ کار بن کر دوسرے ملکوں کی آزادی کو نشانہ بناتے ہیں۔ اسرائیل مشرقِ وسطیٰ میں بڑی طاقتوں کا پروردہ اور منظور نظر ہے۔ اس نے کئی بار عرب ممالک کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنایا۔ اردن اور لبنان تو نصف صدی سے اس کی بربریت اور ظلم کا تختہ مشق بن رہے ہیں۔

بڑی طاقتیں بے تحاشا جنگی سازو سامان تیار کرتی ہیں۔ انھیں اسلحہ' بارود اور مہلک ہتھیار فروخت کرنے کے لیے منڈیوں کی تلاش ہوتی ہے۔ اس لیے وہ ہمسایہ ملکوں کو لڑانے اور ان کو ہتھیار فروخت کر کے دولت ہتھیانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ ایسی ہی ایک مثال عراق ایران جنگ کی ہے۔ ایران میں ۱۹۷۹ء میں مذہبی انقلاب آیا۔ امریکہ کو خطرہ تھا کہ اگر اسلامی ملکوں نے انقلاب کی پشت پناہی کی تو اسلامی قیادت ایران کے بنیاد پرست حاصل کر لیں گے۔ عراق ان دنوں تیل کی دولت سے اسلحہ سازی کے ارتقائی مراحل طے کر کے ایٹم بم تک پہنچنے کی صلاحیت حاصل کر رہا تھا۔ چنانچہ امریکہ نے عراق کی قیادت کو شیشے میں اتار کر ایران پر حملے کی راہ دکھائی۔ عراق نے امریکہ کے حلقہ فریب میں گرفتار ہو کر ایران پر حملہ کر دیا اور ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۸ء تک دونوں ملک بے فائدہ جنگ لڑتے رہے دنیائے اسلام کو اس جنگ سے دو نقصان ہوئے۔ ایک طرف ایران کی انقلاب کے بعد ترقی کی رفتار سست پڑ گئی اور دوسری طرف عراق سے مسلمان ممالک بدظن ہو گئے اور اس کی ایٹمی طاقت بننے کی صلاحیت بھی دب کر رہ گئی۔

بڑی طاقتیں مشرق وسطیٰ سے تیل کی دولت ہتھیانے کی فکر میں تھیں۔ ایک بار پھر عراق امریکہ کے دام فریب میں آ گیا اور وہ کویت پر حملہ کر بیٹھا۔ اس آڑ میں امریکہ نے عراق پر ایک کاری ضرب لگائی اور سعودی عرب، کویت کو نہ صرف ہتھیار فروخت کیے بلکہ اپنی بھاری فوج کے اخراجات کا بوجھ بھی ان پر ڈال دیا۔

اب بڑی طاقتیں محسوس کر رہی ہیں کہ سعودی عرب اور کویت کی ہمت جواب دے رہی ہے اس لیے اب

وہ نئے شکار کی تلاش میں ہیں۔اب شاید ایران ان کے عزائم کی تکمیل میں معاون ثابت ہو۔ایران نے تین جزائر ابو موسیٰ' یسر اور تنبز پر قبضہ کر لیا ہے جن پر عرب امارات اپنی ملکیت کا دعوے دار ہے۔ خلیجی ممالک سعودی عرب' متحدہ عرب امارات' عمان' قطر' بحرین اور کویت امریکہ سے اسلحے کے خریدار ہیں' حال ہی میں عرب امارات نے دو بلین ڈالر کے فضا سے فضا میں مار کرنے والے میزائل خریدے ہیں۔ایران اور عرب امارات نے ہوش کے ناخن نہ لیے تو عراق کویت کی تاریخ یہاں بھی دہرائی جانے والی ہے۔یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امریکہ ایک بار پھر پاکستان پر مہربان ہو گیا ہے۔وہ دیگر کئی مقاصد میں سے ایک مقصد یہ حاصل کرنا چاہتا ہے کہ پاکستان مجبور ہو کر اپنی جوہری ٹیکنالوجی مشرق وسطیٰ کے کسی امیر ملک کو منتقل کر کے اپنی مالی مجبوریوں پر قابو نہ پالے۔اس طرح وہ اپنے حلیف ملک پاکستان سے بھی محروم ہو جائے اور مشرق وسطیٰ کی ہتھیاروں کی منڈی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔

حکومتیں کہیں شہریوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم رکھنے کے لیے کوشاں ہیں اور کہیں شہری برداشت کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر وفاق سے کٹنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ پہلی قسم میں بھارت سر فہرست ہے۔انڈیا آرمی نے ۶ جون ۱۹۸۴ء کو بھارت کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی اپنے دو سکھ محافظوں کے ہاتھوں قتل ہو گئی بھارت شمال مشرقی ریاست آسام اور ریاست تری پورہ میں عوام کو ان کے حقوق دینے سے قاصر رہا ہے جس کی وجہ سے وہاں کے عوام بھارت کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔دوسری قسم میں سری لنکا کے تامل ناڈو اور بوسنیا کے سرب آتے ہیں جو انتہائی قلت میں ہونے کے باوجود بیرونی پشت پناہی کی وجہ سے حکومت کے لیے درد سر بنے ہوئے ہیں۔

بڑی طاقتیں دو عملی کا شکار ہیں۔وہ جو خود اپنے لیے پسند کرتی ہیں اس سے دوسروں کو باز رکھنے کی کوشش کرتی ہیں۔وہ اکثر اپنی طاقت کا لوہا منوانے کے لیے چھوٹے ملکوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتی رہتی ہیں دوسری جنگ عظیم کے بعد سے امریکہ دوسرے ممالک کو سی ٹی بی ٹی کا پابند کرنے کی فکر میں ہے مگر خود کوئی پابندی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔

روس افغانستان کی جنگ میں اپنی وحدت کو قائم نہ رکھ سکا اور وسط ایشیا کے چھ مسلم ریاستیں آزاد ہو کر خود مختار حیثیت اختیار کر گئیں۔۱۹۹۱ء میں چیچنیا نے بھی روس سے الگ ہو کر اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔چیچنیا کی ایک ملین آبادی میں ۸۰ فیصد سنی مسلمانوں کی آبادی ہے۔روس نے ۱۹۹۴ء سے ۱۹۹۶ء تک اس پر جنگ مسلط کیے رکھی۔تاہم چیچنی مسلمانوں نے روس کو ایک معاہدہ کرنے پر مجبور کر دیا۔اس کے باوجود روس چیچنیا کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے لیے راہیں تلاش کرتا رہتا ہے۔

اس کے علاوہ کنبہ پروری' ناانصافی' جاگیرداری' دولت کی عدم مساوی تقسیم' شراب' فحاشی' عریانی' عوام

کے حقوق سے غفلت' ٹیکسوں کی بھر مار' تعیشانہ زندگی' طبقاتی نظام' سیاسی انتقام' جہالت' تنگ نظری' جنسی بے راہ روی' میڈیا کا غلط استعمال' مذہبی تعصب اور دین سے دوری جیسے عوامل شہریوں کے صبر کا پیمانہ لبریز کیے دیتے ہیں۔ شہروں کی طوالانی' خواتین کی آزادی اور قائدین کا فقدان بھی شہریوں کو شکیب کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ طرزِ حکمرانی بھی بہت سے ملکوں میں عوام کے لیے فرسانِ روح بنی ہوئی ہے۔

دنیا میں مشہور طرقِ حکمرانی شخصی ملوکیت' آمرانہ طرزِ حکومت' مغربی جمہوریت اور کمیونزم کی شکل میں رائج ہیں۔ شخصی طرزِ حکومت انسانیت کے لیے سم قاتل ہے۔ اس میں اقتدار ایک خاندان کی وراثت بن کر رہ جاتا ہے۔ اور سپوت سے پوت تک منتقل ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک خاندان بلاوجہ ملک کی محنت اور کاوش کا مالک بن بیٹھتا ہے۔

جمہوری طرزِ حکومت میں معمولی اکثریت سے جیتنے والی پارٹی جب کہ ہارنے والی پارٹیوں کے ووٹروں کی تعداد کہیں زیادہ ہوتی ہے' صاحب اقتدار بن جاتی ہے۔ یہ بھی عدل وانصاف کے خلاف ہے کہ محض تعداد کی اکثریت کی وجہ سے حکم رانی اور فرمان روائی کا حق حاصل ہو جائے۔ جمہوریت کی اس مکروہ شکل کو امریکہ میں کالے گورے کے فسادات میں دیکھا جاسکتا ہے۔

کمیونزم میں بھی ایک جماعت اقتدار پر براجمان ہوتی ہے۔ کمیونزم میں کمیونسٹ پارٹی کے ارباب بست و کشاد پورے ملک کو قیدی بنا کر اس کی آزادی اور کمائی کا استیصال کرتے ہیں اور انسان حیوانوں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ روس اس نظام بد کی وجہ سے موت وحیات کی کشمکش میں دم توڑ رہا ہے۔ اس نظام نے وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کو باندھ کے رکھا تھا۔ مگر موقع ملتے ہی اس جبر سے گلو خلاصی کرا کے پھر سے اپنا تشخص قائم کرنے میں سرگرم عمل ہو گئی ہیں۔

آمرانہ طرزِ حکومت میں شخصی حکومت' مغربی جمہوریت اور کمیونزم کی تمام خرابیاں موجود ہیں۔ یہ نظام بھی انسانیت کے لیے اتنا ہی زہر قاتل ہے جتنے دیگر خود ساختہ نظامِ سلطنت ہیں۔ عراق ایسے ہی نظام کی وجہ سے مصائب کا شکار ہے۔



زمام کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی
جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہوں دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اقبالؒ

شہر کی طوالت بھی جرائم کی آماجگاہ ثابت ہوتی ہے۔ اس وقت دنیا میں ہر ملک اس مسئلے سے دوچار ہے کراچی کی بدامنی اور دہشت گردی اسی کا نتیجہ ہے۔ ہمسایہ ملک بھارت کے شہر بمبئی میں دو لاکھ افراد کا گھر فٹ پاتھ ہے۔ ایسے افراد نہ صرف سماج کی پیشانی پر بدنما داغ ہوتے ہیں بلکہ بہت سی سماجی برائیاں بھی انہی کی مرہون منت ہوتی ہیں۔ اس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بہترین رہنما اصول بنتا ہے کہ جب کسی شہر کی آبادی حد سے تجاوز کرنے لگے تو اس کے قریب دوسرا شہر آباد کر دو۔

اگر کسی قوم کو مخلص رہنما مل جائے تو عوام کے قلوب اس کے دل کی دھڑکن کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔ ترکی میں مصطفیٰ کمال اتاترک' پاکستان میں بابائے قوم محمد علی جناح اور ایران میں امام خمینی ایسے ہی قائد گزرے ہیں "بڑی شخصیت عدد "ایک" کی مانند ہے۔ جب عوام کسی بڑی شخصیت کے دائیں جانب لگ جاتے ہیں تو وہ ایک سو' ہزار' لاکھ' کروڑ اور ارب بن جاتے ہیں"[1] دنیا میں عام کی شیرازہ بندی کے لیے قائدین کا قحط الرجال ہے۔ اس لیے سب کی اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ ہے۔

فرائڈ کا کہنا ہے کہ انسان میں پیدائشی طور پر دو خواہشیں موجود ہیں۔ زندگی سے محبت (روٹی' کپڑا' مکان) اور جنسی خواہش' ان دونوں خواہشوں کی تکمیل کے لیے کسی اخلاق' تہذیب اور شائستگی کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اخلاق وحشی قبائلی دور کی یادگار ہے۔ اخلاق انسانی طبیعت سے ہم آہنگ نہیں ہے بلکہ خارج سے مسلط کردہ ہے۔ اخلاق ایک ایسا بندھن ہے جو انسان کو آزادانہ عمل سے باز رکھتا ہے۔ فرد کو بھرپور آزادی سے مستفید ہونے پر مانع ہے اور اس وجہ سے فرد نفسیاتی امراض اور اعصابی اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے۔ مہذب بننے کے لیے ضروری ہے کہ اخلاق کے باقی ماندہ اثرات بھی مٹا دیے جائیں۔

زمانہ جاہلیت میں بچیوں کو زندہ در گور کر دیا جاتا تھا۔ پھر ایک دور آیا کہ عورتوں کو شوہر کے مرنے پر ستی کے نام پر چتا میں جلایا جانے لگا۔ آج مغرب میں تہذیب کے نام پر عورت کو قربان کیا جا رہا ہے۔ وہاں عورت اپنی نسوانیت سے ہاتھ دھو بیٹھی ہے۔ بلکہ انسانیت کے مرتبے سے گر کر حیوانی خواہشات کی گرفت میں آ کر اس سراب پر چل نکلی ہے جس پر دور جہالت میں سرگرداں تھی۔ امریکہ میں دنیا میں سب سے زیادہ جنسی آزادی ہے۔ وہاں عورت سخت خطرناک اجتماعی مسئلہ بنتی جا رہی ہے۔ فرانس اس سے بھی پہلے جنسی بے راہ روی کا شکار ہو کر خاندانی نظام کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ میاں بیوی تک نے ایک دوسرے کے لیے ہو سکتے ہیں۔ عورتوں کی آزادی میں بھی مردوں کی عیاشی کی ایک چال ہے۔ دی نیویارک ٹائمز نے بین الاقوامی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل اور ہیومن رائٹس واچ کے حوالے سے لکھا ہے کہ "امریکی جیلوں میں خواتین کے ساتھ انسانیت سوز سلوک ہوتا ہے۔ جیل میں

---

[1] ایم نذیر احمد تشنہ۔ مینار پاکستان ص ۵۹ مکتب پبلشرز اردو بازار لاہور۔ بار اول ۱۹۸۵ء

ہزار خواتین اڑھائی لاکھ بچوں کی مائیں بن چکی ہیں" اس جنسی بے راہ روی کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ مغرب میں عورت نے مرد پر اعتبار کرنا چھوڑ دیا ہے۔ جس کی وجہ سے شرح پیدائش میں انتہائی کمی واقع ہو گئی ہے۔[1]

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال مرد بے کار و زن تہی آغوش (اقبالؒ)

اس کے لیے مغرب نے ایک چال چلی ہے کہ جو ملک جنسی بے راہ روی کا شکار نہیں اور وہ فطری انداز میں شرح پیدائش بڑھا رہے ہیں۔ انہیں آبادی کے دباؤ کی دہائی دے کر آبادی بڑھانے سے باز رکھا جائے۔ امریکہ اور اس کے حاشیہ بردار کئی دوسرے مغربی ممالک اس مقصد کے لیے لاکھوں پونڈ اور ڈالر خرچ کر رہے ہیں۔

پاکستان بھی اندرونی طور پر چند مسائل کا شکار ہے جس کی وجہ سے یہاں عدم برداشت کا رجحان فروغ پا رہا ہے ان میں دو قومی نظریے کی مخالفت' غیر اسلامی طرز حکومت' انصاف کے حصول میں دشواری' سرمایہ داری اور جاگیرداری زیادہ اہم ہیں۔

پاکستان دو قومی نظریے کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا۔ تحریک پاکستان میں دو قومی نظریے پر برعظیم کے مسلمان متحد ہوئے اور پاکستان کا حصول ان کا نصب العین بن گیا۔ تحریک پاکستان میں مسلمانوں کا ایک طبقہ کانگریس کے متحدہ قومیت کے نعرے سے متاثر ہو کر کہہ اٹھے کہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں' ہم ہندوستانی ہیں اور ہندوستان کی تقسیم نہیں ہونے دیں گے۔ وہ طبقہ کانگریس کے اقتدار میں اپنے لیے بہتر بڑے مناصب کے خواب دیکھ رہا تھا۔ پاکستان ناگزیر تھا' معرض وجود میں آگیا تو دو قومی نظریے کے مخالف پاکستان کے مخالف بن گئے۔ انہوں نے نظریہ پاکستان کو غلط ثابت کرنے کے لیے بھارت کے ہاتھ مضبوط کیے اور ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے مشرقی بازو کو الگ کر کے پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔

اسلام کا نظام حکومت شورائی ہے جو مغربی جمہوریت کی ضد ہے۔ مغربی جمہوریت کے لیے غیر طبقاتی معاشرت اور عوام کا سو فیصد تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔ یہ دونوں باتیں پاکستان میں موجود نہیں۔ عوام کی اکثریت ناخواندہ اور سرداروں' جاگیرداروں' سرمایہ داروں اور خواتین کے زیر اثر ہے۔ جو آزادانہ سوچ سے عاری ہے یہی وجہ ہے کہ قومی و ملکی سوچ سے عاری افراد منتخب ہو کر بار بار اسمبلی تک پہنچتے ہیں۔ جمہوری عمل کو بار بار کے مارشل لاؤں نے بھی نقصان پہنچایا ہے۔ اس سے نہ تو جمہوری عمل پروان چڑھ سکا اور نہ قائدین و عوام کا مزاج جمہوری بن سکا۔

پاکستان میں انصاف کے حصول میں دشواری بھی اہل پاکستان کو عدم برداشت کے رجحان کی آب یاری کر رہی ہے۔

---

[1] جیل میں عورتیں مجبور تھیں اس لیے وہ مجبوراً مائیں بننے پر مجبور ہو گئیں۔ آزاد عورت بچوں کو جنم دینے کے تکلیف دہ عمل سے دو چار ہونے کے لیے تیار نہیں

انصاف کے حصول کا طریقہ کار مہنگا' طویل اور صبر آزما ہے۔ اس لیے لوگ اپنا انتقام خود لینے کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اب تو پولیس نے بھی ماورائے عدالت ملزمین کی سرکوبی کی راہ اپنالی ہے۔

سرمایہ داری اور جاگیرداری بھی پاکستانی معاشرے کے لیے فرسان روح بنی ہوئی ہے۔ منافع کے حصول کے لیے سرمایہ دار مزدور کا استحصال کرتا ہے۔ استحصال سرمایہ داری کے مزاج میں شامل ہے۔ پیداوار کے ہتھیانے کے لیے جاگیردار کسان کا حق تلف کرتا ہے۔ جبر جاگیرداری کی سرشت میں داخل ہے۔ پاکستان بننے کے بعد یہ دونوں لعنتیں یہاں موجود ہیں اور پاکستانی معاشرے میں انتشار کا باعث بنتی رہی ہیں۔ "جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اس کی نظر میں تو سرمایہ داری بھی حرام ہے اور تعیشانہ زندگی بھی"۔ [1]

تعلیمات نبوی ﷺ

نظام ملک گیری ہو کہ نظامِ ملک داری' قانون سازی ہو کہ اس کا نفاذ' صلح ہو کہ جنگ' انفرادی ذمہ داری ہو کہ اجتماعی ذمہ داری' خود آگاہی ہو کہ خدا آگاہی' اخلاقیات ہوں کہ عبادات' معاشیات ہوں کہ اقتصادیات اور ملکی معاملات ہوں یا بین الاقوامی سیاسیات سب میں قرآن مجید نے رحمۃ للعٰلمین ﷺ کو انس و جن کے لیے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کے لیے ایک کامل اور اکمل نمونہ بن کر تشریف لائے۔ آپ ﷺ کا یہ کامل اسوہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہے۔ آپ ﷺ بقول حضرت عائشہ صدیقہؓ "کان خلقہ القرآن" آپ ﷺ کا یہ کامل اسوہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہے۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی مبارک قرآن کریم کی تصویر اور حیات طیبہ قرآن کریم کی تفسیر عملی نمونہ تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی زندگی مبارک کو انس و جن کے لیے اسوہ حسنہ قرار دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی کچھ جھلکیاں اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے چند اقتباسات سپرد قلم کیے جاتے ہیں جن کی روشنی میں قومی و بین الاقوامی مزاج میں جو عدم برداشت کا رجحان پیدا ہوا ہے اسے اعتدال میں لایا جاسکتا ہے۔

آفاقیت

حضرت آدم علیہ السلام اور مائی حوا کا ملاپ مکہ میں ہوا اور اس جوڑے سے دنیا پر بنی نوع انسان کی ابتدا ہوئی۔ حضرت آدمؑ کے بیٹے مختلف خطوں میں آباد ہوتے چلے گئے اور یوں نسل انسانی کرہ ارض پر پھیلتی چلی گئی۔ آ

[1] محمد قطب مصری۔ اسلام اور جدید مادی افکار (اردو ترجمہ سجاد احمد کاندھلوی) ص ۱۲۰' اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ ۱۳ ای عالم مارکیٹ لاہور بار سوم فروری ۱۹۸۴ء

صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا بھر کی مخلوقِ رب تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ کا کنبہ قرار دیا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے "الخلق عيال الله فاحب الخلق الى الله من احسن الى عياله" "اللہ تعالیٰ کو وہ شخص زیادہ محبوب ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے"۔

جس طرح کرہ ارض پر بسنے والے سب انسان ایک ہی باپ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اسی طرح ہر خطے کے اندر بسنے والے مختلف رنگ، نسل اور زبان بولنے والوں کا سلسلہ نسب بھی حضرت آدمؑ سے جا ملتا ہے یوں سب براعظموں کے انسان مساوی حیثیت کے قرار پاتے ہیں اور ان میں کوئی اعلیٰ اور ادنیٰ ذات کا نہیں رہتا۔ ارشاد خداوندی ہے۔ يا يها الناس اناخلقنكم من ذكر و انثى و جعلنكم شعوبا و قبائل لتعارفوا (الحجرات۔ ۲) لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد (آدمؑ) اور ایک عورت (حوا) سے پیدا کیا۔ اور پھر تمہاری ذاتیں اور برادریاں ٹھہرائیں تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رنگ، نسل، زبان اور جغرافیائی حدود کے امتیاز کی نفی کرتے ہوئے فرمایا یا یھا الناس الا ان ربكم واحد و ان اباكم واحد لا فضل لعربی علی عجمی ولا لاحمر علی اسود ولا لا سود علی احمر الا با التقوی (مسند امام احمد) اے لوگو! خوب سمجھ لو تمہارا رب کا پروردگار ایک ہے اور یوں ہی تمہارا باپ (حضرت آدم علیہ السلام) بھی ایک ہے لہذا کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر اور کسی کالے کو گورے پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ اگر کسی کو بزرگی اور فضیلت حاصل ہے تو حسب نسب کی وجہ سے نہیں بلکہ زہد و تقویٰ کی وجہ سے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع کے موقعے پر حسب و نسب کے فخر و غرور کی نفی کرتے ہوئے بنی نوع انسان کے خون، آبرو و عزت اور مال ایک دوسرے کے لیے مقدس قرار دیا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے ان دماء كم و اموالكم عليكم حرام كحرمته يومكم هذا فى شهر كم هذا فى بلدكم هذا يوم تلقون ربكم (بخاری مسلم) لوگو تمہارے خون، مال اور عزت و آبرو اس ماہ (حج) اس شہر (مکہ) اس دن (یوم حج) کی حرمت کی طرح حرام ہے۔

نه افغانیم نے ترک و تتاریم
چمن زادیم از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو برما حرام است
که پرورده یک نو بهاریم
اقبالؒ

"تمام انسان کنگھی کے دندانوں کی طرح ہیں" (حدیث)

اسلام نہ صرف حسب نسب کے امتیاز کی نفی کرتا ہے بلکہ وطن کی تفریق کو بھی انسانیت کے لیے سم قاتل قرار دیتا ہے۔ وطن کو انسانیت کی تفریق کے لیے بطور ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلام اور نسلی' قومی و وطنی امتیازات ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یہ امتیازات اسلام بلکہ تمام عالم انسانیت کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔

اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی دعوت آفاقی ہے اس میں کسی خطے' نسل' قبیلے' کنبے یا قوم کا اختصاص نہیں۔ قرآن مجید آپ ﷺ کی اس آفاقی حیثیت کو یوں بیان کرتا ہے۔ "قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا" (اعراف: ۱۵۸) فرمایئے! اے انسانو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں شاہ ایران کے نام مکتوب گرامی میں یہ الفاظ بھی آپ ﷺ کی آفاقی حیثیت پر گواہ ہیں۔ انی انا رسول اللہ الی الناس کلھم (طبری ج ۳) بے شک میں تمام کے تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔

نسلی و قومی امتیازات کے نتیجے میں غلامی کا رواج ہوا اور یہ انسانیت کی پیشانی پر بدنما داغ بن گیا۔ آپ ﷺ کی آمد (۵۷۱ء) کے وقت انسانی معاشروں میں غلاموں کی زندگی حیوانوں سے بدتر ہو کر رہ گئی تھی۔ خود عرب معاشرے میں ہزاروں غلام موجود تھے۔ اس لیے اس ادارے کو فوری ختم کرنا خود ان کے لیے باعث ہلاکت ثابت ہو سکتا تھا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلامی کو ختم کرنے کے لیے انتہائی حکیمانہ اقدامات کیے آپ ﷺ نے غلاموں کے بارے میں سخت تاکید فرمائی کہ جس کے پاس مملوک اور غلام ہوں تو جو کھانا وہ خود کھائے وہی غلام کو کھلائے' جیسا لباس خود پہنے غلام کو اسی طرح کا لباس پہنائے' اس پر کام کا اتنا بوجھ نہ ڈالے جسے وہ نہ کر سکے۔ بہتر یہ ہے کہ ان کی گذران کا بندوبست کر کے آزاد کر دے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "اخوانکم جعلھم اللہ تحت ایدیکم" اس سے اسلامی معاشرے میں عملاً غلامی کا خاتمہ ہو گیا یا مسلم معاشرے میں غلام ہونا کوئی عیب نہ رہا۔ حضرت بلالؓ حضرت صہیب رومیؓ اور حضرت زید بن حارثؓ وغیرہم سیدنا بلالؓ سیدنا صہیب رومیؓ اور سیدنا زید بن حارثؓ بن گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشی غلام سیدنا بلالؓ کو کعبے کی چھت پر کھڑا کر کے اذان دینے کا عظیم اعزاز بخشتے ہوئے رنگ و نسب' مال و منال اور جاہ و حشم کے بتوں کو پاش پاش کر کے عظمت انسانیت کا اعلان فرمایا۔

اسلامی تاریخ میں مصر میں برسوں مسلم ممالک کی حکومت رہی۔ ہندوستان میں خاندان غلاماں کی حکومت مدتوں رہی۔ ہندوستان میں قطب الدین ایبک' غیاث الدین بلبن اور ہندوستان پر سترہ حملے کرنے والے محمود غزنوی غلام خاندان ہی سے تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ بنی تمیم کے موالیوں میں سے تھے۔ سینکڑوں ائمہ'

حدیث' فقہ و تفسیر غلام ہی ہوئی ہیں۔

ہری چند اختر کہتے ہیں

کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا در یتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا
شوکت مغرور کا کس ذات نے توڑا طلسم
منہدم کس نے الٰہی قصر و کسریٰ کر دیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

عدل وانصاف

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ایسا مثالی معاشرہ قائم کرنا تھا جس کی بنیادیں عدل و انصاف' صلح و آشتی' اخوت و مساوات' خدا شناسی اور خود آگاہی پر استوار ہوں۔ آپ ﷺ ایک ایسی فلاحی ریاست قائم کرنا چاہتے تھے جس میں کوئی فرد کسی دوسرے فرد کے حقوق کو پامال نہ کر سکے۔ ہر شخص کی عزت و عصمت محفوظ ہو۔ ہر شہری کو اپنے رہن سہن اور حصول معاش کے یکساں مواقع میسر ہوں۔ طاقت ور کسی کم زور پر ظلم نہ کر سکے اور کوئی فرد اپنے بنیادی حقوق سے محروم نہ رہے۔ وہاں اللہ کا قانون نافذ ہو اور وہ امن و آشتی کا گہوارہ بن جائے۔ یہ سب آپ ﷺ نے چند برسوں میں ۱۰ لاکھ مربع میل کے رقبے میں فلاحی ریاست قائم کر کے دکھایا۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت کے دس سالوں میں اسلام جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر ایران' عراق' شام' مصر اور افریقہ تک جا پہنچا۔ اسلامی نظام حکومت میں السید خادم قومھم قوم کا سردار اصل میں قوم کا خادم ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ اگر دریائے دجلہ کے کنارے کوئی کتا بھوکا مر گیا تو عمرؓ سے اس کی بازپرس ہو گی۔

عدل و انصاف اسلامی حکومت کے بقا کی علامت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لادینی حکومت قائم رہ سکتی ہے مگر انصاف کے بغیر کسی سلطنت کا اپنے وجود کو قائم رکھنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

ولا یجرمنکم شنئان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوٰی (المائدۃ : ۸)

اسلامی حکومت غیر مسلموں کی جان' مال' عزت اور بنیادی حقوق کی اسی طرح پاس داری کرتی ہے۔ جس

طرح مسلمانوں کے حقوق کی ضمانت دیتی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے الا من ظلم معاهدا او انتقمه او كلفه فوق طاقته او اخذ منه شيئا بغير طيب نفسه فانا حجيجه يوم القيامة (ابوداؤد) جس کسی نے کسی غیر مسلم ذمی پر ظلم کیا یا اس کے حقوق میں کمی کی یا اس کی طاقت سے زیادہ اس کو تکلیف دی یا اس کی کوئی چیز اس کی دلی رضامندی کے بغیر حاصل کی تو قیامت کے روز میں اس کی طرف سے وکیل بن کر دعویٰ دائر کروں گا۔

اسلام کے صیغہ عدل وانصاف میں سب برابر ہیں۔ ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں فاطمہ نامی عورت چوری میں پکڑی گئی۔ اس کے خاندان بنو مخزوم نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ذریعے اس کے حق میں سفارش کرائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی ناراض ہوئے اور فرمایا تم حدود اللہ میں سفارش کرتے ہو۔ اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی ایسا کرتی تو میں اس کے لیے بھی یہی فیصلہ کرتا جو اس کے لیے کروں گا۔

اصلاح معاشرہ

معاشرتی استحکام کے لیے ارشاد خداوندی ہے لا یسخر قوم من قوم عسى ان يكونوا خيراً منهم ولا نساء من نساء عسى ان يكن خيراً منهن (الحجرات : ۱۱) نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیے، ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہی ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہی ہوں"۔

ولا يغتب بعضكم بعضا ايحب احدكم ان ياكل لحم اخيه ميتا فكرهتموه (الحجرات : ۱۲)

اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ حالانکہ اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرو" "نرمی محبت اور مودت میں مومنین کی مثال جسم کی سی ہے۔ اگر جسم کے کسی حصے میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم ہی تکلیف، بے خوابی اور بخار محسوس کرتا ہے" "تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اپنے ہاتھ سے مٹا دے، اگر ایسا نہ کر سکے تو زبان سے اسے برا کہے اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو دل میں برا سمجھے۔ یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے"۔

جاگیرداری

حضرت عمرؓ نے مفتوحہ علاقوں کی زمینوں کو حکومت کی ملکیت (خالصہ اراضی) قرار دیا۔ بنو امیہ کے زمانے میں جاگیرداری کے اثرات رونما ہوئے۔ "حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جاگیرداری نظام کو ختم کرکے اسلامی حکومت میں سیاست اور مالی شعبوں میں پیدا شدہ بگاڑ کی اصلاح کی۔ انہوں نے بنو امیہ سے لوگوں کا سرمایہ لے کر

ل اسلام اور جدید مادی افکار ص ۱۲۰

انہیں واپس کیا اور ہندوستان سے افریقہ تک پھیلی ہوئی اسلامی حکومت میں ایسا اجتماعی اور معاشی انصاف قائم کیا کہ عمال زکوۃ فقرا اور محتاجین کی تلاش میں نکلے مگر انہیں زکوۃ کا حق دار نہ ملتا کیونکہ سب لوگ ہاتھ کی کمائی سے مستغنی ہو گئے تھے۔[ا] آپؓ ایسی ہی اصلاحات کی وجہ سے مجدد الف اول کہلاتے ہیں۔ چونکہ اسلام کا دور اول تھا۔ اس لیے لوگوں نے اس روش پر ناراضی کا اظہار کیا مگر آگے چل کر جب مسلمان اسلام سے دور ہو گئے تو انہوں نے مجبوراً اس جاگیرداری نظام کو قبول کر لیا۔ جاگیرداری نظام پاکستان میں ایک لعنت ہے۔ خاص کر سندھ کی دھرتی کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے۔ اس زرخیز خطے میں جاگیرداری نظام اپنی بدترین شکل میں موجود ہے۔ سندھی ہاری انتہائی پس ماندہ زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اقتصادی طور پر جاگیرداری نظام نے انہیں پابند سلاسل رکھا ہے اور مذہبی طور پر نام نہاد گدی نشینوں اور پیروں نے انہیں غلام بنا رکھا ہے۔ جاگیرداری نظام نے پاکستان کو دولخت کیا اور اب موجودہ پاکستان کی ترقی میں بھی رکاوٹ بن رہا ہے۔

مسکرات

مغرب مہلک ہتھیاروں سے انسان کی تباہی اور بربادی کا سامان بہم پہنچا رہا ہے اور اس کے جواب میں مشرق مسکرات کے ذریعے انسان کی ہلاکت کا باعث بن رہا ہے۔ اسلام نے ہر نشہ آور چیز کو حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یسئلونك عن الخمر والميسر قل فيهما اثم كبير و منافع للناس و اثمهما اكبر من نفعهما (البقرہ: ۲۱۹) لوگ آپ ﷺ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ فرما دیجئے کہ ان دونوں کے استعمال میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں ہیں اور لوگوں کو بعض فائدے بھی ہیں اور گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے كل مسكر خمر و كل مسكر حرام۔ ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ آج کل ہیروئن کا چلن ہے۔ یہ شراب سے بھی زیادہ مہلک اور تباہ کن ہے۔ اسلام میں ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور اس کی کشید کرنے والا کاروبار کرنے والا اور استعمال کرنے والا مجرم ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ میری امت میں کچھ لوگ نام بدل کر شراب کا استعمال کریں گے۔

سود

سود قوموں کی معیشت کو دیمک کی طرح چاٹ لیتا ہے۔ یہودی سودی کاروبار کی وجہ سے پوری دنیا میں ملامت کی علامت بن چکے ہیں۔ لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم على اكل الربوا و موكله و شاهده و كاتبه۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، اس پر گواہی دینے والے اور اس کے لکھنے والے پر لعنت بھیجی ہے۔ ابو داؤد کتاب البیوع۔

رشوت

رشوت عدل وانصاف میں رخنہ ڈال کر معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتی ہے۔ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ الراشی والمرتشی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے راشی (رشوت دینے والے) اور مرتشی (رشوت لینے والے) دونوں پر لعنت فرمائی۔

جہاد

مسلمانوں کو دنیا میں امن وامان رکھنے اور ظالم و مظلوم کی مدد کرنے کے لیے ہمیشہ ہتھیار بند رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ و من رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ و عدوکم (الانفال: ٦٠) اور کافروں کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے، ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو اور اس کے ذریعے سے اللہ کے دشمنوں پر اپنا رعب جمائے رکھو۔ اسلام میں مغرب کی طرح لڑائی اور محبت درست رکھو اور اس کے ذریعے سے اللہ کے دشمنوں پر اپنا رعب جمائے رکھو اسلام میں مغرب کی طرح لڑائی اور محبت میں اصولوں کی پائمالی کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے میدان جنگ میں ایک عورت کی لاش دیکھی تو ناراض ہو کر فرمایا۔ ما کانت ھذہ تقاتل یہ تو لڑنے والوں میں شامل نہ تھی ابن ماجہ کتاب الجہاد۔ پھر خالدؓ بن ولید کو کہلا بھیجا لا تقتلن امراۃ و لا عیسقا عورت اور اجیر کو ہرگز قتل نہ کرو۔ ابوداؤد کتاب الجہاد۔

جہاد مظلوموں کو ظالموں سے نجات دلانے کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ ارشاد رب تعالیٰ ہے۔ وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا (نساء: ٧٥) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ان کی مدد نہیں کرتے جو کمزور پا کر دبائے گئے اور اللہ کی بارگاہ میں پکارتے ہیں کہ اب ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال لے جا اور ان ظالموں سے پناہ دے۔

اگر دو اسلامی ممالک ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہو جائیں یا اسلامی ملک کے اندر ہی کوئی گروہ بغاوت کر کے امن وامان تہہ وبالا کر دے تو انہیں حکمت عملی سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ وہ اگر نرمی کی زبان نہ سمجھیں تو زیادتی کرنے والے کا ہاتھ روک لو اور اسے حق کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دو۔ ارشاد رب تعالیٰ ہے و ان طائفتن من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احدھما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیء الی امر اللہ (الحجرات: ٩) اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے جہاں تک کہ وہ خداوند تعالیٰ کے حکم کی

طرف رجوع کرے۔

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوے سے واپس لوٹے تو فرمایا کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ جہاد اکبر جہاد نفس ہے۔ اس میں محنت بھی زیادہ لگتی ہے اور یہ جہاد عمر بھر جاری بھی رہتا ہے۔

طبقہ اناث

عورت اور مرد اس جہانِ آب و گل کی ترقی میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کی بقا دونوں کے ملاپ میں رکھی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ اتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی میں تو عورتوں سے نکاح کرتا ہوں، تو جس نے میرے طریقے سے روگردانی کی، وہ مجھ سے نہیں۔ مسلم کتاب النکاح ارشاد رب تعالیٰ ہے۔ ھن لبا سلکم و انتم لباس لھن (البقرہ: ۲۳) عورتیں تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔ حدیث میں ہے خیر کم خیر کم لا ھلہ (ترمذی) تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لیے سب سے بہتر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہاری دنیا میں مجھے خوشبو اور عورت پسند ہیں اور نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے"۔ آپ ﷺ کے اس قول میں آپ ﷺ نے جنس کو اس قدر مطہر و پاکیزہ اور روح پرور بنا دیا کہ اسے نماز کے درجے میں رکھ دیا۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹیوں کو باپ کی وراثت میں حصہ دار بنایا اور بیٹی کی پرورش اور تربیت کو ایک مقدس فریضہ قرار دیا۔ ماں کے قدموں میں جنت بتا کر جوانوں کے سر مقدس رشتے پر خم کر دیئے۔ طبقہ اناث کو صحیح اور جائز مقام اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا۔

عورت لذت تخلیق کا پیکر مجسم ہے۔ اس کی خودی امومت کے فرائض انجام دے کر ہی اپنا استحکام کر سکتی ہے۔ اگر وہ فطرت کے خلاف دوسرا رستہ اختیار کرے گی تو نہ صرف وہ خود نامرادی کی گھاٹیوں میں بھٹک جائے گی بلکہ پوری انسانیت کو قعرِ مذلت میں دھکیل دے گی۔ اس لیے اس مسئلے پر تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں قابو پانا ہوگا۔ عورت جب ماں ہے تو اس کے قدموں میں جنت ہے۔ بہن اور بیٹی کی صورت میں جنت تک لے جانے کا وسیلہ ہے۔ مگر عورت کی بے لگام آزادی اور تعلیمات اسلامی سے روگردانی نہ صرف اس دنیا کو جہنم بنا دیتی ہے بلکہ دوسری دنیا میں بھی اپنے ساتھ کئی مردوں کو دوزخ کا ایندھن بنانے کا ذریعہ بنے گی۔

اقوام عالم اور اہل پاکستان جن عوامل اور اسباب کی وجہ سے عدم برداشت کے رجحان کا شکار ہو رہے ہیں ان کو اعتدال میں لانے کے لیے تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے اس مقالے میں نہایت اختصار سے اسوہ حسنہ سے رہنما اصول ورطہ تحریر میں لائے گئے ہیں۔ ضروری ہے کہ پاکستان جو اسلام

کے نام پر معرض وجود میں آیا تھا' پہل کرتے ہوئے ان رہنما اصولوں کی روشنی میں اسلامی معاشرہ اور فلاحی مملکت قائم کر دینے کے لیے مثال ہے۔

کتابیات

۱۔ القرآن

۲۔ الحدیث

۳۔ الازہری' پیر محمد کرم شاہ : مقالات جلد اول' ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور ۱۹۹۰ء

۴۔ چوہدری افضل حق : محبوب خدا' قومی کتب خانہ لاہور ۱۹۸۳ء

۵۔ محمد حمید اللہ : عہد نبوی کے میدان جنگ' حیدر آباد دکن' بدون سن

۶۔ محمد حمید اللہ : عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی' دہلی' ۱۹۲۶

۷۔ محمد حمید اللہ : رسولِ کرم ﷺ کی سیاسی زندگی' لاہور ۱۹۵۴

۸۔ مولانا شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی : سیرۃ النبی' مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۳۱۷ھ ۶ جلدیں

۹۔ صدیقی' مولانا حامد الرحمٰن کاندھلوی : جامع ترمذی شریف (اردو) قرآن محل کراچی ۱۹۶۷ء

۱۰۔ صدیقی' مولانا عابد الرحمٰن : صحیح مسلم شریف (اردو) قرآن محل کراچی' بدون سن

۱۱۔ صدیقی' مولانا عبد الجلیل : سیرۃ النبی ابن ہشام' شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور سن ندارد

۱۲۔ محمد قطب مصری : اسلام اور جدید مادی افکار (اردو ترجمہ سجاد احمد کاندھلوی) لاہور ۱۹۸۴

۱۳۔ کاندھلوی' محمد ادریس : سیرۃ المصطفیٰ' لاہور ۱۳۸۱

۱۴۔ منصور پوری' قاضی سلیمان سلمان : رحمۃ العٰلمین ﷺ' لاہور سن ندارد ۳ جلدیں

۱۵۔ مودودی' سید ابو الاعلیٰ : سیرت سرور عالم' ادارہ ترجمان القرآن لاہور بار چہارم ۱۹۸۳

۱۶۔ ندوی' مولانا سید ابو الحسن : منصب نبوت' مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۸۔۷۔۱۹۶۷ء

عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

شاہ معین الدین ہاشمی، اسلام آباد

اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات کو پیدا کیا تو ایک خاص بات پر فرشتوں کو بھی اشکال ہوا کہ یہ مخلوق کہیں زمین پر فتنہ و فساد نہ پھیلائے لیکن اللہ نے انسان کو انسانیت کی فلاح کے لیے ضابطہ حیات بھی عنایت فرمایا۔ جب تک انسان خالقِ کائنات کے عطا کردہ ضابطہ پر چلتا رہا کامیاب رہا۔ جب بھی اس سے دور ہوا تو انسانیت سے گر گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے: "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددنٰه اسفل سافلین" (۱) یعنی انسان کو خوب بنایا گیا پھر اس کو نیچوں سے نیچے پھینک دیا گیا۔

عہد حاضر میں دنیا کی اکثر آبادی ضابطہ حیاتِ خداوندی سے دور ہونے کی وجہ سے ہلاکت کے نئے نئے میدانوں میں سر ٹکراتی پھر رہی ہے۔ دنیا میں جا بجا ایسے شکنجے انسان کو پھانس رہے ہیں جن میں آ کر وہ محبت و شفقت، باہمی ہمدردی، غم خواری، اتفاق و اتحاد، عالمگیریت، صبر و برداشت اور رواداری جیسی نعمتوں سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔ جا بجا عصبیتیں جاگ رہی ہیں۔ انسان جھوٹی غیرتوں پر قربان ہو رہا ہے۔ مفاہمت کا تصور ختم اور مقاومت کا جذبہ بیدار ہو رہا ہے۔ صلح و امن کی جگہ جنگ و جدال اور دیگر کئی طرح کی دشمنیوں نے لے رکھی ہے۔ کہیں مذہب، کہیں قوم و قبیلہ، کہیں رنگ و نسل اور کہیں زبان کی بنیاد پر فتنوں کے الاؤ میں انسان جل رہا ہے۔ انسانیت ایک مرتبہ پھر آگ کے اس گڑھے کے کنارے ہے جس کی طرف عہدِ نبوی ﷺ میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ دیا تھا کہ "و کنتم علی شفاحفرة من النار" (۲) "اور تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے"۔

آنے والے صفحات میں اس تباہی کی ایک مرکزی بنیاد یعنی "عدم برداشت" کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے گا۔ سب سے پہلے تو عہد حاضر میں عدم برداشت کے قومی اور بین الاقوامی رجحان کا جائزہ مختصراً پیش کیا جائے گا۔ پھر عدمِ برداشت کے محرکات پر تفصیلاً بحث کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو واضح کیا جائے گا۔

عہد حاضر میں عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان

موجودہ حالات میں عدم برداشت کے رجحان کی مثال کے لیے جاہلی دور کا وہ شعر نہایت ہی موزوں نظر آ رہا ہے۔

الا لا یجھلن احد علینا فنجھل فوق جھل الجاھلینا (۳)

یعنی ہمارے ساتھ اگر کوئی سفاہت سے پیش آئے گا تو ہم اس سے زیادہ سفاہت سے کام لیں گے۔

قومی اور بین الاقوامی سطح پر حال یہ ہے کہ اگر کسی فرد یا گروہ کے ایک حصے کا نقصان ہو جائے تو مقابلتاً وہ دس حصہ زیادہ نقصان کرنے کو مناسب خیال کرتا ہے مثلاً کسی مضبوط اور طاقتور ملک کے کسی شہر میں اگر دھماکہ ہو جائے تو وہ مقابلتاً کئی ممالک میں شہروں کی آبادیوں پر بمباری کر کے سینکڑوں افراد کو موت کے گھاٹ اتار کر بھی چین سے نہیں بیٹھتا۔ یہ ایک عام رجحان ہے جو ہماری سوسائٹی میں ناسور کی طرح پھیل گیا ہے۔ اس ناسور کی بنیادیں یا تو مذہبی سطح پر کھڑی کی گئی ہیں یا جغرافیائی و علاقائی سطح پر، یا رنگ و نسل اور زبان کی بنیاد پر یہ ناسور پھیلایا گیا ہے۔ خود ہمارے ملک میں نسل پرستی اور قومیت پرستی کے نعرے عام ہیں۔ کہیں پختون کہیں سندھی، کہیں مہاجر کہیں پنجابی کے راگ الاپے جا رہے ہیں۔ نسل پرستی اور علاقائی تعصب کی اس بنیاد پر عدم برداشت کے وہ فخریہ مظاہرے ہوتے ہیں کہ انسانیت لرز کر رہ جاتی ہے۔ اسی نسل پرستی کی بنیاد پر علاقائی تقسیم کے مطالبے کیے جاتے ہیں دوسری قوموں کو علاقے سے نکالا جاتا ہے اور ان کے احتجاج پر فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو جاتا ہے جس میں ہزاروں افراد کی قیمتی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ اسی نسل پرستی کی بنیاد پر پوری دنیا میں جا بجا فتنہ و فساد برپا ہے۔ برطانیہ اور امریکہ جو کہ ترقی یافتہ ممالک میں سر فہرست ہیں ان میں بھی سخت نسلی امتیاز (Racial Discrimination) موجود ہے۔ جس کی بنیاد پر وہاں بھی طرح طرح سے انفرادی و اجتماعی تحریکیں اٹھ رہی ہیں۔ گوری نسل والے لوگ کالی نسل والے لوگوں کو حقیر شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ بات کالوں کو برداشت نہیں ہوتی۔ شمالی آئر لینڈ کی برطانیہ سے علیحدگی کا مطالبہ اور تحریک بھی نسلی بنیادوں پر ہے۔ الگ الگ نسلوں کے عیسائی ایک ملک میں رہنا برداشت نہیں کر رہے چنانچہ ہمہ وقت چھاپہ مار جنگوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ (۴) نسلی جنگوں میں عراق، ترکی اور شام کے ساتھ کردوں کی لڑائیاں ایک لمبے عرصے سے چلتی آ رہی ہیں۔ یہ مسئلہ ایران عراق لڑائی کا بھی ایک اہم محرک رہا ہے۔ (۵) سری لنکا میں بھی نسلی فسادات کا سلسلہ خاصی سنگین صورتحال میں ہے وہاں کی آبادی کا اسی فیصد حصہ "سنہالی" ہے۔ بیس فیصد "تامل" آبادی ہے۔ تامل اور سنہالی ایک دوسرے کو ایک ہی ملک میں برداشت نہیں کر سکتے۔ عدمِ برداشت کا یہ سلسلہ نسلی بنیادوں پر چل رہا ہے جس میں دونوں اطراف سے بیس ہزار افراد اس فتنہ کی نذر ہو چکے ہیں اور یہ لڑائی اب بھی زور و شور سے جاری ہے۔ (۶) ہندوستان میں جا بجا نسلی بنیادوں پر عدم برداشت کے سلسلے چل رہے ہیں ہندوؤں میں نسلی

بنیادوں پر برتری اور کمتری کا انتہائی کربناک و مکروہ سلسلہ ہے کہ کہ انسانیت کی تذلیل ہے۔(۷)

علاقائی بنیادیں

عدم برداشت کا دوسرا اہم محرک علاقائی بنیادیں ہیں جو مستقل تنازعات کی صورت اپنائے ہوئے ہیں۔ پاکستان میں قبائلی علاقوں میں علاقائی بنیادوں پر جنگوں کا ایک سلسلہ موجود ہے محض چند کنال کے پہاڑ یا زمین پر کئی کئی نسلیں برسرپیکار ہیں۔

پاکستان اور انڈیا کے مابین کشمیر کا مسئلہ اگرچہ صرف علاقائی بنیاد پر نہیں مگر اس تنازعہ کا ایک اہم پہلو علاقائی نزاع بھی ہے۔ زمانہ قریب میں روس کو یہ برداشت نہ ہوا کہ افغانیوں کے پاس اتنا قیمتی علاقہ ہو چنانچہ وہ گرم پانیوں تک پہنچنے کی لالچ میں ۱۹۷۹ء میں افغانستان پر حملہ آور ہوا جس کا نقصان خود روس کو بھی بڑے پیمانے پر بھگتنا پڑا۔ علاوہ ازیں پوری دنیا اس سے متاثر ہوئی۔ روس کی ریاست آذربائیجان اور جارجیا کا نگورنو کاراباغ کے علاقے پر باہمی چپقلش ہے۔(۸) اسی طرح کوریا میں علاقائی بنیادوں پر جنگ جاری ہے۔ اسی طرح ایران عراق دونوں ہم مذہب ہیں لیکن ان کی باہمی لڑائی میں بھی علاقہ ایک اہم محرک ہے۔ ایران کی جنوبی سرحد "شط العرب" (دریائے اروند) کی بنیاد پر ۱۹۴۵ء میں خوفناک لڑائی ہو چکی ہے۔ جس میں دونوں جانب سے دو لاکھ افراد جنگی قیدی بنے اور دو ملین افراد متاثر ہوئے۔(۹)

مذہبی اور مسلکی بنیاد پر عدم برداشت

پوری دنیا میں جابجا عدم برداشت کا ایک محرک مذہب بنا دیا گیا ہے۔ حالانکہ دنیا کا کوئی بھی مذہب ایسا نہیں جو کہ فتنہ و فساد کو روا سمجھتا ہو باوجود اس کے اکثر جگہوں پر دوسرے مذاہب کے لوگوں کو برداشت نہیں کیا جا رہا۔ بوسنیا اور سرب اسی طرح کوسوو اور سرب لڑائیاں اب مذہبی نوعیت کی لڑائیاں بن چکی ہیں۔ سوڈان میں مسلمان اور عیسائی ایک دوسرے کے ساتھ رہنا برداشت نہیں کر رہے چنانچہ علیحدگی پسند عیسائیوں اور سوڈان کے مسلمانوں میں باہمی لڑائیاں ہو رہی ہیں۔ فلپائن کے مذہبی عیسائی مسلمانوں کو برداشت کرنا ناممکن خیال کرتے ہیں چنانچہ مسلمانوں کا مورو نیشنل فرنٹ اور فلپائن حکومت کے درمیان چھاپہ مار لڑائیوں کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔(۱۰) اسی طرح ایتھوپیا اور اریٹیریا میں مسلم اور عیسائی باہمی جنگ میں مبتلا ہیں۔ سری لنکا میں بدھ اور ہندوؤں کی باہم لڑائیوں میں بھی مذہب کو بنیاد بنا دیا گیا ہے۔(۱۱) بھارت میں بھی ہندو مسلم اور عیسائی عدمِ برداشت کے مظاہرے عام ہیں۔ نیویارک ٹائم کی خبر کے مطابق بھارت میں آئے دن مذہبی عدم برداشت کی بنیاد پر فسادات ہو رہے ہیں۔ ہندوؤں نے عیسائیوں کے کئی گھر جلا دیئے ہیں اور ان کی عبادت گاہیں تباہ کر دی ہیں۔(۱۲) وائس آف

امریکہ کے مطابق سانحہ چرار شریف میں مذہبی بنیادوں پر استحصال کرتے ہوئے ہندوؤں نے مسلمانوں کے ایک ہزار گھروں، دکانوں اور درگاہوں کو آگ لگا کر جلادیا(۱۳) بھارت میں مذہبی بنیادوں پر بابری مسجد کو نہ صرف شہید کر دیا گیا بلکہ اس کی جگہ مندر کی تعمیر شروع کر دی گئی۔

مسلکی عدم برداشت

ایک ہی مذہب کے مختلف مسلکوں کے افراد کے مابین دنیا کے کئی ممالک میں مستقل چپقلش اور عدم برداشت دیکھنے میں آرہا ہے۔ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عیسائیت کے ہی مسلک ہیں دونوں میں پرانی عداوت ابھی تک حال ہے حال ہی میں آئر لینڈ میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے مابین بڑے پیمانے پر فسادات ہوئے ہیں۔ جن میں دوسرے مسالک کے زیر انتظام گرجوں کو آگ لگادی گئی۔(۱۴) یہ فسادات اب بھی جاری ہیں۔ آج امت مسلمہ بھی اس مسئلہ سے دوچار ہے۔ مسلکوں کے اختلافات کو انتشار اور افتراق کا رنگ دے دیا گیا ہے۔

معاشی عدم برداشت

معاشی حوالے سے عدم برداشت کے مظاہرے آج کثرت سے دیکھنے میں آرہے ہیں۔ مضبوط معاشی ممالک کو یہ گوارا نہیں کہ دوسرے ممالک بھی اپنی معیشت مستحکم کریں چنانچہ اس مقصد کے لیے دنیا میں باقاعدہ جنگوں کے سلسلے شروع ہیں۔ ایران عراق جنگ کا ایک اہم پہلو بھی معاشی اجارہ داری کا قیام تھا۔ بعض مصنفین کے نزدیک عراق خلیج میں تیل کی منڈی پر بلا شرکت غیرے قبضہ چاہتا تھا پھر جب عراق ایران جنگ میں عراق کی معاشی حالت پتلی ہوئی تو اس نے کویت کی بڑی تجارتی منڈی پر قبضے کی فکر کی اور کویت پر حملہ آور ہوا۔(۱۵) اس جنگ میں امریکہ اور مغربی ممالک نے خصوصی توجہ کی اور معیشت پر اپنا قبضہ جمانے کے لیے اس کو خلیج میں ایک مستقل جنگ میں تبدیل کر دیا۔ برزنسکی اپنی کتاب "Out of Control" میں اس کا جائزہ لیتے ہوئے رقمطراز ہے "عربوں کا روایتی عدم اتحاد جسے مغربی طاقتیں جو عربوں کے تیل کی فراہمی پر اپنا کنٹرول رکھنے میں دلچسپی رکھتی ہیں جان بوجھ کر بڑھاتی ہیں"(۱۶) عرب عراق جنگ میں عرب دنیا کو ۶۰۷ بلین ڈالر کا نقصان برداشت کرنا پڑا ہے جو کہ پوری دنیا کے بیرونی قرض کی رقم سے دگنا ہے۔(۱۷) غرضیکہ معاشی بالادستی قائم کرنے کے لیے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کیے جارہے ہیں چنانچہ کسی بھی ملک کو برداشت نہیں کہ دوسرے ملک کی معیشت سنبھل جائے اس عدم برداشت کی وجہ سے پوری انسانیت اس وقت آگ کی لپیٹ میں ہے۔

عدم برداشت کے محرکات اور تعلیمات نبوی ﷺ

عدم برداشت کے محرکات پر بحث کرنے سے قبل برداشت اور عدم برداشت کے مفہوم کو واضح کریں

گے جس میں برداشت کے تصور میں اسلامی تعلیمات کا پہلو بھی سامنے آجائے گا۔

برداشت کا تصور

اردو زبان میں برداشت کا لفظ بردباری' تحمل' سہار اور صبر وغیرہ کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔(۱۸) عربی زبان کا لفظ "صبر" اس کے لیے زیادہ موزوں ہے جو اپنے معنی و مفہوم میں برداشت کے لفظ سے کہیں زیادہ وسعت کا حامل ہے۔ صبر کے معنی روکنے' سہارنے' ثابت قدم رہنے' استقامت' ضبط نفس اور برداشت کرنے کے آتے ہیں۔(۱۹) اسلامی تعلیمات میں بھی یہ لفظ ان معنوں میں کثرت سے استعمال ہوا ہے اور مومن کو خصوصیت سے صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔(۲۰) اسلامی تعلیمات میں "صبر" (برداشت) کے حکم سے یہ قطعاً مراد نہیں کہ ایک لڑائی ہو رہی ہو تو انسان خاموش رہے اور برداشت کرتا رہے یا پھر اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو خوشی برداشت کرے۔ بلکہ ایسے مواقع پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں صبر ایسے ہی کئی مواقع کے لیے استعمال ہو رہا ہے یعنی برائی کے خلاف ڈٹ کر راستے کی مشکلات کو برداشت کیا جائے۔(۲۱)

عدم برداشت کے اہم اسباب و محرکات اور تعلیمات نبوی ﷺ

اتباعِ ھویٰ

انسان کا نفس اسے ہر جائز و ناجائز لذت کی طرف سے دوڑاتا ہے۔ ناجائز نفسانی خواہش کا مقابلہ نہ کرنا ایک بڑی برائی ہے۔ چنانچہ یوسفؑ اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ

"و ما ابرئ نفسی ان النفس لأمارة بالسوء الاما رحم ربی"(۲۲) اس آیت میں برائی کا مطلب بہت واضح ہے یعنی دنیوی لذات اور نفسانی خواہشات میں بے قابو ہو جانا اور برداشت نہ کرپانا۔(۲۳)

دنیا میں بسنے والے اربوں انسان اگر اپنی مختلف خواہشات کو پورا کرنے کے درپے ہو جائیں تو پھر دنیا میں امن وامان کا تصور بھی ناممکن اور یہاں زندگی بسر کرنا ہی محال ہو جائے۔ قرآن میں محض اپنی خواہشات پر زندگی بسر کرنے والوں اور ضابطہ الٰہی کی پیروی نہ کرنے والوں کو جانوروں سے بھی بدتر کہا گیا ہے۔(۲۴) دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اے نبی کیا تم نے کبھی اس شخص کے حال پر غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش نفس ہی کو اپنا معبود بنالیا اور علم کے باوجود اللہ نے اسے گمراہی میں پھینک دیا۔(۲۵)

مذہب کی حقیقی روح سے دوری

دنیا کی اکثر آبادی اس وقت مذہب سے دور ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں مذہب اور دنیاوی امور الگ الگ میدان ہیں ان کے نزدیک مذہب اگر دنیاوی امور میں مداخلت کرے گا تو ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ثابت

ہو گا۔ اس طبقے کے علاوہ وہ لوگ جو مذہبی کہلاتے ہیں ان میں سے اکثر مذہب کی حقیقی روح سے ناواقف اور بے بہرہ ہیں۔ ایک مذہب کے پیروکار دوسرے مذہب کو بہر صورت غلط اور باطل تصور کرتا ہے چنانچہ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو برداشت کرنا ان کے لیے ناممکن ہوتا ہے۔ مذاہب عالم کی تاریخ ان واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ یہودی عیسائیوں کو ناحق اور عیسائی یہودیوں کو ناحق سمجھتے ہیں۔ (۲۶) اسی مذہبی لاعلمی کی بنیاد پر انسانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا ہے بلکہ ایسے کاموں پر اجر و ثواب کی امیدیں بھی کی جاتی ہیں۔

اسلامی تعلیمات

اسلامی تعلیمات مذہب کے اس تصور سے یکسر مختلف ہیں جو لوگوں کے ذہنوں میں پختہ ہو چکا ہے۔ اسلام ایک عالمگیر برادری کے تصور کی بنیاد فراہم کرتا ہے جس سے دوسروں کو برداشت کرنا ممکن و سہل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "لا اکراہ فی الدین" (۲۷) یعنی دین میں کوئی زبردستی نہیں ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے "افأنت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین" (۲۸) "پھر کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ مومن ہو جائیں۔

اسلام نے مذہبی اختلافات میں تعاون اور عدم تعاون کا وہ اصول فراہم کیا ہے جو دنیا سے فتنہ و فساد کی جڑ اکھیڑ سکتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (۲۹) یعنی اچھے کاموں میں سب کے ساتھ تعاون اور برے کاموں میں کسی کے ساتھ تعاون نہ کرو۔ اسلام غیر مسلموں کی مقدس اشیاء کی توہین کرنے سے منع کرتا ہے۔ (۳۰) اس کے برعکس آج عام رجحان یہ ہے کہ دوسروں کی عبادت گاہوں کی توہین کی جاتی ہے۔ آئے دن پتہ چلتا ہے کہ فلاں مذہب کے پیروکاروں نے فلاں کے گرجے مساجد اور درگاہیں جلادیں اسی طرح مذہبی کتب کی توہین کے واقعات بھی عام ہیں یہ ایسے افعال ہیں جو دوسروں کے عدم برداشت کا ذریعہ بنتے ہیں جس کی وجہ سے وہ آگ دھکتی ہے۔ جس کا ایندھن دنیا میں رہنے والے انسانوں کو بننا پڑتا ہے اس سلسلے کی اصلاح کے لیے انتہائی دلچسپ اور سبق آموز مثال خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے کہ غزوہ خیبر میں جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا اس میں توریت کے کچھ نسخے بھی تھے یہود نے درخواست کی کہ وہ مقدس نسخے انہیں واپس کر دیئے جائیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے تمام صحیفے واپس کرنے کا حکم دیا۔ (۳۱) اس وقت تو اس کے جو اچھے اثرات مرتب ہونے تھے وہ ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ آج بھی یہودی علماء و مفکرین اس رواداری کو قابل صد تحسین سمجھتے ہیں اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں چنانچہ ایک بڑا یہودی مفکر ڈاکٹر اسرائیل ولفنسون اس واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "اس واقعہ سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ان مذہبی صحیفوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ل میں کس قدر احترام تھا آپ ﷺ کی اس رواداری اور فراخ دلی کا یہودیوں پر بڑا اثر پڑا وہ آپ ﷺ کے اس احسان کبھی نہیں بھول سکتے کہ آپ ﷺ نے ان کے مقدس صحیفوں کے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہیں کیا جس سے ان کی بے حرمتی لازم آتی ہو"۔ دوسری طرف یہودی علماء کو وہ واقعہ بھی بخوبی یاد ہے کہ جب رومیوں نے یروشلم کو ۷۰ ء بل مسیح میں فتح کیا تو انہوں نے ان کے مقدس صحیفوں کو آگ لگادی اور پاؤں تلے روندا۔(۲۳)

یر مسلموں کو برداشت کرنے کا اسلامی قانون

اسلام نے دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو برداشت کرنے کا ایک عام اور واضح اصول مقرر کیا ہے نانچہ اسلامی قانون میں غیر مسلموں کو دو مختلف زمروں میں رکھا گیا ہے۔(۳۳)

غیر مسلم۔ غیر مخالفین

غیر مسلم۔ مخالفین یا دشمن

بر مسلم مخالفین اگر مسلمانوں کے خلاف جنگ مسلط کریں۔ فتنہ وفساد پھیلائیں ان کے دین' جان' مال اور عزت کو نقصان پہنچائیں۔ تو ایسے دشمنوں کو برداشت کرنے کا حکم نہیں ان کو برداشت کرنے کا مطلب فتنہ وفساد کی راہ ہموار رنا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وقاتلوھم حتی لا تکون فتنة" (۳۴) یعنی ان سے لڑو۔ یہاں تک کہ فتنہ تی نہ رہے۔ جہاں تک ان غیر مسلموں کا تعلق ہے جن کا شمار مخالفین میں نہیں ہوتا اور انہوں نے فتنہ وفساد برپا ہیں کیا۔ مسلمانوں کے مذہب' جان ومال اور عزت کو نقصان نہیں پہنچایا تو ایسے لوگوں کو نہ صرف برداشت کرنے بلکہ ان کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنے اور ان کو مصیبت میں کام آنے کا حکم ہے حتی کہ انہیں امان دینے کی بھی جازت ہے۔(۳۵)

قلیتوں کا تحفظ اور تعلیمات نبوی

عہد حاضر میں اقلیتوں کے حقوق کا مسئلہ سنگین نوعیت اختیار کر چکا ہے کسی بھی خطے میں کوئی بھی اقلیت آرام وسکون سے زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ بھارت میں مسلم' عیسائی' سکھ' پارسی' اقلیتیں اور یورپ میں مسلمان اقلیتیں کتنے مشکل حالات میں زندگی بسر کر رہی ہیں یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ تعلیمات نبوی کے مطابق پر امن غیر مسلم اقلیتیں انتہائی خوشی اور مسرت سے زندگی بسر کر سکتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرامن غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کی بڑی تاکید کی ہے ان کی جان' مال وآبرو کے تحفظ کی ذمہ داری اسلامی ریاست پر ڈالی گئی ہے۔

اسلامی تعلیمات میں کسی غیر مسلم معاہد ذمی کے خلاف مسلمان کی غیر قانونی مدد کی اجازت نہیں دی

گئی۔(۳۶) آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جس نے کسی ذمی کو ایذاء دی تو میں اس کے خلاف کھڑا ہوں گا۔(۳۷)
علاوہ ازیں آپ ﷺ نے معاہد کافر پر ظلم کرنے اور اس کی طاقت سے زائد بوجھ ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔(۳۸)

مذہبی رواداری اور تعلیمات نبوی

مذہبی عدم برداشت کی مثال تو دور' آج ایک ہی مذہب کے مختلف مسالک کے پیروکار' ایسے لوگ بھی عام ہیں جو ایک دوسرے کو برداشت نہیں کر سکتے حتیٰ کہ دوسروں کے زیر انتظام چلنے والی مساجد اور عبادت گاہوں کی ناقدری کرتے ہیں اور انہیں اپنی عبادت گاہوں کے قریب بھی نہیں آنے دیتے۔ ایسے لوگوں کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ سلوک ہدایت کا سرچشمہ ہے جو انہوں نے غیر مسلموں کے ساتھ کیا چنانچہ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد نبوی میں حاضر ہوا۔ ملاقات کے دوران ان (نصاریٰ) کی نماز (عبادت) کا وقت ہو گیا انہوں نے مسجد نبوی ہی میں اپنی نماز شروع کر دی۔ لوگوں نے انہیں منع کرنے کا ارادہ کیا تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا اور فرمایا کہ انہیں چھوڑ دو تاکہ یہ اپنی نماز پڑھ لیں۔(۳۹) اسلام اہل کتاب کو مشترک اصولوں پر جمع ہونے کی دعوت دیتا ہے اور ان کے ساتھ امن واتحاد چاہتا ہے۔(۴۰) غیر مسلموں کے ساتھ رواداری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ سے معمول رہا ہے۔ مکہ میں آپ ﷺ کو ہجرت پر مجبور کرنے والے کفار جب قحط میں مبتلا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رواداری سے بڑھ کر ان کے ساتھ احسان کا سلوک کیا اور انہیں پانچ سو اشرفیوں کی امداد بھیجی۔(۴۱)

اسی طرح جب یمامہ کے سردار ثمامہ نے اسلام لانے کے بعد اپنے ہاں سے مکہ کے لیے خوراک کی رسد بند کر دی تو اہل مکہ کی پریشانی دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اہل مکہ کی رسد بحال کر دی جائے۔(۴۲) اس سے بھی بڑھ کر وہ واقعہ ہمارے لیے راہ عمل ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نعرہ یہ تھا کہ "الیوم یوم الرحمة" کہ آج کا دن رحم و کرم کا دن ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "اذھبوا انتم الطلقاء" (۴۳) کا فرمان جاری کر کے عام معافی کا اعلان کر دیا۔

عالمگیر برادری کا جو تصور آنحضرت ﷺ نے قائم کیا اگر آج ہم اس کو سامنے رکھ کر زندگی بسر کریں تو عدم برداشت کی جگہ عفو و درگزر' محبت و رحمت' امن و امان کی فضا قائم ہو سکتی ہے۔ ہر آدمی جائز پر تعاون اور ناجائز پر عدم تعاون کا رویہ اختیار کرے تو دنیا جنت نظیر بن جائے تمام مذہبی و مسلکی جھگڑوں کا بہتر حل سامنے آجائے اور فتنہ و فساد کے طویل سلسلے رک جائیں۔

نیشنلزم (Nationalism)

نیشنلزم کی اساس وطن اور قوم پر ہوتی ہے قوم پرستی اور وطن پرستی وہ چھوٹے چھوٹے دائرے ہیں کہ ان دائروں میں رہ کر انسان دوسری اقوام و اوطان کو برداشت نہیں کر سکتا۔ انسان کی سوچ میں عالمگیریت کا خاتمہ اور علاقائی، قبائلی اور لسانی تعصب کا ابھار ہوتا ہے۔ انہیں بنیادوں پر کمزور اپنے حقوق کے لیے لڑتا ہے اور طاقتور کمزوروں کا استحصال کر کے اپنے حقوق لینا چاہتا ہے۔ علامہ اقبال کے بقول کثیر تعداد میں فتنہ فساد اور عدم اتحاد و انتشار اور مذہبی نقصان کی بنیاد یہی نظریہ ہے۔ ان کے بقول

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اسی سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اسی سے

پاکستان میں پختونستان، سندھو دیش، مہاجر وطن کے نام پر دھڑے بندیاں اور دوسروں کو نکالنے کی جتنی بھی تحریکیں ہیں ان کی بنیاد اسی نظریے پر استوار ہے۔ گزشتہ دور میں اس سوچ و فکر کی بنیاد پر بڑے بڑے فتنوں نے سر اٹھایا جس سے امت مسلمہ کو بے تحاشا نقصان پہنچا۔(۴۴)

قومی، لسانی و علاقائی تعصب اور تعلیمات نبوی ﷺ

قومی، لسانی اور علاقائی تعصب کی بنیاد پر عدم برداشت کے خاتمے کے لیے ہمیں اسلام کے اس بنیادی اصول سے تعلیم حاصل کرنی ہوگی جس میں انسانی برادری کو عالمگیر حیثیت سے قائم کیا گیا ہے۔(۴۵)

ایسی قوم پرستی جس میں دوسروں کو برداشت نہ کیا جائے اور اپنی قوم کی ہر جائز و ناجائز پر مدد کی جائے، کو قرآن نے "حمیة الجاهلیة" (۴۶) کا نام دیا ہے۔ اس قومی تعصب کی تعریف کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "تعصب یہ ہے کہ مدد کرے تو اپنی قوم کی ظلم پر" (۴۷) نیز آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنی قوم پر ظلم نہ ہونے دے مگر گناہ میں ان کا شریک نہ ہو" (۴۸) آپ ﷺ نے تعصب پر لڑنے، تعصب کی طرف بلانے اور تعصب پر مرنے والوں کے لیے فرمایا کہ "وہ ہم میں سے نہیں" (۴۹) عہد نبوی میں ایک مرتبہ مہاجر و انصاری کے درمیان کسی بات پر تکرار ہوا تو انہوں نے "یا معشر

المهاجرین" اور "یا معشر الانصار" کہہ کر اپنی اپنی قوموں کو پکارا تو آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ "یہ کیا جاھلیت کی پکار ہے" (۵۰) آپ ﷺ کی اپنی تعلیمات کی بدولت وہ عرب کہ جن میں دوسروں کے لیے برداشت اور عفو و درگزر کا تصور بھی نہیں تھا آپس میں ایسے بھائی بھائی بن گئے کہ اللہ تعالیٰ نے "و یؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ" (۵۱) کے الفاظ میں ان کی باہمی محبت اور بھائی چارے کی گواہی دی۔

عدم برداشت کا ایک اہم محرک! لادین سیاست

ملوکیت و پاپائیت یا اشتراکیت و جمہوریت یا قبائلی نظام حکومت بھی اگر اللہ کی حاکمیت کے سائے سے باہر کر چلایا جائے گا تو تباہی و بربادی کے سوا انسانیت کو کچھ نہیں ملے گا۔ لادین سیاست کے پیروکار کبھی بھی دوسرے عزت سے رہنا برداشت نہیں کر سکتے۔ اکثر مغربی و مشرقی مفکرین کے نزدیک گذشتہ دونوں عالمگیر جنگوں کی یہی لادین سیاست تھی۔ جس کی وجہ سے سات کروڑ افراد موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ (۵۲)

جنگ عظیم دوم کے علاوہ ویت نام کی جنگ' روس اور چین کے کمیونسٹ انقلاب' روس افغان جنگ' الجزائر کی خانہ جنگی' فلسطین پر امریکہ کی طرف سے مسلط کی گئی جنگ' یہ تمام اسی لادین سیاست کی پیداوار ہے۔ انسانیت کو عالمی جذبہ برداشت' رواداری اور اخوت سے نکال کر قوم پرستی اور علاقائی جنگوں کی جہنم میں اوندھے دھکیلتی ہے۔

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ اگر کسی کو زمین میں اقتدار مل جائے تو وہ زمین میں اپنی بالادستی کی بجائے اللہ کے حکم کی بالادستی قائم کرے' لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور منکرات اور برائیوں کی جہنم میں گرنے سے بچانے کی کوشش کرے۔

سیاسی وابستگیاں اور عدم برداشت

قومی سطح پر یہ رجحان دیکھنے میں آیا ہے کہ عوام کو مختلف سیاسی گروہ بندیوں میں اس طرح جکڑ دیا گیا ہے اور ایسا ماحول پیدا کیا گیا ہے کہ اگر ایک سیاسی پارٹی کا کوئی فرد ملک کا سربراہ بن جائے تو دوسری پارٹی کے لوگ اسے برداشت نہیں کرتے خواہ وہ کتنا ہی نیک سیرت اور مسلک کے لیے بہتر ہی کیوں نہ ہو۔ (۵۵) اس طرح کی سیاسی وابستگیاں جن میں دوسروں کو سرے سے برداشت ہی نہ کیا جائے اور محض احتجاج ہی احتجاج ہو اسلام میں ممنوع ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے لا تسبوا الولاۃ فانھم ان احسنوا کان لھم لا جر و علیکم الشکر و ان اسائوا فعلیھم الوزر و علیکم الصبر۔ (۵۶)

جدا دین

یعنی حاکموں کو نہ کوسو کیوں کہ کہ اگر وہ نیکی کرتے ہیں تو ان کے لیے اجر ہے اور تمہارے لیے موقعہ شکر اور اگر وہ برائی کریں تو ان کی گردن پر بوجھ اور تمہارے لیے موقعہ صبر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر کی سمع وطاعت کا حکم دیا ہے اور عدم برداشت کی سیاست سے منع فرمایا ہے۔(۵۷) یہاں یہ بات یاد رہے کہ اسلام حکمرانوں پر مثبت اور معیاری تنقید سے نہیں روکتا۔(۵۸) اسی طرح ظالم و جابر حکمران کے خلاف کلمہ حق کو جہاد کہا گیا ہے بلکہ ایسے حالات میں مستقل مزاجی، صبر و برداشت سے ظلم کے خلاف ڈٹے رہنا اسلامی تعلیمات کا حصہ ہے۔(۵۹)

سماجی ناانصافی اور عدل و مساوات کا بحران

عدل وانصاف کا فقدان اور کمزور کے حقوق کو نظر انداز کرنے کا عام رجحان موجود ہے۔ مضبوط اور ترقی یافتہ اقوام کی ناانصافیاں کوئی آج کی پیداوار نہیں بلکہ برسوں پہلے سے ان کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ۱۸۱۵ء میں منعقد ہونے والے مقدس اتحاد (Holly Alliance) جس میں کروشیا، جرمنی، آسٹریا اور روس کے شاہان نے شرکت کی میں تین اصول طے کیے گئے جو عالمی سطح کی ناانصافیوں کی بنیاد ثابت ہوئے ان اصولوں میں ایک یہ تھا کہ یورپ اور اس کے قرب وجوار میں کسی مسلمان طاقت کو سر اٹھانے کا موقع نہ دیا جائے گا۔(۶۰) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی بھی قوم خواہ کتنی بھی مضمحل اور پسماندہ ہی کیوں نہ ہو اپنے خلاف ایسے فیصلوں کو برداشت کر سکتی ہے؟ اس کا جواب بہر صورت نفی میں ہوگا۔

بلا تفریق عدل و مساوات اور تعلیمات نبوی

اسلام ہمیں بلا تخصیص مذہب، بلا تخصیص رنگ و نسل و علاقہ عدل کا حکم دیتا ہے اسلامی عدل کا دائرہ کار دنیا کی تمام انسانیت تک وسیع ہے۔(۶۱)

اسلامی تعلیمات ہمیں طبقہ بندیوں اور ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر غیر جانبدار عدل کا حکم دیتی ہیں۔(۶۲) عہد نبوی میں انصاف رسانی کے ادارے کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ آپ ﷺ نے اس کو اتنا قابل اعتماد بنادیا تھا کہ کمزور طبقے کے لوگ اور غیر مسلم اقلیتیں بھی ان عدالتوں پر زیادہ اعتماد کرتی تھیں۔(۶۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”اس امت میں کوئی برکت نہیں ہو سکتی جس میں عادلانہ فیصلے نہ ہوتے ہوں اور جس میں کمزور کوئی پریشانی اٹھائے بغیر اپنا حق زبردستی سے وصول نہ کر لیتا ہو۔(۶۴) آج کمزور طبقے کے لوگ اس بات کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ ان کو نظر انداز کر کے اپنوں کو نوازا جائے اسلامی تصورات مساوات تو ایسے فعل کی یکسر نفی کرتا ہے چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے چچا ابولہب نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ اگر میں تمہارے دین کو مان لوں

تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے بلا جھجک یہ ارشاد فرمایا کہ "جو اور سب ایمان لانے والوں کو ملا" اس پر ابو لہب کہنے لگا کہ "تبالھذا الدین ان اکون و ھو لاء سوٓاء"۔(۶۵) یعنی اس دین کا ناس ہو جس میں میں اور دوسرے برابر ہوں۔

موجودہ دور میں بھی یہ رجحان عام ہو رہا ہے اسلام نے ہمیں اس کے برعکس ہدایات دی ہیں۔(۶۶) بے لاگ عدل وانصاف اور مساوات کا اسلامی تصور آج بھی اگر رائج ہو جائے تو حقوق کے تحفظ کی خاطر بے صبری اور عدم برداشت کا خاتمہ ممکن ہو سکتا ہے۔

معاشی اجارہ داری

مضبوط معاشی ممالک کو یہ گوارا نہیں کہ ان کے مقابلے میں کسی دوسرے ملک کی معیشت مضبوط ہو جائے۔ دنیا میں ہمیشہ سے سرمایہ دار کی کوشش یہ رہی ہے کہ سرمایہ صرف اسی کے پاس رہے اور غریب روٹی' کپڑا اور مکان کے لیے بھی اس کا محتاج رہے۔ یہ طبقاتی تفریق ایک طرف دولتمندوں کے دلوں میں تکبر' بے رحمی' خود غرضی اور بخل کے جذبات پیدا کرتی ہے تو دوسری طرف غریب اور محروم لوگوں کے دلوں میں بغض وعناد' حسد' کینہ اور عدم برداشت کے جذبے کو ابھارتی ہے۔

اسلامی تعلیمات میں سود کے خاتمہ اور زکوۃ کا نفاذ' تجارت کی آزادی' معاشی اجارہ داریوں کا خاتمہ اور اقتصادی محکومی کی نفی کی گئی ہے تاکہ ہر آدمی آزادی سے اپنا رزق تلاش کر سکے اور دوسرا اس کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالے۔ اسلام نے عالمگیر سطح پر ہر انسان کے معاشی حقوق بلا تفریق تسلیم کیے ہیں۔(۶۷)

عدم برداشت کے چند دیگر محرکات اور سیرت النبی ﷺ سے استفادہ

موجودہ دور میں بہت سی اخلاقی برائیاں ایسی ہیں جو بظاہر چھوٹی سمجھی جاتی ہیں لیکن حقیقتاً وہ باہمی بغض' عناد' منافرت اور عدم برداشت پر ابھارنے کا سبب بنتی ہیں۔ اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو سامنے رکھ کر ان برائیوں سے اپنی جان چھڑالیں تو معاشرے میں انتشار و بے چینی کا خاتمہ بہت آسانی سے ممکن ہو سکتا ہے۔

۱۔ غیر محتاط فتوے

غیر محتاط فتوؤں کا ہمارے معاشرے میں عام رواج ہے یہ فتوے دوسروں کو غیض و غضب میں مبتلا کرتے ہیں اور افتراق و انتشار کا باعث بنتے ہیں اس لیے آپ ﷺ نے ایسے فتوے لگانے سے منع کیا ہے اور احتیاط کرنے کا حکم دیا ہے۔(۶۸) آج کل دوسروں پر کافر اور فاسق کے فتوے بھی لگانے کا رجحان ہے جبکہ آنحضرت ﷺ نے اس

سے سختی سے منع فرمایا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اگر کوئی مرد کسی مرد کو فاسق یا کافر کہے اور وہ اس طرح نہ ہو تو وہ فسق اور کفر اس پر الٹ جاتا ہے۔(۶۹) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برائی کے مرتکب شخص کو بھی برے اور غلط الفاظ سے پکارنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ عہد نبوی میں زنا کا ارتکاب کرنے والی عورت کو جب لوگوں نے برا کہا تو آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔(۷۰) فتنہ و فساد کے مواقع پر غیر معیاری' نازیبا اور غیر محتاط الفاظ بھی دوسروں کی عدم برداشت کا باعث بنتے ہیں اس لیے آپ ﷺ نے ایسے مواقع پر زبان درازی کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔(۷۱) اسی طرح آپ ﷺ نے دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ خواہ مخواہ کی چھیڑ چھاڑ سے منع فرمایا ہے۔(۷۲)

۲۔ یاوہ گوئی' ہجو' تمسخر و استہزاء

تاریخ شاہد ہے کہ بد زبانی' ہجو بیانی اور زبان کے تیر دوسروں کے لیے کتنے ناقابل برداشت ہوتے ہیں ایک شاعر کے الفاظ اس کی خوب ترجمانی کرتے ہیں کہ

جراحات السنان لها التيام ولا يلتام ماجرح اللسان

یعنی تلوار کے زخم تو بھر جاتے ہیں مگر زبان کے زخم نہیں بھرتے

قرآن کریم نے مومنین کو اسی لیے لغو باتوں سے اعراض کرنے کا حکم دیا ہے۔(۷۳) تمسخر و استہزاء' طعنہ زنی' بد القابات سے پکارنا' دوسروں کی نسبت بد گمانی کرنا' تجسس اور غیبت جیسی مہلک برائیاں جن کو آج سیاست کا حصہ اور ضرورت سمجھ لیا گیا ہے معاشرے میں فتنہ و فساد پھیلانے کا سبب بنتی ہیں لہٰذا اسلام نے ہمیں ان تمام برائیوں سے بچنے کا حکم دیا ہے۔(۷۴)

صبر و برداشت کے متعلق تعلیمات نبوی

صبر و تحمل جیسی صفات معاشرے میں امن و آشتی اور اتفاق و اتحاد کا باعث بنتی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے عظیم نعمت قرار دیا ہے۔(۷۵) ایک دوسرے کی غلطیوں کو برداشت نہ کرنا اور باہم تنازعات و افتراق پیدا کرنا ضعف و کمزوری اور عذاب الٰہی کا سبب ہے۔(۷۶) عدم برداشت کا ایک بڑا سبب غصے پر قابو نہ پانا ہے یہ جذبہ اگر انسان پر غالب آجائے تو اسے جانوروں کے درجے میں لا کھڑا کرتا ہے اور اگر انسان اس پر قابو پالے تو انسانیت کی معراج پر پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگ بہت ہی پسند ہیں جو غصے میں برداشت سے کام لیتے ہیں۔(۷۷) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ پہلوان وہ ہے جو اپنے نفس پر قابو رکھے غصے کے وقت۔(۷۸) انجانے میں اگر کسی سے غلطی ہو جائے تو اس کو نہ صرف برداشت کرنا چاہیے بلکہ احسن سلوک اور احسان سے پیش آنا چاہیے۔(۷۹) علاوہ ازیں آپ ﷺ نے رواداری کی لغزشوں پر درگزر کرنے کا حکم دیا ہے سوائے حدود کے۔(۸۰) مصیبتوں اور

مشکلات میں برداشت کا دامن چھوڑ دینے سے انسان اپنے اور دوسروں کے لیے بہت سی مشکلات پیدا کر لیتا ہے ایسے میں اپنے اوپر قابو رکھنا اور مصلحت کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا ہی دانشمندی کا تقاضا ہے۔

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ ہمیں ہر جگہ سبق دیتی ہے کہ برداشت کا دامن ہاتھ سے کبھی نہ چھوڑا جائے۔ آپ ﷺ پر جب بھی کوئی نازک موقع آیا تو آپ ﷺ نے سوچ سمجھ کر صبر و تحمل، بردباری اور پورے وقار کے ساتھ قدم اٹھایا۔ مثلاً حجر اسود کی تنصیب، شعب ابی طالب میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی قید، عام الحزن، سفر طائف، صلح حدیبیہ، فتح مکہ اور واقعہ افک، غرض ہر نازک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے برداشت اور صبر ہی کو مشعل راہ قرار دیا ہے۔

تمت بالخیر

تعلیقات و حواشی

۱۔ التین: ۴، ۵۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تفسیر عثمانی

۲۔ آل عمران: ۱۰۳

۳۔ جاھلیہ کے معانی کے لیے ملاحظہ ہو اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج: ۷، لفظ "جاہلیت" اسلام نے اس رجحان کے برخلاف حلم کے رجحان کو عام کیا ہے۔

۴۔ Bhatti, Current Affairs, 1999

۵۔ ایضاً

۶۔ ایضاً

۷۔ ملاحظہ ہو رگ وید: ۹: ۱۲، سنو ۱۰: ۴

۸۔ Bhatti

۹۔ ایضاً۔ عربوں میں خلافت عثمانیہ کے ٹکڑے ہونے کا سبب بھی لسانی اور علاقائی قومیت ہی تھی ملاحظہ ہو ٹی ای لارنس کی کتاب Seven pillers of wisdom, London, 1940, Page-23

۱۰۔ Bhatti

۱۱۔ ایضاً ص ۱۰۹

۱۲۔ روزنامہ نوائے وقت، ۲۵ مارچ ۱۹۹۹ء

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ وائس آف امریکہ

۱۵۔ Bhatti Page-111

۱۶۔ Zbigniew Brezeznski, out of control Global Turmoil on the eve of the twenty first century, Newyork, 1995, Pate-214

۱۷۔ ترجمان القرآن مارچ ۱۹۹۸ء ص ۷

۱۸۔ قائد اللغات از عبدالحکیم خان نشتر جالندھری۔ طبع 'حامد اینڈ کمپنی لاہور' مادہ "برداشت"

۱۹۔ ابن منظور 'لسان العرب' مادہ "صبر"

۲۰۔ ملاحظہ ہو قرآن کی آیات۔ الانفال: ۶۵'۶۶'النحل: ۱۲۶'ابراہیم: ۱۲'الکھف: ۶۸'ص: ۶'طہ: ۱۳۲

۲۱۔ الانفال: ۶۵'۶۶' صٓ: ۶

۲۲۔ یوسف: ۵۳

۲۳۔ فحاشی اور دیگر برائیاں بھی نفسانی خواہشات کو قابو میں نہ کرنے کا ذریعہ ہیں چنانچہ قرآن نے اس کے لیے بھی "سوء" کا لفظ استعمال کیا ہے 'یوسف: ۲۴'الانعام: ۵۴۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ڈاکٹر محمد خالد کا مضمون "اچھے اور برے کے لیے قرآنی الفاظ" سہ ماہی المعارف جنوری تا مارچ' ۱۹۹۹ ص ۲۴'۲۵

۲۴۔ الانفال: ۲۲'الاعراف: ۱۷۳تا۱۷۶'الفرقان: ۴۳'۴۴

۲۵۔ الجاثیۃ: ۲۳

۲۶۔ البقرۃ: ۱۱۱'۱۱۳'۱۲۰

۲۷۔ البقرۃ: ۲۵۶'النحل: ۹۳

۲۸۔ یونس: ۹۹

۲۹۔ المائدۃ: ۲

۳۰۔ الانعام: ۱۰۸

۳۱۔ البکری' تاریخ الخمیس 'طبع بیروت ج ۲ ص ۶۰

۳۲۔ اسرائیل ولفنسون' ڈاکٹر تاریخ الیھود فی بلاد العرب' ص ۱۷۰

۳۳۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ڈاکٹر محمود احمد غازی کا مضمون ماہنامہ ترجمان القرآن ۱۹۹۷

۳۴۔ البقرۃ: ۱۹۳

۳۵۔ التوبۃ :۶'الانفال :۶۱

۳۶۔ الانفال :۷۲'الاسراء :۱۵'تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو شوکانی'نیل الاوطار'مطبع مصطفی البابی الحلبی'مصر'
باب الدعوۃ قبل القتال ج ۷'ص ۲۶۱ تا ۲۶۴

۳۷۔ سیوطی'الجامع الصغیر'ج ۲'ص ۳۷۴

۳۸۔ بخاری'کتاب الجهاد'باب ذمۃ المسلمین'ابو داؤد'کتاب الامارہ'باب فی تفسیر اہل الذمہ نیز ملاحظہ ہو یحیی بن
آدم'کتاب الخراج'طبع المکتبۃ العلمیہ لاہور ۱۳۹۵ص ۸۱ تا ۸۳

۳۹۔ ابن ہشام'السیرۃ النبویہ'طبع بیروت'ج ۲ص ۴۱۳

۴۰۔ آل عمران :۴۶

۴۱۔ سرخسی'المبسوط ج ۱۰/۹۲ طبع بیروت

۴۲۔ ابن ہشام'السیرۃ النبویہ'طبع بیروت'ج ۲ص ۶۳۹

۴۳۔ ابن ہشام'ج ۴ص ۵۵ فتح مکہ کے واقعات

۴۴۔ پاکستان میں بنگلہ دیش اور امت مسلمہ کے مجموعی نقصان میں خلافت عثمانیہ کے خاتمے کی مثال ہمارے
سامنے ہے۔ ملاحظہ ہو ٹی ای لارنس کی کتاب Seven Pillers of Wisdom page-23

۴۵۔ الحجرات :۱۳

۴۶۔ الفتح :۲۶

۴۷۔ ابو داؤد'کتاب الادب'باب فی العصبیہ

۴۸۔ ایضاً

۴۹۔ ایضاً

۵۰۔ صحیح بخاری'باب ذکر الی دعوۃ الجاهلیہ

۵۱۔ تفسیر ابن کثیر'الحشر :۹

۵۲۔ ملاحظہ ہو جنگ عظیم از لوئیس سنائیڈر ترجمہ از غلام رسول مہر'طبع'لاہور ص ۲۶ تا ۲۸

۵۳۔ گوہر رحمان'مولینا'اسلامی ریاست'طبع المنار بک سنٹر لاہور'ص :۹۲ تا ۹۴

۵۴۔ الحج :۴۱'تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو قرطبی'احکام القرآن

۵۵۔ سیاسی عدم استحکام کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو'راقم کا مقالہ "استحکام پاکستان سیرت طیبہ کی روشنی میں"
زیر طبع مقالات سیرت'۱۹۹۷ء'وزارت مذہبی امور

۵۶۔ ابن طقطقی "الفخری" اردو ترجمہ جعفر شاہ پھلواری ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور' ص ۳۸

۵۷۔ بخاری' کتاب الاحکام' باب السمع والطاعۃ للامام

۵۸۔ سیوطی' تاریخ الخلفاء' نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۶۹

۵۹۔ الانفال : ۶۵' ۶۶' ص : ۶

۶۰۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ڈاکٹر محمود احمد غازی کا مضمون "اسلام کا بین الاقوامی قانون ایک تقابلی جائزہ" ماہنامہ ترجمان القرآن دسمبر ۱۹۹۶ء ص ۵۶

۶۱۔ النساء : ۵۸

۶۲۔ المائدہ : ۸' الانعام : ۱۵۲ نیز ملاحظہ ہو صحیح بخاری' کتاب الحدود' باب کراھیۃ الشفاعۃ فی الحدود مزید تفصیل کے لیے دیکھیں قطب شہید' العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام' طبع مصر ص ۲۵۵

۶۳۔ ابو داؤد' طبع مکتبہ امدادیہ ملتان ج ۲ ص' ۱۵۴' ۲۶۲' ۲۹۴

۶۴۔ طبرانی' نیز ملاحظہ ہو مسلم' کتاب الحدود

۶۵۔ مودودی' سیرت سرور عالم' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سماجی انصاف اور مساوات کے لیے ملاحظہ ہو' دستور مدینہ' الوثائق السیاسیۃ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ

۶۶۔ "لن تنفعکم ارحامکم ولا اولادکم یوم القیامۃ"۔ الممتحنہ : ۳

۶۷۔ طٰہٰ : ۱۱۸' ۱۱۹' صحیح مسلم' کتاب المساقاۃ المزارعہ

۶۸۔ ابو داؤد' کتاب العلم' باب التوقی فی الفتیا

۶۹۔ بخاری

۷۰۔ ابو داؤد' کتاب الحدود' باب فی المراۃ التی امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم برجمھا من جھینۃ

۷۱۔ ابو داؤد' کتاب الفتن' باب فی کف اللسان

۷۲۔ ابو داؤد' کتاب الملاحم۔ باب فی النھی عن تھییج الترک والحبشۃ

۷۳۔ والذین ھم عن اللغو معرضون۔ المومنون : ۳

۷۴۔ الحجرات : ۱۱' ۱۲ نیز ابو داؤد میں کتاب الادب کے مختلف ابواب علاوہ ازیں ملاحظہ ہو سنن نسائی' کتاب الایمان وشرائعہ' باب ای الاسلام خیر کی احادیث

۷۵۔ آل عمران : ۱۰۳

۷۶۔ الانفال : ۴۶' آل عمران : ۱۰۵

۷۷۔ آل عمران : ۱۳۴،۱۳۳

۷۸۔ ابوداؤد کتاب الادب باب من کظم غیظا

۷۹۔ ملاحظہ ہو ایک بدو کا مسجد نبوی میں پیشاب کرنے کا واقعہ، صحیح مسلم باب وجوب الغسل البول۔ برداشت و صبر کے حوالے سے آپ ﷺ کے ذاتی افعال کی مثالیں ملاحظہ ہوں مسلم کتاب الفضائل باب حسن خلقہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوداؤد کتاب الادب باب فی الحلم واخلاق النبی ﷺ باب فی العفو والتجاوز

۸۰۔ ابوداؤد کتاب الحدود، باب فی الحد یشفع فیہ

عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیماتِ نبوی ﷺ

محمد ساجد خان خاکوانی' اسلام آباد

۱۔ برداشت فارسی زبان کے لفظ "برداشتن" سے اسم مونث ہے' جس کا مطلب تحمل' صبر اور بردباری ہے۔(۱) اردو میں بھی یہ لفظ جھیلنے کا عمل' تحمل' اور صبر و ضبط کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔(۲) جبکہ عدم سے مراد "نیستی یا نہ ہونا" ہے۔(۳) چنانچہ عدم برداشت سے مطلب تحمل' بردباری اور صبر و ضبط کا نہ ہونا ہے۔

۲۔ برداشت یا بردباری اللہ تعالیٰ کی ان صفات میں سے ہے جن کا قرآن پاک میں متعدد بار ذکر ہوا' مثلاً واعلموا ان اللہ غفور حلیم۔(٤) ولکن لا تفقھون تسبیحھم انہ کان حلیما غفورا۔(۵) اور واللہ یعلم ما فی قلوبکم و کان اللہ علیما حلیما۔(٦) حلیم وہ ذات ہے جو غصہ و غضب میں قابو سے باہر نہ ہوتی ہو۔(۷) یہ اللہ تعالیٰ کی صفت حلم ہی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو برملا اپنی نافرمانی اور طاغوت کی اطاعت کرتے ہوئے دیکھتا ہے پھر بھی انہیں برداشت کرتے ہوئے اپنی نعمتوں کا تسلسل جاری رکھتا ہے اور انتقام و عقوبت پر قدرت کے باوجود انہیں ڈھیل دیتا چلا جاتا ہے۔ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ ولو یؤاخذ اللہ الناس بظلمھم ما ترک علی ظھرھا من دابۃ(۸) اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے ظلم کی وجہ سے ان کا مواخذہ فرماتا تو زمین پر کوئی چلنے والا نہ بچتا۔

۳۔ برداشت کا مفہوم سمیٹتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ایک اور صفت "الصبور" بھی ہے جس کا مفہوم حلیم سے قریب تر ہے' تاہم اس صفت کا ذکر قرآن میں موجود نہیں۔(۹) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے زیادہ اللہ کی جانب سے صبر کی کیا شے ہو سکتی ہے کہ لوگ تو اس کے لیے اولاد قرار دیں پھر بھی وہ ان سے درگزر کرے اور انہیں رزق بھی دیتا رہے۔(۱۰)

۴۔ انسان چونکہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہے اس لیے صفت برداشت خداوندی کی ایک رمق اس میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ خالق کائنات کی برداشت کا احاطہ کرنے والا کوئی پیمانہ وجود میں نہیں آ سکتا برداشت اور عدم برداشت کو علم نفسیات کی مختلف اصطلاحات کی مدد سے جانچنے کی سعی کی گئی ہے۔

۵۔ شروع سے ہی انسان ان مشتعل احساساتی حالتوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا ہے جن کا تجربہ اسے اپنی روز مرہ زندگی میں ہوتا رہتا ہے۔ یونانیوں کا خیال تھا کہ چار مخصوص ہیجانی رد عمل ہیں ا۔ خوش مزاجی' ۲۔ پژمردگی' ۳۔ غصہ اور ۴۔ ہیجان کی کمی (خوف) (۱۱) آخری تین عدم برداشت کی نشاندہی کرتے ہیں۔

۶۔ ہر عمر کا انسان اپنے اردگرد کے ماحول سے اپنے جذباتی ہیجان کے مطابق ایک حد تک اس میں ڈھلنے کی کوشش کرتا ہے' جسے مطابقت کہتے ہیں۔ (۱۲) لیکن جب ماحول اس کے مزاج طبیعت اور سوچ پر اپنا ناروا اثر ڈالنا چاہے تو انسان میں خیبت پیدا ہوتی ہے' یہیں سے عدم برداشت کا آغاز ہوتا ہے۔ جس کا اظہار عمر کے مختلف ادوار میں مختلف طریقے سے کیا جاتا ہے۔

۷۔ شیر خوارگی میں عدم برداشت کا مظاہرہ رو کر کیا جاتا ہے' رونے کا مطلب کسی خارجی یا داخلی محرک کا برداشت سے باہر ہو جانا ہے۔ بچپن میں برداشت اور عدم برداشت میں حد فاصل کا نام "ضد" ہے۔ (۱۳) اس عمر میں کسی خارجی یا داخلی محرک کا حد برداشت سے گزرنے کے نتیجے میں بچہ اپنی بات پر اڑ جاتا ہے۔ ضد کے بعد بچہ روٹھ جاتا ہے یا نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ یا بھوک کی کمی کا شکار ہو جاتا ہے اور بعض بچے جارحیت پر اتر آتے ہیں اور کھلونے توڑنے لگتے ہیں۔

۸۔ آغاز شباب اور شباب کی منازل میں' ماہرین نفسیات "کشمکش" کے پیمانے سے عدم برداشت کو ناپتے ہیں۔ بچپن میں انسان کے سامنے صرف اپنی ذات ہوتی ہے جبکہ عمر کی اس نفسیاتی کیفیت میں انسانی ذہن تحفظات کا شکار ہوتا ہے جن میں کئی محرکات آپس میں متصادم ہوتے ہیں اور جب کوئی شخص اپنی ضروریات یا امنگوں کی تسکین میں رکاوٹ سے دوچار ہو تو ذہنی و جذباتی کشمکش جنم لیتی ہے' جس کا اظہار غصہ' جھنجھلاہٹ' تحسر یا بعض اوقات شدید قسم کی عضویاتی تبدیلیوں کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔ (۱۴)

۹۔ بعد از شباب کے مراحل میں' عدم برداشت "ہیجان" کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ ہیجان ایک شدید قسم کا اضطراری تاثر ہے جو کردار شعور اور احساس کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ (۱۵) اس کے نتائج میں بعض اوقات بڑی بڑی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ جن میں فشار خون' خون کی کمی یا دل و دماغ کے امراض شامل ہیں۔

۱۰۔ المختصر یہ کہ فرد کے کردار اور شعور پر حاجت کے اثرات بڑی حد تک مقررہ صورت میں تناؤ کے درجہ پر منحصر ہوتے ہیں۔ اگر تناؤ ایک بحرانی نقطہ جس کو کہ Frustatin Tolerance کہتے ہیں سے بڑھ جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فرد کا تطابق صورت حال کے تقاضوں سے نہیں ہو سکتا۔ ایسی تمام صورتوں میں فرد کی قوت برداشت سے باہر ہو جاتی ہیں جن میں محرومی پیدا کرنے والا زائد تناؤ فرد کو مجبور کر دیتا ہے کہ صورت حال کا نامناسب رد عمل کرے جس کے نتیجے میں وہ روتا ہے' غیض و غضب کا اظہار کرتا ہے زیادہ برائی والے کردار کی

طرف رجعت کرتا ہے یا ذہنی امراض کی مختلف شکلوں میں سے کسی شکل میں اس کی شخصیت مختلف ہو جاتی ہے۔(۱۶)

۱۱۔ عدم برداشت کی کہانی تخلیق آدم علیہ السلام سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ انسان کا شرف مخلوقات ابلیس کے لیے برداشت کرنا بہت مشکل تھا۔(۱۷) جب اللہ تعالیٰ نے اس کو حضرت آدمؑ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے انکار کر دیا۔(۱۸) اور کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔(۱۹) ابلیس نے آدمؑ و نسل آدم کے وجود اور اس کے مقام کو اپنے لیے ایک چیلنج سمجھا اور اپنی عدم برداشت کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اس نے کہا کہ میں اسے بھٹکانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔(۲۰) ابلیس کی عدم برداشت کے مظاہر آج تک جاری ہیں۔

۱۲۔ عالم انسانیت میں عدم برداشت کی مثال اول ھابیل اور قابیل کا اختلاف ہے۔ ایک بھائی کے حق میں خدائی فیصلہ دوسرے بھائی کے لیے نا قابل برداشت تھا چنانچہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔(۲۱) عدم برداشت کے نتیجے میں قتل کی یہ ریت اس قدر چلی کہ آج تک اس کا سلسلہ رکنے کا نام نہیں لیتا۔ لڑائی جھگڑا فساد' بغاوت اور جنگ دراصل قتل سے ہی مستعار لیے ہوئے عدم برداشت کے نام ہیں جو انسانی ثقافت میں اپنی متواتر تاریخ رکھتے ہیں۔

۱۳۔ زمین کے سینے پر انبیاء سے زیادہ برگزیدہ ہستیاں اور بہتر گروہ نہیں گزرا لیکن یہ کتنی بڑی بڑی حقیقت ہے کہ انسانوں نے عدم برداشت کا سب سے زیادہ مظاہرہ انہیں پارسا لوگوں کے سامنے ہی کیا۔ وہ لوگ جو بنی نوع انسان کو کھینچ کھینچ کر عذاب دوزخ سے نجات دلاتے تھے' کس قدر ستائے گئے حتیٰ کہ رسول اور اس کے ساتھی پکار اٹھے کہ (عدم برداشت کے ان مظاہر کے خلاف) اللہ کی مدد کب آئے گی۔(۲۲) کتنے ہی نبی گزرے جن میں سے بعض نے سینکڑوں سال تبلیغ کی' کتنوں نے کیسی کیسی واضح نشانیاں اپنی قوم کے سامنے پیش کیں۔ کچھ نے مظاہر قدرت کی طرح واضح دلائل سے قوم کو سمجھانا چاہا' سبھی انبیاء کی سورج سے زیادہ روشن اور دودھ سے کہیں بڑھ کر بے داغ جوانیاں قوم کے سامنے تھیں۔ لیکن یہ اقوام انبیاء کا عدم برداشت تھا کہ کسی نبی کو جھٹلایا تو کسی کو دھمکایا' کسی کو لالچ سے ورغلانے کی کوشش کی تو کسی کو بستی سے نکال دیا اور کتنوں کو تو قتل کر دیا اور کسی کو تو آرے سے چیر دینے میں بھی دریغ نہ کیا۔ بالآخر جب قوموں کا عدم برداشت نبیوں کی برداشت سے بازی جیت گیا تو عذاب الٰہی ان پر قہر بن کر اس طرح ٹوٹا کہ آج ان کا نام عبرت کا نشان بن چکا ہے۔

۱۴۔ جنگ کی آگ اس وقت بھڑکتی ہے جب ایک حکمران دوسرے حکمران کا وجود برداشت نہ کر سکے یا دو قوموں کے درمیان عدم برداشت پروان چڑھنے لگے۔ عدم برداشت کی اس آگ کی روشنی میں ہی انسانوں کی تاریخ لکھی گئی ہے۔ قبل از تاریخ کا زمانہ ہو یا بعد از تاریخ کا' کسی علاقہ یا خطہ کی تاریخ کا ذکر ہو یا کسی تہذیب و تمدن یا ثقافت کی تاریخ یا قبیلوں گروہوں خاندانوں کی تاریخ' میدان جنگ نے صفحہ قرطاس کا کردار ادا کیا ہے' تلوار نے قلم کا اور سیاہی

کے طور پر سرخ انسانی خون کام میں لایا گیا۔ کسی جنگ سے عروج کی کہانی شروع ہوتی اور جنگ پر زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ عدم برداشت کے ان مظاہر سے دور قدیم کی طرح دور جدید بھی لبالب ہے۔

۱۵۔ سکندر اعظم یونان سے اٹھا اور اس نے راستے میں آنے والے کسی حکمران کا وجود برداشت نہ کیا' پورس کے ساتھ اس کی ایک دن کی جنگ میں اکیس ہزار نفوس کام آئے۔ (۲۳) بخت نصر نے ہزاروں انسانوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور لاکھوں کو غلام بنا کر لے گیا۔ (۲۴) روم و ایران کی سالہا سال کی تلوار زنی کتنے ہی انسان نگل گئی' چنگیز خان اور ہلاکو خان روشن و درخشاں دنیا پر کس طرح ظلمت بن کر ٹوٹے' انسانوں کے سروں کے محلات تعمیر کیے' دشمن کی کھوپڑیوں میں شرابوں کے گلچھرے اڑائے اور وقت کی عظیم ترین تہذیب کا چراغ گل کر دیا' لیکن انسان کی عدم برداشت کا پیمانہ ہنوز تشنہ کام رہا۔

۱۶۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان کی قوت برداشت کم سے کم تر ہوتی چلی گئی اور ہر آنے والا وقت گزشتہ سے بدتر ہوتا گیا حتیٰ کہ جدید تہذیب کا سورج تو عدم برداشت کی وہ امثال ساتھ لایا کہ جن سے اوراق ماضی بھی شرمسار ہوں۔ علم و تعلیم سے مزین اور سائنس و ٹیکنالوجی کے کرشموں سے چمکتی دمکتی دنیا کے ان سیاہ کارناموں پر جنگل کی وحشت و بربریت بھی انگشت بدنداں ہے۔ صرف چند مثالیں ملاحظہ ہوں' امریکہ کی خانہ جنگی میں بارہ کروڑ اور دس لاکھ نفوس انسانی برسر پیکار تھے' نپولین کی تمام جنگوں میں ایک سو بیس لاکھ افراد ہلاک ہوئے' واٹرلو کی جنگ میں انیس لاکھ اور نو ہزار فوج تھی' ان میں سے چھ لاکھ فرانسیسی اور چار لاکھ انگریز تہ تیغ ہوئے۔ (۲۵) عدم برداشت کے بڑھنے کے ساتھ جنگوں میں مقتولین کا پیمانہ ہزاروں سے لاکھوں میں آن پہنچا۔

۱۷۔ بیسویں صدی میں دو عظیم جنگوں کے نام پر عدم برداشت کا وہ کھیل کھیلا گیا کہ صدیوں اس کے زخم ہرے اور تذکرے زندہ رہیں گے۔ ان جنگوں میں چند ممالک کے صرف مرنے والوں کے اعداد و شمار۔ (۲۶)

ملک	پہلی جنگ عظیم	دوسری جنگ عظیم
روس	۱۷ لاکھ	دو کروڑ دس لاکھ
جرمنی	۱۶ لاکھ	ایک کروڑ پچیس لاکھ
فرانس	۱۳ لاکھ ۷۰ ہزار	دس لاکھ
امریکہ	پچاس ہزار	دس لاکھ ستر ہزار
سلاویکیہ	....	تیس لاکھ پچاس ہزار
برطانیہ	۷ لاکھ	چودہ لاکھ تیس ہزار

ایک محتاط اندازے کے مطابق پہلی جنگ عظیم میں دو کروڑ افراد مارے گئے' تین کروڑ زخمی ہوئے اور چار کروڑ لاپتہ

ہو گئے' جبکہ دوسری عالمی جنگ میں تین کروڑ افراد مارے گئے' چار کروڑ زخمی ہوئے اور پانچ کروڑ لاپتہ ہو گئے۔ بے پناہ سرمایہ خرچ ہوا' املاک کے نقصانات کا تو اندازہ ہی نہیں اور ہیروشیما و ناگاساکی کے ہنستے بستے شہر کرۂ ارض سے نیست و نابود ہو کر رہ گئے۔

۱۸۔ جنگوں کے تباہ کن نتائج کے بعد عدم برداشت ضربی تناسب سے بڑھ گئی ہے' پوری دنیا چھوٹی چھوٹی علاقائی' لسانی' گروہی نسلی اور تہذیبی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ عالمی مصالحاتی اداروں کے نام پر بڑی طاقتیں چھوٹی قوموں سے برسرپیکار ہیں باہمی برداشت کا شائبہ تک نہیں' پوری انسانیت گویا ایک جنگ کی کیفیت سے گزر رہی ہے۔ ایسے خوفناک ہتھیار اکٹھے کیے جا رہے ہیں کہ پلک جھپکتے ہی آباد و شاد شہروں کو راکھ کا ڈھیر بنا دیں تو کہیں معاشی جنگ میں اپنے اپنے مفادات کو سمیٹتے ہوئے دوسروں کو نوچنے چھیلنے کاٹنے اور ذبح کرنے کا عمل جاری ہے اور کہیں سکرین کے میدان میں تہذیب و ثقافت و تمدن کے نام پر عریانی و فحاشی کے شرمناک اور غیر فطری مظاہر میں مقابلہ ہے اور ہر قوم دوسری پر بازی لے جانے میں اپنے آپ کو مزید ننگا کیے چلی جا رہی ہے۔ سرد جنگ کے کلچر نے تو گویا ریاستوں کو اندر سے کھوکھلا ہی کر ڈالا ہے۔ اور عدم برداشت کے ان معرکوں پر اٹھنے والے اخراجات نے مالی و اخلاقی خزانے خالی کر دیے ہیں' چھوٹی اقوام خاص طور پر غربت' جہالت' افلاس' بیماری' دہشت گردی' قتل و غارت گری' گمراہی و بے راہ روی اور بزدلی و بے غیرتی میں ڈوبتی چلی جا رہی ہیں۔

۱۹۔ تاریخ انسانی میں جنگوں کے بعد دوسرا اہم کردار انقلابات عالم کا ہے جنگ میں مقتولین کی اکثریت بھی یہی نیت رکھتی تھی لیکن انقلاب میں مفکرین و مصلحین کے ہاتھوں انسانیت پر ریاستی تشدد کی انتہا کی گئی۔ انقلاب فرانس کے زخم ابھی تازہ تھے کہ روس کا اشتراکی انقلاب دہلیز تک آن پہنچا جس میں بلا مبالغہ لاکھوں افراد لقمہ اجل بنا دیئے گئے' معمولی معمولی بات بھی برداشت نہ کی جاتی اور گولی مار دی جاتی' حکمرانوں کے لیے چند لوگوں کا ایک جگہ اکٹھا ہو جانا ناقابل برداشت ہو جاتا اور انہیں بلا انتباہ ہلاک کر دیا جاتا اور ٹیکس ادا نہ کر سکنے والوں پر تو گولی کے اخراجات بھی برداشت نہ کیے جاتے اور ان کے گلے میں پتھر باندھ کر انہیں پانی میں پھینک دیا جاتا۔ (۲۷)

۲۰۔ عدم برداشت کے حیرت انگیز مظاہر سے مذہب کی تاریخ بھی خالی نہیں قبل از تاریخ کی مہابھارت کی جنگ بے شمار انسانوں کو نگل گئی' اونچی ذات کا ہندو کم ذات والے کو ایک لمحے کے لیے برداشت نہیں کرتا' جانوروں اور پودوں کی پوجا کرنے والوں کے لیے عورت کا وجود بحیثیت انسان ناقابل برداشت تھا۔ بنی اسرائیل ایک دن میں تین تین سو نبیوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ (۲۸)

۲۱۔ ذکر کلیسا' افسانہ عدم برداشت سے جدا نہیں۔ بیت المقدس میں فاتح مسیحین کے گھوڑے گھٹنے گھٹنے تک انسانی خون میں ڈوبے ہوئے تھے اور آٹھ دن تک مسلسل قتل عام کے بعد مسلمانوں' یہودیوں اور غیر مقلد عیسائیوں

کی لاشیں اور انسانی اعضاء خون میں تیر رہے تھے۔(۲۹) سقوط غرناطہ کے موقع پر مسیحی رسولوں اور شہیدوں کی عزت میں ڈون جون نے پچاس ہزار شہری ذبح کر کے ان کی لاشوں پر تہوار منایا۔(۳۰)

۲۲۔ صلیب نے عدم برداشت کی وہ امثال قائم کیں کہ الامان والحفیظ۔ اپنے ہم مذہبوں کے خلاف تقریباً تمام یورپ میں کیتھولک چرچ کی سرپرستی میں صدیوں خون کی حولی کھیلی جاتی رہی۔ موت کے منہ میں جھونکنے کے نت نئے اذیت ناک طریقے دریافت کیے گئے زندہ جلادینا تو معمول کی بات تھی' ہلکی آگ پر پہروں جلا جلا کر حوالہ اجل کیا جاتا تھا تاریخ انسانیت میں رومن چرچ سے بڑھ کر کسی اور ادارے نے عدم برداشت سے ظلم کی اتنی طویل ہیبت ناک داستان رقم نہیں کی۔(۳۱)

۲۳۔ مارٹن لوتھر کی احتجاجی تحریک میں انگلستان کے ۲۸۶ مذہبی علماء کو زندہ جلا دیا گیا۔ سپین میں ۲۳۰۰۰ نیدر لینڈ میں ۵۰۰۰۰ اور ۲۵۰۰۰ سے زائد کو دیگر یورپی ممالک میں طرح طرح سے قتل کیا گیا۔(۳۲) کلیسا کا قرنوں پر محیط یہ روح فرسا رویہ مذہب کے خلاف انسانی عدم برداشت کا باعث بنا جس کے نتیجے میں دنیا کے اکثر و بیشتر ممالک اجتماعی طور پر اس روحانی سرچشمہ سے محروم ہیں اور مذہب کو انفرادی معاملہ قرار دیا جاتا ہے۔

۲۴۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی صلاحیتوں میں سے سب سے زیادہ وسعت 'فکر کو دی ہے' جو سمندروں سے زیادہ گہری اور آسمانوں سے زیادہ وسیع ہے۔ یہ فکری عدم برداشت ہے کہ انسان نے اس خدا کے وجود کا انکار کر دیا۔ اشتراکیت کا بنیادی مفکر کارل مارکس نے اپنی فکر کی بنیاد ہی اس نظریہ پر رکھی کہ خدا نام کی کوئی چیز اس کارخانہ کائنات میں موجود نہیں۔(۳۳) دھریت (سیکولرازم) نے بھی اپنی نشوونما اس ذخیرہ آب سے کی ہے۔ ماضی قدیم میں "مانی" نے "ہر چیز ہر کسی کی ہے (۳۴) کا نعرہ لگا کر فکری عدم برداشت کا ثبوت دیا تھا' جس کے نتیجے میں وہ طوفان بدتمیزی برپا ہوا کہ انسانیت ویسا تجربہ کرنے کی پھر کبھی متحمل نہ ہو سکی۔

۲۵۔ بھوک اور جنس عدم برداشت نے تو انسان کو کا الانعام بل ھم اضل کا مصداق کر دیا ہے۔ اس آسمان نے وہ دن بھی دیکھے کہ جانوروں' پرندوں اور حشرات الارض تک کی افزائش نسل پر بے اندازہ سرمایہ خرچ کرنے والا اور نباتات و جمادات کے تحفظ پر زندگیاں صرف کر دینے والے انسان کے لیے اپنی ہی نسل ناقابل برداشت ہو گئی اور اس نے پیٹ کے بہانے سے یا لذت نفس کے پیش نظر کبھی تو تجرد کو اختیار کیا تو کبھی ہم جنسیت کے جواز تلاش کیے اور جب فطرت سے ٹکرانے کے نتیجہ میں منہ کی کھائی تو خوبصورت ناموں اور دلفریب نعروں سے اجتماعی نسلی خودکشی کو اپنا وطیرہ بنا لیا۔ آبادی میں کمی کے یہ دس سالہ ہوشربا اعداد و شمار فخریہ پیش کیے گئے۔(۳۵)

ملک آبادی میں کمی کا دس سالہ تناسب

امریکہ	۷ء۵- فیصد (منفی پانچ اعشاریہ ۷ فیصد)
نیدرلینڈ	۴ء۱۴- فیصد (منفی چودہ اعشاریہ چار فیصد)
فرانس	۷ء۴-فیصد (منفی چار اعشاریہ سات فیصد)
سویڈن	۱۱-فیصد (منفی گیارہ فیصد)
برطانیہ	۸-فیصد (منفی آٹھ فیصد)

۲۶۔ عدم برداشت کا ذکر کبھی نہ ختم ہونے والا ایک تسلسل ہے۔ زبان و بیان کے نشتر ہوں یا توپوں کی گھن گرج' قدیم قصص ہوں یا مذہبی روایات' سود' جاگیرداری اور غلامی ہوں یا جمہوریت و ملوکیت' ذاتیں' قومیں' نسلیں اور علاقے ہوں یا قومی و بین الاقوامی مالی و مصالحاتی ادارے' زمانہ قدیم ہو یا آنے والی صدی کے خواب' عدم برداشت کی ایک طلسماتی لہر ہے جس نے فرد سے لے کر گروہوں تک' علاقوں سے لے کر ریاستوں اور حکومتوں تک اور سیاست سے مذہب تک ہر کسی کو اپنے اندر مضبوطی سے جکڑ رکھا ہے۔ حتیٰ کہ معاشرتی کلچر میں بھی' جس کا کہ خمیر ہی باہمی ملنے جلنے سے اٹھالیا ہے' عدم برداشت در آئی ہے۔ انتہا یہ کہ تفریح کے لیے بنائے جانے والے ڈرامے' فلمیں اور اب تو موسیقی کے پروگرام بھی تشدد' مار دھاڑ' سپنس اور ایکشن سے بھرپور ہو کر برداشت سے خالی ہو گئے۔

۲۷۔ عدم برداشت کا یہ بین الاقوامی رجحان وطن عزیز پر بھی پوری شدومد اور نحوست کے ساتھ سایہ فگن ہے۔ انسانیت کی طرح وطن عزیز کی تاسیس بھی عدم برداشت کے ماحول میں ہوئی' لاکھوں افراد اس کی بھینٹ چڑھے۔ پاکستان کا مطلب کیا۔ لاالٰہ الا اللہ اس عدم برداشت کی اصل بنیاد ہے چنانچہ کبھی تو اس ملک کے ذمہ دار ترین لوگ یہ سوچتے تھے کہ اسے سیکولر ریاست بنایا جائے یا سوشلسٹ ریاست۔ اس سلطنت خداداد نے عدم برداشت کے کتنے ہی وار اپنے سینے پر سہے' شہ رگ سے ہنوز محروم' دولخت' کشکول گداگری لیے' راہزنوں کی چھتری تلے' خون کی ندیوں میں نہاتے' بے غیرتیوں کے طوفان کا مقابلہ کرتے' لالچ و حرص و طمع کے بے عمیق صحرا سے گزرتے ہوئے مشرق سے آنے والی ٹھنڈی ہوا کی تلاش میں وادی وادی' قریہ قریہ' اور کوچہ کوچہ لٹتی چلی جا رہی ہے۔

۲۸۔ وطن عزیز میں کبھی تو ایک علاقہ دوسرے علاقے کو برداشت نہیں کرتا تو کبھی دو نسلوں میں عدم برداشت بڑھ جاتی ہے' کبھی زبان کا مسئلہ تناؤ اختیار کر لیتا ہے تو کبھی اقتدار کی کھینچ تان اسے کھوکھلا کر دیتی ہے اور اب تو پوری انسانیت کو ایک تسبیح میں پرونے والے مذہب کو بھی عدم برداشت کی جڑ بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے ستاروں سے آگے کی منزل کے متلاشی اور قوموں کے راہبر اپنا ہی نصب العین کہیں گم کر بیٹھے ہیں۔

۲۹۔ کلمہ طیبہ جو وطن عزیز کی بنیاد ہے اس دنیا میں برداشت کا درس ہی دینے آیا تھا۔ اپنوں اور غیروں کو

برداشت کرنا' دوستوں اور دشمنوں کو برداشت کرنا' رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو برداشت کرنا' آقا اور غلاموں کو برداشت کرنا' غنی و غربت کو برداشت کرنا امن اور جنگ کی حالت میں برداشت' غصہ اور اضطرار کی حالت میں برداشت' نماز روزہ اور حج کی حالت میں برداشت اور والدین' اولاد اور زوجین کی برداشت۔ یہاں تو اپنے نفس پر بھی برداشت کا کوڑا رکھنے جیسی تعلیمات موجود ہیں۔ غرض یہ کہ برداشت کے مفہوم میں ہی ضبط نفس' تقویٰ اور خشیت الٰہی اس دین کی اصل ہیں۔

۳۰۔ حقوق اللہ' حقوق العباد اور حقوق النفس میں توازن کا انعقاد اسلامی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ ایک بار تین افراد نے معمولات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آگاہی کے بعد کہا کہ پہلا۔ اب میں رات بھر کبھی نہ سوؤں گا' دوسرا میں ہمیشہ روزہ سے رہوں گا اور تیسرا۔ میں اپنی بیویوں کے پاس کبھی نہ جاؤں گا۔ اطلاع ملنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار ناپسندیدگی فرمایا اور کہا کہ میں رات کو سوتا بھی ہوں اور عبادت بھی کرتا ہوں روزہ رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا اور اپنی بیویوں کے پاس بھی جاتا ہوں۔ (۳۶)

۳۱۔ قانون وراثت' ورثا کے درمیان توازن قائم کرتا ہے' نکاح' طلاق' خلع' ظہار اور مہر وغیرہ کے قوانین زوجین کے درمیان توازن کا اشارہ دیتے ہیں' مراسم عبودیت خالق اور مخلوق کے درمیان توازن کے ضامن ہیں' اسلام کے مالیاتی اصول آجر اور اجیر اور بائع اور مشتری کے درمیان توازن کے ضامن ہیں' نظام سیاست حکمرانوں اور شہریوں کے درمیان میں توازن کا معیار ہیں اور خورد و نوشت' آرام اور تسکین نفس کی ہدایات روح اور جسم کے درمیان توازن کا رشتہ برقرار رکھتی ہیں۔

۳۲۔ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی برداشت کا آغاز ان حقوق ثلاثہ کے توازن سے شروع ہوتا ہے اور جب تک معاشرے میں توازن بگڑنے نہیں پاتا وہ برداشت بھی موجود رہتی ہے۔ معاشرے میں توازن بگڑنے کے ساتھ ہی برداشت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیمانے بھی بدلنے لگتے ہیں پس جہاں معاشرے میں عدم توازن کے امکانات کم ہیں وہاں عدم برداشت بھی کم ہے اور جہاں معاشرے میں عدم توازن کے امکانات زیادہ ہیں وہاں عدم برداشت بھی زیادہ ہے۔

۳۳۔ حقوق اللہ دو اجزاء سے مرکب ہیں' فرائض کی ادائیگی اور حدود اللہ کا نفاذ۔ (۳۷) نماز' روزہ اور حج کی ادائیگی بہت حد تک انفرادی اعمال ہیں' ان کی عدم ادائیگی پر سخت وعیدیں سنائی گئیں جبکہ زکوۃ اور جہاد اجتماعی اعمال ہیں جن کی عدم ادائیگی سے معاشرے میں عدم توازن کا ارتقاء یقینی ہے۔ چنانچہ دور نبوت میں ریاستی قوت نافذہ سے زکوۃ وصول کی گئی اور خلیفہ الرسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مال زکوۃ میں سے ایک رسی تک کی عدم ادائیگی بھی برداشت نہ کی (۳۸) اور مانعین زکوۃ کے خلاف اعلان جنگ کرتے ہوئے میدان کارزار سجا دیئے۔

۳۴۔ جہاد سے پہلو تہی' انسانی معاشرے میں ظلم کو پھیلنے کی اجازت دینے کے مترادف ہے جس سے حقوق ثلاثہ کا توازن بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ صاحب خلق عظیم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین جاں نثاروں کی غزوہ تبوک میں بدون جواز شرعی عدم شرکت کو مناسب خیال نہ کیا اور ان سے معاشرتی مقاطعہ کا حکم دیا(۳۹) یہاں تک کہ بارگاہ ایزدی سے قبولیت توبہ کا پروانہ آن پہنچا۔(۴۰)اس طرح کی کوئی اور مثال دور نبوت میں نہیں ملتی۔ معاشرے میں عدم توازن کے ذمہ دار ظالم حکمران ہوا کرتے ہیں جن کے سامنے کلمہ حق کہنے کو سب سے بڑا جہاد قرار دیا۔(۴۱)

۳۵۔ اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدوں کو توڑنا انسانی معاشرے کو گویا الٹی چھری سے ذبح کرنا ہے۔ قتل' زنا' چوری' ڈکیتی' قذف اور مے خوری جیسی آلائشیں صدیوں سے قائم معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ کر لمحوں میں زمین بوس کر دیتی ہیں' تب اتنا بڑا عدم توازن بھلا مزاج نبوت کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر کہہ دیا کہ "حدود کو آپس میں معاف کر دیا کرو"(۴۲) یعنی مجھ تک پہنچ گئیں تو میں معاف نہیں کروں گا۔ ایک اور موقع پر حدود اللہ کے نفاذ میں کوئی کوتاہی یا زیادتی کو برداشت نہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک کوڑا زیادہ لگانے والے حاکم سے اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تو مجھ سے زیادہ عدل کرنے والا تھا اور اس طرح ایک کوڑا کم لگانے والے سے کہ تو مجھ سے زیادہ میری مخلوق پر رحم کرنے والا تھا۔(۴۳)

۳۶۔ حقوق العباد میں بھی برداشت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی پیمانہ نظر آتا ہے۔ انسانوں کے درمیان مالی معاملات حقوق ثلثہ کی ادائیگی میں عدم توازن کا سب سے زیادہ باعث ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرض' وراثت' شفعہ' مہر' امانت اور صدقات واجبہ کو باقاعدہ سے قانون کے دائرہ میں لا کر ریاستی قوت نافذہ کو تحریر و شہادت کے ذریعے ان میں دخیل کیا۔ جبکہ دیگر خانگی' خاندانی یا معاشرتی معاملات بھی اگر حقوق ثلثہ کے توازن کو بگاڑنے لگیں تو ان کو برداشت نہ کرتے ہوئے اصلاح کے لیے قانون کو تعزیری اختیارات دیے یہاں تک کہ معاشرے میں حقوق اللہ' حقوق العباد اور حقوق النفس کے درمیان توازن قائم ہو سکے۔

۳۷۔ حقوق النفس میں بھی یہی دستور کارفرما ہے پس صحابہ کی یہ درخواست مسترد فرما دی کہ وہ خصی ہو کر عبادات میں یکسوئی حاصل کر سکیں۔(۴۴) فرمایا لا رهبانية فى الاسلام کہ اسلام میں راہبانیت نہیں ہے۔(۴۵) خودکشی کو حرام قرار دیا اور فرمایا جو جس چیز سے خودکشی کرے گا قیامت کے دن اسے اس چیز سے عذاب دیا جائے گا۔(۴۶) حصول رزق حلال کو اپنی سنت قرار دیا' زیبائش و آرائش کو عورتوں کے حق شریعت کے طور پر باور کروایا اور آسودگی و راحت نفس کو اس حد تک برداشت کیا جہاں تک کہ حقوق ثلثہ کا توازن برقرار رہے۔

۳۸۔ حقیقت یہ ہے کہ برداشت کی جو امثال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیں عالم انسانیت میں کسی اور کے

لیے ناقابل عمل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برداشت عمل اس تحسین سے آراستہ و پیراستہ ہے کہ کبھی شکوہ شکایت تک زبان پر نہ آیا۔ بلکہ جن کو برداشت کیا ان کو موقع ملتے ہی عفو در گزر اور انعامات واحسانات کی وہ بارش کی کہ ایک عالم اب تک انگشت بدنداں ہے۔ صرف برداشت کا مطالعہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے ثبوت کے لیے کافی وشافی مواد مہیا کر دیتا ہے۔

۳۹۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی برداشت سے عبارت ہے۔ ولادت باسعادت سے یتیمی نے کڑے ہاتھوں لیا' بچپن میں پیار سے گندھے ہوئے رشتے داغ مفارقت دے گئے' فقر نے تقریباً ساری عمر گھر میں ڈیرے ڈالے رکھے' اولاد نرینہ آنکھوں کے سامنے داعی اجل کو لبیک کہہ گئی' اعلان نبوت کے بعد مصائب وآلام کے وہ پہاڑ ٹوٹے کہ جن کے ذکر سے ہی سخت جان پتھر پھٹ پڑیں اور دل دہل جائیں' ہجرت کے بعد کس طرح پیاروں اور جاں فروشوں کی کٹی پھٹی لاشوں کو سپرد خاک کیا اور کیا برداشت کا کوئی پیمانہ ہے جو فتح مکہ کے دن ان الفاظ کا حجم و کمیت ناپ سکے کہ لا تثریب علیکم الیوم۔ ؟

۴۰۔ عقبہ اور ابولہب جیسے پڑوسیوں کو برداشت کیا جو یمین ویسار گھروں کے باسی تھے۔ ایک کی بیوی تو تاک کر اس وقت اوجھری پھینکتی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاف اور اجلے کپڑے پہن کر رب کعبہ کے حضور سجدہ ریز ہوتے تو دوسرا صحن میں چولہے پر چڑھی ہنڈیا میں اونٹ کا گوبر ڈال کر شاداں وفرحاں ہوتا کہ آج اپنے معبودوں کو برا بھلا کہنے کا خوب بدلہ لیا۔ (۴۷)

۴۱۔ طائف کے تینوں سرداروں نے یوں جواب دیئے۔ پہلا۔ "اگر واقعی خدا نے تمہیں بھیجا ہے تو وہ کعبہ کا غلاف نچوانا چاہتا ہے" دوسرا۔ "ارے کیا خدا کو تمہارے سوا رسالت کے لیے کوئی مناسب آدمی نہ ملا تھا؟"۔ تیسرا "میں تو تجھ سے بات ہی نہیں کرنا چاہتا" یہ زہر میں بجھے ہوئے تیر تھے جو پے در پے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے میں پیوست ہوتے گئے اور آپ نے تحمل سے انہیں برداشت کیا۔ ان ظالموں نے شہر کے آوارہ لڑکوں کو پیچھے لگا دیا جن کی سنگ باری سے اتنی چوٹیں لگیں کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو گئے اور زید کاندھے پر اٹھا کر شہر سے باہر لائے۔ (۴۸)

۴۲۔ شعب ابی طالب برداشت کا ایک اور کڑوا امتحان تھا۔ تین سال تک غلہ آنے کے سارے راستے بند ہو گئے۔ تاجروں کا سارا سامان اہل مکہ خرید لیتے مبادا محصورین خرید لیں۔ ابولہب پکار کر تاجر سے کہتا ان مسلمانوں سے اتنی قیمت مانگو کہ ادا نہ کر سکیں پھر وہی سامان میں خرید لوں گا۔ حالت یہ ہو گئی کہ بچوں کے بلکنے اور رونے کی آواز باہر تک سنی جاتی تھیں' صرف حج کے زمانے میں لوگ نکلتے باقی سارا سال بند رہتے۔

۴۳۔ اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے وطن کی جدائی کو برداشت کیا اور یثرب کی طرف سدھار گئے جہاں یہود و منافقین

کے کرتوت بد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برداشت کا سامان لیے موجود تھے۔ ذاتی تحقیر اور نومولود ریاست کے خلاف سازشوں سے لے کر قتل کی تدابیر اور اہل خانہ پر تہمتوں تک کو برداشت کیا حتی کہ آرام میں خلل تک کو روکنے کے لیے خالق کائنات نے وحی نازل کی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حد تک بردبار تھے۔

۴۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ عالم انسانیت کو یہ درس دیتا ہے کہ برداشت کا زیادہ سے زیادہ مادہ اپنے اندر پیدا کیا جائے۔ ذاتی اختلاف ہو یا اختلاف رائے' سیاسی اختلاف ہو یا اختلاف مذہب' معاشرتی اقتدار کا اختلاف ہو یا رنگ' نسل' زبان' علاقہ کا اختلاف اور مفادات کا اختلاف ہو یا اختلافات کا اختلاف' برداشت ہی وہ کڑوا گھونٹ ہے جس کے پی جانے میں نسل انسانی اور انسانیت کی بقا و دوام ہے۔

۴۵۔ عجیب بات ہے کہ امت مسلمہ آج ان امور کو برداشت کرتی ہے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برداشت نہیں کیا۔ شرک' طاغوت' ظلم' ناانصافی' بے غیرتی' بے شرمی' بے حیائی' بے ایمانی' زروجواہر پرستی' کینگی وکنجوسی' کفار و مشرکین و منافقین اور یہود و نصاریٰ کی دوستی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برداشت نہیں کیا۔ ان کے خلاف قتال کیا جہاد کیا' ان کے مقابلے میں مال خرچ کیا ان سے بچنے اور دور رہنے کی تلقین کی اور انہیں ناپسند کرنے' زبان سے اور قوت بازو سے انہیں ختم کرنے کا حکم دیا۔ لیکن خیر امت کے بااثر گروہ نے ان تعلیمات کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور بعض اوقات تو محسوس ہوتا ہے کہ انہیں چیزوں کو الہ مان لیا گیا ہے۔

۴۶۔ جن امور کو نبی علیہ الرحمہ نے برداشت کیا انہیں آج برداشت نہیں کیا جارہا اور یہی رویہ تنزل کا باعث ہے۔ تریپن سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں سے دوستی نہ لگاتے ہوئے انہیں برداشت کیا لیکن یہاں اپنوں کو ہی غیر قرار دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ نسلی علاقائی و لسانی تفوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم کیا لیکن یہاں معیار فوقیت ہے' اپنی امت میں اختلاف کو رحمت قرار دیا (۴۹) لیکن آج وہی اختلاف امت کی جڑیں کھوکھلی کر رہا ہے' اپنے پیروکاروں میں اختلاف اور اختلاف رائے کو برداشت کیا لیکن آج کی قیادت کارکنوں میں تصادم کی خواہاں ہے۔ ھل من مزید کی دوڑ ہو یا اقتدار کی کشمکش' زن زر زمین کا معاملہ ہو یا شہرت کی بلندیوں کو چھونے کا عزم' رزق کا حصول ہو یا ترقیوں کے مدارج۔ جائز و ناجائز کی اور حلال و حرام کی حدود و قیود کو ہر جگہ توڑا جانا نہ صرف برداشت کیا جاتا ہے بلکہ اسے ضروری خیال کیا جاتا ہے۔

۴۷۔ اب تو ممبر و محراب بھی گندگی کے اس جوہڑ میں اپنی تقدیس کھوتے چلے جارہے ہیں۔ آئے دن کبھی تو اقتدار کے ایوانوں میں ان کی بولی لگتی ہے تو کبھی اس بازار میں نیلام ہونے کو پہنچ جاتے ہیں' کبھی بیچ چوراہے کے عمامہ اچھالا جاتا ہے تو کبھی آبروئے نبوت کو ہوا کے دوش پر عکس و آواز کے لالچ میں ثمناً قلیلا کے عوض فروخت کر دیا جاتا ہے' سرسبز و شاداب چہرے' چنگیز سے تاریک اندرون کی خبر دیتے ہیں۔ ڈھلکے ہوئے سر اور جھکی ہوئی کمریں

ننگ دیں ننگ قوم ننگ وطن مظاہر کی آئینہ دار ہیں۔

۴۸۔ کیا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء نے ایسی تاریخ رقم کی تھی؟ کیا اپنی اقوام سے مایوس ہونے والوں نے خود سے سزائیں دینا شروع کر دی تھیں؟ کیا امت وسط کا یہی کردار قرآن نے پیش کیا ہے؟ کیا اکابرین امت اور سلف صالحین کا یہی وطیرہ رہا ہے؟ سرکار دو عالم اور سرور کونین کی سیرت طیبہ کا آخر کونسا پہلو ان حالات کے تناظر میں پیش کیا جا رہا ہے کہ قال قال اللہ تعالیٰ اور قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائیں اتنی ارزاں ہو گئیں کچھ خبر نہیں سر راہ کعبہ کی بیٹی کے دامن گھن گرج سے تار تار ہو جائیں اور انبیاء کے وارث اور جنت کے متلاشی چشم زدن میں ہی خون میں نہاتے تڑپتے لاشوں میں بدل جائیں۔

کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جاں

حوالہ جات

۱۔ دھلوی، مولوی سید احمد۔ فرہنگ آصفیہ جلد اول ص ۸۴ ۳ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۸۶ء

۲۔ اردو لغت۔ جلد دوم صفحہ ۱۰۰۵۔ ترقی اردو بورڈ کراچی ۱۹۷۹ء

۳۔ کاکوروی، مولوی نورالحسن۔ نور اللغات جلد سوم ص ۴۹۲ جنرل پبلشنگ ہاؤس ۱۹۵۹ء

۴۔ سورۃ البقرۃ ۲، آیت ۲۳۵

۵۔ سورۃ الاسراء ۱۷، آیت ۴۴

۶۔ سورۃ الاحزاب ۳۳۔ آیت ۵۱

۷۔ شرح اسماء الحسنیٰ ص ۸۸، تاج کمپنی کراچی۔ تاریخ و مصنف ندارد

۸۔ ایضاً

۹۔ رازی فخر الدین۔ شرح اسماء الحسنیٰ ص ۳۵۳۔ دار الکتب العربی بیروت

۱۰۔ شرح اسماء الحسنیٰ۔ ص ۲۱۲۔ تاج کمپنی کراچی

۱۱۔ فرزانہ اختر۔ اساس نفسیات حصہ اول ص ۱۱۳۔ علمی کتب خانہ لاہور

۱۲۔ ایڈون گیر کس بورنگ، نفسیات کی بنیادیں۔ ترجمہ ہلال احمد زبیری۔ شعبہ تصنیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی کراچی۔ ص ۵۶۹، ۱۹۶۹ء

۱۳۔ قریشی ظہور الحق' ہمارے بچے۔ حصہ اول ص ۹۱ کتاب منزل لاہور ۱۹۵۹ء
۱۴۔ جعفری' سید کرامت حسین۔ مبادیات نفسیات ص ۳۱۹ ایم آر برادرز لاہور ۱۹۷۵
۱۵۔ عبد القادر چوہدری۔ نفسیات۔ ص ۲۰۸' مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور ۱۹۷۷ء
۱۶۔ ایڈن گریکس بورنگ' نفسیات کی بنیادیں ترجمہ ہلال احمد زبیری ص ۱۵۰'۱۵۱
۱۷۔ سورۃ بنی اسرائیل آیت ۶۲
۱۸۔ سورۃ البقرۃ ۲۔ آیت ۳۴
۱۹۔ سورۃ ص ۳۸ آیت ۷۶
۲۰۔ سورۃ بنی اسرائیل ۱۷' آیت ۶۲
۲۱۔ سورۃ المائدۃ ۵۔ آیت ۳۰
۲۲۔ سورۃ البقرۃ۔ ۲ آیت ۲۱۴
۲۳۔ معراج الدین' الحاج۔ محمد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم۔ صفر مظفر ۴۷۴ حافظ مسعود امجد اینڈ برادرز لاہور۔ تاریخ ندارد
۲۴۔ دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد چہارم ص ۱۲۹' طبع اول ۱۹۶۹ء
۲۵۔ معراج الدین' الحاج۔ محمد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم ص ۴۷۴
۲۶۔ محمد طفیل۔ نقوش۔ رسول نمبر جلد چہارم ص ۳۱۳ شمارہ ۱۳۰' جنوری ۱۹۸۳۔ ادارہ فروغ اردو
۲۷۔ صدیقی' عبد الحمید۔ انسانیت کی تعمیر نو اور اسلام۔ ص ۱۴۲' ۱۴۳ اسلامک پبلشنگ ہاؤس' لاہور ۱۹۷۶ء
۲۸۔ ابن کثیر' عماد الدین حافظ۔ تفسیر القرآن الکریم جلد اول ص ۱۲۲ (اردو ترجمہ) نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔ تاریخ ندارد
۲۹۔ ندوی' شاہ معین الدین احمد۔ تاریخ اسلام نصف آخر۔ ص ۴۹۹' ناشران قرآن لاہور
۳۰۔ لین پول' اسٹینلے۔ مسلمان اندلس میں۔ ترجمہ منشی حامد علی صدیقی ص ۳۵۴ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی۔ تاریخ ندارد
۳۱۔ Qadri, Abdul Hameed. Dimentions of Chirstianity Da'wah Academy Islamabad 1998 p.32
۳۲۔ Ibid . P.37
۳۳۔ محمد قطب' اسلام اور جدید ذہن کے شبہات۔ (اردو ترجمہ) البدر پبلی کیشنز لاہور ص ۳۱۶' ۱۹۹۳ء

۳۴۔ Encyclopaedia Britannica VII Vol. II, 15th Edition
Villiam Benton Publisers 1973 London P.446

۳۵۔ Arnoled T J, Heidenheimer, Comperative Public Policy.
Thierd Edition P.276, Services Book Club 1996

۳۶۔ محمد سید سابق۔ فقہ السنہ المجلد الثانی ص ۸، دار الحدیث خلف جامع الازھر قاھرہ

۳۷۔ اوصاف علی، حقوق العباد ص ۲۶، مکتبہ امدادیہ ملتان اکتوبر ۱۹۸۹ء

۳۸۔ طالب ہاشمی، سیرۃ خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ص ۱۶۷، حسنات اکیڈمی لاہور ۱۹۹۰ء

۳۹۔ مودودی ابوالاعلیٰ۔ تفہیم القرآن جلد دوم ص ۲۴۶، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۹۰ء

۴۰۔ سورہ توبہ۔ آیت ۱۱۸

۴۱۔ تبریزی، محمد بن عبداللہ۔ مشکوٰۃ المصابیح۔ الجزء الثانی ص ۸ المکتب الاسلامی بیروت۔ ۱۹۸۵ء

۴۲۔ ایضاً ص ۱۰۶۱

۴۳۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح البخاری، کتاب النکاح۔ باب، مایکرہ من التبتل والخصاء

۴۴۔ بخاری، محمد بن اسماعیل۔ الجامع الصحیح البخاری۔ کتاب النکاح باب، مایکرہ من التبتل والخصاء۔

۴۵۔ العجلونی، کتاب الخفاء، کشف الخفاء ج ۲، ص ۲۸۲۳۸

۴۶۔ محمد سید سابق، فقہ السنۃ المجلد الثانی ص ۴۳۱

۴۷۔ علی اصغر چوہدری، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ حصہ دوم ص ۱۴۳، اسلامک پبلی کیشنز لاہور۔ ۱۹۸۹ء

۴۸۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جد اول ص ۸۲۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۵۱ء

۴۹۔ البانی، ناصر الدین۔ سلسلہ الاحادیث الضعیفوا الموضعہ واثرھا النس علی الامہ ص ۷۶، المکتب الاسلامی۔ بیروت ۱۳۹۸

عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

مسز طاہرہ منہاس۔ گجرات

غیرت دل چاہتی ہے رنج کا لوں انتقام — آیہ السن بالسن میں ہے جس کا جواز
اپنی فطرت کی بلندی سے مگر مجبور ہوں — جانتی ہے جو ازل سے عفو کی رفعت کا راز
عفو سے آئینہ دل کا اتر جاتا ہے زنگ — عفو ہی مرہم ہے ناسورِ کدورت کے لیے
دوستی کا دشمنِ جاں ہے خیال انتقام — درگزر ہے بہتریں مسلکِ اخوت کے لیے

جہاں برداشت کی حد ختم ہو۔ وہیں عدم برداشت کی ڈھلوان کا آغاز ہوتا ہے جو بدلہ لینے دشمن کو ناکوں چنے چبوانے اور مردانہ وار تباہیاں پھیلادینے کے خوشنما پھولوں سے ڈھکی پڑی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس کا علاج تعلیماتِ نبوی ﷺ سے کیوں؟ جبکہ آج ایک سے بڑھ کر ایک مفکر، مفسر، فلاسفر اور نفسیاتی معالج خود کو حل المشکلات کے طور پر پیش کر رہا ہے شاید اس لیے کہ اگر ان فلسفیوں اور نفسیات دانوں نے مسائل حیات کے بہترین حل پیش کیے ہیں۔ عالم فاضل ان تفکرات و تعلیمات کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔ دنیا بھر کی یونیورسٹیاں انہیں ہاتھوں ہاتھ لیتی ہیں۔ لیکن..........

لیکن یہ تعلیمات اول تو قابل عمل نہیں۔ افلاطونی آئیڈیل ریاست کے خواب کی طرح ان کے منصوبے شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتے۔ اور جو چند فیصد قابلِ عمل ہوتے ہیں۔ ان کے نتائج آئندہ ان میں تبدیلی کا تقاضا کرتے ہیں۔ دوسرے ان مفکرین کا ذاتی کردار قول و فعل کے تضاد کا نقشہ پیش کر کے انسان کو تذبذب میں ڈال دیتا ہے۔ البتہ جب ہم کسی مسئلے کے حل کی خاطر نبی آخری الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے در دولت پر دست سوال دراز کرتے ہیں تو یہاں قول و فعل اور فکر و عمل کا تسلسل مسئلے کا طے شدہ حل پیش کرتا ہے۔ آخر کیوں نہ ہو کہ اس کا فیصلہ تو خود اللہ العالمین نے ہی فرمادیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"پس (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ﷺ کے رب کی قسم! یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے۔ یہاں تک

کہ حاکم بنائیں آپ ﷺ کو ہر اس جھگڑے میں جو پھوٹ پڑا ان کے درمیان۔ پھر نہ پائیں اپنے نفسوں میں تنگی اس سے جو فیصلہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اور تسلیم کرلیں دل و جان سے" سورۃ النساء ۶۵

طے پایا کہ عدم برداشت کی گتھی اسوۂ کامل سے ہی سلجھ سکتی ہے لیکن اس سے پیشتر یہ بھی طے کرلیا جائے کہ عدم برداشت ہے کیا چیز؟

خرد مندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں میری انتہا کیا ہے

فرمان الٰہی ہے۔

"اللہ کے محبوب تو وہی ہیں۔ جو غصہ ضبط کرنے والے اور لوگوں سے در گزر کرنے والے ہیں"۔ سورۃ آل عمران ۱۳۴۔

اور فرمان نبوی ﷺ ہے کہ

"گھونٹ تو ہر شخص پیتا ہے لیکن اللہ کے نزدیک بہترین گھونٹ غصے کا ہے۔ جسے پی لیا جائے۔ ایسے صابر شخص کے دل کو اللہ تعالیٰ نورِ ایمان سے معمور فرما دیتا ہے۔

غصہ انسانی اسلحہ ہے جو اسے مضرات سے بچاتا ہے۔ جان و مال' عزت و آبرو اور ملک و ملت کی حفاظت اس کے بغیر ممکن نہیں۔ اس کی اجازت بلکہ حکم خود خدا بھی دیتا ہے۔ فرمایا۔

"کفار و مشرکین سے جہاد کرو اور ان پر سختی نہ کرو" (التحریم)

لیکن یہ غصہ اور سختی حد سے بڑھ جائے تو ناقابلِ برداشت بن جاتا اور بنا دیتا ہے۔ امام غزالیؒ اسے دل میں لگی آگ قرار دیتے ہیں۔ جس کا دھواں دماغ میں بھر کر انسانی دور اندیشی اور سوچ و فکر کی صلاحیت کو ڈھانپ لیتا ہے۔ ایسے شخص کا دماغ دھوئیں سے لبالب بھرے غار جیسا ہے۔ جسے باہر نکلنے کے لیے کوئی راستہ نہیں ملتا۔ یہی اندھا پن انسان کو عدم برداشت' نفرت و کدورت اور پھر انتقام کی کیفیت میں مبتلا کر کے تمام فسادات و تعصبات کا جنم بھڑکاتا ہے۔ تکبر تمسخر۔ عیب جوئی حرص و لالچ' مخل و غربت اور کمینوں' غنڈوں کی دوستی۔ سب چیزیں انسان کو عدم برداشت کا تر نوالہ بناتی ہیں۔ یہ لوگ دوسروں کو ناکوں چنے چبوانے اور تباہ و برباد کر ڈالنے کو مردانگی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ مردانگی نہیں غنڈہ گردی ہے۔ غصہ اگر مردانگی ہوتا۔ تو عورتوں بچوں اور بوڑھوں کی مردانگی مسلم ہوتی۔ جو جلد غصے میں آجاتے ہیں۔ یہ احمق نہیں جانتے کہ عفو و در گزر کمزوری نہیں' پیغمبرانہ صفت ہے۔ جبکہ غصہ شیطانی خصلت اور حیوانی رد عمل ہے۔ اور فضیلت انبیاء کی سنت پر عمل کرنے میں ہے نہ کہ شیطان کی تقلید میں۔ غصے کا علاج علم کی مٹھاس اور صبر کی تلخی سے ہی ممکن ہے۔ علم و عمل کی یہ معجون بڑی تیر بہدف ہے۔

غصہ کرنے والا اگر یہ سوچے کہ جتنا غصہ مجھے اس شخص پر ہے اللہ کو میرے کرتوتوں کے باعث مجھ پر اس سے کہیں زیادہ ہوگا۔ اگر روز قیامت یونہی اللہ تعالیٰ مجھ سے ناخوش ہوا۔ تو میرا کیا بنے گا؟ غضب، غصہ کی مذمت میں آیات و احادیث کا مطالعہ اور غور و فکر بھی مناسب ہے۔ اور یہ سوچنا کہ جو کچھ ہوا۔ اللہ کی مرضی سے ہوا ہے۔ اب میرا یوں غصہ کرنا کیا اللہ کی مرضی کا انکار نہیں؟ یا اگر اللہ کا ڈر نہ ہو تو آخر مخالف بھی یہی گندم کی روٹی کھاتا ہے اگر اسے بھی غصہ آ گیا تو جانے میرا کیا حشر کرے۔ اس حشر نشر سے بچنے کی سوچ بھی تحمل و برداشت پیدا کر سکتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی غلام کو کہیں کام سے بھیجا۔ وہ بہت دیر سے لوٹا۔ اور دیر کی کوئی وجہ نہ بتا سکا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر روز قیامت کا خیال نہ ہوتا۔ (یعنی اگر وہاں باز پرس کا خوف نہ ہوتا) تو میں تجھے ضرور سزا دیتا"۔

اپنے اختیار اور دیانت سے غصہ برداشت کرنا ہی پسندیدہ نیکی ہے۔ مجبوری بے بسی اور بزدلی کی خاموشی دماغ میں دھواں بھرتی ہے۔ یہ کینہ ہے۔ جو حسد' حقارت' رقابت' غیبت' تمسخر' بے رحمی اور خاموش طوفان کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ "مومن کینہ ور نہیں ہوتا" اور اس کا ثبوت اول و آخر مومنِ کامل حضرت ابو بکرؓ صدیق کے کردار سے ملتا ہے۔ جنہوں نے واقعہ افک میں مسطح' جو آپ کا غریب رشتہ دار اور آپ کی کفالت میں تھا۔ کے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے خلاف جھوٹی قسم اٹھانے پر اس کی کفالت نہ کرنے کی قسم کھائی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"اور جو تم میں سے وسعت و بزرگی رکھتے ہیں۔ وہ اہل قرابت و مساکین اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دینے کی قسم نہ کھائیں اور انہیں معاف کر دیں اور در گزر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کر دے" سورہ النور ۲۲۔

اس پر حضرت ابو بکرؓ صدیق نے کہا "خدا! میں اس بات کو دوست رکھتا ہوں" اور مسطح کا نفقہ جاری کر دیا۔

فرمان نبوی ﷺ ہے کہ "انسان تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جنہیں غصہ دیر سے آتا اور وہ راضی بھی دیر سے ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ جو فوری غصہ کرتے اور فوراً مان بھی جاتے ہیں۔ جبکہ بہترین لوگ وہ ہیں۔ جو غصہ دیر سے کرتے اور خوش جلد ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فوراً غصہ کرنے اور ماننے میں دیر لگانے والوں کو بدترین لوگ کہا"۔

عقبہؓ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ میں تجھے بتاؤں کہ دنیا و آخرت کے لیے افضل ترین بات کیا ہے؟" پھر فرمایا کہ "جو شخص تجھ سے تعلقات توڑے تو اس سے ملتا رہ جو تجھے محروم و ناکام کرنے کی کوشش کرے تو اس کے ساتھ عطا و عنایت سے کام لے۔ اور جو تجھ پر ظلم کرے تو اس

کے ساتھ عفو و در گزر کر "کیمیائے سعادت"۔

فتح مکہ کی خاموش تیاریوں کی خبر حضرت حاطبؓ بن بلتع نے اپنے مفاد کی خاطر مکہ کے فرد کو پہنچانی چاہی۔ راز فاش ہونے پر حضرت عمرؓ نے ان کے قتل کی اجازت چاہی۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدری ہونے کے طفیل معاف فرمادیا۔ فرمایا

"یہ تم بھی جانتے ہو کہ حاطب اہل بدر میں سے ایک ہیں" یہ سن کر حضرت عمرؓ رونے لگے۔ ان کی زبان پر تھا "اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں" حضرت حاطبؓ کی لغزش اور ان سے در گزر کا سلوک اعلیٰ اقدار کی حفاظت کا درس دیتا ہے۔ غلطی سے پچھلی خدمات یکسر مٹ نہیں جاتیں"۔ ص ۲۷۹ سیرت احمد ﷺ مجتبیٰ جلد سوم

تحمل و برداشت کی لازوال مثال

فتح مکہ کے موقع پر تو عفو و در گزر کی انتہا ہو گئی۔ بدترین دشمنوں سے دنیا کا بہترین سلوک اسی موقع پر دیکھنے میں آیا۔ فاتح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم وارد شہر ہوئے تو "آپ ﷺ کے چاروں طرف جوش سے بھرا ہوا اور ہتھیاروں میں ڈوبا ہوا لشکر تھا۔ جس کے درمیان کبہ نبوی ﷺ تھا۔ اس شان و شوکت کو دیکھ کر ابو سفیان نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ "اے عباس! تمہارا بھتیجا تو بادشاہ ہو گیا"۔ حضرت عباسؓ نے جواب دیا۔ "تیرا برا ہوا اے ابو سفیان۔ یہ بادشاہت نہیں یہ تو نبوت ہے"۔

اس شاہانہ جاہ و جلال کے باوجود شہنشاہ رسالت کی شان تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ سورۂ فتح کی تلاوت فرماتے ہوئے اس طرح سر جھکائے ہوئے اونٹنی پر بیٹھے تھے کہ آپ ﷺ کا سر اونٹنی کے پالان سے لگ لگ جاتا تھا"۔ ص ۳۴۹ سیرت مصطفیٰ ﷺ۔

پھر جب آپ ﷺ نے ظالم و جابر سفاک قاتلوں سے پوچھا کہ "اے گروہ قریش! تمہیں معلوم ہے کہ میں آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں" تو لرزتے ہونٹوں پہ لکنتا جواب تھا۔

"آپ کرم کرنے والے بھائی اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں" اور واقعی کریم النفس نبی ﷺ کا انداز کریمانہ تھا۔ فرمایا "آج تم پر کچھ الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو" اور پھر اس حد درجہ برداشت کا نتیجہ دنیا نے یہ دیکھا کہ لمحوں میں

جہاں تاریک تھا۔ بے نور تھا اور سخت کالا تھا
کوئی پردے سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اجالا تھا

والی صورتحال تھی۔

غصہ سے کینہ اور کینہ سے حسد جنم لیتا ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ "حسد نیکیوں کو یوں ملیا میٹ کرتا ہے۔ جیسے آگ ایندھن کو جلا کر بھسم کر ڈالتی ہے"۔ اور اس "نیکی برباد گناہ لازم" کا آسان حل اللہ تعالٰی نے خود تجویز فرمایا ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔

"تم نیک برتاؤ سے (بدی کو) ٹال دو۔ پھر یکایک تم میں اور جس شخص میں عداوت تھی ایسا ہو جائے گا۔ جیسے کوئی دلی دوست ہوتا ہے" سورۃ حٰم السجدہ ۳۴ پھر فرمایا

"بری بات کے جواب میں ایسی بات کہو جو نہایت اچھی ہو" سورۃ المؤمنون ۹۶۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تین باتیں ایسی ہیں کہ کوئی انسان ان سے خالی نہیں۔ یہ تین باتیں بدگمانی۔ بدشگونی اور حسد ہیں۔ اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ ان کا علاج کیونکر ممکن ہے"۔ فرمایا "جب بدگمانی پیدا ہو جائے تو دلیں اس کے بارے میں تجسس اور کرید سے کام نہ لو۔ اور بدشگونی یا فال بد کا سامنا ہو۔ تو اس پر اعتماد مت کرو۔ اور جب حسد معلوم ہو تو زبان قابو میں رکھو۔ اور ہاتھوں سے کوئی انتقامی کارروائی سرزد نہ ہونے دو"۔ پھر فرمایا "آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ محبت کا جذبہ کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔ سو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جب بھی ایک دوسرے سے ملو۔ تو اعلانیہ ایک دوسرے کو سلام کرو۔ کیمیائے سعادت۔

یونہی برداشت پیدا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ "اگر دوران گفتگو کوئی بڑی دھانسو بڑی کاٹ دار قسم کی دلیل یاد آئے جو مخاطب کو گھائل کر کے رکھ دے۔ تو اسے روک لو۔ اسے کہہ کر مخالف کو محفل میں گھائل (ذلیل) نہ کرو" زاویہ۔ اشفاق احمد۔

خودی میں ڈوبتے ہیں پھر ابھر بھی آتے ہیں
مگر یہ حوصلہ مرد ہیچ کارہ نہیں
ترے مقام کو انجم شناس کیا جانے!
کہ خاک زندہ ہے تو تابع ستارہ نہیں

سلامتی کے اس دین کا پہلا درس ہی برداشت تھا جو اس کے ماننے والوں میں چند ماہ یا چند سال نہیں متواتر تیرہ سال تک راسخ کیا گیا۔ کفار مکہ کے طعن و تشنیع۔ تکلیف و آزار۔ بدکلامی و بداطواری کی بات ہو یا زندان شعب ابو طالب کی خونچکاں گھڑیاں۔ طائف کی سنگ باری ہو یا اشراف مکہ کی قاتلانہ مہم جوئی۔ اہل اسلام کہیں بھی ترکی بہ ترکی جواب دینے اور فیصلہ اپنے ہاتھ میں لینے کا حق نہیں رکھتے۔ زیادہ سے زیادہ انہیں ہجرت کی اجازت ملتی ہے۔ یہ بڑی کم ہمتی اور مسکینی کی سی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن بنظر غائر دیکھیں تو اس طویل تکلیف دہ برداشت نے عمل نے انہیں کندن بنا دیا تھا۔ چنانچہ کندنی اوصاف کے مالک یہ لوگ جب یثرب کے بالکل نئے بالکل اجنبی

ماحول میں بالکل خالی ہاتھ داخل ہوئے تو ان کے لیے کٹھن راہ حیات کے لیے خود کو تیار کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ اور واقعی انہوں نے بہت کم عرصے میں خود کو دنیا کے بہترین افراد ثابت کر ڈالا۔ صدیوں کی مسافت سالوں میں طے کی۔ کامیابیاں و کامرانیاں جیسے انہی کا مقدر بن گئیں۔ اور عفوو عمل کا یہ کردار مثالی بن گیا۔ ان اصحاب ذی شان کی برداشت و عدم برداشت کا بڑا خوبصورت نمونہ ہمیں صلح حدیبیہ کے موقع پر ملتا ہے۔ جب پہلے انہوں نے دیوانہ وار قصاص عثمانؓ کا عہد کیا۔ لیکن پھر اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر سر جھکا دیا۔

"صلح حدیبیہ کے موقع پر جو شرائط طے ہوئی تھیں۔ وہ بظاہر کفر کے غلبہ اور اسلام کی کمزوری کی غما تھیں۔ اس لیے ان جانفروشوں کا بے چین و مضطرب ہونا قدرتی امر تھا۔ جنہوں نے دستِ مبارک پر جان کی بازی لگا دینے کا پختہ عہد کیا تھا۔ جتنا کسی کا جذبہ ایثار توانا تھا۔ اتنا ہی اس کا اضطراب شدید تھا۔ حضرت فاروقِ اعظمؓ سب سے زیادہ مضطرب تھے۔ کیونکہ ان کی غیرت ایمانی اس قدر بھی برداشت نہ کر سکتی تھی۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا تو سارے جذبات نے سر جھکا دیا۔ سمعنا و اطعنا کہتے ہوئے سب مطمئن ہو گئے
۵۶۳ ضیاء القرآن جلد ۴۔

کون ہے تارکِ آئین رسول مختار؟
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعار اغیار
ہو گئی کس کی نگہ طرز سلف سے بیزار؟
قلب میں سوز نہیں۔ روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد ﷺ کا تمہیں پاس نہیں

ہم وارثانِ علم و حلم آج بھی فخر کائنات و موجودات کے اخلاقِ عالیہ کو زینت تقریر و تحریر بناتے ہیں لیکن افسوس کہ ان کو اپنے کردار کا حصہ بنانے کو تیار نہیں۔ ہم صحابہ کرامؓ کی تعریف و توصیف اور ان کے حلم برداشت کے قصیدے پڑھتے ہیں۔ لیکن خود ویسا بننے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ ہماری زندگی کا ہر گوشہ عدم برداشت کا نادر نمونہ ہے۔ اس متعدی مرض نے قومی اخلاق و اقدار کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں۔ بھائی بھائی سے نالاں ہے۔ حالانکہ اسلام نہ صرف تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی ہونے کا درس دیتا ہے۔ بلکہ مدینۃ النبی کا مواخاتی نظام اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ آج عزیز و اقرباء ایک دوسرے سے عاجز ہیں۔ جبکہ اسلام اول خویش بعد درویش کا متقاضی ہے۔ تاکہ رشتہ داروں میں محبت و یگانگت قائم رہے۔ آج پڑوسیوں میں خلوص و احترام کا جذبہ نہیں رہا۔ معمولی باتوں پر سر پھٹول تو کیا۔ گردنیں اتر جاتی ہیں۔ اور ناواقفیت کا یہ عالم کہ ایک کو حادثہ پیش آئے تو دوسرے کو خبر

کی لاش کی بو سے ملتی ہے۔ جبکہ فرمان نبوی ﷺ تو یہ تھا کہ مجھے ہمسایوں کے بارے میں اتنی تاکید ہوئی کہ مجھے گمان گزرا کہ شاید انہیں وراثت میں حصہ دار بنادیا جائے گا۔ آج استاد اور شاگرد میں دکاندار اور گاہک سے زیادہ کا رابطہ نہیں رہا۔ جدید فلسفہ تعلیم نے احترام و عقیدت کو طلباء کی نشوو نما میں رکاوٹ قرار دیا ہے۔ چنانچہ اب طلباء استاد کے ساتھ بیباکانہ بلکہ گستاخانہ گفتگو کرتے آوازے کستے' نقلیں اتارتے بلکہ بد تمیزی پر اتر آتے ہیں۔ اور اپنی ان حرکتوں پر شرمندہ ہونے کی بجائے اس پر فخر کرتے ہیں۔ یہ بات پھر بزرگوں کا احترام اور والدین کی تعظیم بھی ختم کر دیتی ہے۔ یوں آہستہ آہستہ بزعم خود تعلیم و ترقی یافتہ معاشرہ حیوانی معاشرہ بنتا چلا جاتا ہے جہاں معمولی باتوں پر بھی عفو و برداشت کی سکت نہیں رہتی۔ جبکہ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ

"جو شخص چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا۔ اور بڑوں کی توقیر نہیں کرتا۔ وہ ہماری جماعت میں سے نہیں"۔

سورۃ الحجرات کی ابتدائی آیات اہل اسلام خصوصاً طلبائے علم میں تحمل و برداشت کی خو پیدا کرتی ہیں۔ چنانچہ "علامہ آلوسی رقمطراز ہیں کہ ان آیات میں بارگاہ نبوت میں بے ادبی کی قباحت عیاں کرنے کے ساتھ ساتھ محاسن و آداب کی تعلیم بھی دی جارہی ہے۔ علمائے کرام نے ان آیات سے خوب استفادہ کیا ہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ جو بلند پایہ عالم تھے فرمایا کرتے میں نے کبھی کسی استاد کے دروازے پر دستک نہیں دی بلکہ میں ان کا منتظر رہتا جب وہ خود باہر تشریف لاتے تو ان سے استفادہ کرتا۔ اسی قسم کا واقعہ حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں تحریر کرنے کے بعد علامہ حضرت ابن عباسؓ کی زبانی لکھتے ہیں کہ

"عالم اپنی قوم میں اس طرح ہے جس طرح نبی اپنی امت میں ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے ولو انھم صبروا۔ ص ۵۸۳ ضیاء القرآن جلد ۴

اسی سورت میں کسی خبر پر بلا تحقیق عمل سے گریز۔ دو گروہوں میں تصادم پر خاموش تماشائی بننے کی بجائے صلح کی کوشش ورنہ مظلوم کی حمایت اور عدل و انصاف کے ساتھ تمسخر' عیب جوئی' برے القاب' بدگمانی' جاسوسی' غیبت اور نسلی تفاخر سے باز رہنے کی تلقین عدم برداشت کی تباہ کاریوں پر بند باندھتی ہے۔ لیکن آج ان احکامات پر عمل نہ ہونے کی بدولت ملک میں نسلی' علاقائی' لسانی' مذہبی قومیتی تضاد و عناد عروج پر ہے۔ حالانکہ فرمانِ نبوی ﷺ مشتہر عام ہے کہ "کسی گورے کو کالے پر۔ عربی کو عجمی پر فوقیت حاصل نہیں۔ الا یہ کہ کوئی متقی ہو" اور یہ بھی کہ "آپس میں مساوات قائم رکھو۔ اور اختلاف نہ آنے دو۔ تاکہ دلوں میں نفرت پیدا نہ ہو"۔

بلا شبہ یہ ایک بات ہی تضاداتِ عالم کا واحد حل ہے۔ لیکن یہ بات بزعم خود تعلیم یافتہ۔ تہذیب یافتہ اور ترقی یافتہ قومیں قبول کرنے کو تیار نہیں۔ "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی پر گامزن یہ خود ساختہ اعلیٰ نسل اور با اختیار قومیں کمزور' غریب' پس ماندہ اور بے اختیار قوموں میں عدم برداشت کا وائرس جان بوجھ کر پھیلاتی ہیں۔ انہوں نے

"صرف اپنی ذات کی فکر کرو" کے نظریے کو بھی دنیا میں عام کر رکھا ہے۔

عدم برداشت کی اساس

ملا مزاج تغیر پسند کچھ ایسا
کیا قرار نہ زیرِ فلک کہیں میں نے
لہو سے لال کیا سینکڑوں زمینوں کو
جہاں میں چھیڑ کے پیکارِ عقل و دیں میں نے
مگر خبر نہ ملی۔ آہ! رازِ ہستی کی
کیا خرد سے جہاں کو تہ نگیں میں نے

عدم برداشت کا یہ تصور کچھ نیا نہیں۔ ابلیس کی آدم بیزاری اور ہابیل و قابیل کی عداوت آغاز زندگی اس کی خبر دیتے ہیں۔ دوسروں کو ان کی نیکیوں اور برائیوں سمیت قبول کرنا ایک صفت ہے جو انسان کو فرشتوں برتر بناتی ہے۔ لیکن بد قسمتی سے انسان نے ہمیشہ سربلندی کی نسبت لڑھکنے کو ترجیح دی ہے۔ نمرودی و فرعونی و تمکنت بھیانک خونی واقعات اور خوفناک عالمی 'علاقائی' قبائلی جنگیں اس کا مشغلہ رہی ہیں۔ اگرچہ فسادیوں کا انجام ہمیشہ ایک وار یا ایک گولی بلکہ بعض اوقات تو محض حقیر مچھر یا پانی کی لہر رہا ہے۔ لیکن افسوس کہ ان کے فساد فی الارض بندگان سادہ لوح کے جان و ایمان کو پنپنے نہیں دیا۔ عدم برداشت کی سرشت نے انہیں مردم کش اور حیوانوں (کم وکم فہم انسان بھی) کا رب بننے کی ترغیب دلائی ہے یہ خود ساختہ رب دوسرے انسانوں کی خودداری و آزادی برداشت نہیں کر سکتے۔ افسوس کہ اپنے جیسے انسانوں کو برابر کا رتبہ نہ دینے والے یہ لوگ اس خالق العالم اور رب العالمین کی عنایت و فرمانبرداری کا شعور نہیں رکھتے۔ جو انہیں ان کی تمام تر کوتاہیوں 'زیادتیوں کے باوجود برداشت کیے ہوئے ہے۔

آزادی جہالت

مسلم کا مقام کھو گیا ہے
دن ہے ابھی اور یہ سو گیا ہے
سوتوں کو جگانے والا سو جائے
کچھ ضرور اس کو ہو گیا ہے

دانا کہتے ہیں۔ اقوام گزشتہ کی بدبختی میں بڑا ہاتھ ان کی جہالت کا تھا بھیڑوں کی طرح کٹتی اور بھیڑیوں

وں سے مرتی یہ قومیں بے عملی کے باعث مجبور محض تھیں۔ لہذا اللہ العالمین نے علم عام کرنے کا فیصلہ فرمایا اور
پنے بندوں کے لیے اس کا حصول فرض قرار دے دیا۔ چنانچہ آفتابِ اسلام بلند ہوا تو علم کو بھی عروج حاصل ہوا۔ اور
وہ صدیوں میں انسان علم کے سمندر میں نہا گیا۔ پھر وقت کے ساتھ مسلمان سستی کی بدولت اپنے اس اعزاز کو
ائم نہ رکھ سکے۔ تو غیر مسلموں نے خود کو وقت کا امام بنانے کی سعی کی۔ اور اللہ جو کسی محنت رائیگاں نہیں چھوڑتا۔
نے انہیں جھولیاں بھر بھر کر ترقی عطا فرمائی۔ حسنِ معاشرت اور اصول پسندی کی بدولت ان کی خوشحالی و خوش بختی
ں بھی اضافہ ہوا۔ لیکن چونکہ یہ علم "اقراء" کی صورت تو تھا "باسمک الذی خلق" سے مربوط نہ تھا۔ لہذا اس روز
زوں علم نے خود مختاری' بدکاری' بداخلاقی اور عدم برداشت کو رواج دیا۔ جو جتنا عالم فاضل عاقل بالغ قرار پایا۔ اتنا
وم بیزار ہوتا گیا۔ اعلیٰ و بالا اور منفرد نظر آنے کی خواہش نے اسے عوام تک پہنچنے سے روک دیا۔ تعلیم جسے متعلق
صوصاً مسلم متعلمین میں قوتِ برداشت پیدا کرنی چاہیے تھی۔ انہیں شدت پسند' منتقم مزاج اور خود غرض بنائے چلی
ں۔ علم ہی کی ایک جدید شاخ میڈیا نے اس زہر کو اور بھی سرعت کے ساتھ انسانی رگوں میں اتارا ہے۔ وحشتناک'
وفناک' انتقامی' جنسی' عشقیہ' متشدد موضوعات پر بنی فلمیں۔ ڈرامے موسیقی اور فحش و لچر شعر و ادب نے بازاری
بت ور قابت اور پھر ان کی بدولت جنم لینے والے مسائل کو جیسے آگ لگا دی ہے۔ جس کی وجہ سے عدم برداشت اور
دم برداشت کے طفیل خودکشی' قتل و غارت' بے حسی اور بے حیائی کو فروغ ملا ہے۔ جبکہ زن' زر اور زمین کے
عاملے میں دوسروں کو برداشت نہ کرنا ہماری قدیم روایت رہی ہے۔

دوسروں کی تو بات ہی کیا۔ قومی اسمبلی جو ملک کا سب سے بڑا قانون ساز ادارہ ہے۔ آج اسی عدم برداشت
کے نرغے میں ہے۔ بدزبانی' بدتمیزی اور قانون شکنی کے خوگر ارکانِ اسمبلی کی تقلید میں آج ملک خداداد میں "کھلی
محاذ آرائی ہے' نہلے پہ دہلے کا سماں ہے اور دو دانے اوپر بدلہ لینے کی خواہش ہے۔ زبان تو پہلے ہی بگڑی تھی نوبت بایں جا
رسید کہ اب دھن بھی بگڑ رہا ہے۔ کھلے عام اسلحے کی نمائش' نوکِ سناں پر بات سمجھانے کا دعویٰ اور زیرِ خنجر منوانے کا
انداز۔ اہل دل سوچتے ہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا"؟ ص ۱۰ اوحدت ملی۔

اف یہ اختلافات زمانہ

خداوند یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے۔ سلطانی بھی عیاری ہے
مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
میری دانش ہے افرنگی میرا ایماں ہے زناری

اختلاف فی الارض بری بات نہیں۔ تا آنکہ وہ افتراق کی حدوں کو نہ چھولے۔ رنگ و نسل۔ زبان۔ لباس و طعام' عادات واطوار۔ غرض کوئی انسان کہیں بھی دوسرے سے ہم رنگ و ہم آہنگ نہیں۔ اسی اختلاف فکر و نظر سے اجتہاد' مذاق سلیم' مادہ تحقیق' وسعت نظر اور بلندی فکر پیدا ہوتا اور اکتشاف وانکشاف اور اکتساب و احتساب کی دولت ہاتھ آتی ہے۔ لیکن "انسان بڑا ظالم اور جاہل ہے" (قرآن پاک) کے باوصف انسان نے اس نعمت کو اختلاف برائے اختلاف کے طور پر استعمال کیا۔ جس کی بدولت دنیا روز افزوں کشیدگی' پیچیدہ تر صورت حالات عالم اسلام کی زبوں حالی استعماری طاقتوں کا اسلام کے خلاف اعلانیہ اتحاد۔ ہندوستان کا کم از کم ایشیا پر اور اسرائیل کا پوری دنیا پر قبضے کا خواب اور امریکہ کا نیو ورلڈ آرڈر جیسے عفریتوں میں گھری ہوئی ہے۔ بلاشبہ

"اگر مشیت ایزدی سے ہٹلر منظر عام پر نمودار نہ ہوتا۔ تو یہود و ہنود و نصاریٰ گٹھ جوڑ غالباً پہلے ہی بر صغیر کے مسلمانوں کو سپین کے مسلمانوں اور امریکہ کے ریڈ انڈینز کے انجام تک پہنچا چکا ہوتا"۔ ص ۲۲ نیو ورلڈ آرڈر۔

نیو ورلڈ آرڈر اور ریڈ انڈینز کے انجام میں یکسانیت یہ کہ جب یورپ کے صلیب بردار عیسائی امریکہ میں داخل ہوئے تو ریڈ انڈینز کی تعداد تقریباً ساڑھے سات کروڑ تھی۔ جسے ان عدم تشدد کے علم بردار عیسائیوں نے صرف دو صدیوں کے اندر معدوم کر کے رکھ دیا۔ جبکہ ہندو قوم کثیر التعداد قوم بن کر آج مسلمانوں کو ناکوں چنے چبوا رہی ہے۔ "اس نیو ورلڈ آرڈر" کی مخفی و پراسرار کرشمہ سازیوں سے کبھی انڈونیشیا کے لاکھوں افراد جو اپنی علمی قابلیت کی رو سے قوم کے جوہر کی حیثیت رکھتے تھے۔ اندرونی خلفشار اور سیاسی و معاشی تصادم کی نذر ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی افغانستان میں تقریباً دس لاکھ افراد ایک سپر پاور کے عالمی مقصد کی خاطر لقمہ اجل بن جاتے ہیں اور تقریباً ۳۵ لاکھ ملک چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کبھی ایران عراق جنگ میں لاکھوں مسلمان زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے اور اس سے زیادہ اپاہج ہو کر زندہ درگور ہوتے ہیں۔ اور کبھی ایک عظیم ناٹک کے ذریعے عراق کو جو اسرائیل کا واحد طاقتور حریف تھا دنیا کے نقشے سے مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ عربوں کے تیل پر امریکہ کا کنٹرول ہو جاتا ہے اور جنگ ختم ہوتے ہی اسرائیلی وزیر اعظم کا بیان آتا ہے کہ عظیم اسرائیل وجود میں آچکا ہے" ص ۱۰'۸ نیو ورلڈ آرڈر

یہ علم' یہ حکمت' یہ تدبیر' یہ حکومت!
پیتے ہیں لہو' دیتے ہیں تعلیم مساوات

یہ اختلاف و عدم برداشت کسی خاص قوم' علاقے' نسل یا ملک کا مسئلہ نہیں۔ ساری دنیا آج آتش فشاں بنی ہوئی ہے۔ گلوبل ویلج کے تصور نے معدودے چند فوائد ہی دیئے ہوں گے لیکن برائیوں خرابیوں کے وائرس

طوفان مچار کھا ہے۔ اس ایک گاؤں پر ایک ہی آقا اور ایک ہی نظریے کی ترویج کی خواہش نے شدت اختیار کر لی ہے۔ اسی چھینا جھپٹی میں "سی آئی اے' موساد اور را" برابر کی شریک ہیں۔ یہودیوں کی خفیہ تنظیم کے "صیہونی ارباب دانش کے وثیقے" میں سے عدم برداشت کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

"اپنے راستے میں حائل عناصر کے خلاف سزائے موت کے احکامات جاری کروائیں تاکہ دہشت و خوف کی فضا قائم ہو۔ ایسی فضا سرکشوں کو جھکنے پر مجبور کرتی اور مطیع بنانے میں مددگار ہوتی ہے"۔

"اپنے بہترین مفادات کی خاطر دھوکہ اور تشدد کے پروگرام پر کاربند رہنا چاہیے۔ نظریہ تشدد اور بربریت سے ہم فتح و نصرت کی راہ پر گامزن ہوں گے"۔

"اقتدار کے بھوکوں میں طاقت اور اقتدار کے غلط استعمال کے رجحان کو فروغ دینے کے لیے ہم نے تمام متحارب قوتوں کو جمع کر لیا ہے۔ ہماری طاقت خوراک کی شدید قلت اور مزدوروں کی جسمانی کمزوری میں پوشیدہ ہے"۔

"ایک خاص اور موزوں وقت پر ہم جو کہ متقن ہیں۔ فیصلے صادر کریں گے۔ ہم قتل کریں گے اور قتل عام میں کسی کو نہ بخشیں گے .... اب ہمارے ہاتھوں میں جو ہتھیار ہیں وہ دراصل بے پایاں اور مضبوط امنگیں اور جذبے ہیں شعلہ فشاں حرص ہے۔ بے رحم اور شقی القلب انتقام ہے۔ نفرت ہے۔ اور غیض و غضب ہے۔ ہم وہ سوتا ہیں جہاں سے دہشت و بربریت پھوٹتی ہے" ص ۲۶۸۔ ۲۷۴ نیو ورلڈ آرڈر

یاد رہے کہ اس عدم برداشت کا شکار صرف مسلمان نہیں تمام گوئم (تمام غیر یہود) ہیں اور ہوں گے چنانچہ منصوبہ ملاحظہ ہو۔

"دنیا کی تمام مملکتوں میں ہمارے علاوہ صرف مزدوروں اور محنت کشوں کی آبادی ہو۔"

اور منصوبے پر عملدرآمد کے لیے میدان ہموار کرنے کا طریقہ دیکھئے جس پر آج کل شدومد سے عمل ہو رہا ہے۔

"جو ممالک ترقی یافتہ اور روشن خیال سمجھے جاتے ہیں ان میں ہم نے ایک بے معنی 'گندہ' نفرت انگیز اور فحش لٹریچر پیدا کر دیا ہے......... اس نظریے کے پیش نظر کہ مبادا لوگ اس بات کا اندازہ کر لیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ ہم ان کی توجہات کھیل' تماشے' تفریحات' بے لگام جذبات اور عوامی محلات کی طرف پھیر دیں گے پریس کے ذریعے آرٹ اور کھیلوں کے مقابلہ کی تجویز دیں گے۔ اس قسم کی دلچسپیاں ہمیشہ کے لیے ان کی توجہات کو ان کے مسائل سے ہٹا دیں گی۔ غیر یہود کی صفت کی تباہی کے لیے ہم سٹہ بازی کی مدد سے تعیشات کو فروغ دیں گے" ص ۲۷۶'۔ ۲۷۷ نیو ورلڈ آرڈر۔

بلا مبالغہ اس ورلڈ آرڈر پر عمل درآمد کی بدولت ساری دنیا ایک ان دیکھی آگ میں جھلس رہی ہے۔ فاسٹ ازم (زندگی کے ہر معاملے میں جلدی۔ تیزی! افراتفری) ہر کام میں آرام طلبی۔ تن آسانی۔ ہر بات میں خود غرضی اور سونے پر سہاگہ ہمہ وقت شیطانی تعلیم وتربیت نے ہر علاقے کے ہر طبقے کی زندگی کے ہر پہلو کو بری طرح الجھادیا ہے۔ زندگی کی تیز رفتاری میں سکون کی تلاش نے منشیات اور منشیات نے عدم برداشت کو عروج بخشا ہے۔ ہر کوئی سپیر پاور بننے کے چکر میں ہر کوئی نمبرون ہونے کی فکر میں دوسروں کو روند ڈالنا چاہتا ہے۔ اس اخلاقی دیوالیہ پن نے ایٹمی قوت اور ایٹمی قوت نے زمین کو بانجھ بنا کر ہتھیانے کی خواہش کو جنم دیا۔ تو عدم تحفظ کے احساس نے دوسروں کو مجبور کیا۔ کہ اپنی حفاظت کا انتظام وہ بھی اسی سطح پر کریں۔ اگرچہ مادیت پرستی نے دنیا بھر کو اخلاقی و روحانی طور پر دیوالیہ کر ڈالا ہے۔ لیکن عجیب صورتحال ہے کہ اسلام دشمنی اور مسلم کشی پر استعماری و صیہونی قوتیں یکجا ہیں۔ اہل اسلام میں آزاد خیالی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے بغاوت ان کی پہلی ترجیح ہے۔ اور اتنی تگ و دو کے بعد ان آدھے تیتر آدھے بٹیر مسلمانوں سے بھی ان کی نفرت کا یہ عالم ہے کہ یہ ایٹمی قوت بنیں تو عین حق پاکستان اس کا دعویٰ و مظاہرہ کرے تو دہشت گردی۔ ہندوستان و امریکہ و سربیا اقوام متحدہ کی قراردادوں کے چیتھڑے اڑائیں تو پروا نہیں' عراق' کشمیر' بوسنیا' کوسوو پر غاصبوں کے حملوں کے لیے کسی جواز کسی حکم نامے کی ضرورت نہیں۔

اس ناقابل برداشت پالیسی نے بد نصیبوں کا اپنا سکون واطمینان بھی تباہ کر رکھا ہے۔ مادی طور پر کامیاب لیکن اعصابی واخلاقی لحاظ سے تباہ حال ان ملکوں میں صورتحال یہ ہے کہ چھینا جھپٹی' لوٹ مار' قتل و غارت گری' آبرو باختگی اور خودکشی کی روز افزوں شرح نے حکمرانوں کو ہیجان میں مبتلا کر رکھا ہے۔ مثلاً دو مارچ "خبریں" میں ایک دلچسپ لیکن عدم برداشت کی بے مثال خبر ایک کونسلر کی تھی۔ جو جنوبی افریقہ کے ایک ناراض میاں بیوی میں صلح کرا رہا تھا۔ اس دوران جب عورت نے اپنی آزادی کا حق زبان درازی کی صورت استعمال کیا تو موصوف برداشت نہ کر سکا۔ لہٰذا اس نے عورت کے شوہر کے ساتھ مل کر اس کی اتنی ٹھکائی کی کہ بچاری کی ہنسلی کی ہڈی اور تین پسلیاں توڑ ڈالیں۔ یعنی سچ مچ اس کی ہڈی پسلی ایک کر ڈالی۔ اسی اخبار میں نیویارک کی ایک سگریٹ پیتی چھ سالہ بچی کی باتصویر خبر ہے۔ جس کی ماں نے بچی کو کلاس میں سگریٹ پینے سے منع کرنے پر سکول انتظامیہ کے خلاف چارہ جوئی کی۔ اخبار میں سیکولر اعظم بھارت میں ملازمت پیشہ مسلم خواتین پر ذہنی و جسمانی تشدد کی خبر بھی موجود ہے۔ یہیں آپ کو اسرائیلی جرنیل کی ہلاکت کا غصہ اسرائیل کے لبنانی حزب اللہ پر حملوں کی صورت میں ملے گا۔ اسی صفحہ پر آپ کو امن عالم کے ٹھیکیدار امریکہ اور برطانیہ نہتے عراق پر حملے کرتے ملیں گے۔ یہ وہی دن ہیں جب یہ اندھے بوسنیا کوسوو میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلتے اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کو ٹھینگا دکھاتے سربوں کے خلاف ایکشن

سے ہر ممکن گریز کر رہے ہیں۔ اسی جگہ آپ انڈونیشی عیسائیوں کو مسلمانوں پر حملے کرتے پڑھتے ہیں یہیں عیسائی یہودی کمیونٹی کا ہندوستان میں عیسائیوں پر حملے کے خلاف امریکہ سے مطالبہ ہے کہ وہ بھارت کے کان کھینچے۔ بیوقوف جانتے نہیں کہ ہندو وہ مخلوق ہے جس کے کان نہیں ہوتے اور امریکہ طاقت میں ہی نہیں خود کو منافقت میں بھی نمبرون ثابت کر چکا ہے۔

یہ بتانِ عصر حاضر کے بنے ہیں مدرسے میں
نہ ادائے کافرانہ' نہ تراشِ آزرانہ!
نہیں اس کھلی فضا میں کوئی گوشہ فراغت
یہ جہاں عجب جہاں ہے! نہ قفس نہ آشیانہ
مجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی
اس دور میں ملا ہیں کیوں ننگ مسلمانی

درج بالا اور کم وبیش اس سے ملتی جلتی خبریں روزانہ اخبارات کو رنگین وسنگین بنا کر بکنے کے قابل بناتی رہتی ہیں۔ خود فریب قوموں کا مسلمانوں کے خلاف بڑھتا ہوا عدم برداشت کا جذبہ دراصل خود ان کے عدم تحفظ کے خوف کی نشاندہی کرتا ہے۔ ذہانت و فطانت کی دعویدار یہ قومیں خود اپنے دام فریب کی اسیر ہو رہی ہیں۔ اسلامی بم کا خوف انہیں حیات بعد الموت کی بجائے موت بین الحیات کے تشنج میں مبتلا کیے ہوئے ہے۔ جس سے گھبرا کر یہ مزید ہیجانی حرکات پر اتر آئے ہیں۔ اسی ہیجان کی بدولت انہوں نے اسلام کے نام لیواؤں کی زندگی عذاب بنا رکھی ہے۔ دنیا بھر کے اربوں کی تعداد اور معدنی دولت کے مالک مسلمان چوہوں کی طرح دبے پچکے موت وذلت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کی وجہ تہی دامنی نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر نعمت عطا فرمائی ہے۔ یہ دراصل اعصاب کی جنگ ہے جس میں استعماری و صیہونی طاقتیں انہیں چاروں شانے چت دیکھنا چاہتی ہیں۔ اپنے مذہب اور تاریخ سے لاعلمی کی بدولت یہ (مسلمان) سمجھتے ہیں کہ اسلام کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ مسلمان چودہ سو سال پہلے ایسی ہی ایک اعصابی جنگ جیت چکے ہیں۔

"جنگ احزاب درحقیقت نقصان جان ومال کی جنگ نہ تھی۔ بلکہ اعصاب کی جنگ تھی۔ یہ اسلامی تاریخ کی ایک فیصلہ کن جنگ تھی۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے اور یہ واضح ہو گیا کہ عرب کی کوئی بھی قوت مسلمانوں کی اس چھوٹی سی طاقت کو جو مدینے میں نشوونما پا رہی ہے ختم نہیں کر سکتی کیونکہ اس جنگ میں جتنی بڑی طاقت فراہم ہو گئی تھی اس سے بڑی طاقت فراہم کرنا عربوں کے بس کی بات نہ تھی۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کی واپسی کے بعد فرمایا:

"اب ہم چڑھائی کریں گے۔ وہ ہم پر چڑھائی نہ کریں گے۔ اب ہمارا لشکر ان کی طرف جائے گا" ص ۴۲۴ الرحیق المختوم۔

سوچنے کی بات ہے کہ آج مسلمان خود کو اتنا فرمانبردار (باطل کا) اتنا بیوقوف کیوں ثابت کر رہے ہیں جبکہ ان کی تو آبیاری ہی برداشت اور حق چھین لینے کے چھینٹوں سے ہوئی تھی۔ یقیناً اس لیے کہ اس تھوہر کے درخت (مادہ پرستی، کج فہمی) کا بیج یہ خود بوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ عظامؓ کے اہل عرب کے بدترین ظلم وستم کو سہنے اور ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان کی پرورش مخمل وکمخواب میں ہاتھ کا چھالا بنے، چاندی کے پنگھوڑے میں ماں باپ کی دن رات کی کمائی سے خریدے سونے کے چمچ سے دنیا جہان کی نعمتیں کھا کر نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ انہیں تو پیدائش کے چند روز بعد ہی زمانے کے سرد وگرم چکھانے کی خاطر بالکل اجنبی، بالک لغریب اجڈ بدوؤں کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ ان صحرائی تھپیڑوں کے پالے نونہالوں کی تعلیم وتربیت بھی آج کل کے بہترین سہولتوں سے مزین سکولوں میں گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرس نے تیرا۔ اور معاشرتی قول وفعل میں تضاد کے ہیجان کی بنیاد پر نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ اس "صحرائے عرب میں زندگی گزارنے والے لوگ طبعاً دھوکہ اور ریا سے دور تھے اور ان کی زندگی کے معمولات میں ان دو خصلتوں کا کوئی دخل نہیں تھا۔ عرب کے گرم صحراؤں میں اگر ایک شخص ایک عقیدہ اپنا لیتا تھا تو اس پر عمل کرنا خود پر لازم کر لیتا تھا۔ انسانی طبعیت میں تضاد اور منافقت اس وقت شروع ہوئی جب بڑے بڑے مذاہب صحرا کی حدود سے نکل کر ان مملکتوں میں جو ریگستانی نہیں تھیں پھیل گئے" (ص ۴، محمد ﷺ)

اسلامی تصور تعلیم وتربیت علم (بشرط وحی) حلم اور عمل کی بنیاد پر آگے بڑھتا اور کارگر ثابت ہوتا ہے۔

فرمان ربی ہے

"اے نبی ﷺ! نرمی اور درگزر کا طریقہ اختیار کرو۔ معروف کی تلقین کرو اور جاہلوں سے مت الجھو۔ اگر کبھی شیطان تمہیں اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو۔ وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے" (الاعراف ۱۹۹)

یہی نظام تعلیم اسلامی مملکتوں میں انگریزی نظام تدریس سے پہلے تک موجود رہا ہے۔ ہندوستان میں "ہڈیاں ہماری گوشت تمہارا" کا مقولہ استاد کی تدریس پر مضبوط گرفت کا پتہ دیتا ہے۔ یہ سختی سنت نبوی ﷺ نہیں۔ لیکن اس نظام تعلیم کی بدولت طلبائے علم میں نہ صرف قوت برداشت پیدا ہوتی تھی بلکہ بزرگوں کا ادب، لحاظ، شرم اور احساس ذمہ داری کا احساس بھی اجاگر ہوتا تھا اور یہ وہ صفات ہیں جو معاشرتی ہمواری اور سکون واطمینان کی بنیاد بنتی ہیں۔ جبکہ جدید فلسفہ تعلیم میں طلباء کے لیے بہترین سہولیات ان سہولیات پر ادائیگی کی بدولت والدین کا مالکانہ رویہ استاد کی محض ملازمانہ حیثیت بے عمل وبے ضمیر نصاب تعلیم اور محض ڈگری اور شاہانہ تربیت ہی جب نظام تعلیم

کی بجیاد ہوں تو منتظین میں تحمل وبرداشت کی جائے متشدد' حاکمانہ' خود غرض ذہنیت کا پیدا ہونا قدرتی امر ہے اور طرفہ تماشا یہ کہ اس نحوست کے ختم ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ تاوقتیکہ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ

بلا شبہ اس وقت سوسائٹی میں بدی کی بڑی قیمت ہے۔بدی بڑے بڑے انعامات پاتی ہے بدی منظم ہے۔ اس کا مقابلہ کرنا سوسائٹی کے بس کی بات نہیں۔ سوسائٹی کی دو بیماریاں طمع اور خوف اسے مزید تقویت دیتی ہیں۔ اس لیے سوسائٹی کا صحت مند حصہ بدی کے خلاف آواز بلند نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ بدی کے جتھوں کا مقابلہ کرنے کا اہل ہی نہیں۔ البتہ اگر نوجوانوں کا کوئی گروہ بدی اور بے ضمیری کو مکروہ شے سمجھ کر اس کے خلاف منظم کام کرے تو اصلاح ممکن ہے ص ۷ ۴۳۔

اور انہی باہمت نوجوانوں کے لیے حکیم الامت بھی دست بدعا رہے ہیں۔

یا رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے
اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو
وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرما دے
احساس عنایت کر آثار مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشہ فردا دے
میں بلبل نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے

ثم آمین

والحمد للہ رب العالمین

عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیماتِ نبوی ﷺ

شمع پروین حامد۔ لاہور

تاریخ کی آغوش میں بڑی بڑی شخصیتیں جنم لیتی رہی ہیں۔ فرماں روا ہفاتحین، فلسفی، شعراء اور فنکاروں میں ایک سے ایک بڑا آدمی پیدا ہوا ہے۔ جن کے احترام سے آج بھی سینے مسحور ہیں۔ لیکن ہمارے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ افضلِ بشر اور کامل ترین انسان تھے۔ آج کی یہ مقدس محفل آپ ﷺ ہی کے یوم ولادت کے موقع پر منعقد کی گئی ہے۔ اور اس میں شرکت یقیناً ہمارے لیے سعادت کا باعث ہے جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہے کہ آج کی قومی سیرت کانفرنس کا موضوع ہے "عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ"۔

ہم آج جس نازک دور سے گزر رہے ہیں میرے خیال میں یہ موضوع نہایت اہمیت کا حامل ہے، آج مسلمان ممالک جس دوراہے پر کھڑے ہیں وہاں سے شاید کوئی راستہ اس طرف نہیں جاتا اس لیے ہم ان قوموں سے پیچھے رہ گئے ہیں جو مسلمان نہیں مگر ان اوصاف کے مالک بن گئے ہیں جو کبھی مسلمانوں کا طرہ امتیاز ہوا کرتا تھا۔

آج ان لوگوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ جو برداشت کا عفوودرگزر کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اب ہمارے اندر عدم برداشت کا جذبہ فروغ پا رہا ہے۔ صرف پاکستان میں نہیں بلکہ دیگر ممالک میں بھی یہی جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ عدم برداشت کے اس قومی و بین الاقوامی رجحان نے انسان کو انسانیت کی معراج سے گرا دیا ہے آج ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے عادی ہوتے جا رہے ہیں اسلام سے قبل یہ رجحان تھا جس کے نتیجے میں آدھی آدھی صدیاں جنگ کی نظر ہو جاتی تھیں۔ اسلام آیا تو اس نے ان کی حالت ہی بدل کر رکھ دی مگر آج پھر ہم ان تعلیمات کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ دیکھیں اس سپہ سالار کو جو بدر و حنین کا فاتح ہے۔ اگر ہم کسی میدان سے فتح حاصل کرنے کے بعد لوٹے ہیں اگر ہم نے دشمنوں کو زیر کر لیا ہے تو دیکھ سکتے ہیں کہ فاتح مکہ نے کس دریادلی سے دشمنوں کو معاف کیا ہے۔ کوئی انسان آج کے اس دور میں جو طاقت رکھتے ہوئے بدلہ نہ لے اور معاف کر دے نہیں وہی ایک ہستی تھی جو یہ کام کر سکتی تھی۔ آج اس ظلمت کے دور میں اسی ہستی کی اتباع کی ضرورت ہے۔

فلاح انسانیت کا راز اسی امر میں پوشیدہ ہے

محمد سر وحدت ہے رمز ان کی کوئی کیا جانے

شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے ہمارے ایمان کی تکمیل اسی واسطے سے ہو گی کیونکہ برداشت اور درگزر کا مظاہرہ جو آپ ﷺ کی ذات اقدس نے کیا کسی اور ذات کا یہ خاصا ہو نہیں سکتا آپ ﷺ کی تعلیمات میں کہیں بھی عدم برداشت کے رجحان کا شائبہ تک نہیں آتا کیونکہ اسی عدم برداشت کی ضد ہے عفو و درگزر اور دنیا کی ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ بارش کی خنکی سخت امس کے بعد ہی زیادہ خوشگوار معلوم ہوتی ہے۔ روشنی کی پوری قدر شبِ تاریک میں ہوتی ہے۔ اور ماحول جس قدر تاریک ہو تجلی کی چمک اتنی ہی زیادہ درخشاں نظر آتی ہے۔

انسان امن و سلامتی کا بھوکا ہے لیکن وہ اس امن و سلامتی کو اسباب راحت کے انبار میں تلاش کرتا ہے۔ اور نہیں پاتا وہ دنیا میں امن کا گوشہ ڈھونڈتا ہے وہ اس کو نہیں ملتا اگرچہ یہ فطری طور پر مدنی الطبع ہے۔ مل جل کر زندگی بسر کرنا انسانی ضرورت ہے فرد کو معاشرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا فرد جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا لازمی طور پر اثر معاشرے پر پڑتا ہے اسی طرح معاشرہ بھی افراد پر اثر انداز ہوتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ افراد جیسے بھی ہوں گے معاشرہ ویسا ہی تشکیل پائے گا۔ اگر افراد کی اکثریت اعلیٰ کردار کی حامل ہو تو معاشرہ اعلیٰ اخلاقی اقدار کا گہوارہ ہو گا۔ معاشرے کی خرابی کسی اچانک عمل کا باعث نہیں ہوتی بلکہ تدریجی عمل ہوتا ہے۔ اگر ہم غور کریں تو کسی معاشرے کی خرابی کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ جب افراد درگزر سے کام لینا چھوڑ دیتے ہیں۔ معافی کی بجائے انتقام کے درپے ہو جاتے ہیں۔ نیکی کے بجائے بدی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اور جاہلوں سے الجھتے ہیں تو معاشرہ شکست و ریخت کا شکار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

"معافی اور درگزر کو عادت بناؤ نیک کام کرنے کی ہدایت کرو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو"۔

مزید برآں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ادفع بالتی ھی احسن" (سورۃ حمٓ السجدہ ۳۴)

"برائی کا بدلہ اچھائی سے دیجئے"

دوسری جگہ ارشاد ہے

"او تعفوا عن سوء فان اللہ کان عفواً قدیرا" (سورہ النساء: ۱۴۹)

"کسی کی برائی کو معاف کر دو بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"

اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کو یہی ہدایت فرمائی ہے۔

"فاعفوا و اصفحوا"(سورہ البقرہ ۱۰۹)
پس معاف کر دیا کرو اور در گزر کرتے رہا کرو۔
سورہ نور کی آیت نمبر ۲۲ میں ارشاد ہے۔
"اور چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور در گزر کیا کریں کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے"۔
مندرجہ بالا تمام آیات سے یہی مفہوم نکلتا ہے کہ اللہ نے عفو و در گزر کی تعلیم اس ترغیب کے ساتھ دی ہے کہ اگر ہم دوسروں کی غلطیوں پر عدم برداشت کا مظاہرہ نہ کرتے ہوئے در گزر سے کام لیں گے اور انہیں معاف کر دیں گے تو خدا ہمیں معاف کر دے گا۔

کتنی بڑی بات ہے یہ کہ اس دنیا میں کسی کو دی ہوئی معافی قیامت کے روز ہمارے گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بن جائے اس دن برداشت کا یہ جذبہ ہمارے لیے جنت کے دروازے کھول دے۔ کاش اللہ ہمیں اتنی توفیق دے کہ ہم کسی کی بڑی سے بڑی زیادتی کو برداشت کر کے در گزر کا مظاہرہ کریں۔ آمین

ذرا سوچیں قانون قصاص کی رو سے قاتل کی سزا موت ہے۔ مگر اللہ نے اس عمل کو بھی ناپسندیدہ فرمایا اور قانون میں یہ شق رکھ دی کہ اگر مقتول کے لواحقین قاتل کو معاف کر دیں خون بہا کے بغیر یا خون بہا لے کر تو اس کی جان بخشی ہو سکتی ہے۔

یہ مقام غور ہے کہ کسی کو جان لینے سے بڑا جرم اور کون سا ہو سکتا ہے۔ مگر اسے بھی معاف کرنے کی اجازت ہے۔ ارشاد ہے۔

"فمن عفی له من اخیه شی فاتباع بالمعروف و ادآء الیه باحسان ذالك تخفیف من ربكم و رحمة"(سورہ البقرہ ۱۷۸)

پس یہ ایک رعایت ہے اور رحمت ہے ہمارے رب کی طرف سے یہاں یہ نکتہ توجہ کے قابل ہے کہ قاتل اور مقتول کے ورثا کو اس سخت دشمنی کے باوجود رشتہ اخوت سے جدا نہیں کیا۔

اسلام نے تو غیر مسلموں کے ساتھ بھی در گزر سے کام لینے کا حکم دیا تاکہ وہ اسلام کی طرف مائل ہو جائیں نبی پاک ﷺ کی اسی صفت کی وجہ سے صرف ۲۳ سالہ عرصے میں دنیا کے ہر گوشے میں اسلام پھیل گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"تم بہترین قوم ہو جو انسانوں کے لیے (پردہ عدم) سے باہر لائی گئی ہو۔ جو نیکیوں کا حکم دیتی ہے۔ اور برائی سے روکتی ہے"۔ (آل عمران ۱۱۰)
ہر مسلمان نیکی کا داعی ہے۔ اگر وہ بات بات پر لوگوں سے الجھے تو وہ اپنے پیغام سے کسی کو بھی متاثر نہیں

سکے گا۔اس لیے ہر شخص کو برداشت سے کام لینے کی بار بار تلقین کی گئی ہے۔ یہ وہ بہترین اخلاقی وصف ہے جس سے دوستوں اور عزیزوں کی محبت بڑھتی ہے اور دشمنوں کی عداوت دور ہو جاتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

"اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کرتے ہیں"۔

یہ وہ جذبہ ہے جو سب مسلمانوں کو ملا کر ایک جماعت یا امت بناتا ہے۔ جس کی اساس پر مسلمانوں میں یگانگت' مہر و محبت' باہمی ہمدردی' اور تعاون کے جذبات جنم لیتے ہیں۔ پس مسلمانوں کا افضل ترین اخلاق عفو ہے۔

ایک مرتبہ ایک صحابی نے آنحضور ﷺ سے پوچھا یارسول اللہ میں اپنے خادم کا قصور کتنی مرتبہ معاف کر دوں۔ آپ ﷺ تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا ہر روز ستر بار"

حدیث نبوی ﷺ ہے

"کہ پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کی حالت میں اپنے اوپر قابو رکھے"۔

ابو مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی جان لو۔ جان لو۔ مڑ کر دیکھا تو آنحضرت ﷺ فرما رہے تھے کہ ابو مسعودؓ! کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی اس نصیحت کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں نے پھر کسی غلام کو نہیں مارا۔

نبی پاک ﷺ عفو کے پیکر تھے۔ آپ ﷺ نے اپنا عملی نمونہ پیش فرما کر ثابت کیا کہ عفو اخلاق فاضلہ میں سے ہے۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ ہمارے سامنے ہے۔ اگر ہم آپ ﷺ کی دی ہوئی تعلیمات کی پیروی کرنے لگیں تو معاشرہ جنت کا نمونہ بن جائے۔

▪ آپ ﷺ ﷺ نے کبھی بھی ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا یہاں تک کہ بددعا سے بھی احتراز فرمایا۔

آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت' فیضانِ صحبت احسن اخلاق' پند و موعظت اور تبلیغ دعوت کی تاثیر سے برے اچھے' بد نیک اور اشرار اخیار بن جاتے ہیں۔ ہر آن آفتاب حق کی کرنیں مطلع نبوت سے نکل نکل کر دنوں کی سرزمین کو روشن کرتی ہیں۔ آپ ﷺ کا سینہ صدق و صفا کا آئینہ ہے۔ آپ ﷺ کا مجسم پیکر ظلمت کدۂ عالم کا چراغ اور علم و ہدایت کا مطلع نور ہے۔ جس سے اندھے دیکھتے' گمراہ راہ پاتے اور ان کے طالب روشنی حاصل کرتے ہیں۔ خود آپ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا۔

اے نبی ﷺ ہم نے آپ ﷺ کو گواہی دینے والی خوشخبری سنانے والا' ڈرانے والا' خدا کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔ (الاحزاب ۴۵۔۴۶)

پس جس طرح ان آس پاس کی چیزوں کو روشن کرنے والی آپ ﷺ کی ذات مبارک ہے۔ تو آپ ﷺ

کی ذاتِ مبارکہ کی یہ تمام چیزیں انوار الٰہی ہیں۔ ان انوار میں سے ہر نور کی روشنی میں چلنا ہدایت ہے اور ان میں سے کسی ایک سے قطع نظر کرنا بھی ظلمت کے ایک گوشہ میں قدم رکھتا ہے۔

ارض عالم پر بڑے بڑے جلیل القدر فاتح رونما ہوئے اور دنیا کی ہر قوم نے اپنی عمر کے کسی نہ کسی دور میں فتوحات حاصل کیں۔ لیکن کسی قوم نے بھی مفتوحوں کے ساتھ رواداری نہ برتی مگر پیغمبر اسلام کا شیوہ یہ نہیں۔

طائف کی وادی میں آپ ﷺ پر پتھر برسائے گئے مکہ میں آپ ﷺ پر ظلم کی انتہا کر دی گئی۔ مصائب کا ایک ہجوم تھا جس کا سامنا آپ ﷺ کی ذات اقدس کو کرنا پڑا۔ منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد جس شقاوت و قساوت جس درندگی و بہیمت اور جس فرعونیت و عقوبیت سے صحابہ کرام کو دوچار ہونا پڑا اس کی نظیر پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ مثلاً۔

- آپ ﷺ کو گرم بالوؤں پر لٹایا گیا!
- گلے میں رسیاں باندھ کر سڑکوں اور گلی کوچوں میں گھسیٹا گیا۔
- دہکتے انگاروں پر ڈالا گیا۔
- بوریوں میں بند کر کے ناک میں دھوئیں پہنچائے گئے۔
- گلوئے مبارک پر اونٹ کا اوجھ رکھ دیا گیا۔
- بے شمار پتھر برسائے گئے۔
- پورے تین برس آب ودانہ بند کر کے قید میں رکھا گیا۔
- طرح طرح کے آزار دیئے گئے۔

مگر آفرین ہے ہمارے آقا کی ہستی پر کہ ہر ظلم کو اس طرح برداشت کیا جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہ ہو اور جب موقع آیا بدلہ لینے کا تو کس عاجزی وانکساری کا مظاہرہ کیا۔ مسلمانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا طوفان جسے دیکھ کر کفار دہشت سے لرز رہے تھے کہ آج ہمارے ظلموں کی سزا ہمیں ملے گی۔ میدانِ عرفات میں اسلام کی یہ عظمت دراصل آپ ﷺ کی عفوودرگزر کا ہی نتیجہ تھی پھر آج وہ اس کا دامن کیسے چھوڑ دیتے آپ ﷺ اپنے اوپر کیے ہوئے تمام مظالم کا بدلہ لے سکتے تھے آج آپ ﷺ فاتح تھے اور وہ مفتوح۔ مگر کیا شان ہے ہمارے نبی ﷺ کی کس قدر فیاضی اور دریادلی کے ساتھ سب کے قصور معاف کر دیئے کاش ہمارے اندر بھی یہ جذبہ پیدا ہو جائے۔ آمین۔

نبی پاک ﷺ کی سیرت طیبہ کو اگر ہم اپنے لیے مشعلِ راہ بنالیں تو ہماری زندگی سرفرازی و سربلندی سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے اس پر عمل پیرا ہو کر ہم بلاشبہ ایک پرامن معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں۔

حدیثِ نبوی ﷺ ہے۔

"تم لوگوں کے قصور معاف کرو تمہارے قصور معاف کر دیئے جائیں گے۔

افسوس یہ ہے کہ درگزر کرنے کی برداشت کر لینے کی یہ صفت ہم میں سے نکل گئی اور عدم برداشت کا جذبہ ہم میں فروغ پا گیا اس لیے ہم اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے قابل نہیں رہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان اہل ایمان کا بڑا درجہ ہے جو اپنے اندر یہ صفت پیدا کر لیتے ہیں۔

قرآن نے اس کی بڑی ترغیب دی ہے۔ سورۃ آل عمران میں ہے۔

"اور جو غصہ کو پی جانے والے اور معاف کر دینے والے ہیں لوگوں کے قصور کو۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیکو کار بندوں سے محبت کرتا ہے۔

سورۃ الشوریٰ میں ہے

"اور جو بندے برداشت کر لیں اور معاف کر دیں تو بڑی عزیمت اور بلند ہمتی کی بات ہے"۔

اس سورت میں ایک اور جگہ ارشاد ہے

"اور جب کسی شرارت اور بدتمیزی پر ان کو غصہ آ جاتا ہے تو وہ انتقام نہیں لیتے بلکہ معاف کر دیتے ہیں"۔

سورۃ الاعراف کے آخری رکوع میں خاص طور سے رسول ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"(لوگوں کی بے ہودہ باتوں اور جاہلانہ حرکتوں سے) آپ درگزر کرنے اور معاف کر دینے کا شیوہ اختیار کیجئے۔ نیک کاموں کے لیے کہتے رہیے اور ان جاہلوں ناسمجھوں (کی جاہلانہ باتوں) کا کچھ خیال نہ کیجئے۔

جس نبی ﷺ نے اپنے امتیوں کو یہ تعلیم دی کہ

"جو تجھ سے قطع تعلق کرے اس سے مل جو تجھ پر ظلم کرے تو اس پر رحم کر اور جو تیرے ساتھ برائی کرے اس سے درگزر کر"۔

آپ ﷺ نے اپنا نمونہ بھی امت کے سامنے وہ پیش کیا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا اے رب! آپ کے بندوں میں کون آپ کی بارگاہ میں زیادہ باعزت ہیں۔ ارشاد فرمایا وہ بندے جو قصور وار پر قابو پانے کے بعد اور سزا دینے کی قدرت رکھنے کے باوجود اس کو معاف کر دیں۔ مگر افسوس عدم برداشت کے رجحان نے ہمیں اس صفت سے عاری کر دیا اور صرف ایشیائی ممالک میں نہیں یورپی ممالک میں بھی انسانیت سسک رہی ہے۔ ہمارے نبی ﷺ آخری نبی ﷺ تھے اب ہمارے لیے کسی نئے ہادی کی ضرورت نہیں

ہمیں کس بات کا انتظار ہے کیا ہم بھی بنی اسرائیل کی طرح اس انتظار میں ہیں کہ خدا خود بادلوں میں آکر ہمیں نیکی کی تلقین کرے۔ ہمیں ہدایت تعلیماتِ نبوی ﷺ اور قرآن پاک سے لینی ہیں یہی وہ دوراستے ہیں جن کے بارے میں ہمارے نبی ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں فرمایا تھا کہ اے لوگو! میں تمہارے پاس دوراستے چھوڑ کر جارہا ہوں جب تک تم ان پر چلو گے سیدھے راستے پر رہو گے وہ ہیں قرآن اور سنت۔

ذرا غور کریں تو معلوم ہو گا کہ ہم آج صرف نام کے مسلمان ہیں ان تمام صفات سے عاری ہیں مومنوں کا خاصا ہوا کرتی تھیں۔ یہاں موضوع کی مناسبت سے میں نے صرف ایک صفت کا تذکرہ کیا ہے۔

آیئے ہم آپس میں لڑنے کی بجائے عدم برداشت کا مظاہرہ نہ کرتے ہوئے عفوودرگزر سے کام لیں مل جل کر ان تمام مسائل کی آنچ محسوس کریں جن کو ہم نے اگر اب بھی محسوس نہ کیا تو یہ ہمیں جلا کر راکھ کر دیں گے۔ اس وقت ہمارا معاشرہ ایک ایسی عمارت کی مانند ہے جس پر خوبصورت تہذیب کا پلاسٹر چڑھا ہوا ہے۔ لیکن بنیادیں کھوکھلی ہیں۔ مغربی تہذیب کا ایک ریلا اس عمارت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے کافی ہے۔ ہمارے پاس اعلیٰ قسم کا تعمیراتی سامان موجود ہے۔ نظریاتی لحاظ سے ہمارا یہ تعمیراتی سامان بہت عمدہ ہے۔ لیکن وہ کاریگر موجود نہیں جو اس اعلیٰ سامان کے ذریعے عمدگی اور سلیقے سے ایک اچھے معاشرے کی تشکیل و تعمیر کر سکیں۔

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہو گا پھر

دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

ہمیں اپنی بقاء کے لیے اپنے افراد کے اخلاق کو سنوارنا ہو گا کیونکہ اخلاقی تربیت ہی سے معاشرہ صالح بنیادوں پر استوار ہو گا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں عدم برداشت کے قومی اور بین الاقوامی بڑھتے ہوئے رجحان کو روکنا ہو گا۔

عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

طاہرہ کوکب، کراچی

تقابلی جائزہ

محمد ﷺ پیشوا اور رہنمائے خلق و عالم ہیں
معزز ہیں، مقدس ہیں، معظم ہیں مکرم ہیں
انہیں کے رنگ سے رنگ گل ہستی کی زینت ہے
انہیں کی بو سے عطر آگیں بنی آدم کی طینت ہے

یہ جہان رنگ وبو جلوہ گاہ حیات ہے۔ زندگی کی بو قلموں رنگینیوں کے باعث یہ جہاں آباد ہے۔ گو نباتاتی اور حیوانی زندگی میں بھی رنگینیوں کے بڑے دلکش اور دلربا مینا بازار سجے ہوئے ہیں۔ لیکن انسانی زندگی میں جو رعنائیاں اور ندرت آفرینیاں ہیں، یہاں تخلیقی قوتوں کے جو سمندر موجزن ہیں وہ کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتے۔ یہ انسان ہی ہے جس کو خلعت وجود بخشنے کے بعد اس کے خالق نے فرمایا لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم(۱) اس قدرت و طاقت والے نے عرش و فرش، کائنات کی لامتناہی پہنائیوں کو لفظ کن سے پیدا کیا۔ لیکن آدم خاکی کی آفرینش کا ذکر کیا تو فرمایا! خلقتہ بیدی میں نے اسے اپنی قدرت کے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ہے۔ علم اور عمل، فکر اور تخلیق، تدبیر اور تعمیر کی جو بے پناہ صلاحیتیں اس پیکر خاکی میں ودیعت فرمائیں ان کا تذکرہ "نفخت فیہ من روحی"(۲) کے معنی خیز الفاظ سے کیا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات حکمت، علم اور قدرت کا یہ شاہکار سب سے الگ تھلگ انفرادی زندگی بسر کرے، خلاق عالم کو یہ گوارا نہ ہوا۔ اگر وہ عزلت اختیار کرتا تو بے پایاں صلاحیتیں بے مصرف ہو جاتیں۔ اس چشمہ حیواں سے کوئی تشنہ لب اگر سیراب نہ ہوتا تو اس کی حیات بخش تاثیر کا کسے علم ہوتا، ان صفات کے ودیعت فرمانے والے کے حضور فرط عقیدت سے جبین نیاز کون جھکاتا؟ حکمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ انسان، اجتماعی اور معاشرتی زندگی بسر کرے، اپنے بنی نوع انسان سے استفادہ بھی کرے اور انہیں فائدہ بھی پہنچائے۔ دوسروں کے

علوم وفنون سے رہنمائی بھی حاصل کرے اور اپنے فکر و نظر کے چراغ روشن کر کے شبستان وجود کو منور بھی کرے۔ وہ ماں باپ کا بیٹا بھی ہو اور اپنے بیٹے بیٹیوں کا باپ بھی۔ اس کے خاندان کے افراد اس کے لیے تقویت کا باعث ہوں' انبیاء کرام علیہم السلام اور بانیان مذاہب کی موجودہ سیرتوں کا وہ باب ہے جو تمام تر خالی اور سادہ ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا یہی باب سب سے بڑا اور ضخیم ہے' اور تنہا یہی ایک معیار اس فیصلہ کے لیے کافی ہے کہ نبیوں کا سردار اور رسولوں کا خاتم کون ہو سکتا ہے' مفید نصیحتوں' میٹھی میٹھی باتوں اور اچھی اچھی تعلیموں کی دنیا میں کمی نہیں' کمی جس چیز کی ہے' وہ کام اور عمل ہے' موجودہ مذاہب کے شارعوں اور بانیوں کی سیرتوں کے تمام صفحے پڑھ جاؤ' دلچسپ تھیوریاں ملیں گی' دلآویز حکایتیں ملیں گی' خطیبانہ بلند آہنگیاں ملیں گی' تقریر کا زور' شور اور فصاحت وبلاغت کا جوش نظر آئے گا' موثر تمثیلیں تھوڑی دیر کے لیے خوش کر دیں گی' مگر جو چیز نہیں ملے گی وہ عمل ہے کام اور اپنے احکام ونصائح کو آپ برت کر اور کر کے دکھانا ہے۔ (۳)

انسان کی عملی سیرت کا نام خلق (اخلاق) ہے' قرآن کے سوا اور کسی مذہب کے صحیفہ نے اپنے شارع کی نسبت اس بات کی کھلی شہادت نہیں دی ہے کہ وہ اپنے عمل کے لحاظ سے بھی بدرجہا بلند انسان تھا' لیکن قرآن نے صاف کہا' اور دوست ودشمن کے مجمع میں علی الاعلان کہا!

و ان لك لأ جراً غير ممنون و انك لعلى خلق عظيم (۴)

(اے محمد ﷺ) بیشک آپ ﷺ کی مزدوری نہ ختم ہونے والی ہے' اور بے شک آپ ﷺ بڑے (درجہ کے) اخلاق پر ہیں۔

اخلاق کا اعلیٰ مرتبہ یہی ہے کہ جو کہے اس پر خود بھی عمل کرے اسی کی طرف قرآن پاک اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے! جو بات کہتے ہو وہ خود کیوں نہیں کرتے۔ (۵) اقوام عالم کے عہد قدیم و عہد جدید کے لیڈروں کی سوانح کا مطالعہ کریں تو یہ بات سامنے آئے گی۔ ایک کی سیرت اس صفت سے یکسر خالی ہے' تو دوسرے کی سر تاپا معمور' قوت پا کر عفو اور حلم پیش کرنا بلند اخلاقی ہے' لیکن کسی معذور' مجبور یا کمزور کی خاموشی کی تعبیر عفو و حلم سے نہیں کی جاسکتی' ایک شخص نے کسی کو مارا نہیں' کسی کو قتل نہیں کیا' کسی کے ساتھ برائی نہیں کی' کسی کا مال نہیں لوٹا' کوئی گھر نہیں بنایا' کچھ جمع نہیں کیا' لیکن یہ سب کی سب منفی اور سلبی خوبیاں ہیں۔ بتایئے کہ مارا تو نہیں لیکن کسی غریب و کمزور کی مدد بھی کی؟ کسی کو قتل نہیں کیا' لیکن کسی کو قتل ہونے سے بچایا بھی؟ کسی کے ساتھ برائی نہیں کی لیکن کسی کے ساتھ اچھائی بھی کی؟ کسی کا مال نہیں چھینا' لیکن کسی غریب و مسکین کو کچھ دیا بھی؟ اپنے لیے کوئی گھر نہیں بنایا' لیکن کسی بے گھر اور بے خانماں کو پناہ بھی دی؟ اپنے لیے کچھ جمع نہیں کیا' لیکن دوسروں کو کچھ دیا اور دلایا بھی؟ دنیا کو یہ ثبوتی اور ایجابی خوبیاں درکار ہیں' اور انہی کا نام عمل ہے۔ (۶) قرآن پاک گواہی دیتا ہے۔ فبما رحمة

من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظا القلب لا نفضوا من حولك(۷)پس خدا کی عنایت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نرم ہیں' (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور اگر آپ کج خلق اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ (جو آس پاس جمع ہوئے ہیں) آپ ﷺ کے ارد گرد سے ہٹ جاتے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم(۸) تمہارے پاس خود تم میں سے ایک پیغبر آیا' جس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گزرتی ہے' تمہاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے' ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

برداشت علامت نبوت اور اخلاق کی جان ہے' اس عدم برداشت کے نتیجہ میں اقوام عالم میں جو تصادم رونما ہوئے ڈیوڈ روڈ کاف کے مطابق ان رجحانات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مذہبی تصادم' لسانی تصادم اور تہذیبی تصادم' (۹)

عنوان کی وضاحت

لیکن حث کے آغاز سے قبل عنوان کی وضاحت کرنا چاہوں گی' تاکہ حث کی وسعت و ہمہ گیری نمایاں ہو سکے۔

قومی و بین الاقوامی

یہاں قومی و بین الاقوامی کا لفظ موضوع کے وسیع تناظر کی جانب اشارہ کر رہا ہے۔ مورخین و فلاسفروں نے جس میں ابن خلدون بھی شامل ہیں قوم کے معنی و مفہوم کی تعیین پر تفصیلی حثیں کی ہیں' میں اختصار کی وجہ سے اس تفصیل میں نہیں جاؤں گی۔ لیکن اتنا عرض کر دوں اسلام کا نظریہ "قومیت" یہ ہے کہ کائنات میں بسنے والے تمام مسلمان ایک قوم ہیں۔ اسی طرح کسی بھی ایک مذہب کے ماننے والے ایک قوم ہیں' لیکن عہد حاضر میں اس سے ایک ملک میں رہنے والے مراد لیے جاتے ہیں' چاہے اس ملک میں ایک مذہب کے پیروکار رہتے ہوں یا متعدد مذاہب کے وہ سب ایک قوم کہلاتے ہیں' یہاں "بین الاقوامی" کے لفظ سے بظاہر محسوس ہوتا ہے اس سے موخر الذکر کا مفہوم مراد لیا جا رہا ہے۔

تعلیمات نبوی ﷺ

تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت طیبہ میں معنی کے لحاظ سے تو کچھ فرق ہے' لیکن مفہوم کے لحاظ سے ایک ہی ہیں اور جب یہ لفظ بولے جاتے ہیں تو اصول حدیث کے مطابق اس سے وہ بات یا وہ حکم مراد ہوتا ہے

جسے آپ ﷺ نے کیا ہو یا جو آپ ﷺ کے سامنے کیا گیا ہو۔(۱۰) لیکن تعلیمات کا لفظ "سیرت" سے بھی زیادہ مفہوم کی وسعت رکھتا ہے اس کی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے جواب سے تائید ہوتی ہے جو آپؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں ایک صحابیؓ کی جانب سے پوچھے گئے سوال کے جواب میں فرمایا تھا' ان خلق رسول اللہ کان القرآن (۱۱) رسول اللہ ﷺ کا اخلاق قرآن تھا۔ یعنی جو قرآن کی تعلیمات تھیں وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات تھیں' دونوں ایک دوسرے کی شرح ہیں اس لیے تعلیمات کے مفہوم میں قرآنی تعلیمات بھی داخل ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو جو تعلیم فرمائی ہے اسے تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ حقوق۔ فضائل۔ آداب واخلاق۔(۱۲)

برداشت

عنوان کا مرکزی نکتہ "عدم برداشت" ہے جو برداشت کے مثبت معنی کے بالمقابل "عدم" کے سابقہ کے ساتھ منفی معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اعجاز اللغات اور فرہنگ کارواں کے مطابق برداشت کے معنی ہیں' صبر وتحمل' بردباری' جھیلنا۔(۱۳) عربی میں یہ لفظ "حلم" کے ہم معنی ہے۔(۱۴) اور انگریزی میں Tolerance کے مترادف ہے۔(۱۵)

برداشت ورواداری کا مفہوم

مغرب میں انسانی زندگی کو دینیت اور لادینیت' روحانیت اور مادیت' مذہب اور ریاست کی مکمل اور مطلق ثنویت میں تقسیم کیا گیا' اس سے پہلے انسان کی تمام تر زندگی کی تشکیل خواہ وہ پرائیویٹ ہو یا معاشرتی سب مذہبی عقائد پر ہی ہوتی تھی۔ مذہبی اقدار واصول زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہوتے تھے۔ عقائد' اخلاق' آداب و قوانین اور رسوم ورواج سب ایک ہی کل کے مربوط اجزا سمجھے جاتے تھے۔ قرآن نے دین کے معاملے میں مکمل آزادی کا اعلان کیا' اس آزادی کا مفہوم مشہور صدر روزولٹ کی اعلان کردہ "چار آزادیوں" سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اگر کسی سلطنت میں کوئی قوم یا ملت اپنے شخصی قانون کی پیروی پر مصر ہو' تو اسے اس کی پوری آزادی ہونی چاہیے اور اس آزادی کو برداشت کرنا چاہیے' اگرچہ دوسرے حقوق کی طرح اس حق کا استعمال بھی چند حدود کے اندر محصور ہوگا۔ اگر یہ بنیادی اخلاقی اقدار کے خلاف ہو یا معاشرے کے امن اور ملک کے دفاع میں خلل انداز ہو' تو اس پر عمل کرنے کی کلی ممانعت ہوگی' خواہ وہ کسی ملت یا قوم کے مذہب کا جزو ہی کیوں نہ ہو' مثلاً ایک اسلامی مملکت میں کسی بیوہ کو اپنے خاوند کی چتا پر جلنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی' خواہ کسی ملت کے نزدیک یہ عمل کتنا ہی پسندیدہ کیوں نہ ہو۔ اسی طرح ہر حالت میں بلا تفریق مذہب وملت ربا' جوا اور زنا مکمل طور پر حرام ہوں گے۔ اس

قسم کی حدود اور پابندیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے مختلف ملتوں اور قوموں کو اپنے عقائد و اعمال کے مطابق زندگی بسر کرنے کی مکمل آزادی ہو گی۔(۱۶)اور اس بنیادی اصول کا جواز قرآن حکیم کی اسی آیت لا اکراہ فی الدین (۱۷) سے مستنبط ہے۔

برداشت کے مفہوم کی وسعت

برداشت ہمہ جہت پہلو کا حامل ہے' بنیادی طور پر اس کا تعلق اخلاق سے ہے یعنی اعلی اخلاقی قدریں برداشت کی صفت لوگوں کے ماحول اور طبیعتوں کے حوالہ سے پروان چڑھتی ہے۔ اس میں کسی جنس کی تخصیص نہیں کی جاسکتی کہ مرد میں زیادہ ہوتی ہے یا عورت میں ہاں یہ ضرور ہے کہ بچوں اور بوڑھوں میں عدم برداشت کی صفت بنسبت نوجوانوں کے زیادہ ہوتی ہے' بچے میں قویٰ کے ناقص ہونے اور بوڑھے میں قویٰ کے ضعف کی وجہ سے یہی وجہ ہے بوڑھے جلد خفا اور بچے جلد خوش ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص محنت کرے تو بآسانی اپنے اندر برداشت کی صفت پیدا کر لیتا ہے۔

عدم برداشت کے ۷ مظاہر و نقصانات کا فلسفہ

انسان کی جب قوت برداشت جواب دے جاتی ہے تو اس وقت وہ جنون کی اقسام میں سے ایک قسم کا شکار ہوتا ہے اور اس عدم برداشت کے نتیجے میں اس سے ایسے اعمال سرزد ہو جاتے ہیں جن کا جسمانی' مالی' نقصان سازی زندگی بلکہ اس کے بعد بھی بھگتنا پڑتا ہے۔ عدم برداشت کے مضرت رساں سات پہلو ہیں جنہیں میں مختصر اشارات کی شکل میں واضح کیے دیتی ہوں۔

۱۔ پہلا یہ کہ عدم برداشت کے نتیجہ میں انسان دوسرے کو جسمانی' جانی یا مالی نقصان پہنچاتا ہے تاکہ اپنے غصہ کی تسکین کر سکے۔ اسلام کسی بھی شخص کو بدلہ لینے سے نہیں روکتا' لیکن خود بدلہ لینے کی بھی اجازت نہیں دیتا' بلکہ اس سلسلہ میں قاضی / جج کی ذمہ داری ہے وہ متاثرہ شخص کو بدلہ مالی' جسمانی' دلوائے' یہ اس لیے ہے کہ متاثرہ شخص جب خود بدلہ لے گا تو غصہ کی وجہ سے وہ حد اعتدال سے باہر نکل جائے گا اور انصاف کا مقام مجروح ہو گا۔

۲۔ دوسرا یہ کہ عدم برداشت کے نتیجہ میں انسان اگر مذکورہ شخص سے زیادتی کا بدلہ نہیں لے سکتا ہے تو وہ یہ غصہ کسی پر تشدد کر کے زائل کرتا ہے اور اس تشدد کا شکار ہونے والے چار طبقے ہوتے ہیں۔

(الف) ماتحت ملازمین۔ ان کا برا بھلا کہتا ہے' مارتا پیٹتا ہے۔

(ب) بچے۔ استاذ ہے تو بچوں پر تشدد کرتا ہے ڈانٹتا ہے' اگر اپنے بچے ہیں تو بھی ان کے ساتھ مختلف نوعیتوں کی زیادتی کا ارتکاب کرتا ہے۔

(ج) خواتین۔ کوئی نہ ملے تو بیویوں پر یہ غصہ کبھی تشدد کی صورت میں کبھی گالیوں کی صورت میں اور کبھی باورچی خانے میں جلا کر نکالا جاتا ہے۔

(د) بوڑھے۔ کبھی عدم برداشت کا شکار اپنے بزرگ ہی بنتے ہیں۔

۳۔ تیسرے یہ کہ یہ عدم برداشت کبھی مذہبی اختلاف کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔ رد عمل میں انسان مشتعل ہو کر مخالف کو آخری درجہ میں پہنچا دیتا ہے۔ اسے فاسق سے کافر جاہل سے واجب القتل تک قرار دے دیتا ہے۔

۴۔ چوتھے یہ کہ یہ عدم برداشت کبھی عصر حاضر کی سیاست سے وجود میں آتی ہے اور مخالف کی کسی بات وابستگی سے برافروختہ ہو کر اس کے جسمانی یا مالی نقصان کا ذریعہ بنتا ہے۔ آج کے مروجہ نعرے اسی عدم برداشت کا شکار ہیں۔

(الف) ...... کا جو یار ہے وہ قوم کا غدار ہے

(ب) قائد کا جو غدار ہے وہ موت کا حق دار ہے

(ج) مار دو گولی لے لو جان..........

(د) ......ہم شرمندہ ہیں تیرے قاتل زندہ ہیں

۵۔ پانچویں یہ کہ یہ عدم برداشت کبھی عزت و آبرو کے پامال ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے اور انسان مخالف زیادتی کا جواب خود اس مخالف کو دینے یاد لوانے کے بجائے اس کی ماں' بہن بیٹی' کو دیتا ہے۔

۶۔ چھٹے یہ کہ اگر اس عدم برداشت کے سبب کا ازالہ نہیں ہوتا ہے تو دل ہی دل میں منصوبے بناتا ہے' بغض کی آگ میں جلتا اور مخالف کو جلانے کے منصوبے بناتے بناتے خود ہی فنا ہو جاتا ہے۔

۷۔ ساتویں یہ کہ اگر پست ہمت ہو تو اس عدم برداشت کے نتیجے میں خودکشی کر لیتا ہے اور اپنا ہی نقصان بیٹھتا ہے۔ چونکہ "عدم برداشت" کے نتیجے میں مندرجہ بالا حرام افعال اور ظلم سرزد ہوتا ہے اس لیے اسلام نے برداشت کا حکم دیا ہے۔

برداشت نبوت محمدیہ ﷺ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ کتب مقدسہ سے معلوم ہوتا ہے برداشت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔ سبل الھدیٰ والرشاد میں دلچسپ واقعہ منقول ہے ا عبد اللہ بن سلام سے مروی ہے کہ زید بن سعنہ جو یہود کا بڑا جید عالم تھا اس نے بتایا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی نبوت کی علامتیں ہماری کتب میں بیان کی گئی ہیں میں نے ان سب کا مشاہدہ کر لیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بتمامہا پائی

ہیں مگر دو علامتیں ایسی تھیں جن کے بارے میں میں نے ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش نہیں کی تھی وہ دو باتیں یہ تھیں۔ ان یسبق حلمه جهله ""اس کا حلم اس کے جہل سے سبقت لے جاتا ہے"۔ ولا تزیده شدة الجهل الاحلما "حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جہالت اور حماقت کا جتنا مظاہرہ کیا جائے اتنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم میں اضافہ ہوتا ہے"۔ میں لطائف الحیل سے ان دو صفات کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں مشاہدہ کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس مقصد کے لیے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کھجوریں خریدیں اور ان کی قیمت نقد ادا کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کھجوریں میرے حوالے کرنے کے لیے ایک تاریخ مقرر فرما دی۔ ابھی اس میعاد کو دو دن باقی تھے کہ میں آگیا اور کھجوروں کا مطالبہ کر دیا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیض اور چادر کو زور سے پکڑ لیا اور بڑا غضب ناک چہرہ بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ پھر میں نے حضور علیہ کا نام لے کر کہا۔ "کیا تم میرا حق ادا نہیں کرو گے' اے عبدالمطلب کی اولاد! خدا تم بہت ٹال مٹول کرنے والے ہو مجھے تمہاری اس عادت کا پہلے سے تجربہ ہے"اس وقت حضرت فاروق اعظمؓ بارگاہ اقدس میں حاضر تھے انہوں نے جب ان سعنہ کی یہ گستاخانہ گفتگو سنی۔ تو اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ای عدو الله! اتقول لرسول الله صلى الله عليه وسلم ما اسمع "اے اللہ کے دشمن! تم یہ بکواس اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں میری موجودگی میں کر رہے ہو۔ تمہیں شرم نہیں آتی"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر کی اس گفتگو کو بڑے سکون و تحمل کے ساتھ سنتے رہے اور مسکراتے رہے پھر حضرت عمرؓ کو فرمایا انا و هو كنا احوج الى غير هذا منك يا عمر تامرني بحسن الاداء و تامره بحسن التباعة "اے عمر! جو بات تو نے اسے کہی ہے ہمیں تو اس سے بہتر بات کی توقع تھی۔ تمہیں چاہیے تھا کہ مجھے کہتے کہ میں حسن وخوبی سے اس کی کھجوریں اس کے حوالے کر دوں اور اسے کہتے کہ وہ اپنے حق کا مطالبہ شائستگی سے کر" عمر جاؤ۔ اور اس کا حق (کھجوریں) اس کے حوالے کر دو اور جتنا اس کا حق ہے اس سے بیس صاع زائد کھجوریں اس کو دو تاکہ تو نے اسے جو خوفزدہ کیا ہے اس کا بدلہ ہو جائے اور اس کی دلجوئی ہو جائے۔ زید بن سعنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ مجھے اپنے ہمراہ لے گئے اور اپنے آقا کے فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے میری کھجوریں بھی میرے حوالے کر دیں اور بیس صاع اس سے زیادہ بھی مجھے دے دیئے۔ ۔ اس وقت میں نے حضرت عمرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی جتنی علامات ہماری کتب میں مذکور تھیں ایک ایک کر کے ان سب کا مشاہدہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں کر لیا مگر دو علامتیں ایسی تھیں جن سے میں نے ابھی تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آزمانا تھا۔ اب میں نے ان دونوں کو بھی آزما لیا ہے۔

فاشهدك انی رضيت بالله ربا و با لاسلام دينا و بمحمد (صلى الله عليه وسلم) نبيا(۱۸) "آج میں اے عمر آپ علیہ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں اس بات پر راضی ہو گیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اسلام میرا دین ہے اور سرور

انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نبی ہیں"۔اس موقع پر مولانا ظفر علی خان نے کیا خوب کہا ہے ~

رحمت کی گھٹائیں پھیل گئیں افلاک کے گنبد گنبد پر
وحدت کی تجلی کوند گئی آفاق کے سینا زاروں میں
گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں (۱۹)

اس موقع پر خادم خاص کی گواہی بھی ملاحظہ کر لیں! حضرت انسؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے بچپن سے جوانی تک خدمت کی فرماتے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کوئی ایسا کام نہیں بتایا جس میں خود شریک نہ ہوئے ہوں یا وہ کام میری طاقت سے زیادہ ہو اور اگر کبھی کوئی کام غلط ہو گیا تو کبھی غصہ نہیں فرمایا۔(۲۰)

علماء اور صفت برداشت

برداشت علامات نبوت میں سے ایک علامت ہے علماء انبیاء کے وارث ہیں' ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے 'العلماء ورثۃ الانبیاء علماء انبیاء کے وارث ہیں۔اس امت محمدیہ کی تاقیامت رہنمائی واصلاح علماء کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے۔ لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ علماء میں یہ صفت و خوبی ناپید ہوتی جا رہی ہے۔ مسلمان غیر مسلم کو ایک مکتبہ فکر دوسرے مکتبہ فکر' کو ایک عالم دوسرے عالم کو برداشت کرنے پر تیار نہیں۔اس انارکی کے نتیجہ میں آج تک علماء متحد نہ ہو سکے اور اس ملک میں اسلام کا نفاذ نہ ہو سکا۔ معاشرہ بد سے بدتر ہوتا جا رہا ہے' اسی برصغیر کے ایک بہت بڑے عالم دین مولانا اشرف علی تھانویؒ ہیں ان کے بارے میں لکھا ہے۔

> "حضرت تھانویؒ کی عالی حوصلگی ہی کا نتیجہ تھا کہ دشمنوں کی گالیاں سنتے رہے' مگر کبھی ایک جملہ ان کے خلاف لکھنا تک برداشت نہیں تھا۔ ہندوستان کے ایک عالم کے ماننے والوں اور خود انہوں نے بھی بہت کچھ مولانا کے خلاف لکھا' اذیتیں دیں' مگر برداشت کرتے رہے' خود لکھتے ہیں!" میں اپنے مخالفین اور موذیوں کے جذبات بھی رعایت کرتا ہوں' ان پر نیک نیتی کا بھی احتمال رکھتا ہوں' اور صبر تو ہر حال میں کرتا ہوں' ان مولانا کے جواب میں کبھی ایک سطر بھی نہیں لکھی کافر' خبیث' ملعون سب کچھ بنتا رہتا ہوں"

اسے کہتے ہیں سنجیدگی اور عالی ظرفی' نفس مسئلہ کی تحقیق تو ضروری ہے' مگر کسی کی ذات کو نشانہ طعن و تشنیع بنانا' یہ کوئی اچھا کام نہیں۔ اور ایک ہمارا یہ زمانہ ہے کہ بیٹا نہ باپ کی برداشت کرتا ہے' اور نہ شاگرد استاد کی' اگر ایک کہتا ہے تو دس سنتا ہے' تہذیب و شائستگی' متانت و سنجیدگی کا نام و نشان مٹتا جا رہا ہے۔ حضرت تھانوی دوسروں کی تنقید و تنقیص سے گھبراتے نہیں تھے' بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ ممکن ہے تنقید کرنے والے کی نیت امر بالمعروف

نہی عن المنکر کی ہو'اور اگر اس کی نیت ناحق رنج دینے کی ہو' تو اس نے اپنی عاقبت خراب کی' ہم کو صبر کا ثواب ملا' اور اسی کے ساتھ فرمایا کرتے! "نیز ایسے واقعات سے بعض اوقات اپنی کوتاہیوں پر نظر ہو کر اصلاح کی توفیق ہو جاتی ہے' اور اگر یہ بھی نہ ہو تو کم از کم معتقدین کی عنایت سے جو عجب و کبر پیدا ہو گیا تھا' یا پیدا ہو سکتا تھا' اس سے ازالہ یا انسداد ہو جاتا ہے"۔ دیکھ رہے ہیں حکیم الامت کے فہم کا عالم کتنا اونچا سوچا کرتے تھے' اور دشمنوں کے تیر و نشتر کو اپنے لیے کس طرح کار آمد ثابت کرتے تھے یہ تھی عالمی اور مصلحانہ شان' برا ماننے اور برا کہنے کا آخر حاصل ہوتا بھی کیا' اس طریق کار میں کتنی بدگمانیوں سے نجات مل گئی اور کتنی نیکیاں حصے میں آگئی۔ ایک ہمارا یہ دور ہے کہ اچھی چیزوں کے بھی لوگ برے عمل تلاش کرتے ہیں' اور اپنے بہی خواہ اور دوستوں کی نیتوں پر حملے سے اجتناب نہیں کرتے' اور پھر اسے بنیاد بنا کر وہ وہ صلواتیں سناتے ہیں کہ خدا حافظ' نہ تہذیب و تمدن کا لحاظ ہوتا ہے اور نہ علمی وقار کا۔(۲۱)

برداشت کی اہمیت

برداشت کی اسی اہمیت کے پیش نظر اس کی خصوصی تعلیم دی گئی ہے اور مسلمانوں کی صفت بتائی گئی ہے ارشاد ربانی ہے! والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس (۲۲) (مسلمان مرد و خواتین کی صفت یہ ہے) وہ غصہ برداشت کرتے ہیں اور (لوگوں کی زیادتیوں) سے در گزر کرتے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا! اگر کوئی برا سلوک کرے تو تم اس کی برائی کا بدلہ اچھائی سے دو پھر تمہارے اور اس کے درمیان جو دشمنی ہو گی وہ خود بخود ختم ہو جائے گی۔ (۲۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلوان وہ نہیں جو دشمن کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے۔ (۲۴) ایک صحابیؓ نے کہا مجھے کوئی ایسی نصیحت فرمائیں جس پر عمل کر کے میں جنت میں چلا جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تغضب (۲۵) وجہ یہ ہے کہ عدم برداشت بہت سی برائیوں اور فتنوں کا سبب ہے۔

برداشت کی صفت پیدا کرنے کا طریقہ

انسان کا ماحول یا اسکی تربیت اسے غیر متوازن بنا دیتی ہے۔ اسلام انسان کی شخصیت میں ایک توازن قائم رکھنا چاہتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی اصلاح کرنا چاہے تو اسے اصلاح کی طرف رہنمائی بھی کی گئی ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اذا غضب احد کم و هو قائم فیجلس (۲۶) جب تم میں سے کوئی عدم برداشت غصہ کا شکار ہو اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اس طرح اس کا غصہ قابو میں آجائے گا۔ انسان برداشت ضرور کرتا ہے لیکن کبھی مجبوری سے کبھی بے بسی سے باپ اولاد کی نافرمانیوں کو عوام حکمران کے ظلم کو لیکن اپنے دشمن اور خون کے پیاسوں بلکہ خونیوں کو

برداشت کرنا صفت پیغمبری ہے۔

غیر مسلم کی تائیدی و تصدیقی رائے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انہی اعلیٰ تعلیمات کی تصدیق کرتے ہوئے ٹی ڈبلیو آرنلڈ (T.W. Arnald) لکھتے ہیں! آخر میں یہ کہنا ہے کہ جب انسانیت سنورتی نظر آئے گی اور لوگوں کی آنکھوں پر سے تعصب نفرت عداوت اور حقارت کی عینکیں اتر جائیں گی تو ان کو محسوس ہو گا کہ اسلام کی تعلیمات دنیا کے لیے ابر رحمت تھیں۔ان کے سچے پیروؤں نے اپنی عملی زندگی میں انسانی ہمدردی رواداری فراخ دلی اور سیر چشمی کی جو مثالیں پیش کیں۔ان ہی میں دنیا کی فلاح و بہبود کا راز مضمر ہے ابھی اس حقیقت کو دریافت کرنے کا شاید وقت نہیں آیا ہے۔لیکن جب یہ حقیقت دریافت ہو جائے گی تو دنیا کا انسان اپنے کو از سر نو دریافت کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔مگر یہ بھی واضح رہے کہ اسلام رواداری محبت شائستگی اور معقولیت کی تعلیم ضرور دیتا ہے۔لیکن ایسی عاجزی وار مسکینی کی بھی تعلیم نہیں دیتا ہے کہ اس کے پیرو ہر ظالم کے لیے نرم چارہ بن کر رہ جائیں۔جو لوگ ظالم کا رویہ اختیار کریں ان کے ساتھ ان کے ظلم کی نوعیت کے لحاظ سے ان کا مقابلہ کرنے کی بھی تلقین کی گئی ہے۔ظالموں کے مقابلہ میں نرم و شیریں بننا بھی صحیح نہیں کیونکہ ایسے ظالم شرافت کو کمزوری اور مسکنت تصور کرنے لگیں گے۔(۲۷)اس لیے قرآن پاک میں ہے کہ اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقہ سے سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہیں۔(۲۸)

غیر مسلم کا خراج عقیدت

انہی اعلیٰ صفات کا اعتراف کرتے ہوئے ماہر بلگرامی کملاپت سہائے کہتا ہے۔

آج اوصاف نبی ﷺ اس کو کرنا ہیں رقم
خود جھکاتا ہے تعظیم میں رہ رہ کر قلم
صرف اسلام ہی کا تو نہیں تو پیغمبر ﷺ
ترا احسان ہے ہر قوم پہ ہر ملت پر
خدا تو نے راہ راست دکھائی اٹھ کر
تیرا ممنون ہے دنیا کا ہر اک فرد بشر
کیوں نہ دنیا ہو ثنا خواں تری اے پاک رسول ﷺ
پاک دل' پاک نفس' پاک اصول

مختلف ممالک میں عدم برداشت کے بین الاقوامی رجحانات

اگر ہم دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمارے ساتھ عدم برداشت کے قومی و بین الاقوامی دونوں پہلو سامنے آتے ہیں۔ لیکن یہاں ایک نظر اسلام سے پہلے دور کا مختصر جائزہ پیش کرتی ہوں تاکہ اسلام کی خوبیاں زیادہ نکھر کر سامنے آئیں۔

اسلام سے پہلے

چھٹی صدی عیسوی میں انسانی دنیا کی عالمگیر تاریکی پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رقم طراز ہیں!

"خلاصہ یہ ہے کہ اس صدی میں روئے زمین پر کوئی ایسی قوم نظر نہیں آتی تھی جو مزاج کے اعتبار سے صالح کہی جا سکے' اور نہ ایسی کوئی سوسائٹی تھی جو شرافت و اخلاق کی اعلیٰ قدروں کی حامل ہو' نہ ایسی کوئی حکومت تھی جس کی بنیاد عدل و انصاف اور رحم پر ہو اور نہ ایسی قیادت تھی جو علم و حکمت اپنے ساتھ رکھتی ہو اور نہ کوئی ایسا دین تھا جو انبیاء کرام کی طرف صحیح نسبت رکھتا ہو اور ان کی تعلیمات و خصوصیات کا حامل ہو۔ اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں کہیں کہیں عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں اگر کبھی کچھ روشنی نظر آجاتی تھی تو اس کی حیثیت ایسی ہی تھی جیسے برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمکتا ہے' صحیح علم اور صحیح عمل اتنا نایاب تھا اور خدا کا سیدھا راستہ بتلانے والے اس قدر خال خال پائے جاتے تھے کہ ایران کے بلند ہمت اور بے چین طبیعت نوجوان سلمان فارسیؓ کو جو اپنے قومی و نسلی مذہب (مجوسیت) سے غیر مطمئن و مایوس ہو چکا تھا اور حق و صداقت کا جویا تھا' ایران سے لے کر شام کے آخری حدود تک اتنے طول و طویل سفر میں صرف چار آدمی ایسے مل سکے جن سے اس کو روح کو سکون اور قلبی اطمینان حاصل ہوا اور جو پیغمبروں کے بتلائے ہوئے راستے پر قائم تھے"۔ (۲۹) قرآن کریم میں اس عالمگیر تاریکی و فساد کا نقشہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کھینچا گیا ہے جس سے انسان کی فکر بیدار ہوتی ہے۔ ظهر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقهم بعض الذی عملوا لعلهم یرجعون (۳۰) "خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے نتیجہ میں فساد پھیل گیا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھا دے اور وہ توہمات کے انبار کے نیچے دبی ہوئی کراہ رہی تھی۔ مختصراً یہ کہ جب انسانیت حالتِ نزاع میں مبتلا تھی اس وقت اللہ جل شانہ' نے اپنے آخری رسول و نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مظلوم انسانیت کا نجات دہندہ بنا کر مبعوث فرمایا' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہی کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے نکال کر ہدایت کے نور میں لائے۔

اسلام سے روشن ہے ہر ایک گوشہ دنیا — اندھیر زمانہ میں تھا اسلام سے پہلے

جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: کتاب انزلنا ہ الیك لتخرج الناس من الظلمات الی النور باذن ربھم الی صراط العزیز الحمید.(۳۱) "یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے تاریکیوں سے (ہدایت کے) نور کی طرف لائیں' یعنی غالب اور قابلِ ستائش خدا کے راستے کی طرف"۔

لیکن اس نور کا چہرہ اس وقت تک نمایاں نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے تاریکی کا آئینہ نہ دکھایا جائے۔ آج مختلف ممالک میں کسی طرح عدم برداشت کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے اس کی معمولی سی جھلک پیش خدمت ہے' میں یہاں صرف ان امور کو مختصر بیان کروں گی' جن کا تعلق "بین الاقوامی عدم برداشت" سے ہے۔ "قومی عدم برداشت" کے پہلو اگلے عنوان کے ذیل میں آئیں گے۔

روس میں عدم برداشت کے بین الاقوامی رجحانات

روس نے اپنے قیام سے سقوط تک دنیا کو سوائے خونریزی' جبر' اور تباہی کے کچھ نہیں دیا' عالمگیر جنگی تباہی میں روس کا بھی اتنا حصہ ہے جتنا جرمن جاپان اور امریکہ کا مگر روس نے اس تباہی سے بھی کوئی سبق حاصل نہ کیا پہلے افغانستان میں جانی' مالی' تباہی مچائی' اس کے بعد چیچنیا کو تباہ کیا دنیا میں دو سپر پاور وجود میں آئے جن سے ایک روس تھا مگر دنیا کو سوائے تباہی کے کچھ نہ دے سکا اب خود اپنی تباہی کی جانب گامزن ہے۔

یوگوسلاویہ

پہلے بوسنیا میں مسلمانوں کا قتل عام کیا' اب کوسوو میں مسلمانوں کا قتل عام جاری ہے' صرف اس جرم میں کہ یہ مسلمان ہیں اور دنیا جو پہلے بھی تماشا دیکھ رہی تھی آج بھی تماشائی کا کردار ادا کر رہی ہے۔

امریکہ

جو دنیا کا واحد سپر پاور رہ گیا ہے اس کو اسرائیل کے خلاف ۵۲ / اقوام متحدہ کی قراردادیں نظر نہیں آتیں آج تک ایک قرارداد پر بھی عمل نہیں کروا سکا ہے۔ مگر عراق کے خلاف ایک قرارداد کی ایک ایک شق پر بزور طاقت خونریزی کے ذریعہ عملدرآمد کروانے پر مصر ہے۔ بھوک سے دواؤں کی قلت سے بچے ہلاک ہو رہے ہیں۔ مگر امریکہ انسانی حقوق کا چیمپئن ہے۔ اسامہ کے تعاقب میں افغانستان و سوڈان میں تباہی مچانے کا حق رکھتا ہے اور بیت المقدس الجزائر مصر میں بہنے والا خون اسے نظر نہیں آتا۔ لہذا یہ تاثر کہ امریکہ کا کوئی روادار ملک ہے سراسر غلط ہے۔

بھارت

جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے وہاں بھی عدم برداشت کا دور دورہ ہے۔ جس کی وجہ سے برصغیر کی تقسیم

عمل میں آئی اس کے بعد بھی پاکستان کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے دو جنگیں ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء ہم پر مسلط کر چکا ہے ہمارے ملک کو تقسیم کر چکا ہے لیکن آج بھی وہ ہمیں اور ہمارے ملک کو برداشت کرنے پر تیار نہیں۔ سری لنکا، نیپال، بنگال اور افغانستان میں اس کی مداخلت جاری ہے۔

خواتین کے حوالے سے عدم برداشت کے بین الاقوامی رجحانات

خواتین انسانی معاشرہ کے فروغ کی بنیاد ہیں، خواتین ہی اس دھرتی کی زینت ہیں بقول علامہ اقبال ؎

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
کہ اس کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشیت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا در مکنوں!
مکالمات فلاطوں نہ لکھ سکی، لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطوں

اسلام نے خواتین کو جو عزت و وقار عطا کیا ہے اس کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے دیکھیں اسلام سے پہلے دنیا میں خواتین کا کیا مقام تھا تاکہ اسلام کے عطا کردہ مقام اور حقوق کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجیس کے مصنف لکھتے ہیں!

The First to Point to the Systemic nature and significance of gender asymmetry in Western culture. She argued in new Women, New Earth......(۳۲)

مغربی ممالک میں عورت کے بارے میں پہلا نقطہ نظر یہ ہے کہ عورت صرف دو جنسوں کے ملاپ کے لیے ہے۔ یعنی صرف جنسی تسکین کے لیے ہے اور یہ تاثر دیتے ہیں کہ نئی عورت نئی زمین کی طرح ہے۔ یعنی جس طرح زمین پرانی اور بنجر ہو کر بے قیمت ہو جاتی ہے اسی طرح عورت بڑھیا ہو کر بے قیمت ہو جاتی ہے۔

خواتین کے بارے میں یونانیوں کی رائے

ڈاکٹر عبد الرب لکھتے ہیں کہ خواتین کے بارے میں افلاطون کا فلسفہ یہ تھا کہ عورتیں صرف بچے پیدا کرنے کے لیے ہیں۔ جس طرح جانور بچے پیدا کرنے کے لیے رکھے جاتے ہیں اور یونانی کہا کرتے تھے کہ عورت کو صرف لذت حاصل کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ (۳۳) یونانی عورت کو ایک کمتر درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے۔ اگر کسی عورت کا بچہ خلاف فطرت پیدا ہوتا تو اسے مار ڈالتے۔

اس بد نصیب عورت کو جس سے کسی قوی سپاہی پیدا ہونے کی امید نہ ہوتی مار ڈالتے، جب کسی عورت کا بچہ پیدا ہو چکتا تو فوائد ملکی کی غرض سے اسے دوسرے شخص کی نسل لینے کے لیے اس کے خاوند سے عاریتاً لے لیتے تھے

اور خاوند مرتے وقت جس کے حق میں چاہے بیوی کے متعلق وصیت کر سکتا تھا اور وہ اس کی ملکیت ہو جاتی تھی۔(۳۴) یونانی خرافیات (Mythology) میں ایک خیالی عورت پانڈورا (Pandora) کو اسی طرح تمام انسانی مصائب کا موجب قرار دیا گیا تھا۔ جس طرح یہودی خرافیات میں حضرت حواؑ کے متعلق اس غلط افسانے کی شہرت نے عورت کے بارے میں یہودی اور مسیحی اقوام کے رویے پر جو زبردست اثر ڈالا ہے اور قانون' معاشرت 'اخلاق ہر چیز کو جس طرح متاثر کیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔(۳۵)

خواتین کے بارے میں رومیوں / عیسائیوں کی رائے

اہل روم نے اپنے قانون میں لکھا تھا عورت تجارت وصیت یا گواہی کے معاملے میں نااہل ہے۔ عورت اور مرد کی شادی کے حوالے سے نکاح کا نام "اتفاق السیادۃ" رکھا تھا۔ یعنی شوہر کی بیوی پر حکمرانی۔(۳۶) مرد اپنے خاندان کا سردار ہے۔ اس کو اپنے بیوی بچوں پر پورے مالکانہ حقوق حاصل ہیں بلکہ بعض حالات میں وہ بیوی کو قتل کر دینے کا بھی مجاز ہے۔(۳۷) فلورا (Flora) نامی ایک کھیل رومیوں میں نہایت مقبول ہوا کیونکہ اس میں برہنہ عورتوں کی دوڑ ہوا کرتی تھی۔(۳۸) ترتولیاں (Tertullian) جو ابتداء دور کے ائمہ مسیحیت میں سے تھا۔ عورت کے متعلق مسیحی تصور کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتا ہے۔"وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے۔ وہ شجر ممنوع کی طرف لے جانے والی خدا کے قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر یعنی مرد کو غارت کرنے والی ہے"۔ کرائی سوسٹم (Chryusostum) جو مسیحیت کے اولیاء کبار میں شمار کیا جاتا ہے عورت کے حق میں کہتا ہے"" ایک ناگزیر برائی ایک سو پیدائشی وسوسہ' ایک مرغوب آفت ایک خانگی خطرہ ایک غارت گر دلربائی ایک آراستہ مصیبت"۔(۳۹) انگریزی لفظ "Evil" کے متعلق کہا جاتا ہے (جس کے معنی بدی اور برائی 'گنہگار اور شیطان و ابلیس لیے جاتے ہیں) کہ یہ لفظ "Eve" سے بنا ہے جو حوا کے نام کا انگریزی ترجمہ ہے۔ عیسائیت (Christian-ity) میں عورت کے متعلق یہی تصورات ہیں۔(۴۰) فاطمہ میرنسی لکھتی ہیں!

They explained their behavior by saying. "We only practice at arrud with Women we believe to be slaves" thus excusing themselves by claiming confusion about the identity of the women they approached.(۴۱)

(عیسائیوں نے اس کا اعتراف کیا ہے) کہ توریت نے عورتوں کے ساتھ غلاموں جیسا سلوک کیا ہے۔ یہی ایک چیز ہے جو خواتین کی شناخت کے حوالے سے (ہم عیسائیوں) کو شرمندہ کرتی ہے۔ محمد انسائیکلوپیڈیا آف سیرہ (Muhammad Encyclopedia of Seerah) کے مقالہ نگار لکھتے ہیں!

The idea that a women is an imperfect creature arose among the people of the west before it did among us Easterners. Men of th eWest were Quite unjust in their jeering at Women and calling her imperfect Sometimes they claimed to be repesenting the church and remarked, A Women Should be ashamed of being a Women, Sometimes they said, "Women is a being who has long hair and is short of understanding". A Women is the last of all savage beasts whom man has tamed. A Women is the last link between animals and human beings. and So on, More Surprising than this is that a section of the peple of the west have recently done a complete volteface and now want to prove by one thousand and one different arguments that man is an imperfect, inferior and humble being and that woman is the perfect and Superior Sex.(۴۲)

عورت کے کم درجہ ہونے کا تصور پہلے مغرب میں رائج تھا' پھر مشرق میں پھیلا' مغرب کے حضرات عورت پر طنز کرنے اور ان کو ناقص کہنے میں بالکل غیر معتدل تھے۔ بعض اوقات وہ چرچ کی نمائندگی کا دعویٰ کرتے اور عورتوں کے خلاف یہ ریمارکس دیتے کہ "ایک عورت کو عورت ہونے کی وجہ سے ڈوب مرنا چاہیے" بعض اوقات وہ کہتے کہ عورت ایک مخلوق ہے لمبے بالوں اور بغیر عقل والی اور عورت ان جنگلی درندوں میں سے ہے جس کو مرد نے سدھارا ہے۔ (یعنی مہذب بنایا ہے) جانوروں کے درمیان اور اس سے بھی حیران کن بات یہ ہے کہ مغرب کے ایک گروپ نے اب متضاد کروٹ لی ہے۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آدمی ایک ناقص' کمتر اور عاجز مخلوق ہے اور عورت ایک مکمل اور برتر مخلوق ہے۔

خواتین کے بارے میں چینیوں اور ہندوؤں کی رائے

ڈاکٹر عبدالرب لکھتے ہیں! یہی حال چینیوں کا تھا کہ وہ خواتین کو کم درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے اپنی خواتین کو دوسرے کے گھر کام کرنے کے لیے کرایہ پر دیتے تھے۔ اسی طرح قرض کے بدلے یا قصاص میں خواتین کو دے دیا کرتے تھے۔ یہی حال ہندوؤں کے ہاں خواتین کے ساتھ تھا۔ (۴۳) جیسا کہ "البیرونی نے ذکر کیا ہے کہ جب کسی کا شوہر مر جاتا تو اس کو کہا جاتا یا تو اپنے شوہر کے ساتھ زندہ جل جائے یا ساری زندگی تنہا جانوروں کی طرح زندگی

گزارے۔(۴۴)

خواتین کے بارے میں عربوں کی رائے

ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی لکھتے ہیں۔ بعض قبائلی اپنی لڑکیوں کو زندہ قبر میں دفن کر دیتے تھے۔ مگر یہ رواج بہت عام نہ تھا۔ صرف یتیم اور اسد کے بعض قبائل اس مذموم حرکت کے مرتکب ہوتے تھے۔ یہ قبائل سمجھتے تھے کہ لڑکی کی ذات صرف بار بڑھائے گی ہاتھ نہیں بٹائے گی۔ سب سے بڑی وجہ ان کی عزت نفس اور خودداری تھی۔ انہیں توہین محسوس ہوتی تھی کہ کسی کے خسر اور کسی کے سالے کہلائیں۔(۴۵) اسی خود ساختہ غیرت کا نتیجہ تھا کہ اپنی لڑکیوں کو بچپن ہی میں زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ اور قرآن کریم نے بھی! واذاالموءدۃ سئلت بای ذنب قتلت۔(۴۶) "قیامت کے دن زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ کس جرم کی پاداش میں قتل کی گئی"۔ اس سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ اگر کہیں زندہ درگور کرنے کا رواج نہ تھا تو وہاں بھی اس کی حیثیت اس سے زیادہ نہ تھی کہ اس کی پیدائش پر باپ کا رنگ فق ہو جاتا اور شرم کے مارے کئی کئی دن لوگوں سے چھپا رہتا اور اس سے جان چھڑانے کی تدبیریں کرتا رہتا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی تو سارا دن اس کا چہرہ بے رونق رہتا اور وہ دل میں کڑھتا رہتا ہے۔ قوم سے اس خبر کی بنا پر چھپتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ آیا ذلت برداشت کر کے اسے زندہ رکھے یا اسے مٹی میں گاڑ دے۔(۴۷) جب بیٹی باپ کے لیے اس قدر باعث عار و ننگ ہو تو ایسے میں کوئی بھائی کیوں کر بہن کے وجود کو باعث فخر قرار دے سکتا تھا۔ ابو عمشہ لکھتے ہیں! "کہ عرب وراثت میں خواتین کو محروم کیا کرتے تھے اور وہ سمجھتے تھے وراثت کے حق دار صرف مرد ہیں۔ اس لیے کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں اور تلوار اٹھاتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ عورت کو بھی مال وراثت سمجھتے تھے اور وراثت میں تقسیم کرتے تھے۔(۴۸) یہ تو وہ رویہ تھا جو اقوام عالم میں خواتین کے ساتھ "عدم برداشت" و "عدم مساوات" کی شکل میں جاری تھا۔ عہد حاضر کا جائزہ لیں تو آج بھی صورت حال کچھ مختلف نہیں ہے۔ جنگوں اور لڑائیوں میں سویلین بالخصوص عورتوں بچوں کو نشانہ بنانا معمول کی باتیں ہیں۔ سترہویں صدی کی ابتداء تک یورپ میں قوانین جنگ کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ محاربین کو ایک دوسرے کی مضرت رسانی کا غیر محدود اور غیر مشروط حق حاصل تھا۔ مشہور مقنن "گوئیس" کے قول کے مطابق قانون میں ان تمام لوگوں کو قتل کر دینا جائز ہے۔ جو دشمن کی حدود میں پائے جائیں۔ ان میں عورتوں اور بچوں کا کوئی استثناء نہیں ہے اور نہ وہ اجنبی باشندے مستثنیٰ ہیں جو ایک معقول مدت کے اندر دشمن کے علاقہ کو نہ چھوڑ دیں"۔ پہلی مرتبہ جنگ سی سالہ کے خاتمہ پر ۱۶۴۸ء کی ہیگ کانفرنس سے پہلے نظر نہیں آتا۔ اس کانفرنس میں جنگ کے مختلف شعبوں کے متعلق کچھ سمجھوتے اور اقرار نامے مرتب کیے گئے تھے۔ لیکن کام کی تکمیل نہیں ہو سکی تھی۔ اس لیے ۱۹۰۷ء میں اس کا دوبارہ اجلاس ہوا۔ اور پہلی

رتبہ ایک مکمل قانون جنگ مرتب کیا گیا۔ جس کا نچوڑ یہ ہے۔ "۱۷۰۰ء سے ۱۸۷۲ء تک یورپ میں ایک سو بیس
ائیاں ہوئیں، جن میں سے صرف دس لڑائیوں میں رسمی اعلان جنگ کیا گیا تھا۔ پہلی مرتبہ اس ہیگ کنونشن کے
رۂ اول میں یہ پابندی عائد کی گئی کہ بغیر اعلان کے جنگ نہ کی جائے۔ اور فقرۂ دوم میں غیر جانبدار ممالک کو آگاہ کر
نے کا لزوم بھی رکھا گیا ہے۔ پہلی جنگ عظیم میں ہر محارب فریق نے کسی نہ کسی صورت میں اعلان جنگ کیا تھا۔ اور
ائی شروع کرنے کے لیے وقت اور تاریخ کا بھی تعین کر دیا تھا۔ لیکن دوسری جنگ عظیم میں غیر محاربین اور جنگی
یوں کا وسیع پیمانے پر قتل عام کیا گیا۔ یا کام کی زیادتی اور زہریلے اثرات کے تحت مار دیا گیا۔ اور ان کے جسم سے
اد، روغنیات اور صابن بنائے گئے۔ ہزاروں طیاروں نے بے شمار شہر تباہ کیے اور لاکھوں انسان زندہ دفن کر دیئے
ے۔ فوجی اور غیر فوجی آبادیوں میں کوئی امتیاز باقی نہیں رکھا گیا۔ امریکہ کی آبدوز کشتیوں نے انیس سو چالیس جاپانی
ارتی جہاز غرق کیے۔ محوری مماک نے امریکہ اور متحدین کے چار ہزار سات سو ستر جہاز ڈبا دیئے۔ جن کا مجموعی
ن ۲۱۱۴۰۰۰ ٹن تھا۔ غیر جانبداری کے حقوق کی ہر طرف مخالفت کی گئی اور پھر ایٹم بم کے ذریعے ہیروشیما اور ناگا
کی کی بربادی ہوئی اور اعلان کیا گیا کہ یہ طریقے "زندگی اور تہذیب کے تحفظ" "جنگ کے اختصار" اور فتح کے
ہول کے لیے ضروری ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کی تباہ کاریوں سے دنیا کے ہوش اڑ گئے۔ اور اس کے بعد بڑی
موں نے انسانیت پر ایسے مظالم ڈھائے کہ اعلان حقوق انسانی منشور اقوام متحدہ اور منشور او قیانوس پر دنیا کا اعتماد
نہیں رہا۔ متحدین نے کوریا میں قوانین جنگ کی جو بے حرمتی کی ہے اسے آنے والی نسلیں کبھی معاف نہیں کر
یں گی۔ وہاں غیر فوجی آبادیوں کو بلا امتیاز ہلاک کیا گیا۔ خوفناک بمباری، زہریلی گیس اور ممنوعہ اسلحہ کی بیہمانہ
تعمال سے خدا کی اس زمین پر قیامت بپا کی گئی۔ اور دوسری طرف شمالی افریقہ میں استعماریت کے تحفظ اور چھوٹی
وٹی قوموں کی غلامی کی بقاء کے لیے انسان نما درندوں کو حریت پسندوں کی آبادیوں میں اس طرح آزاد چھوڑ دیا گیا
ہلاکو اور چنگیز کی روحیں بھی "الامان" اور "الحفیظ" پکار رہی ہوں گی۔ (۴۹) فلر جے ایف سی میجر جنرل یورپ کی
گی تباہ کاریاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں! عمر اور جنس کے امتیاز کے بغیر قتل و غارت کا بازار گرم کیا جانے لگا۔ بچوں کو
اں کے سینہ سے جدا کیا جاتا تھا اور خواتین کے خاوند انہی کے سامنے قتل کیے جاتے تھے۔ خود انہیں بھی اغوا کر لیا
اتا تھا۔ (۵۰) ان جنگوں سے بنیادی طور سے جو سب سے زیادہ متاثر ہوئیں وہ خواتین تھیں پھر ان کے سہارے
حفظ کے لیے کچھ نہیں کیا گیا، بلکہ انہیں قحبہ خانوں اور کوٹھیوں کو آباد کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ آج ہمارے
عاشرہ میں بھی خواتین سے زمانہ جاہلیت سے مختلف سلوک نہیں کیا جا رہا ہے۔ بچپن سے ایسے جملے اور محاورے زبان
د عام و خاص ہیں جن سے خواتین کا مقام متاثر ہوتا ہے، مثلاً کہا جاتا ہے جورو کا مرنا اور جوتی کا ٹوٹنا برابر ہے۔ عورت
ی ذات بے وفا ہوتی ہے، عورت کی مت گدی کے پیچھے (۵۱) ہمیں تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

اپنے معاملات کی اصلاح کرنی ہوگی جب ہی ہم مسلمان کہلانے کے مستحق ہوں گے۔

مختلف ممالک میں عدم برداشت کے قومی رجحانات

روس میں عدم برداشت کا قومی رجحان

روسی انقلاب کے وقت مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر مسلمان کمیونسٹ انقلاب کا ساتھ دیں انہیں مکمل مذہبی آزادی ہوگی لیکن انقلاب کے بعد سب سے زیادہ مسلمانوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ مساجد و مدارس بند کر دیئے گئے۔ زیر نگیں مقبوضہ مسلم اسٹیٹ کے ساتھ ثانوی درجہ کا سلوک کیا گیا۔

اسرائیل میں عدم برداشت کا قومی رجحان

اسرائیل کے قیام کے بعد سے اس خطہ پر پہلے سے آباد مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا ان کی پراپرٹیاں زبردستی خرید لی گئیں یا ان پر قبضہ کر لیا گیا۔ فلسطینیوں کا قتل عام آج بھی جاری ہے۔ کبھی یہ امل ملیشیا کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور کبھی یہودیوں کی شکل میں۔

برطانیہ

برطانیہ جو نصف دنیا پر حکومت کرتا تھا جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا' آج صورتحال یہ ہے کہ سورج نکلتا ہی نہیں ہے اس نے بھی اپنے ملک میں آئرش عوام پر عرصہ حیات تنگ کیا ہوا ہے۔

مصر

مصر جو کہ اسلامی ملک ہے وہاں اخوان المسلمین کا پچھلے ۴۰ سال سے وقتاً فوقتاً قتل عام جاری ہے۔ سیاسی و مذہبی جماعتوں پر پابندی لگی ہوئی ہے۔

الجزائر

جہاں اسلامک فرنٹ بھاری اکثریت کی مالک ہے فرانس کی شہہ پر یومیہ سینکڑوں لوگوں کا قتل عام جاری ہے۔ وہاں کے حکمران اس بات کو برداشت نہیں کر رہے کہ عوام کے ووٹوں سے مسلمان حکومت قائم ہو۔

ہندوستان

ہندوستان کا مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عدم برداشت کا جو رجحان اس ملک میں پایا جاتا ہے وہ

دنیا کی کسی قوم میں نہیں ملتا۔ میں سمجھتی ہوں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عدم برداشت و تعصب جو ان کے خمیر کا حصہ بنا ہوا ہے دراصل اس کا سبب ان کی کتب مقدسہ میں موجود عدم برداشت کی تعلیم ہے۔ (ہندومت) یجروید کی تعلیم کا خلاصہ سوامی دیانند کے الفاظ میں یہ ہے! ☆...... دھرم کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلا دو۔ (۵۲) ☆...... دشمنوں کے کھیتوں کو اجاڑ دو، بیل اور لوگوں کو بھوکا مار کر ہلاک کر دو۔ (۵۳) ☆...... جس طرح بلی چوہے کو تڑپا تڑپا کر مارتی ہے اسی طرح دشمنوں کو تڑپا کر مارو۔ (۵۴) ہندوؤں کو عدم برداشت کی جو تعلیم دی گئی ہے اس پر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی صاحب نے اپنا کتاب "بابری مسجد کی شہادت" میں تفصیلی روشنی ڈالی ہے ملاحظہ کریں۔ (۵۵) انہی تعلیمات کا ثمرہ ہے کہ ہندوستان تقسیم ہوا۔ ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ "بابری مسجد" شہید کی گئی، آج بھی ہزاروں مسجدوں میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ کشمیر میں مسلمانوں کا قتل عام جاری ہے۔ اس کے علاوہ سکھوں کا قتل عام ان کے مذہبی و مقدس مقام گولڈن ٹیمپل کو برباد کیا گیا، ان کے بعد آج کل عیسائی اقلیتوں کا قتل عام جاری ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ نچلی ذات کے ہندوؤں کا قتل عام پچھلے سالوں سے وقتاً فوقتاً جاری ہے جو لوگ اپنے ہم مذہبوں کو برداشت کرنے پر تیار نہیں وہ کسی اور قوم کو بھلا کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔

پاکستان

مگر خیر ہندوستان ایک غیر اسلامی ملک ہے اس کی ناقص مذہبی تعلیمات کی وجہ سے جو ثمرات ظاہر ہو رہے ہیں وہ تو ظاہر ہونے ہی تھے مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ پاکستان جو اسلام کے نام پر قائم ہوا۔ جہاں کا آئین اسلامی ہے۔ جس کے مذہب کی تعلیمات برداشت و رواداری سے بھری ہوئی ہے۔ وہ آج عدم برداشت مذہبی فرقہ واریت 'لسانی فرقہ واریت' سیاسی انتہاء پسندی کا شکار ہے۔

مختلف ممالک میں خواتین کے ساتھ عدم برداشت کا سلوک

اس سے قبل میں انٹرنیشنل سطح پر جاری خواتین کے ساتھ عدم برداشت کی نشاندہی کر چکی ہوں اس موقع پر حیثیت خاتون اس پہلو پر متوجہ کرنا چاہوں گی کہ امریکی میڈیکل ایسوسی ایشن کی ایک تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق امریکہ میں ہر سال ۸ لاکھ خواتین زنا بالجبر کا شکار ہوتی ہیں' ہر پندرہ سیکنڈ کے بعد ایک خاتون بے آبرو ہوتی ہے۔ ان میں ۱۹ تا ۲۱ سال کی عمر کی زیادہ ہیں روزانہ ۱۵ سے ۲۵ سال کی عمر کی خواتین کی لاشیں ملتی ہیں' گزشتہ سال ۱۵۰۰ خواتین کو قتل کیا گیا۔ (۵۶) خواتین کے بارے میں جتنی اعلیٰ رواداری کی تعلیمات اسلام دیتا ہے اتنا دنیا کا کوئی ملک یا مذہب نہیں دیتا۔ مگر اس کے باوجود یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے خواتین کے بارے میں جتنی اعلیٰ روادری کی تعلیمات اسلام دیتا ہے اتنا دنیا کا کوئی ملک یا مذہب نہیں دیتا۔ مگر اس کے باوجود یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے خواتین

سے بد سلوکی میں مسلم ممالک غیر مسلم ممالک سے کسی طرح پیچھے نہیں' بنگلہ دیش سے خواتین فروخت کے لیے دیگر ممالک لے جائی جاتی ہیں' اسی طرح بعض عرب ممالک میں گھریلو ملازمت کے لیے جو خواتین آتی ہیں انہیں جنسی و جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ قید کر کے رکھا جاتا ہے۔ دوسروں کو کیا کہیں خود ہمارے ملک میں سلوک کیا جاتا ہے یہ اسلام کے نام پر دھبہ ہے۔ خواتین کی قرآن سے شادی کروائی جاتی ہے۔ "کاروکاری" کے نام پر خواتین کا قتل جائز سمجھا جاتا ہے۔ جہیز نہ لانے پر چولہوں کا لقمہ اجل بنایا جاتا ہے۔ انسانی حقوق کی سالانہ رپورٹ کا مطالعہ کریں تو سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ پاکستان ہیومن رائٹس کمیشن نے ۱۹۹۸ء کی رپورٹ جاری کی ہے۔ جس کے مطابق ۲۰۰۰ خواتین ایک سال میں قتل ہوئیں اور ۱۴۰۰ جنسی تشدد کا نشانہ بنیں۔ (۵۷) خواتین بھی اس معاشرہ کا حصہ ہیں انہیں باوقار مقام نہیں دیا گیا جس کی وجہ سے آج اسلام کے خلاف خواتین ہی کے نام سے دنیا میں پروپیگنڈا کیا جارہا ہے لہٰذا اس پر سخت توجہ کی ضرورت ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

صبح کی خاطر روتے روتے شبنم جب بے حال ہوئی
صبح ہوئی تو سب سے پہلے شبنم ہی پامال ہوئی

ذاتی و قومی زندگی میں برداشت و رواداری تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

اسلام انسان کی ذاتی' عائلی و قومی زندگی کے جملہ حالات میں ہمیں برداشت کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ تعلیم قرآن اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں ملتی ہے۔ پہلے قرآن کی روشنی میں برداشت کے احکامات پیش کیے جا رہے ہوں۔

برداشت و رواداری اختیار کرنے کا قرآنی حکم

ہمارا فرض تو یقیناً یہ ہے کہ دین حق کی دعوت دوسروں تک پہنچائی جائے' مگر کسی کو مجبور کرنے کی اجازت نہیں۔ قرآن کی اس آیت پر غور کیجیے۔ ولو شاء ربك لاٰ من من فی الارض کلهم جمیعا افانت تکره الناس حتی یکونوا مؤمنین (۵۸) "اگر آپ ﷺ کا رب چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ایمان لے آئے۔ کیا آپ لوگوں کو اس بات پر مجبور کریں گے کہ وہ مسلمان ہو جائیں"۔ جب اللہ کے رسول کے لیے یہ حکم ہے تو ہم کون ہوتے ہیں' دین کے بارے میں زبردستی کرنے والے۔ اسلام کی حقیقی تعلیمات یہی ہیں کہ دین کے بارے میں جبر و تشدد کی قطعاً اجازت نہیں۔ تبلیغ اسلام ضروری ہے۔ کس انداز سے' آیت قرآنی پر غور کیجیے۔ ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة و جادلهم بالتی هی احسن (۵۹) آپ ﷺ حکمت اور عمدہ نصیحت کے ذریعے (لوگوں کو) اللہ کی طرف بلایئے اور ان سے اچھے طریقے سے بحث کیجیے۔ اسلام محبت و پیار کا مذہب ہے

آشتی اور شانتی کا مذہب ہے' اسلام سب کا مذہب ہے' ہاں یہ سب کا ہے اور سب اس کے ہیں۔ قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کا یہ تصور دیا کہ وہ رحمٰن ور حیم ہے۔ مہربان ہے' بہت ہی مہربان۔ رب العالمین۔(۶۰) جہانوں کا پالنے والا' اس نے اپنے لیے رحم و کرم کو طے کر لیا۔(۶۱) اپنے بندوں کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔(۶۲) اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ تصور دیا کہ کسی فرقے یا جماعت کے لیے نہیں بلکہ سارے انسانوں کے لیے تشریف لائے ہیں۔(۶۳) سارے جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔(۶۴) اور قرآن حکیم نے اپنے لیے یہ تصور دیا کہ سارے انسانوں کے لیے نازل ہوا ہے' اس میں سارے انسانوں کے لیے صحت و نصیحت اور ہدایت و رحمت ہے۔(۶۵) قرآن حکیم کے ان تصورات میں سارے انسانوں کے لیے بڑی کشش ہے۔ ان تصورات میں عالمگیریت ہے' یہ تصورات سارے جہاں کو سمیٹے ہوئے ہیں۔ ہم قرآن کی روشنی میں دنیا کو امن کا گہوارہ بنا سکتے ہیں۔ وہ دنیا جو آج بے چین و مضطرب ہے۔ جہاں ظلم ہی ظلم ہے۔ پیار نہیں' پریم نہیں' محبت نہیں' سہار نہیں' ہر آنکھ محبت کو ترس رہی ہے۔ رواداری اور محبت کا جذبہ جب پیدا ہو سکتا ہے جب انسان سے پیار ہو۔ قرآن حکیم نے بتایا کہ انسانی جان کتنی عظیم ہے' بہت عظیم' جس نے ایک انسان کو قتل کیا گویا اس نے سارے انسانوں کو قتل کر دیا۔ قرآن کی آواز کان لگا کر سنیئے۔ جس نے کوئی جان قتل کیے بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو زندہ رکھا تو گویا اس نے سب جانوں کو زندہ رکھا۔(۶۶) ایک اور جگہ فرمایا! جس جان کی اللہ نے حرمت رکھی اسے ناحق نہ مارو۔(۶۷) قرآن میں بار بار فرمایا گیا اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔(۶۸) اس لیے تم بھی فساد کو نہ چاہو۔(۶۹) قرآن حکیم نے انسانوں کو ایک طرف فساد سے روکا اور دوسری طرف عفو و درگزر برداشت اور رواداری کا سبق سکھایا' کس پیار سے انداز سے سمجھایا۔ "اور نیکی و بدی برابر نہیں' برائی کو بھلائی سے ٹالو تو پھر دیکھنا کہ تم میں اور اس میں جسے تم سے دشمنی تھی ایسی محبت ہو جائے گی جیسے جگری دوست۔(۷۰)

برداشت اور رواداری کا حکم تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے سارے انسانوں کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نمونہ بنایا اور آپ ﷺ سے بار بار فرمایا! تو تم (بد خواہوں اور دشمنوں) کو چھوڑ دو اور درگزر کرو۔(۷۱) اے محبوب! معاف کرنا اپنی عادت بنالو اور بھلائی کا حکم دو۔(۷۲) لوگوں سے اچھی بات کہو۔(۷۳) اللہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت فرمائی اور آپ ﷺ نے سب انسانوں کی تربیت فرمائی آپ ﷺ نے انسان کا احترام کیا اور انسانوں کی بات کی آپ ﷺ باتیں سن سن کر انسان حیران ہوتا ہے' آپ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی زیر معاہد غیر مسلم کو قتل کیا' جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔(۷۴) جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔(۷۵) تم زمین والوں پر رحم کرو' آسمان والا تم پر رحم

فرمائے گا۔(۷۶) تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو گا جب تک کہ اور لوگوں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔(۷۷) لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو تا کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔(۷۸) آپس میں ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو' ایک دوسرے پر حسد نہ کرو اور ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو اور سب مل کر خدا کے بندے ہو جاؤ اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔(۷۹) آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ! "مجھے میرے رب نے حکم دیا کہ جو کوئی مجھ پر ظلم کرے میں اسے قدرت انتقام کے باوجود معاف کر دوں' جو مجھ سے قطع تعلق کرے میں اسے ملاؤں' جو مجھے محروم رکھے میں اسے عطا کروں۔ غضب اور خوشنودی دونوں حالتوں میں حق گوئی کو شیوہ بناؤں"۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ ﷺ مشرکین مکہ کے حق میں بددعا فرمائیں' ارشاد فرمایا! "میں رحمت ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا۔

پنڈت گوپال کرشن تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اثرات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں! یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی کرپا (مہربانی) تھی کہ عرب کے ظالم لٹیرے اعلیٰ اوصاف والے "مہنت" اور "سوامی" بن گئے۔ اور آپ ﷺ نے عربوں میں وہ جوہر پیدا کر دیا جو ایک ہی سے (وقت) میں آدمی کی آتما (روح) کی سدھار کا کام بھی کرے اور اسے جرنیل' کمانڈر اور چیف جسٹس بھی بنا دے۔(۸۰)

"میثاق مدینہ" برداشت و رواداری کا شاہکار دستور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نوع انسانی کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ یہی وجہ ہے آپ ﷺ کے ہر حکم عمل میں برداشت' رواداری' عفو' محبت و اخوت ٹپکتی ہے۔ "میثاق" مدینہ اس کی صرف ایک مثال ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اس پر تفصیل سے اپنی کتابوں عہد نبوی میں نظام حکمرانی (۸۱) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی (۸۲) خطبات بہاولپور (۸۳) مسلمانوں کا نظام مملکت (۸۴) میں لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (۸۵) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود حجاز (۸۶) حیات محمد (۸۷) میں بھی یہ موضوع زیر بحث ہے۔ میں اس کا خلاصہ پیش کر رہی ہوں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ "میثاق مدینہ" دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔ یہ تاریخ ساز میثاق واضح طور پر دو حصوں میں تقسیم ہے پہلے حصہ میں ۲۳ دفعات ہیں اور دوسرے میں ۲۴۔ پہلا حصہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات اور حقوق و فرائض کی نشاندہی کرتا ہے جبکہ دوسرا حصہ اہل اسلام اور دیگر اہل مدینہ کے باہمی تعلقات' حقوق و فرائض اور دیگر امور کی وضاحت کرتا ہے۔ "میثاق مدینہ" میں واضح اور دو ٹوک الفاظ میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ غیر مسلم یہودیوں کو مکمل مذہبی آزادی ہو گی' ایک دفعہ کے الفاظ یہ ہیں

مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا دین اور یہودیوں کے لیے یہودیوں کا دین ہے' یعنی مدینے میں جتنے لوگ بھی بستے تھے ان کو دینی' عدالتی اور قانونی آزادی کا اطمینان دلایا گیا ہے۔ میثاق مدینہ کی دفعہ ۲۵ کے تحت یہود مدینہ اور انصار و مہاجرین (اسلامی برادری) ایک امت (سیاسی وحدت) متصور ہوں گے' یہودی اپنے دین پر رہنے کے مجاز ہیں اور مسلمان اپنے دین پر۔ اس تاریخ ساز معاہدہ کی بدولت مذہبی آزادی اور رواداری کا اصول وضع ہوا' نیز جن بنیادوں پر غیر مسلموں سے اتحاد و تعاون ہو سکتا ہے ان کی نشاندہی کی گئی ہے۔ قبائلی عصبیت، قومیت کا خاتمہ ہوا اور عالمگیر برادری کا قیام عمل میں آیا' غیر مسلموں اور مختلف المذاہب افراد و اقوام کے حقوق و فرائض اور مذہبی آزادی اور رواداری کا اصول، وضع ہوا' چنانچہ یہود مدینہ اور دیگر غیر مسلم اقلیتوں کو مذہبی رواداری پر مبنی اس تاریخی دستاویز کی بدولت مندرجہ ذیل حقوق و مراعات حاصل ہوئیں! ا......اللہ کی حفاظت و ضمانت ہر فریق کو حاصل ہے۔ ۲......امت کے غیر مسلم ممبروں کو بھی مسلمانوں کی طرح سیاسی اور مذہبی حقوق حاصل ہیں۔ امت کے ہر گروہ کو مکمل مذہبی آزادی اور اندرونی خود مختاری حاصل ہے۔ ۳......امت کے دشمنوں سے مسلم اور غیر مسلم دونوں مل کر جنگ کریں گے اور مشترکہ طور پر اخراجات جنگ برداشت کریں گے' مسلم اور غیر مسلم دونوں ایک دوسرے کے بہی خواہ ہیں۔ (۸۸) عرب محقق اور سیرت نگار محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں! "یہ وہ تحریری معاہدہ ہے جس کی بدولت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرہ میں قائم کیا جس سے شرکاء معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدہ و مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا' انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی۔ اموال کو تحفظ ملا شہر امن کا گہوارہ بنا"۔ (۸۹) مولانا حامد الانصاری غازی لکھتے ہیں! یہودیوں کے ساتھ مذہبی رواداری' آزادی اور ان کے حقوق کے تحفظ کی یہ تاریخ ساز دستاویز اور اس کی دفعات اپنی حقیقت پر آپ گواہ ہیں مذہبی' رواداری' امن و سلامتی' آزادی اور انصاف کا ہر جوہر اس میں موجود ہے' یہ معاہدہ ان لوگوں کے ساتھ کیا گیا جو قرآن کی زبان میں ظلم اور گناہ کی راہ میں تیز رو تھے' جھوٹ کے عادی' حرام کھانے میں جری' سود خور' سرمایہ دار غریبوں کا مال ناحق ہضم کرنے والے تھے' پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاہدہ کے بعد بھی اس قوم کو مزید رعایتیں دیں مگر بدنام اور بدکردار یہودیوں نے ہر رعایت کو نظر انداز کر دیا۔ (۹۰)

"صلح حدیبیہ" سیاست خارجہ میں برداشت و رواداری کا نادر نمونہ

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب جو مسلم انٹر نیشنل لاء کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے صلح حدیبیہ پر بہت سی کتب جس میں الوثائق السیاسیۃ (۹۱) بھی شامل ہے خلاصہ لکھا ہے میں اسی کو پیش کر رہی ہوں۔ یہی وہ صلح حدیبیہ ہے جسے عہد نبوی کی سیاست خارجہ کا شاہکار کہنا چاہیے۔ اس معاہدے کا متن عربی ماخذوں میں کہیں تو پورا پورا' کہیں جستہ جستہ ملتا ہے' اس کا ترجمہ یہ ہے۔ ا...... تیرے نام سے اے اللہ' ۲...... یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبداللہ اور سہیل

بن عمرو میں طے ہوا۔ ۳......ان دونوں نے اس بات پر صلح کرلی ہے کہ دس سال تک جنگ روک دی جائے اس دوران میں لوگ امن سے رہیں۔ اور ایک دوسرے سے رکے رہیں۔ ۴......یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے جو حج یا عمرے یا تجارت کے لیے مکہ آئے' تو اس کی جان و مال کا امان ہو گا۔ اور قریش کا جو شخص تجارت کے لیے مصر یا شام (بروایت ابو عبید عراق یا شام) جاتے ہوئے مدینے سے گزرے تو اسے جان و مال کا امان حاصل ہو گا۔ ۵......یہ کہ قریش کا جو شخص اپنے ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ان کے سپرد کر دیں گے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں جو شخص قریش کے پاس آجائے گا وہ اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد نہیں کریں گے۔ ۶......یہ کہ ہم میں باہم سینے ہر طرح بند رہیں گے (جن میں باہر سے کوئی غداری داخل نہ ہو سکے گی) اور نہ تو خفیہ کسی دوسرے کو مدد دی جائے گی نہ علانیہ خود خلافِ عہد دغا کریں گے۔ ۷......یہ کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کر سکے گا۔ اور جو قریش کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہوا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کر سکے گا۔ (اس پر قبائل خزاعہ نے اٹھ کر کہا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدے اور ذمہ داری م یں شریک ہوتے ہیں اور بنی بکر نے کہا کہ ہم قریش کے معاہدے اور ذمہ داری میں شریک ہوتے ہیں)۔ ۸......یہ کہ تو اس سال ہمارے پاس واپس چلا جائے گا۔ اور ہمارے ہاں مکہ نہ آئے گا البتہ سال آئندہ ہم باہر چلے جائیں گے اور تو اور تیرے ساتھی وہاں (مکے میں) داخل ہو کر تین راتیں ٹھہر سکیں گے۔ تیرے ساتھ سوار کا ہتھیار ہو گا۔ یعنی تلوار میان میں پڑی ہوئی۔ اس کے سوا کوئی اور ہتھیار لے کر تو وہاں نہ آسکے گا۔ ۹......یہ کہ یہ قربانی کے جانور وہیں رہیں گے جہاں ہم نے ان کو پایا (یعنی حدیبیہ میں) اور ان کو حلال کر دیا جائے گا۔ اور ان کو ہمارے پاس (مکہ قربانی کے لیے) نہیں لایا جائے گا۔ اور صراحت کی جاتی ہے' ہمارے اور تمہارے حقوق اور واجبات برابر کے ہوں گے۔ (۹۲) ان دونوں معاہدوں سے تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو پہلو نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے وہ ہے برداشت' رواداری اور اس کے لیے دشمن سے اچھا سلوک کرنا تاکہ وہ اسلام کی جانب مائل ہو یہ دونوں معاہدے ایسے ہیں جن کی نظیر نہ دنیا پیش کر سکی ہے نہ پیش کر سکے گی۔

دشمنوں کو دعائیں اور ان سے برداشت و رواداری کا سلوک

مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے جا رہے تھے' اس سے متاثر ہو کر ایک صحابی نے عرض کیا کہ ان دشمنوں کے حق میں بددعا فرمائیں یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ (۹۳) ایک دوسرے موقع پر صحابیوں نے دشمنوں کے لیے اسی قسم کی بات کہی تو فرمایا میں دنیا کے لیے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (۹۴) مکہ میں جن دنوں مسلمانوں پر مظالم ہو رہے تھے تو سخت قحط پڑا' لوگ ہڈی اور مردار کھانے لگے آ

صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید دشمن ابو سفیان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے۔ اللہ سے دعا کرو کہ یہ مصیبت جاتی رہے' آپ ﷺ نے فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت کو دور کر دیا۔ (۹۵) طائف میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچی تو وہاں کے لوگوں نے مبلغین اسلام پر بڑے مظالم ڈھائے۔ ان کو بکثرت ہلاک کیا۔ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ان کے حق میں بد دعا کیجئے' آپ ﷺ ہاتھ اٹھاتے ہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بد دعا فرمارہے ہیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمارہے تھے! خداوند! ثقیف (اہل طائف) کو اسلام نصیب کر اور یہ دعا قبول ہو کر رہی۔ (۹۶) اسی طرح آپ ﷺ سے "اوس" کے قبیلہ کے لیے دعا کرنے کو کہا گیا۔ تو آپ ﷺ نے ان کے لیے یہ دعا فرمائی! خداوند! ان کو ہدایت کر۔ (۹۷) ان ایذار سانیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا شبلیؒ تحریر فرماتے ہیں! "دنیا کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں کہ نامانوس اور اجنبی صدائیں بہ رغبت سن لی گئی ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام کو سینکڑوں برس تک قوم کی نفرت اور وحشت کا سامنا رہا۔ یونان دنیا کی شائستگی کا معلم اول رہا تاہم اسی حکمت کدہ میں سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دار ورسن کا منظر پیش آیا۔ اس بنا پر عرب اور قریش نے جو کچھ کیا وہ سلسلہ واقعات کی غیر معمولی کڑی نہ تھی لیکن غور طلب یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا؟ سقراط زہر کا پیالہ پی کر فنا ہو گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے مخالفت سے تنگ آکر قیامت خیز طوفان کی استدعا کی۔ اور دنیا کا ایک بڑا حصہ برباد ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیس چالیس شخصیتوں کی مختصر جماعت پیدا کر کے بروایت نصاریٰ سولی پر چڑھ گئے۔ لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض ان سب سے بالاتر تھا' خباب ابنؓ الارت نے جب قریش کی ایذار سانی سے تنگ ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ ﷺ ان کے حق میں بد دعا کیوں نہیں فرماتے تو آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے وہ لوگ گزر چکے ہیں جن کے سر پر آرے چلائے جاتے اور چیر ڈالے جاتے تھے تاہم وہ اپنے فرض سے باز نہ آئے خدا اس کام کو پورا کرے گا۔ یہاں تک کہ شتر سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا۔ اور اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا کیا یہ پیش گوئی حرف بہ حرف پوری نہیں ہوئی"۔ (۹۸) ایک ہندو منوہر لال دل اظہار حقیقت اور خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتا ہے۔

آقا جو محمد ﷺ ہے عرب اور عجم کا
بے مثل نمونہ ہے مروت کا کرم کا

حاصل ہے جنہیں تیرے غلاموں کی غلامی
لیتے نہیں وہ نام کبھی قیصر و جم کا

کہتے ہیں جسے اہل جہاں احمد ﷺ مرسل
دریا ہے وہ الفت کا وہ منبع ہے کرم کا

کیا دل سے بیاں ہو تیرے اخلاق کی توصیف
عالم ہوا مداح تیرے لطف و کرم کا

فتح مکہ کے موقت پر جب اصولاً آپ علیہ اہل مکہ المکرمہ کو محکوم بنا چکے تھے آپ علیہ نے مثالی درگزر کا سلوک کیا اور اعلان کر دیا الیوم یوم المرحمۃ آج رحمت کا دن ہے عثمان بن طلحہ جس کے پاس کعبہ کی کنجی ہوتی تھی آپ علیہ کو کعبہ میں داخل ہونے سے روک چکا تھا' آپ علیہ سے بد سلوکی کی تھی' آپ علیہ نے اسے بلایا اور کہا کعبہ معظمہ کی کنجی تمہارے پاس ہی رہے گی جو تم سے چابی لے گا ظالم ہو گا۔(۹۹) سراقہ ابن مالک جو آپ علیہ کو گرفتار کرنے آیا آپ علیہ نے فتح مکہ کے بعد اسے بھی معاف کر دیا'(۱۰۰) اگر کوئی مسلمان مرد یا عورت کسی غیر مسلم کو امان دے دیتا تو آپ علیہ کی طرف سے ان کی جان بخشی ہو جاتی۔(۱۰۱)

غیر مسلم مہمانوں سے برداشت ورواداری کا سلوک اور خواتین کی شرکت

خواتین دین کے تمام کاموں میں شانہ بشانہ شریک رہیں' بالخصوص جنگوں میں زخمیوں کا علاج و معالجہ' پانی پلانا اور عام زندگی میں مہمانوں کی خاطر و تواضع خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق آپ علیہ کا گھر سرکاری مہمان خانہ تھا۔ زیادہ تر مسجد نبوی علیہ میں مہمان ٹھہرتے' آپ علیہ خود ان کی خاطر و تواضع کرتے اور دو انصار خواتین رملہ وام شریک کے مکانات بھی دار الضیوف کا کام دیتے تھے۔(۱۰۲) مہمان اگر کسی بد سلوکی کا ارتکاب کرتے تو آپ علیہ ان سے درگزر کرتے صحابہؓ و صحابیاتؓ خود بھوکے رہتے اور مہمانوں کو کھانا کھلاتے۔(۱۰۳)

مسلم و غیر مسلم پڑوسی سے پہنچنے والی تکالیف کو برداشت کرنے کا حکم

ایک حدیث میں ہے کہ دو صحابیہؓ تھیں' جن میں سے ایک رات کو نمازیں پڑھا کرتیں' دن کو روزے رکھتیں' صدقہ و خیرات بھی بہت کرتیں' مگر زبان کی تیز تھیں۔ زبان سے پڑوسیوں کو ستاتی تھی۔ لوگوں نے ان کا حال آپ علیہ سے عرض کیا تو فرمایا ان میں کوئی نیکی نہیں' ان کو دوزخ کی سزا ملے گی۔ پھر صحابہؓ نے دوسری کا حال سنایا جو فرض نمازیں پڑھ لیتیں اور معمولی صدقہ دے دیتیں مگر کسی کو ستاتی نہ تھیں۔ آپ علیہ نے فرمایا یہ بی بی جنتی ہو گی۔(۱۰۴) ہمسایوں کے مابین مقدمہ بازی کی کثرت کو کم کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں دو چیزوں پر بہت زور دیا گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ پڑوسی کو شفعہ کا حق دیا گیا۔(۱۰۵) دوسرے یہ کہ اگر کسی ہمسائے کو اپنے ہمسائے سے کوئی شکایت پیدا ہو (اور اس کے امکانات بہت زیادہ ہیں) تو بات کو فوراً مقدمہ بازی تک لے جانے کے بجائے مقامی طور پر احتجاج کر کے دیکھ لینا چاہیے۔ احادیث میں ایک واقعہ کا ذکر آتا ہے کہ ایک پڑوسی نے آکر شکایت کی' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا پڑوسی مجھے ستاتا ہے۔ آپ علیہ نے فرمایا! جاؤ صبر کرو' اس کے بعد وہ شخص پھر شکایت لے کر آیا۔ آپ علیہ نے پھر یہی نصیحت کی۔ وہ شخص ایک مرتبہ پھر آیا اور یہی عرض کیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا' اچھا جاؤ اور اپنے گھر کا سامان راستہ میں ڈال دو (یعنی گھر سے منتقل ہونے کی صورت بناؤ)۔ اس صحابی نے ایسا ہی کیا۔ آنے جانے والوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس صحابی نے حقیقت حال سنائی تو سب لوگوں نے اس کے پڑوسی کو برا بھلا کہا۔ یہ دیکھ کر وہ پڑوسی ایسا شرمندہ ہوا کہ اس صحابی کو منا کر پھر گھر واپس لایا اور وعدہ کیا کہ آئندہ نہیں ستائے گا۔ (۱۰۶) اس کے پہلو بہ پہلو ایسی تعلیمات بھی دی گئی ہیں جن سے ہمسایوں میں باہم الفت اور یگانگت کے رشتے استوار ہوں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے! واعبدوا الله ولا تشرکوا به شیئا و بالوالدین احسانا و بذی القربی والیتمی والمساکین والجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب و ابن السبیل و ما ملکت ایمانکم (۱۰۷) "اور اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو' اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور رفقائے پہلو اور مسافروں اور جو لوگ تمہارے قبضہ میں ہوں سب سے احسان کرو"۔ اس آیت سے واضح ہے کہ ہمسایوں سے حسن سلوک کو کس قدر اہمیت دی گئی ہے۔ یعنی جہاں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا وہیں ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید بھی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے! تم میں کوئی مومن نہ ہوگا جب تک اپنے پڑوسی کی جان کے لیے وہی محبوب نہ رکھے جو خود اپنی جان کے لیے محبوب رکھتا ہے۔ (۱۰۸) یہاں یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک کو ایمان کامل کا ایک جزو بنایا گیا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے! "خدا کے نزدیک ساتھیوں میں بہتر وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لیے بہتر ہے اور پڑوسیوں میں بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے بہتر ہے۔ (۱۰۹) حسن سلوک کے ساتھ ساتھ پڑوسی کی عزت اور احترام کا خیال رکھنے کو بھی ایمان کا ایک جزو قرار دیا گیا ہے۔

آپ ﷺ کا گھریلو زندگی میں برداشت کا رویہ

ایک شخص کے گھر کی زندگی اس کے سیرت و کردار کا حقیقی آئینہ ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی باہر کی زندگی میں زاہر داری کی چادر اوڑھ کر نکلتا ہو اور جو کچھ وہ ہے اس سے بالکل مختلف شکل و صورت میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہو لیکن گھر کی زندگی میں وہ اپنے اوپر اس قسم کا پردہ ڈالے رکھنے میں زیادہ دنوں تک کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اول تو کوئی شخص اس قسم کی کوشش کرتا ہی نہیں اور اگر وہ کرے تو اس میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے کسی شخص کو جانچنے کے لیے بہترین کسوٹی اس کے گھر کی زندگی ہے۔ وہاں اس کو دیکھنا چاہیے کہ اس کی سیرت کیا ہے؟ جس خدا ترسی اور تقویٰ کا درس وہ باہر دے رہا ہے اس پر وہ اپنے گھر کے اندر کتنا عامل ہے؟ جس اتباع کتاب و سنت کا وعظ وہ دوسروں کو سنا رہا ہے اس پر وہ خود کس قدر عمل کرتا ہے؟ اور اپنے بیوی بچوں سے کس قدر ان پر عمل کراتا ہے؟ جس دین کی اقامت کے لیے وہ خدائی فوجدار بنا ہوا سارے جہاں سے لڑ رہا ہے' اس دین کو وہ اپنے گھر کے

اندر کس حد تک قائم کرنے میں کامیاب ہو سکا ہے؟ جس سادگی' جس ایثار' جس قناعت' جس صبر اور اخلاص و دیانت کا وہ دوسروں سے مطالبہ کر رہا ہے اس کا جمال خود اس کی گھریلو زندگی میں کتنا جھلک رہا ہے؟ اگر فی الواقع کوئی شخص اس کسوٹی پر پورا اترتا ہے تو بلاشبہ یہ ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر پورے اترنے والے کی اخلاقی عظمت کا اور اس کی سچائی کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ایک ایسے شخص کے اصولوں اور نظریات سے تو آپ اختلاف کر سکتے ہیں لیکن آپ اس کو محض ایک مصنوعی یا ایک بے کردار آدمی قرار نہیں دے سکتے۔ (۱۱۰) دنیا بھر سے آپ اپنی تعظیم کرا لیجئے' سجدے کرا لیجئے' پجوا لیجئے لیکن بیوی پر آپ کا جادو نہیں چل سکتا۔ آپ اس کے سامنے کشف و کرامات کا انبار لگا دیں اور آسمان پر اڑنا شروع کر دیں۔ جب بھی وہ آپ کی ولایت میں نقص نکال کر کہہ دے گی کہ تم ذرا ٹیڑھے ٹیڑھے اڑ رہے تھے۔ اس لیے کہ وہ اپنے شوہر کی خلوت و جلوت کی زندگی سے پوری طرح واقف ہوتی ہے۔ شوہر سے قریب تر رہنے میں سب سے آگے ہوتی ہے۔ ہر وقت کا ساتھ ہوتا ہے۔ شوہر کے سارے عیب و ہنر اس پر عیاں ہوتے ہیں۔ شوہر کا کوئی راز اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہوتا اور اسے ہر آن اپنے شوہر کے مزاج' اخلاق' کردار' اعمال' اقوال اور نیت کو پرکھنے کا موقع ملتا رہتا ہے اسے معمولی کمزوری کا علم ہو جائے تو اسے سامنے رکھ کر شوہر کو دبا لیتی ہے اور جب چاہے اسی ہتھیار سے کام لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کے تقدس کی دھونس سب پر جم جاتی ہے مگر بیوی پر نہیں جمتی۔ (۱۱۱) زندگی کے یہ سارے نشیب و فراز جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی میں موجود تھے۔ ایک ایسی زندگی کا نقشہ پیش کرتے ہیں جس کو انسانی زندگی کا بہترین مظہر کہا جا سکتا ہے۔ ہم یہاں قرآن مجید کی چند آیتیں نقل کرتے ہیں۔ جن میں آپ ﷺ کی گھریلو زندگی کے بعض مخفی گوشوں کی طرف اشارات کیے گئے ہیں۔ اگر آپ ان کی تہہ میں اتر کر غور کریں گے تو وہ ساری جھلکیاں آپ خود دیکھ لیں گے جو اوپر کی سطور میں نمایاں ہوئی ہیں۔ اے نبی! جو چیز اللہ نے تمہارے لیے جائز ٹھہرائی ہے۔ اس کو اپنی بیویوں کی دلداری کے خیال سے اپنے لیے حرام کیوں ٹھہراتے ہو؟ اللہ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اللہ نے تمہارے لیے تمہاری خلاف شرع قسموں کا توڑنا فرض ٹھہرایا ہے اور اللہ ہی تمہارا آقا و مولا ہے اور وہ علم و حکمت والا ہے۔ اور جب کہ پیغمبر نے اپنی کسی بیوی سے کوئی راز کی بات کہی تو جب اس بیوی نے وہ بات دوسری بیوی کو بتا دی اور اللہ نے اس امر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کر دیا تو کچھ حصہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا اور کچھ حصہ حذف کر دیا تو جب آپ ﷺ نے ان بیویوں پر ظاہر کیا تو وہ بولیں کہ آپ ﷺ کو اس چیز سے کس نے آگاہ کیا؟ آپ ﷺ نے کہا مجھے اللہ تعالیٰ علیم و خبیر نے آگاہ کیا۔ اگر تم دونوں بیویاں اللہ کی طرف رجوع کرو تو یہی تمہارے شایان شان ہے کیونکہ تمہارے دل پہلے ہی سے اللہ کی طرف مائل ہیں اگر تم پیغمبر کے خلاف ایکا کرو گی تو اللہ اس کا مالک ہے اور جبرئیلؑ اور تمام مسلمان اور ملائکہ اس کے ساتھی ہیں۔ (۱۱۲) ان آیات میں جس چیز کی تحریم کا ذکر کیا ہے یا جس راز کی طرف

اشارہ ہے ان کے درپے ہونے کی تو ضرورت نہیں ہے جو باتیں اللہ تعالیٰ نے راز رکھیں ان کی کھوج کرید کوئی اچھی بات نہیں ہے' بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے درمیان کے کسی راز کو معلوم کرنے کی کوشش کرنا تو ہمارے لیے کسی طرح بھی جائز نہیں ہے' لیکن ان آیات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کے جو پہلو بالکل نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آرہے ہیں انہیں ہمیں ضرور سمجھنا چاہیے ان سے اس بات کا ثبوت فراہم ہوگا کہ حضور ﷺ کی زندگی کوئی بے رنگ' سپاٹ اور نشیب و فراز زندگی نہیں تھی بلکہ انسانی فطرت جن پاکیزہ تقاضوں اور جن خوبصورت داعیات سے مرکب ہے ان کی دھوپ چھاؤں یہاں بھی موجود ہے۔ مثلاً ان آیات کے عمیق میں اتر کر غور کیجئے تو مندرجہ ذیل باتیں نہایت واضح طور پر آپ کے سامنے آئیں گی۔ ۱......ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جائز حدود کے اندر اپنی ازواج کی دلداری فرماتے تھے۔ ان کے مذاق کا لحاظ رکھتے تھے اور ان کے جو شوق بے ضرر ہوتے حتی الامکان وہ پورے کر دیتے۔ ۲......دوسری یہ کہ آپ ﷺ کی بیویاں آپ ﷺ کی شریک رنج و راحت تھیں۔ آپ ﷺ ان سے ہر طرح کی باتیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ ان کو اپنے رازوں کا امین بھی بناتے تھے۔ ۳...... تیسری یہ کہ آپ ﷺ کی بیویوں کے آپس کے تعلقات نہایت محبت اور اخلاص کے تھے۔ اگرچہ کبھی کبھی بتقاضائے فطرت انسانی ان میں سوکنوں کے سے جذبات بھی ابھر آتے تھے۔۔ لیکن یہ عام حالت نہیں تھی۔ عام حالت اس قدر اعتماد و محبت کی تھی کہ ایک دوسرے کو شوہر کے راز سے بھی آگاہ کر دیتی تھیں حالانکہ سوکنوں میں یہ اخلاق بہت کم پایا جاتا ہے۔ ۴......چوتھی یہ کہ آپ ﷺ کی ازواج کو اپنے گھروں میں جائز حد تک اپنی خودداری کے اظہار کا پورا پورا موقع حاصل تھا۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایکا بھی کر لیتی تھیں۔ چونکہ یہ چیز محض بربنائے محبت و اعتماد ہوتی تھی اس وجہ سے اس کو ہمیشہ حضور ﷺ نے گوارا فرمایا۔ صرف اس وقت اس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو روکا جب یہ اپنی فطری حدود سے بڑھتی نظر آئی۔ حضور ﷺ کی گھریلو زندگی کی یہ جھلکیاں ہمیں قرآن مجید میں نظر آتی ہیں۔ اگر اس کو ہم سیرت کی کتابوں میں دیکھیں تو وہاں ہر پہلو سے متعلق ہمیں پوری تفصیلات ملتی ہیں۔ لیکن ان تفصیلات کے لیے اس مضمون میں گنجائش نہیں ہے۔ اس وجہ سے ہم صرف زاد المعاد کی مندرجہ ذیل چند سطور پر قناعت کرتے ہیں۔ علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں۔ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ نہایت محبت اور حسن سلوک کا معاملہ کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کے پاس انصار کی لڑکیاں جمع ہو جاتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ان کے ساتھ کھیلنے کے لیے چھوڑ دیتے۔ اگر وہ کسی ایسی بات کی خواہش کرتیں جس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہوتی تو آپ ﷺ ان کی خواہش پوری کر دیتے۔ وہ جس برتن سے پانی پیتیں آپ ﷺ بھی اس برتن سے ان کے منہ لگانے کی جگہ منہ لگا کر پانی پی لیتے۔ جس ہڈی کو وہ چوستیں اس ہڈی کو آپ ﷺ بھی لے کر چوستے۔ ایک مرتبہ اہل حبشہ مسجد نبوی ﷺ میں اپنے کرتب دکھا رہے تھے۔ آپ ﷺ

نے حضرت عائشہؓ کے لیے اس کا موقع پیدا فرمایا کہ وہ آپ ﷺ کے کندھے کی اوٹ سے ان کے کرتب دیکھ لیں۔ دو مرتبہ آپ ﷺ سفر کے موقع پر ان کے ساتھ دوڑے بھی۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے اچھا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرنے والا ہوں۔ نماز عصر پڑھ کر آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ تمام ازواج کے ہاں تشریف لے جاتے اور ان کی خیر خیریت دریافت فرماتے پھر شب میں جس کی باری ہوتی ان کے یہاں قیام فرماتے۔ (۱۱۳)

محاسبہ

لیکن اس تمام اعتماد و محبت کے باوجود حضور ﷺ اپنے اہل بیت کے محاسبہ سے کبھی غافل نہیں ہوتے تھے۔ ایک طرف شفقت و مہربانی کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کے خادم خاص حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال مسلسل خدمت کی (دوسری روایت میں نو سال کے الفاظ ہیں) لیکن حضور ﷺ نے میری کسی بات پر اف تک نہیں کیا' لیکن دوسری طرف محاسبہ کا یہ اہتمام تھا کہ دینی معاملات میں اگر ادنیٰ کوتاہی بھی کسی سے صادر ہوتی تو نا ممکن تھا کہ وہ آپ ﷺ کی گرفت سے بچ سکے۔ امہات المومنین کی یہ شہادت ہے کہ آپ ﷺ اپنے ذاتی معاملات میں کسی سے کبھی باز پرس نہیں فرماتے تھے۔ لیکن خدا اور دین کے معاملہ میں ہر کوتاہی پر ضرور باز پرس فرماتے اور اس احتساب سے کوئی محبوب سے محبوب شخصیت بھی نہیں بچ سکتی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے زیادہ آپ ﷺ کو اور کون محبوب ہو سکتا تھا؟ ایک مرتبہ ان کی زبان سے حضرت صفیہؓ کے بارے میں یہ الفاظ نکل گئے کہ "حسبك من صفية كذا كذا" (صفیہؓ میں یہ عیب کیا کم ہے کہ ان کا قد چھوٹا ہے) یہ بات ان کی زبان سے نکلی تھی کہ آپ ﷺ نے فوراً ان کو تنبیہ فرمائی اور جن الفاظ میں فرمائی ذرا ان کے تیور ملاحظہ ہوں! "عائشہ! تم نے ایک ایسی بات زبان سے نکال دی ہے کہ اگر وہ سمندر میں بھی ملا دی جائے تو اس کی کڑواہٹ اس کو بھی تلخ کر کے رکھ دے"۔ حضور ﷺ کا یہ محاسبہ بھی در حقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک پہلو تھا جو لوگ اپنے گھر والوں سے محض مادی قسم کی محبت رکھتے ہیں وہ اپنے ذاتی عیش و آرام سے تعلق رکھنے والی باتوں پر تو بڑے سخت گیر اور تنگ مزاج ہوتے ہیں۔ ممکن نہیں ہے کہ کوئی ادنیٰ کوتاہی بھی کسی سے سرزد ہو جائے اور وہ اس کو نظر انداز کر جائیں لیکن خدا اور شریعت کے معاملات میں وہ بڑے روادار اور فیاض ہوتے ہیں۔ بیوی بچوں میں سے جس کا جی چاہے اپنی آخرت کی بربادی کے لیے جو چاہے کر گزرے۔ انہیں کبھی ان کو ٹوکنے کی توفیق نہیں ہو گی۔ حالانکہ حقیقی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کوتاہیوں پر گرفت کریں جن کا تعلق خود ان کی اپنی آخرت سے ہو حضور ﷺ کا طریقہ یہی تھا آپ ﷺ اپنے ذاتی آرام سے زیادہ اس بات کے لیے فکر مند رہتے کہ گھر والے اپنی آخرت کی ذمہ داریوں کی طرف سے غافل نہ ہونے پائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مرتبہ اللہ

تعالیٰ نے جتنا اونچا بنایا تھا اسی اعتبار سے ان کی ذمہ داریاں بھی بھاری تھیں۔ دوسروں کے مقابلے میں ان کا اجر بھی دوگنا تھا اور اگر ان سے کوئی جرم سرزد ہو تو اس کی سزا بھی دوگنی تھی۔ اے پیغمبر ﷺ کی بیویو! جو تم میں سے کسی کھلی ہوئی برائی کی مرتکب ہوگئی تو اس کو دوہری سزا سنادی جائے گی اور یہ اللہ کے لیے سہل بات ہے اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتی رہیں گی اور بھلے کام کرتی رہیں گی ہم ان کو ان کا اجر بھی دھرا دیں گے اور ان کے لیے ہم نے رزق کریم تیار کر رکھا ہے۔ (۱۱۴) حضور ﷺ اپنے اہل بیت کی ان ذمہ داریوں کے احساس سے ہمیشہ گرانبار رہتے اور ہر وقت ان کو دنیا کے بجائے آخرت کی کامیابیوں کے لیے ابھارتے رہتے۔ آپ ﷺ جب شب کی نمازوں کے لیے اٹھتے تو آپ ﷺ کی یہ خواہش ہوتی کہ آپ ﷺ کی بیویاں بھی اس سعادت میں حصہ لیں اور بسا اوقات آپ ﷺ اس کے لیے نہایت نرمی اور محبت سے ان کو شوق بھی دلاتے۔ دروازے پر کوئی سائل آتا تو گھر والوں کو اس کے حقوق یاد دلاتے کوئی مہمان آتا تو اس کی خدمت پر سب کو ابھارتے۔ اور کبھی کبھی سب کو جمع کر کے نام لے لے کر مخاطب فرماتے اور بتاتے کہ اپنی آخرت کے لیے جو کچھ کر سکتی ہو کر لو۔ میں وہاں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ (۱۱۵) اس موضوع پر میں ربیع الاول ۱۹۹۶ء میں بعنوان "اعلیٰ اسلامی اقدار کے فروغ میں دور حاضر کی مسلم خواتین کی ذمہ داریاں تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں" تفصیل سے لکھ کر سیرت ایوارڈ حاصل کر چکی ہوں۔ یہ غالباً وزارت مذہبی امور نے شائع کر دیا ہے۔ اس میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

خواتین سے برداشت و حسن سلوک کا حکم

اسلام نے خواتین سے برداشت و رواداری اور حسن سلوک اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور جیسا کہ آپ اوپر مطالعہ کر چکے ہیں آپ ﷺ نے خود اپنے عمل سے اس کا نمونہ پیش کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے! "عورت کی تخلیق مرد (آدم) کے جسم سے کی گئی ہے" (۱۱۶) "اللہ کے ہاں جنس کی بنیاد پر نہیں تقویٰ کی بنیاد پر فضیلت حاصل ہے" (۱۱۷) اچھا عمل مرد کا ہو یا عورت کا وہ ضائع نہیں ہوتا۔ (۱۱۸) خواتین مردوں کی طرف عرف کے مطابق حقوق حاصل ہوں گے۔ (۱۱۹) خواتین کی چار بنیادی حیثیتیں ہیں، ماں، بیوی بیٹی اور بہن، ہر حیثیت میں خواتین سے اچھے سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔

ماں

قرآن نے ماں باپ سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ ان کی جھڑک برداشت کرنے کا حکم دیا ہے۔ (۱۲۰) ماں کی پرورش کے احسان کو یاد دلایا ہے۔ (۱۲۱) ماں کا حق باپ سے تین گناہ زیادہ بتایا ہے (۱۲۲) جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے بیان کی گئی ہے۔ (۱۲۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسماءؓ کو پیغام بھیجا غیر مسلم ماں کا احترام کرو گھر

میں بٹھاؤ۔(۱۲۴)

بیوی

قرآن نے بیوی کو شوہر کا لباس(۱۲۵)اور ذریعہ محبت و تسکین بیان کرنے کے ساتھ(۱۲۶)مردوں کا حصہ(۱۲۷)اور دنیا کی بہترین متاع قرار دیا ہے(۱۲۸) حکم دیا ہے جو تم کھاؤ وہ انہیں کھلاؤ۔(۱۲۹)

بیٹی' بہن

ارشاد نبوی ﷺ ہے جس نے بیٹیوں کی اچھی تربیت کی وہ جہنم سے محفوظ رہے گا۔(۱۳۰) جس نے دو بچیوں کی کفالت کی وہ قیامت میں میرے ساتھ ہو گا۔(۱۳۱) یہی حکم بہنوں کی کفالت کے لیے منقول ہے۔(۱۳۲) آپ ﷺ کی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ کی بیٹی شیماء جو کہ غیر مسلم تھیں گرفتار ہو کر آئیں' آپ ﷺ نے اپنی چادر پر بٹھایا' اونٹ اور بکریاں تحفہ میں دے کر انہیں ان کے قبیلہ میں پہنچوا دیا۔(۱۳۳) یہاں میں نے مختصراً اشارہ کیا ہے اس پر میرا مفصل مضمون ماہنامہ بزم قاسمی میں شائع ہو چکا ہے' ملاحظہ فرمائیں۔(۱۳۴) ہندو پنڈت گوپال کے ان کلمات کے ساتھ اپنی بات ختم کرتی ہوں لکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے استریوں (خواتین) کی مظلومی کا بھی خاتمہ کر دیا۔ آپ ﷺ کی پیدائش سے قبل عورتوں کے کچھ بھی حقوق نہ تھے اور ان پر ظلم حد سے بڑھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو عزت کی جگہ دی۔ ان کے حق مقرر کیے اور ان کے سروں پر بھی مساوات کا تاج رکھ دیا۔(۱۳۵) امر چند قیس جالندھری کہتا ہے ~

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیس ہے ایماں حضور ﷺ ہیں رہنمائے انسان
حضور ﷺ کا جو نہیں قائل شقی بھی ہے وہ لئیم بھی ہے

بین الاقوامی زندگی میں برداشت و رواداری' تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

مفتوحہ نسلوں کے تعلق سے عربوں کا رویہ ہمیشہ رواداری اور لطف و کرم کا رہا۔ مفتوحہ اقوام کی جان و مال کی حفاظت مسلمان کیا کرتے تھے۔ مفتوحہ اقوام کے قابل افراد کو مختلف فرائض منصبی پر فائز کرتے تھے۔ ان کو اچھی ملازمتیں دی جاتی تھیں۔ عیسائیوں اور یہودیوں کو کبھی بھی دق نہیں کیا گیا۔ غیر ضروری طور پر مسلمانوں نے ان کو تنگ نہیں کیا۔ یہودی اور عیسائی مسلمانوں سے زیادہ مالدار رہے۔ مسلمانوں کا سیدھا سادا فارمولا جو لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شکل میں ہے۔ مسائل کو خود بخود حل کر دیتا ہے۔ جیسے ہی غیر مسلم اس کلمے کو ادا کر دیتے تھے۔ فاتحین کی صف میں شامل کر لیے جاتے تھے۔ ہم اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ عربوں کی ابتدائی فتوحات میں مسلمانوں نے یہودیوں اور عیسائیوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنانے کی قطعاً کوشش نہیں کی۔ نہ ہی یہودیوں اور

عیسائیوں نے تلوار کے ڈر سے اپنا مذہب تبدیل کیا۔ شام فتح ہو جانے کے بعد کئی نسلوں تک شام کے عیسائی اپنے ہی مذہب پر قائم رہے۔ لبنان میں آج تک عیسائی رہتے آرہے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ نصاریٰ اور یہود کو اس بات تک کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ پر اپنے مذہبی قانون کا اطلاق کریں۔ اپنے تنازعات کے فیصلوں کے لیے حاکمانہ عدالت کا اپنی برادری میں سے انتخاب کرلیں۔ مسلم نظریات کی رو سے تمام قوانین مذہب سے جنم لیتے ہیں۔ قانون کی اساس مذہب ہی فراہم کرتا ہے۔ مذہب ہی کے سرچشمے سے قانون کی ندیاں بہتی ہیں' مسلمانوں کے اپنے قانون کا ماخذ قرآن اور احادیث ہیں۔ اسی لیے عیسائیوں اور یہودیوں کے لیے یہ ضروری قرار نہیں دیا گیا کہ وہ اسلامی قانون پر عمل پیرا ہوں۔ چونکہ عیسائیوں اور یہودیوں کو جبراً مسلمان بنانے سے احتراز کیا گیا' اسی منطق کے پیش نظر ان پر اسلامی قانون کے اطلاق کی بھی شرط نہیں رکھی گئی۔ ہر مذہب اپنے بنیادی عقیدے اور ایمان کی روشنی میں اپنے قانون آپ مرتب کرتا ہے۔ اسلام کی بین الاقوامی برداشت ورواداری کا عالم یہ ہے کہ غیر مسلم اہل کتاب یہودی و نصاریٰ خواتین کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ان کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور مسلمانوں کے لیے حلال قرار دیا گیا'(۱۳۶)

یہودیوں سے برداشت کا سلوک

یہود سے میثاق مدینہ کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اس کے باوجود آپ ﷺ نے کبھی برا سلوک نہیں کیا' ایک دفعہ ایک یہودی بیمار ہوا آپ ﷺ نے اس کی عیادت کے لیے گئے اسے اسلام کی دعوت دی' اس نے قبول کرلی' پھر اس کا انتقال ہو گیا' یہودی خاتون زینب نے آپ ﷺ کو زہر دیا' آپ ﷺ نے زہر کا اثر محسوس کیا تو گرفتار کر کے لائی گئی وجہ پوچھی اس نے کہا میں نے سوچا اگر یہ بادشاہ ہے تو ہلاکت باعث راحت ہے اگر نبی ہے زہر سے خود مطلع ہو جائے گا' آپ ﷺ نے اسے اپنی جانب سے معاف کر دیا۔(۱۳۷)

عیسائیوں سے برداشت کا سلوک اور معاہدہ نجران

عیسائیوں کے بارے میں مسلمانوں کا رویہ ہمیشہ دوستانہ رہا' قرآن نے بھی بنسبت دیگر غیر مسلموں کے انہیں بہتر قرار دیا۔(۱۳۸) عیسائیوں کے ساتھ برداشت ورواداری کا بہترین معاہدہ "معاہدہ نجران" ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے عیسائی اقلیت کو مذہبی رواداری کے صلہ میں جو حقوق ومراعات حاصل ہوئے وہ درج ذیل ہیں!

۱......ان کی جان محفوظ رہے گی۔ ۲......ان کی زمین' جائیداد اور مال وغیرہ ان کے قبضہ میں رہے گی۔ ۳......ان کے کسی مذہبی نظام میں تبدیلی نہیں کی جائے گی' مذہبی عہدیدار اپنے اپنے عہدوں پر برقرار رہیں گے۔ ۴......صلیبوں اور مورتیوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ ۵......ان کی کسی چیز پر قبضہ نہیں کیا جائے گا۔ ۶......ان سے فوجی خدمت نہ

لی جائے گی۔ ۷......اور نہ پیداوار کا عشر لیا جائے گا۔ ۸......ان کے ملک میں فوج نہ بھیجی جائے گی۔ ۹......ان کے معاملات اور مقدمات میں پورا پورا انصاف کیا جائے گا۔ ۱۰......ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے پائے گا۔ ۱۱......کوئی ناکردہ گناہ کسی مجرم کے بدلہ میں نہ پکڑا جائے گا۔ ۱۲......اور نہ کوئی ظالمانہ زحمت دی جائے گی۔ (۱۳۹)

منافقوں سے برداشت کا سلوک

عبداللہ ابن ابی ؔجو حسد کا شکار ہو کر اسلام کی مخالفت میں پیش پیش رہا۔ آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے کفن کے لیے قمیص دی اور دعا مغفرت کی۔ (۱۴۰) باوجود ان کا نفاق کھل جانے کے آپ ﷺ پھر بھی انہیں برداشت کرتے رہے اس سے بڑھ کر اور کیا رواداری ہو سکتی ہے۔

خلاصہ بحث اور ثمرہ برداشت

اس مقالہ میں آپ نے عدم برداشت کے قومی و بین الاقوامی دونوں رجحانات کا مطالعہ کیا ہے اور بد قسمتی سے اس میں بلا تخصیص مسلم و غیر مسلم دونوں ملوث ہیں اور اس کا نقصان پوری انسانیت کو پہنچ رہا ہے اس عدم برداشت کے جو ثمرات ظاہر ہو رہے ہیں اس کے نتیجے میں تشدد 'انارکی' نفرت اور خونریزی سے بحر و بر 'ایشیاء او یورپ' شمال و جنوب مشرق و مغرب سب ہی لبریز ہیں۔ اس صفت کی اسی اہمیت کے پیش نظر اسلام نے خصوصاً طور سے مسلمانوں کو متوجہ فرمایا ہے برداشت کی صفت پیدا ہونے کے بعد انسان ہر کام اس کے انجام عواقب پر نظر رکھ کر کرے گا تو اسے بعد میں کوئی پچھتاوا نہیں ہوگا' اگر ہم عائلی زندگی میں برداشت کو اپنالیں تو کسی سے لڑائی گھریلو و خاندانی ماحول کشیدہ نہ طبیعت میں ٹینشن نہ ہو اگر سیاسی سطح پر اپنالیں تو باہم خونریزی نہ ہو اخبارات کے صفحات ایک دوسرے کے کارناموں سے سیاہ نہ ہوں سیاسی خونریزی کا خاتمہ ہو' اگر مذہبی سطح پر برداشت کی صفت اپنالیں تو باہم اتحاد و اتفاق بڑھ جائے۔ ملک ترقی کرے اسلام کو ملکی و بین الاقوامی سطح پر مقبولیت حاصل ہو' لوگ اسلام کی طرف مائل ہوں' مذہبی خونریزی کا خاتمہ ہو۔ اگر بین الاقوامی سطح پر برداشت کو اپنالیں تو ملکی سطح پر دفاعی مالی استحکام حاصل ہو باہم ایک دوسرے سے دست و گریباں نہ ہوں دنیا جنت نظیر بن جائے۔ مولانا ظفر علی خان کے ان اشعار پر اپنا مقالہ ختم کرتی ہوں۔

اگر پہلو میں دل ہو اور تڑپ اسلام کی دل میں ۔۔۔ برس سکتا ہے ابر رحمت پروردگار اب بھی
سلیقہ مے کشی کا ہو تو کر سکتی ہے محفل میں ۔۔۔ نگاہ لطفِ ساقی مفلسی کا اعتبار اب بھی
گر اپنے خوں سے کر سکتا ہو تو اس کی حنا بندی ۔۔۔ عروسِ ملک ہو سکتی ہے تجھ سے ہمکنار اب بھی

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی
وہی ہے جس کے لطف خاص کے دیرینہ صدقے میں اخوت ہے مسلمانانِ عالم کا شعار اب بھی

حواشی و حوالہ جات

۱۔ انسان کو بہترین ہیئت ظاہری و باطنی کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ سورۃ التین ۹۵ / ۴

۲۔ سورۃ الحجرات ۱۵ / ۲۹ اسی بات کو دوسری جگہ بیان کیا سورۃ "ص" ۳۸ / ۷۲

۳۔ پیغمبر اخلاق مرتب ساجد الرحمٰن (مقالات) ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ص / ۴۹

۴۔ سورۃ القلم ۶۸ / ۳۔۴

۵۔ سورۃ الصف ۶۱ / ۱

۶۔ پیغمبر اخلاق ساجد الرحمٰن ص / ۵۲

۷۔ سورۃ آل عمران ۳ / ۱۵۹

۸۔ سورۃ التوبۃ ۹ / ۱۶

۹۔ ماہنامہ ساحل کراچی جولائی ۱۹۹۸ء ص ۸۴

۱۰۔ تاریخ حفاظت حدیث و اصول حدیث۔ پروفیسر ڈاکٹر فضل احمد مطبوعہ کراچی ۱۹۹۷ء ص ۱۴

۱۱۔ سنن ابو داؤد۔ ابو داؤد سلیمان بن اشعث السجستانی، مترجم خورشید عالم قاسمی دارالاشاعت کراچی، ج ۲، ص ۸۸ کتاب الصلوۃ باب صلاۃ اللیل۔

۱۲۔ رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات و معمولات محمد کلیم آرائیں سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۴ء ص ۸۱

۱۳۔ اعجاز اللغات۔ ذوالفقار احمد تابش سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۵ء ص ۱۲۱، اور فرہنگ کارواں عارف الٰہی مکتبہ لاہور ص ۱۱۰۔

۱۴۔ اردو تھیارس رفیق خاور مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد ۱۹۹۴ء ص ۱۱۶

۱۵۔ Dictionary of terms by Ishfaq Ahmad Urdu Science board Lahore, 1985, Vol III. P1758

۱۶۔ ماہنامہ نقوش رسول نمبر محمد طفیل ادارہ فروغ اردو لاہور جنوری ۱۹۸۳ء ج ۳ ص ۶۶۶

۱۷۔ سورۃ البقرۃ ۲ / ۲۵۶

۱۸۔ سبل الہدیٰ والرشاد محمد بن یوسف الصالحی مطبوعہ القاہرہ ۱۹۷۲ ج ۷، ص ۳۶

۱۹۔ ہم اور ہمارے رسول مولانا ظفر علی خان دفتر خاتون مشرق اردو بازار دلی ص ۵۳

۲۰۔ پیغمبر اخلاق۔ ساجد الرحمٰن ص ۲۴۳

۲۱۔ علماء دیوبند کی یادگار تحریریں مرتب ابو حذیفہ محمد اسحاق ملتانی ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۹۹۸ء ج ص ۴۱۲۔۴۱۳

۲۲۔ سورۃ آل عمران ۳ / ۱۳۴

۲۳۔ سورۃ فصلت ۴۱ / ۳۴

۲۴۔ ریاض الصالحین محی الدین ابی زکریا النووی مترجم عابد الرحمٰن سعید اینڈ سنز کراچی ج، ص ۳۹۷

۲۵۔ موطا امام مالک ج ۲، ص ۹۰۵۔۹۰۶ کتاب حسن الخلق باب ماجاء فی الغضب

۲۶۔ مسند احمد ج ۵، ص ۱۵۲، سنن ابو داؤد حدیث نمبر ۴۷۸۲

۲۷۔ اسلام میں مذہبی رواداری صباح الدین عبدالرحمٰن مطبع معارف دارالمصنفین اعظم گڑھ انڈیا ۱۹۷۸ء ص ۱۵۔۱۶

۲۸۔ سورۃ العنکبوت ۲۹ / ۴۶

۲۹۔ سیرت خاتم النبیین ڈاکٹر ماجد علی خان، پروگریسیو بکس اردو بازار لاہور ۱۹۹۶ء ص ۸۰، حوالہ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱، ص ۹۸

۳۰۔ سورۃ الروم ۳۰ / ۴۱

۳۱۔ سورۃ ابراہیم ۱۴ / ۱

۳۲۔ The Encyclopedia of reigion ≡ mircea eliade editor in chief mac-millan pub.com new yourk 1983 vol:15. p-435

۳۳۔ عمل المراۃ موقف الاسلام منہ، دکتور عبدالرب نواب دار العاصمۃ سعودی عرب ۱۹۸۹ء ص ۳۶

۳۴۔ سہ ماہی منہاج لاہور حصہ سوئم جنوری ۱۹۸۵ء ص ۹۶۔۹۷،

۳۵۔ پردہ۔ ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامک پبلی کیشنز لاہور ص ۱۷

۳۶۔ عمل المراۃ و موقف الاسلام، عبدالرب ص ۲۱

۳۷۔ پردہ۔ ابوالاعلیٰ مودودی، ص ۲۱

۳۸۔ ایضاً، ص ۲۴

۳۹۔ ایضاً' ص ۲۴

۴۰۔ اسلام میں عورت کا مقام۔ڈاکٹر اسرار احمد انجمن خدام القرآن لاہور ۱۹۹۲ء ص ۱۸

۴۱۔ Women and islam an historical and theological enquiry by Fat-mamernissi Translatet Mary Jolakeland pub 1991 Oxford P.180

۴۲۔ Muhammad Encyclopedia of Seerah. by Dr. Abdullah-o-Nas-sef. Serah Foundation Londn 1987 Vol:V, P-107

۴۳۔ عمل المراۃ و موقف الاسلام منہ' ص ۲۹

۴۴۔ تحقیق ما للہند ابو ریحان البیرونی' عالم الکتب بیروت ۱۹۸۳ء ص ۴۷

۴۵۔ عربی ادب کی تاریخ' ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی ترقی اردو بیورو نئی دہلی ۱۹۸۲ء ص ۵۲۔۵۳

۴۶۔ التکویر' ۸۔۹

۴۷۔ النحل ۵۸/۵۹

۴۸۔ قضیا المراۃ فی الشعر الحدیث من ۱۷۹۸ء تا ۱۹۴۵ء عادل ادب عمشہ دار الجیل بیروت ۱۹۸۷ء ص ۱۹' ۲۰

۴۹۔ رسول میدان جنگ میں واجد رضوی' پنجاب بک ڈپو لاہور طبع دوم ۱۹۶۷ء ص ۲۹۰ تا ۳۰۱

۵۰۔ مغرب کی فیصلہ کن جنگیں فلر جے۔ایر اینڈ سپاٹس وڈ لندن ۱۹۵۴ء ج ۱' ص ۲۶۶

۵۱۔ عورت' سید خیال بخاری بساط ادب لاہور ۱۹۹۱ء ص ۵۳

۵۲۔ یجروید مطبوعہ لاہور' ادھیا ۱۳ منتر ۱۲ بحوالہ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ غلام رسول علمی کتب خانہ لاہور ۱۹۸۰ء ص ۱۰۲

۵۳۔ ایضاً' منتر ۱۳

۵۴۔ ایضاً ادھیا ۱۶ منتر ۶۵

۵۵۔ بابری مسجد کی شہادت ۱۸۵۵ء تا ۱۹۹۳ء ڈاکٹر صلاح الدین ثانی جنگ پبلشرز لاہور ۱۹۹۳ء ص ۴۲ تا ۵۱

۵۶۔ روزنامہ عوام کراچی ۲۱ جنوری ۱۹۹۹ء

۵۷۔ روزنامہ جنگ کراچی ۱۰ مارچ ۱۹۹۹ء

۵۸۔ سورۃ یونس ۱۰۔۹۹

۵۹۔ سورۃ النحل ۱۶۔۱۲۴

۶۰۔ سورۃ الفاتحہ ۱/۱۔۲

۶۱۔ سورۃ الانعام ۵۴

۶۲۔ سورۃ الزمر ۵۳

۶۳۔ سورۃ سباء ۲۸

۶۴۔ سورۃ انبیاء ۱۰۷

۶۵۔ سورۃ یونس ۵۷

۶۶۔ سورۃ المائدۃ ۳۲

۶۷۔ سورۃ الانعام ۱۵۱

۶۸۔ سورۃ البقرۃ ۲۰۵، مائدہ ۶۴

۶۹۔ سورۃ القصص ۷۷

۷۰۔ سورۃ فصلت ۳۴

۷۱۔ سورۃ البقرۃ ۱۰۹

۷۲۔ سورۃ الاعراف ۱۹۹

۷۳۔ سورۃ البقرۃ ۸۳

۷۴۔ صحیح بخاری ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری ج ۲، ص ۱۰۲۱

۷۵۔ ایضاً ج ۲، ص ۸۸۹

۷۶۔ سنن ترمذی محمد بن عیسیٰ الترمذی ج ۲، ص ۱۴

۷۷۔ مسند احمد بن حنبل مطبوعہ بیروت ج ۳، ص ۲۷۳

۷۸۔ سنن ترمذی محمد بن عیسی الترمذی ج ۲ ص ۵۴، اور سنن ابن ماجہ ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، مطبوعہ کراچی ص ۳۲۱

۷۹۔ صحیح بخاری ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل ج ۲، ص ۸۹۶

۸۰۔ سرور کونین اغیار کی نظر میں سید شبیر احمد شاہ کتاب مرکز گوجرانوالہ ۱۹۹۰ء ص ۱۷

۸۱۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نظام حکمرانی ڈاکٹر محمد حمید اللہ اردو اکیڈمی کراچی ۱۹۸۷ ص ۷۶

۸۲۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ڈاکٹر محمد حمید اللہ دارالاشاعت کراچی ۱۹۸۷ء ص ۲۵۵

۸۳۔ خطبات بہاولپور۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۹۲ء ص ۲۳۶

۸۴۔ مسلمانوں کا نظم مملکت ڈاکٹر محمد حمید اللہ ص ۸۱ ص ۱۴۷

۸۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۹۸۶ء ج ۱۹ ص ۱۶۱

۸۶۔ رسول اکرم ﷺ اور یہود حجاز مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۹ء ص ۶۲

۸۷۔ حیات محمد صلی اللہ علیہ وسلم محمد حسین ہیکل مطبعة النهضة العصریہ ۱۹۴۷ء ص ۲۲۷

۸۸۔ مندرجہ بالا مذکورہ کتب سے ماخوذ ہے

۸۹۔ حیات محمد ﷺ محمد حسین ہیکل ص ۲۲۷

۹۰۔ اسلام کا نظام حکومت مولانا حامد الانصاری غازی الفیصل ناشران و تاجران اردو بازار لاہور ص ۳۶۲

۹۱۔ الوثائق السیاسیہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مطبوعہ مصر ۱۳۶۰ھ

۹۲۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ڈاکٹر محمد حمید اللہ ادارہ اسلامیات انار کلی لاہور ص ۱۲۶ تا ۱۲۸ مزید دیکھئے ماخذ ہائے متن: تفسیر طبری ج ۲۶ ص ۶۱ سیرۃ ابن ہشام ص ۷۴۷ تا ۷۴۸ طبقات ابن سعد ج ۱ حصہ دوم ۲ ص ۷۴ ج ۲ حصہ ا ص ۷۰ تا ۷۱ تاریخ طبری ص ۱۵۴۶ تا ۱۵۴۷ فصل حدیبیہ تاریخ ابن کثیر ج ۴ ص ۱۶۸ تا ۱۶۹ تاریخ ابن الاثیر ج ۲ ص ۱۵۶ سیرۃ حلبی ج ۳ ص ۲۳ کتاب الاموال لابی عبید ص ۴۴۱ تا ۴۴۴ صحیح مسلم کتاب الجہاد فتوح البلدان بلاذری ص ۳۶ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۵۵ مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الخراج لابی یوسف ۱۲۷ کنز العمال ج ۵ نمبر ۵۵۳۴

۹۳۔ سیرت النبی ﷺ شبلی نعمانی ج ۲ ص ۳۷۸ اور صحیح بخاری باب بعثۃ النبی

۹۴۔ سیرت النبی ﷺ شبلی نعمانی ج ۲ ص ۳۷۸ مشکوۃ المصابیح باب اخلاق النبی ﷺ

۹۵۔ سیرت النبی ﷺ شبلی نعمانی ج ۲ ص ۳۷۹

۹۶۔ سیرت النبی ﷺ شبلی نعمانی ج ۲ ص ۳۷۹ اور طبقات ابن سعد غزوہ طائف

۹۷۔ سیرت النبی ﷺ شبلی ج ۲ ص ۳۸۸ صحیح مسلم مناقب اوس

۹۸۔ سیرت النبی ﷺ شبلی ج ا ص ۲۳۸۔۲۳۹

۹۹۔ الطبقات الکبریٰ ابن سعد ج ۲ ص ۱۳۶ زاد المعاد ابن قیم ج ا ص ۲۲۵

۱۰۰۔ پیغمبر اخلاق ص ۲۲۹

۱۰۱۔ اخلاق رسول ﷺ اخلاق حسین قاسمی مکتبہ رشیدیہ کراچی ص ۱۵۱ تا ۱۵۳

۱۰۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۹ ص ۱۴۴ بحوالہ مسلم ذکر وفود ج ۲ ص ۵۱۹

۱۰۳۔ ایضاً ج ۱۹ ص ۱۴۴۔۱۴۵ مزید دیکھیں رسول اکرم ﷺ کی سیاست خارجہ ڈاکٹر حمید اللہ ص ۱۰۸

۱۰۴۔ ادب المفرد امام بخاری باب لایوذی جارہ

۱۰۵۔ تفصیل کے لیے دیکھئے احادیث "جار الدار احق بالدار والارض منتظرلہ، و ان کان غائبا اذا کان طریقھما واحد ابوداؤد ابن ماجہ ترمذی مسند احمد

۱۰۶۔ ابوداؤد کتاب الادب۔ ادب المفرد بخاری باب شکایۃ الجار

۱۰۷۔ النساء ۳۶

۱۰۸۔ صحیح مسلم کتاب الایمان پیغمبر اخلاق ﷺ ساجد الرحمٰن ص ۲۱۶

۱۰۹۔ سنن ترمذی باب ماجاء فی حق الجار

۱۱۰۔ پیغمبر اخلاق ساجد الرحمٰن ۱۹۷

۱۱۱۔ پیغمبر اخلاق۔ ساجد الرحمٰن ص ۲۱۱

۱۱۲۔ سورۃ التحریم ۱۔۴

۱۱۳۔ زاد المعاد ابن قیم جوزی ج ا ص ۳۸ ۴ اور Encycllopaedia of Seerah Vol:1 p.51

۱۱۴۔ سورۃ الاحزاب ۳۰۔۳۱

۱۱۵۔ پیغمبر اخلاق ساجد الرحمٰن ص ۲۱۰ اور Encyclopaedia of Seerha Vol:I p.5

۱۱۶۔ سورۃ الشوریٰ ۱۱

۱۱۷۔ سورۃ الحجرات

۱۱۸۔ سورۃ آل عمران ۱۹۵

۱۱۹۔ سورۃ البقرہ ۲۲۸

۱۲۰۔ سورۃ بنی اسرائیل ۲۳

۱۲۱۔ سورۃ الاحقاف ۱۵ القمان ۲۳

۱۲۲۔ السنن الکبری کتاب الشفقات باب من احق منھا حسن الصحبۃ ج ۸ ص ص ۳۔۴، حدیث نمبر ۱۵۷۵۵

۱۲۳۔ اسلام میں عورت کی استثنائی حیثیت اور اس کی وجوہ شہزاد اقبال ص ۵

۱۲۴۔ اخلاق رسول۔ اخلاق حسین قاسمی ص ۱۶۲

۱۲۵۔ سورۃ البقرۃ ۱۸۷

۱۲۶۔ سورۃ الروم ۲۱

۱۲۷۔ قضایا المراۃ فی الشعر الحدیث ص ۲۰ بحوالہ سنن ابوداؤد

۱۲۸۔ صحیح مسلم باب خیر متاع الدین المراۃ الصالحۃ

۱۲۹۔ سنن ابو داؤد کتاب النکاح

۱۳۰۔ اسلام میں عورت کی استثنائی حیثیت اور اس کی وجوہ شہزاد اقبال ص ۵'

۱۳۱۔ ایضاً ص ۶

۱۳۲۔ ایضاً ص ۶

۱۳۳۔ پیغمبر اخلاق ساجد الرحمٰن ص ۲۳۰

۱۳۴۔ دیکھیے ماہنامہ بزم قاسمی کراچی اسلام میں خواتین کے حقوق مئی ۱۹۹۸ء دوسرا مضمون دیکھیں خواتین کے حقوق سیرت طیبہ کے تناظر میں' ماہنامہ بزم قاسمی انسانی حقوق نمبر دسمبر ۱۹۹۸ء مزید دیکھیں اردو دائرہ اسلامیہ ج ۱۹' ص ۲۴۷' Encyclopaedia of Seerha Vol:1 P.54

۱۳۵۔ سرور کونین ﷺ اغیار کی نظر میں سید شبیر احمد شاہ ص ۱۷'

۱۳۶۔ سورۃ المائدۃ ۵'۵

۱۳۷۔ اخلاق رسول ﷺ اخلاق حسین قاسمی حصہ دوم ص ۱۶۰

۱۳۸۔ سورۃ المائدۃ ۸۲

۱۳۹۔ فتوح البلدان بلاذری مطبوعہ مصر قاہرہ ص ۷۲' مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عروہ بن زبیر' ص ۲۳۴ اسلام اور مذہبی رواداری رئیس احمد جعفری ص ۵۲

۱۴۰۔ اخلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق حسین قاسمی حصہ دوم ص ۱۵۷

عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

شازیہ اجمعین، ایبٹ آباد

آئے روز خبر لگتی ہے۔ کہ دھماکہ ہو گیا۔ دہشت گردوں نے انسانی خون سے ہولی کھیلی۔ آجر اور اجیر کے درمیان اختلاف اور پھر تکرار کے نتیجے میں مزدوروں نے ہڑتال کر دی۔ آجر نے اپنے کارخانے میں ناکہ بندی کر دی۔ پولیس والوں نے بے گناہ شہری پر تشدد کیا اور پھر پولیس مقابلہ دکھا کر شہری گولیوں کا نشانہ بن گیا۔ پولیس اپنا موقف یہ بیان کرتی ہے کہ شہری مذکور دہشت گرد تھا۔ اس کی گرفتاری مطلوب تھی مگر وہ اپنے آپ کو قانون کے حوالے پر تیار نہ تھا۔

خبر آئی۔ کراچی میں خون کی ہولی کھیلی گئی۔ انسانی لاشوں پر شیطانی رقص کیا گیا۔ مشتعل ہجوم نے ٹریفک بلاک کر دی۔ گاڑیوں پر پتھراؤ کیا گیا اور کچھ کو نذر آتش کیا گیا۔ پاکستان کے سابقہ وزیر داخلہ میجر جنرل نصیر اللہ بابر کا کہنا ہے۔ "میرا ضمیر مطمئن ہے۔ ایم کیو ایم سے ذاتی حوالے سے زیادتی نہیں کی۔ ہر کیس کی عدالتی تحقیقات ہوئی۔ ہمارے دور میں کوئی معصوم شہری نہیں مارا گیا۔ کیا پنجاب اور سرحد کے لوگوں کو مارنے سے انسانی حقوق متاثر نہیں ہوتے۔ ایم کیو ایم ہمارا اپنا خون ہے۔ ان سے جنگ نقصان دہ ہو گی۔ (جنگ۔ مارچ ۱۹۹۶ء)

غور طلب بات ہے۔ کہ ایم کیو ایم کی جانب سے بوری میں بند لاشیں وزیر داخلہ موصوف کو ملیں اور وزیر داخلہ نے ایم کیو ایم کے لیے تحفے بھیجے۔ یہ سب کیا ہے؟ کیوں ہے اور اس کا علاج کیا ہے؟ کیونکہ فرقہ واریت بھی روز افزوں ہے۔ مسلمان مسلمان کا گلا کاٹ رہا ہے۔

یہ تو اپنے ملک کی بات ہے کہ بس کنڈیکٹر اور مسافر کے درمیان تکرار۔ دکاندار اور خریدار کے درمیان تکرار بعض، اوقات ہاتھاپائی تک پہنچ جاتی ہے۔ ذرا انسانی حقوق کے علمبرداروں سے پوچھیے۔ ان کے ہاں نسلی، لسانی اور نہ جانے کن کن ناموں سے نت نئے فتنے اٹھ رہے ہیں۔ بوسنیا۔ کوسوو اور قبرص میں نسلی تعصبات کو ہوا دے کر حیلوں بہانوں سے مسلمانوں کو ختم کرنے کا عمل جاری ہے۔ لیبیا کے خلاف کارروائی۔ خلیج کی جنگ اور تاحال جاری

کارروائی سامراجیت کے مظالم کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ رمزی یوسف اور اسمل کانسی کے خلاف مقدمہ چلانے والے کیا اس قابل نہیں کہ نہتے افغان عوام پر انہوں نے اسامہ بن لادن کے فرضی خطرے کے پیش نظر کروز میزائل پھینکے اور سوڈان کی ایک فیکٹری کو نشانہ بنایا۔ مگر امریکی وزیر خارجہ میڈیلین البرائٹ کا کہنا ہے کہ عالمی سطح پر امریکہ کے خلاف دہشت گردی کا خطرہ ہے۔

جنگ ۱۰ جنوری ۱۹۹۹ء کی خبر ہے "کولمبیا میں باغیوں نے ۱۵۰ افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا"۔ یہ تو چند مثالیں بطور نمونہ پیش کی ہیں۔

حالات وواقعات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم برداشت کے بڑھتے ہوئے اندرون پاکستان اور بیرون وطن رجحان نے نہ صرف سکون وآرام چھین لیا ہے بلکہ قانون کی بالادستی نافذ کرنے میں بھی سخت دشواری پیش آرہی ہے۔ یہ ایک لمحہ فکریہ ہے۔ اس کا حل سوچنا ہوگا۔ جذبہ برداشت پیدا کرنا ہوگا۔ بحیثیت مسلمان ہمارے سامنے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک بہترین نمونہ ہے۔ اسی سیرتِ پاک کی روشنی میں انسانی حقوق اور باہمی برداشت کا چارٹر پوری دنیا کو امن وسکون کا گہوارہ بنا سکتا ہے۔ تو آیئے دیکھتے ہیں کہ عدم برداشت بالمقابل برداشت تحمل وبردباری اور رواداری پر کس طرح قابو پایا جاسکتا ہے۔

برداشت کا مترادف تحمل ہے۔ جس کے معنی کوشش کرنا۔ اٹھانا مشقت کرنا ہیں۔ اسے حلم اور بردباری کا نام بھی دیا گیا ہے۔

شرعی اصطلاح میں برداشت وتحمل طبیعت کی وہ صفت ہے "جس سے انتقام کی قوت کے باوجود کسی ناگوار' اشتعال انگیز۔ جوش وغضب اور غصہ پر انسان قابو پالے۔ اس صفت سے متصف انسان نہ آپے سے باہر ہوتا ہے۔ نہ محبت ودوستی یا بغض و عناد میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑتا ہے۔ یہ صفت انسان میں بلند حوصلگی' رواداری اور بردباری پیدا کرتی ہے۔ اور یہی انسانیت کا حسن ہے۔ قرآن مجید کا پیغام ذرا ملاحظہ فرمائیں "جب جاہل اور گنوار لوگ انہیں مخاطب کریں تو یہ سلام کہہ دیں"۔

تعلیمات احادیث کی روشنی میں

چند احادیث موضوع کی مناسبت سے پیش کی جاتی ہیں۔

☆ ایک شخص نے بار بار درخواست کی "یارسول اللہ! مجھے کچھ نصیحت فرمایئے" آپ ﷺ نے فرمایا "غصہ نہ کیا کرو"۔

☆ اشج عبد قیس کی قیادت میں ۴ اسواروں کا وفد آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اشج عبد قیس سے آپ ﷺ نے فرمایا "تم میں دو خوبیاں ایسی ہیں جو اللہ کو پسند ہیں"۔

حلم اور متانت

☆ جو شخص قدرت کے باوجود غصہ کو پی جاتا ہے۔ قیامت کے روز اللہ رب العزت سب کے سامنے اسے انعام کا مستحق ٹھہرائیں گے۔ (ترمذی)

☆ ایک شخص خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگا "میرے حضور ﷺ میرے کچھ رشتہ دار ہیں۔ میں ان سے رشتہ جوڑتا ہوں وہ توڑتے ہیں۔ میں پھر جوڑتا ہوں وہ پھر توڑتے ہیں"۔ فرمایا: "تم ان کے منہ میں راکھ بھر رہے ہو اور جب تک اس روش پر چلو گے اللہ تمہارے ساتھ ہے"۔

☆ حضور ﷺ نے فرمایا "پہلوان وہ نہیں جو حریف کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ پر قابو پا لے"۔ (بخاری۔ کتاب الآداب)

☆ حضور ﷺ نے بلندی درجات اور رفعتِ منازل کے لیے تحمل و بردباری اپنانے کی نصیحت کی ہے۔

☆ آپ ﷺ کا فرمان ہے: "جو شخص قیامت میں بلند درجات کا خواہاں ہے۔ اسے چاہیے کہ جو اس کے ساتھ ظلم کرے۔ اسے معاف کر دے۔ جو اس سے بخل کرے وہ اس سے سخاوت کرے۔ جو تعلق توڑے وہ اسے جوڑ دے اور جس سے ضد کرے وہ برداشت کرے"۔ (ترمذی)

تعلیمات نبویؐ کردار و عمل کے تناظر میں

☆ اعلانِ نبوت کے بعد جب آپ ﷺ مکہ کی گلیوں سے گزرتے تو کفارِ مکہ شہر کے شریر لونڈوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیتے۔ وہ آپ ﷺ پر آوازے کستے۔ پتھر مارتے۔ ایذا پہنچاتے۔ کبھی کبھار ایسے بھی ہوا کہ آپ ﷺ ابو سفیان کے مکان کے پاس سے گزر رہے ہوتے۔ تو ان کے گھر میں داخل ہو جاتے۔ وہ اگرچہ مسلمان نہ ہوئے تھے مگر ذاتی شرافت کا مظاہرہ کرتے اور ان شریر لڑکوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر بھگا دیتے۔

☆ اہل یاسرؓ پر ظلم و ستم ہوتے دیکھتے تو فرماتے "اے اہل یاسرؓ! صبر کرو"۔

☆ ابو جہل کی ایذا رسانیاں اور اپنے چچا ابو لہب کا انتہائی گستاخانہ رویہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ مگر آپ ﷺ جوابی کارروائی نہ فرماتے۔

☆ مکہ والوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ آنحضرت کا سوشل بائیکاٹ کیا جائے پورے بنی ہاشم (ابو لہب کے سوا) کو شعبِ ابو طالب میں محصور رہنا پڑا نہ بات چیت۔ نہ سودا سلف خریدنے اور بیچنے کی اجازت اور نہ کسی وا[illegible] نوعیت کا تعلق۔ مگر تحمل و بردباری سے یہ سب کچھ برداشت کر لیا گیا۔

☆ آپ ﷺ نے طائف کا سفر کیا تو عبدیالیل نے اوباش لڑکوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ جنہوں نے پتھر مار مار کر آپ ﷺ کو لہولہان کیا۔ جوتے خون سے بھر گئے۔ چہرہ مبارک سے بہنے والے خون کو اپنے کمبل سے صاف کیا۔ غیرتِ ایزدی جوش میں آئی۔ جبرائیلؑ کو بھیجا گیا۔ انہوں نے حاضر ہوتے ہی پر مار کر بستی کو تباہ کرنے کی اجازت چاہی مگر آپ ﷺ نے فرمایا "میں رحمۃ اللعلمین بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔ سچ ہے کہ ۔

خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
آپ ﷺ پر ہزاروں درود ہزاروں سلام

☆ ذرا غور فرمائیں۔ آپ ہجرت فرما رہے ہیں۔ صدیق اکبرؓ آپ ﷺ کے ساتھ ہیں حضرت علیؓ کو آپ ﷺ پر اپنے بستر پر چھوڑ گئے ہیں کہ امانتیں لوٹا کر آملیں۔ سرداران قریش اعلان کرتے ہیں کہ "محمد ﷺ کے سر کا انعام ایک سو اونٹ" سراقہ بن جعشم مسلح ہو کر تلاش کے لیے نکل کھڑا ہوتا ہے۔ اور سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا آپ ﷺ کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ پریشان ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ دعا فرماتے ہیں۔ اس کا گھوڑا تین بار زمین میں دھنستا ہے۔ اپنے پانسے کے تیر پھینکتا ہے۔ ہر بار نتیجہ نکلتا ہے۔ واپس جاؤ۔ نفسیاتی دباؤ کا شکار ہو کر آپ ﷺ سے امان طلب کرتا ہے۔ کہ خدا جب آپ ﷺ کو قریش پر برتری دے۔ تو اسے معاف کر دیا جائے۔ امان نامہ اسے لکھ دیا جاتا ہے۔ وہ فتح مکہ کے بعد اسلام لاتا ہے۔ آپ ﷺ اس سے پوچھتے تک نہیں۔ "یہ کیا حرکت تم نے کی تھی؟"۔

☆ عمیر بن وھب غزوۂ بدر کے بعد ایک قریشی سردار صفوان بن امیہ سے ساز باز کر کے اپنی زہر میں بجھی ہوئی تلوار کے ساتھ مدینہ آتا ہے کہ موقعہ ملتے ہی نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو شہید کر دے۔ ناگاہ وہ گرفتار ہو جاتا ہے اس کا جرم ثابت ہو جاتا ہے مگر نبی رحمت اسے معاف فرما دیتے ہیں۔

☆ فتح مکہ کے بعد عمیر بن وہب دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ صفوان بن امیہ مکہ سے بھاگ گیا ہے کہ اپنے آپ کو سمندر میں ڈال دے۔ ارشاد ہوتا ہے "صفوان کو عمامہ دے" عمیر امان کی نشانی کے طور پر آپ ﷺ کا عمامہ لے کر صفوان کے پاس پہنچتا ہے۔ صفوان کو جان کا خطرہ ہے۔ مگر عمیر انہیں یقین دلاتا ہے کہ تمہیں محمد ﷺ کے حلم کا علم نہیں۔ آستانہ نبوی پر حاضر ہو کر دو مہینے کی مہلت طلب کرتا ہے۔۔ چار مہینے کی مہلت ملتی ہے۔ ابھی مہلت میں دن باقی ہیں اور وہ دامنِ اسلام سے وابستہ ہو جاتا ہے۔

☆ سفر طائف کے دوران عبدیالیل کی ایذارسانی۔ تمسخر اور استہزاء کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اس کا ذکر

پہلے ہو چکا ہے۔ آج وہ مدینہ میں وفد لے کر آیا ہے۔ اس کا خیمہ مسجد نبوی میں لگا دیا گیا ہے۔ اس کی عزت افزائی کا یہ عالم ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اس کے پاس بیٹھتے ہیں۔ اپنے دشمن کو درد بھری داستان سناتے ہیں۔ کتنا سچا ہے رحمتِ مجسم کا یہ فرمان "تو اپنے دشمن سے پیار کر اور معاف کر" قرآن مجید نے اس نرم روی۔ عفو و درگزر اور صبر و برداشت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لا نفضوا من حولك

"خدا کی رحمت ہی کے ساتھ آپ ﷺ ان کے ساتھ نرم رہے۔ اگر آپ ﷺ تند خو' سخت مزاج ہوتے تو وہ سب آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔

☆ فتح خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت نے (زینب بنت حارث) نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے چند صحابہؓ کو کھانے پر مدعو کیا اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ کھانا چکھتے ہی آپ ﷺ نے تھوک دیا اور صحابہؓ کو بھی کھانے سے منع فرمایا۔ بشر بن براءؓ لقمہ لے چکے تھے۔ حفظِ مراتب کا خیال کرتے ہوئے آپ ﷺ کے سامنے تھوکنا مناسب نہ سمجھا۔ اسی سے ان کی موت واقع ہوئی۔ یہودی عورت کو بلایا گیا۔ اس نے پوری سازش کی تفصیل بتادی۔ چھان بین کے دوران سازشیوں نے اپنے منصوبے کے بارے میں تسلیم کیا۔ عالی ظرف نبی رحمت ﷺ نے ان دشمنانِ خدا کو معاف کر دیا۔ حالانکہ آپ ﷺ ان کو سزا دینے پر پوری طرح قادر تھے۔

☆ آپ ﷺ ایک غزوہ کے لیے تشریف لے گئے۔ راستے میں دورانِ قیام ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے۔ اچانک دشمن نے تلوار لہراتے ہوئے کہا "اے محمد ﷺ اب تمہیں کون بچائے گا" آپ ﷺ نے فرمایا "میرا اللہ" دشمن کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور آپ ﷺ نے اٹھالی۔ فرمایا "اب بتاؤ تمہیں کون مجھ سے بچائے گا" وہ دشمنِ رب تعالیٰ مبہوت ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اسے تلوار واپس کر دی اور فرمایا "جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا" اس حسنِ سلوک پر وہ شخص مسلمان ہو گیا۔

مفاسد کا زیروزبر کرنے والا   بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا

☆ ہجرت سے پہلے کا زمانہ ہے۔ دو یہودی حقیقت حال کا جائزہ لینے مکہ آتے ہیں اور اپنے دوست بقال کے پاس ٹھہرے اور اپنی آنکھوں سے آنحضرت ﷺ پر ظلم و ستم ہوتے دیکھا تو تھرا گئے۔ آپ ﷺ کی پیشانی سے خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے۔ اپنے کمبل سے خون صاف کیا اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی:
"معبود حقیقی میری قوم کی غلطیوں سے درگزر فرما۔ یہ ناسمجھ ہیں۔ انہوں نے مجھے پہچانا نہیں"۔ آپ واقعی خطاکار سے درگزر کرنے والے تھے۔ یہودیوں کی چیخ نکل گئی۔ دونوں دستِ مبارک پر ایمان لے آ

آئے۔ وہ جانتے تھے کہ اس ظلم و ستم پر اپنے نفس کو مغلوب کرنا بس پیغمبر ہی کا کام ہے۔

☆ حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ صلح حدیبیہ کے دن تھے۔ عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ! میری والدہ مدینہ آئی ہیں اور مالی امداد کی طلب گار ہیں۔ مگر اس حال میں کہ اسلام سے بیزار۔ کیا میں ان کی اعانت کروں؟" فرمایا "ضرور امداد کرو"۔

☆ ایک دن ایک اجنبی آپ ﷺ کے ہاں بطور مہمان قیام کرتا ہے آپ ﷺ ہر طرح سے اس کا اکرام کرتے ہیں۔ مگر وہ بد طینت ایذا رسانی کے خیال سے بستر پر غلاظت کر کے منہ اندھیرے نکل جاتا ہے۔ مگر جلدی میں اپنی تلوار بھول جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ تشریف لاتے ہیں۔ گندگی دیکھ کر اپنے مبارک ہاتھوں سے بستر کو دھوتے ہیں۔ تلوار یاد آنے پر وہ اجنبی واپس آتا ہے تاکہ چپکے سے تلوار لے جائے مگر اللہ کے رسول ﷺ کو بستر صاف کرتے دیکھتا ہے۔ آپ ﷺ نہ اس کو ڈانٹتے ہیں اور نہ اس بد تمیزی پر خفا ہوتے ہیں۔ بلکہ فرماتے ہیں "تم اپنی تلوار بھول گئے تھے۔ یہ رکھی ہے لے جاؤ"۔ محبت و خلوص اور تحمل و بردباری کا یہ وار خطا نہیں جاتا اور وہ شخص بے ساختہ کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے۔

☆ ہبار بن الاسود کئی شرارتوں کا مرتکب ہے۔ اور حضور ﷺ کی بیٹی حضرت زینبؓ کا قاتل بھی۔ فتح مکہ والے دن اس کا خون ہدر کیا جاتا ہے۔ وہ ملک چھوڑ کر ایران بھاگ جانا چاہتا ہے۔ مگر کچھ سوچ کر دربارِ رسالت پر حاضر ہو کر سر رکھ دیتا ہے۔ اپنا سر جھکا لیتا ہے اور اپنے خلاف سارے الزامات کی تصدیق کرتا ہے۔ "میں حاضر ہوں اور آپ ﷺ کے حلم کا بھی مجھے علم ہے" رحمتِ عالم ﷺ انہیں دامنِ اسلام سے وابستہ کر لیتے ہیں اور ان کا خون بھی معاف کر دیا جاتا ہے۔

☆ فتح مکہ کا دن ہے۔ فتح سے ایک آدھ دن پہلے حضرت عباسؓ کی معیت میں ابو سفیان حاضر ہوتے ہیں۔ انہیں اپنے رویے اور اسلام دشمنی کا بھی خوب علم ہے۔ گو اس کا ہر جرم اس کے قتل کے لیے حجت ہے۔ مگر رحمت دو عالم۔ ہادی برحق کا عفو عام دیکھیے کہ صحابہ کرام ان کے قتل کی اجازت طلب کرتے ہیں مگر آپ ﷺ ان کو تسلی دیتے ہیں۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ابو سفیان کو معافی مل جاتی ہے اور وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ ان کے مراتب کا بھی خیال رکھا جاتا ہے اور ان کے گھر کو بھی دارالامن قرار دے دیا جاتا ہے۔

☆ آج ابو سفیانؓ کی بیوی ہندہ بھی نقاب ڈالے حاضر ہے اس کی گستاخانہ حرکتیں اب بھی جاری ہیں۔ آپ ﷺ ان سے تعرض نہیں فرماتے۔ عفو و درگزر کا یہ رویہ دیکھ کر پکار اٹھتی ہے "اے محمد ﷺ! آج سے پہلے تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی خیمہ سے مجھے نفرت نہ تھی۔ لیکن آج اس خیمہ سے زیادہ کوئی خیمہ

زیر آسمان مجھے عزیز نہیں"۔ یہ وہی ہندہ تو ہے جس نے حضرت حمزہؓ کی لاش کا مثلہ کیا۔ انکا کلیجہ کچا چبایا اور ناک کان کاٹ کر گلے کا ہار بنایا۔ اس سے زیادہ دلآزاری اور کیا ہو سکتی تھی۔ مگر رسولِ خدا نے ان کو معاف کر دیا۔

☆ وحشی جس نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔ آج وہ بھی نظریں جھکائے خفت اٹھائے حاضر ہے۔ امان طلب کرتا ہے اور اسلام کے دامن سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ صرف اتنا فرماتے ہیں۔ میرے سامنے نہ آیا کرو۔ مجھے اپنے چچا کی یاد آنے لگتی ہے۔ واقعی آپ ﷺ کے دکھ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ شہدائے احد کی تعزیت کے لیے خواتین جانے لگیں تو آپ نے فرمایا "آج حمزہؓ کو رونے والا کوئی نہیں" صحابہ کرام نے پہلے خواتین کو حضرت حمزہ کی بہن کے پاس بھیجا۔

وحشی فتح طائف کے بعد بھاگ گیا مگر خدا کی زمین کو اپنے اوپر تنگ پایا اور اسی میں بھلائی دیکھی کہ رحمۃ للعٰلمین ﷺ کے در پر دست دے۔

☆ فتح مکہ والے دن لشکر اسلام کے مختلف دستے اطراف وجوانب سے شہر مقدس میں داخل ہوتے ہیں۔ انجیل مقدس کی یہ پیشن گوئی پوری ہوتی معلوم ہوتی ہے۔ "دس ہزار قدسیوں کے ساتھ شہر مقدس میں داخل ہوگا"۔ داخلے کے وقت انصار کے دستے قائد حضرت سعد بن عبادہؓ بلند آواز سے کہتے ہیں "آج کشت وخون کا دن ہے۔ آج کعبہ کی حرمت حلال ہوگی۔ آپ ﷺ نے سنا تو حضرت سعدؓ سے جھنڈا لے لیا اور خفگی کا اظہار کیا۔ اور اعلان فرمادیا۔

"جو شخص کعبہ میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔ کوئی ہتھیار ڈال دے اسے بھی امان ہے۔ جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ہے اور جو اپنے گھر کا کواڑ بند کر لے اسے بھی امان ہے"۔

آج سارے دشمن سامنے کھڑے ہیں۔ سر جھکائے خفت وندامت سے پسینے میں شرابور۔ پیغمبر خدا ﷺ فرماتے ہیں "جانتے ہو میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں"۔ سب نے بیک آواز جواب دیا "ہم آپ ﷺ سے بھلائی کی توقع رکھتے ہیں کہ آپ ہمارے شریف بھائی اور عم زادے ہیں" آپ ﷺ فرماتے ہیں" جاؤ تم سب آزاد ہو۔ آج تم سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔" دشمن کو اس وقت معاف کر دینا جب انتقام لینے کی توفیق ہو۔ اسے کہتے ہیں دوسروں کو برداشت کرنا۔

☆ آپ ﷺ کو شعبِ ابی طالب میں محصور کرنے والے جب قحط سالی کا شکار ہوتے ہیں اور یمامہ کا سردار ثمامہ بن اثال ان کو غلہ کی ترسیل روک دیتا ہے۔ تو حالت کفر میں اس توقع پر دربار مدینہ سے یہ سفارش کرواتے ہیں کہ ان کو غلہ بھیجنا بند نہ کرو۔

☆ ذرا غور کرو۔ عکرمہ بن ابو جہل اسلام دشمنی میں بہت سخت تھا۔ فتح مکہ والے دن یمن کی طرف بھاگ گیا۔ ان کی بیوی ام حکیمؓ نے ان کے لیے امن کا پروانہ لیا۔ اور خاوند کو دربارِ رسالت میں حاضر کر دیا۔ جب آپ ﷺ نے عکرمہ کو آتے دیکھا تو اس انداز میں والہانہ استقبال کے لیے آگے بڑھے کہ چادر مبارک کندھے سے کھسکتی اور زمین پر گھسٹی چلی جاتی تھی۔ بدترین دشمن کو خوش آمدید کہنے کا یہ انداز قابل تحسین ہے۔

لا یمکن الثناء کما کان حقہ   بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

☆ رسول کریم ﷺ کی عنایات دیکھنی ہوں تو بدر کے قیدیوں سے پوچھیں۔ اپنوں سے محبت کو جانچنا ہو تو غزوہ احزاب کے موقع پر صحابہ کے دوش بدوش خندق کھودنے کے عمل پر غور کرو۔ دشمنوں کو معاف ہوتے دیکھنا چاہو سہیل بن عمرو کو دیکھو کہ آپ ﷺ کی ہجویات بیان کرتا ہے۔ آپ ﷺ کے خلاف دھواں دھار تقریریں کرتا ہے۔ بدر سے پہلے لوگوں کو جنگ پر ابھارتا ہے۔ حضرت عمرؓ اجازت طلب کرتے ہیں کہ اس کے نیچے والے دو دانت توڑ دیئے جائیں تاکہ اچھی طرح بول نہ سکے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ اگر میں اس کے جسم کے اعضاء توڑ دوں گا تو اللہ میرے ساتھ بھی یہی معاملہ فرمائے گا۔ حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نچوڑ دیکھنا ہو تو خطبہ حجۃ الوداع کا مطالعہ کریں۔ یہ خطبہ محبت و آشتی کا پیغام اور امنِ عالم کا اعلان ہے۔ فرماتے ہیں۔ "تمہاری جان' تمہارا مال اور تمہاری عزت ایک دوسرے کے لیے اسی طرح محترم ہے جیسے آج کا دن۔ یہ مہینہ اور یہ شہر محترم ہے" "زیادتی نہ کرو۔ زیادتی نہیں کی جائے گی"۔

"زمانہ جاہلیت کے تمام خون معاف کر دیئے گئے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے ربیعہ بن الحارث کا خون معاف کرتا ہوں"۔

"لوگو! عورتوں کے تمہارے اوپر اور تمہارے عورتوں پر حقوق ہیں۔ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو"۔

"تمہارے غلام! جو خود کھاؤ انہیں بھی کھلاؤ اور جو خود پہنو انہیں بھی پہناؤ"۔

خلاصہ کلام

آج دنیا تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے۔ انسانی نفرتوں کا لاوا ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ یک براعظمی قوت کے تصور نے مغرب بلکہ امریکہ کو بدمست کر رکھا ہے۔ ظلم وبربریت کا دور دورہ

ہے۔ کمزور ممالک کا استحصال ہو رہا ہے۔ انصاف کے دوہرے معیار مقرر ہیں۔ فیصلے دشمن کو دیکھ کر کیے جاتے ہیں۔ عالمی برادری گونگ سونگ کھڑی ہے۔ معاشی' معاشرتی' سیاسی' نفسیاتی استحصال جاری ہے۔ نفسا نفسی اور افراتفری کے اس دور میں امن و آشتی کی بات۔ صلح و صفائی کے بعد۔ تحمل و بردباری کی بات دیوانے کی بڑ معلوم ہوتی ہے۔ مگر کیا کیا جائے کہ ہم اس نبی امی ﷺ کے ماننے والے ہیں۔ جس کے باعث

عرب جس پہ صدیوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا

تضادات مٹے۔ تورویوں نے درست سمت پکڑی۔ سمت درست ہو جائے اور حرکت کا جذبہ موجود ہو تو بس منزل گام رہ جاتی ہے۔

آج دنیا قرآن اور فرامین رسولِ عربی سے روشنی لے کر اس دلدل سے نکل سکتی ہے۔

☆ ہم پاکستانیوں کے لیے بھی لمحہ فکریہ ہے۔ ذات پات' زبان اور علاقے تو پہچان کا ذریعہ ہیں۔ مسلمانوں کے مختلف فرقے فروعی مسائل میں کچھ کچھ اختلافات رکھتے ہیں۔ مگر درخت تو ایک ہی ہے۔ شجر اسلام کیوں نا بنیاد پر توجہ دیں۔

ڈار سے وابستہ رہیں۔ کہ ڈار سے جدا چڑیا راستہ بھول جاتی ہے۔
شجر سے پیوستہ رہ کر ہی امید بہار رکھی جاسکتی ہے۔
خدائے لم یزل ہمیں سیرتِ رسول ﷺ سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے
ہم چشم تصور میں لائیں میثاقِ مدینہ کو۔ کہ جس کے ذریعہ مدینہ کے یہودیوں اور عیسائیوں نے آپ ﷺ کی بالادستی قبول کرلی۔ اور آپ ﷺ نے ان کو برابر کے حقوق دیئے۔

■ ۲ جنوری ۱۹۴۸ء کو قوم کے نام پیغام میں قائداعظم نے فرمایا:

"صوبائیت ایک لعنت ہے۔ یہ ایک بیماری ہے اور میں پاکستان کے مسلمانوں کو اس سے نجات دلانا چاہتا ہوں۔ کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتی جب تک وہ ایک عزم کے ساتھ متحد ہو کر نہ چلے۔ سب پاکستانی ہیں اور مسلمان ہیں"۔

☆ ہمیں ہرگز نہ بھولنا چاہیے کہ تمام مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں اور ان کو ایک جسد اللہ کی کتاب اور رسول ﷺ کی سنت بناتی ہے۔ ہمیں فرقہ واریت کے نتائج سے آگاہ کر دیا گیا ہے اور اللہ کے

پسندیدگی کا معیار بھی بتا دیا گیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ باہمی افہام و تفہیم کو شعار بنائیں۔ ایثار و قربانی' تحمل و بردباری ہماری راہ ہو اور ملک و ملت سے وفاداری بشرطِ استواری رکھیں۔ جیو اور جینے دو کے اصول کو اپنائیں۔ عفو و درگزر ہمارے کردار کی بنیاد ہو تو باہمی رنجشیں اور رقابتیں ختم ہوں گی۔ نفرتیں اور کدورتیں دم توڑ دیں گی۔ ایک دوسرے کا نقطہ نظر سمجھنے اور سمجھانے کا رجحان فاصلے کم کر دے گا۔ اسلام اور پاکستان ہماری پہچان ہو گی۔ اندرونی دشمن بد دل ہوں گے۔ اور بیرونی دنیا کے لیے ہمارے رسول ﷺ کا اسوہ حسنہ مشعلِ راہ کا کام دے گا۔ انصاف کے مسلمہ معیار پر پروان چڑھیں گے تو ظالم کے ہاتھ رکیں گے اور کمزور بھی امن۔ سکھ اور چین کا سانس لے گا۔ حق جب حقدار کو دینے کا اصول مان لیا جائے تو نہ عراق جھگڑا کھڑا ہو گا۔ نہ بوسنیا۔ چیچنیا اور کوسوو جیسے حالات پیدا ہوں گے۔

آنحضرت ﷺ کے آخری خطبہ کو ایک نہ ایک دن انسانی حقوق کے نام نہاد علمبردار تسلیم کر لیں گے۔ ورنہ عدم برداشت کے مظاہرے ہوتے رہیں گے اسباب و علل کو دور کرنا ہو گا۔ انسان رویوں میں تبدیلی آجائے گی۔ ان شاء اللہ

کتابیات

۱۔ قرآن مجید

۲۔ ہفتہ وار ہلال عید میلاد نمبر ۱۹۹۰ء

۳۔ سیرت النبی۔ مولانا شبلی نعمانی

۴۔ خطبات بہاولپور۔ ڈاکٹر حمید اللہ

۵۔ پیغمبر اخلاق' صاحبزادہ ساجد الرحمٰن

۶۔ کلیات اقبال

۷۔ راہ عمل' مولانا جلیل احسن ندوی

۸۔ بتول' بچیوں کا رسالہ

عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

آمنہ یعقوب، راولاکوٹ

آج کی دنیا کو گلوبل ویلج کہا جاتا ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا جب دنیا کے کسی بڑے ملک یا شہر میں ہونے والے اہم واقعہ کی خبر مدتوں اور دوسرے علاقوں تک پہنچتی تھی۔ اور آج حال یہ ہے کہ سیٹلائٹ، انٹرنیٹ، اور ڈش کی دنیا اس مقام تک پہنچ چکی ہے کہ دنیا میں ہونے والے کسی بھی اہم واقعہ کو براہ راست دنیا کے ہر کونے میں دیکھتے ہیں یا دیکھ سکتے ہیں اور Action Replay کی صورت میں بار بار دیکھ سکتے ہیں۔ کہاں وہ دور کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ، ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک پہنچنے کے لیے مہینوں اور سالوں کا سفر اختیار کرنا پڑتا تھا اور آج چند گھنٹوں میں لوگ ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک کا سفر بغیر کسی مشقت اور تکلیف کے کر لیتے ہیں۔ بلکہ اس دنیا کی بات کیا، انسان چاند پر پہنچ چکا ہے اور مریخ اور دیگر سیاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے۔ لیکن اس تمام ترقی کے باوجود انسان...... انسان نہیں بن سکا۔ یہ چاند تک تو پہنچ گیا لیکن آج تک اپنے غریب اور بیمار پڑوسی تک نہیں پہنچ سکا۔ آج کا انسان اپنی ہی جنس کے دوسرے انسانوں کو برداشت کرنا نہیں سیکھ سکا ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں، آدم علیہ السلام اور حواؑ کے بیٹے ہونے کے باوجود ہم نے عالم انسانیت کو نسل، رنگ، زبان، علاقے اور مذہب کی بنیاد پر نہ صرف تقسیم کیا بلکہ اپنے علاوہ کسی دوسرے کے وجود کو برداشت ہی نہیں کر پا رہے۔

قومی سطح پر نظر دوڑائیں تو سیاسی، علاقائی، مذہبی اور لسانی بنیادوں پر ہم سرے سے برداشت کا مادہ ہی نہیں رکھتے۔ صرف مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ کا مشترکہ اجلاس) کے حالیہ اجلاس ہی کو مثال بنالیں۔ صدر مملکت کے خطاب کے دوران دنیا بھر کے ممالک کے سفیروں اور عالمی میڈیا کی نظروں میں ہماری اپوزیشن جماعتوں نے جو انداز اختیار کیا اور جمہوری روایات اور انسانی قدروں کا حلیہ بگاڑا گیا یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ سیاسی میدان میں ہم اپنے مخالف کو کسی طور پر برداشت نہیں کرتے اور قصور صرف موجودہ اپوزیشن کا نہیں گزشتہ عرصے میں جب موجودہ حکمران اپوزیشن میں تھے تو ان کا احتجاج کا بالکل یہی انداز تھا اور موجودہ حکومت جس طرح اپوزیشن کو دبانے

کے لیے میڈیا ٹرائل کر رہی ہے بعینہ موجودہ اپوزیشن جب ماضی میں ایوان اقتدار میں براجمان تھی ان کا اپوزیشن سے سلوک بالکل اسی نوعیت کا تھا......اس سے ہم اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہم مخالف آواز یا رائے کو برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے۔ سیاست کے میدان میں سیاسی رہنماؤں میں سوچ کی پختگی کے بجائے بچگانہ فیصلے اور رویے ہی سامنے آ رہے ہیں جس سے اس امر کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ارباب سیاست میں عدم برداشت کا رجحان روز بروز بڑھ رہا ہے۔

مذہبی بنیادوں پر گروہ بندی کا یہ حال ہے کہ ایک ہی دین مبین کے ماننے والے متعدد گروہوں اور فرقوں میں بٹ چکے ہیں۔ اہل سنت اور اہل تشیع میں ایسے ایسے گروہ وجود پا چکے ہیں کہ عین رمضان المبارک میں مسجدوں اور امام باڑوں میں بم پھینکے جا رہے ہیں اور بے گناہ مسلمان نمازیوں کو شہید کیا جا رہا ہے۔ مساجد کے ممبرز پر سے مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کا درس دینے کے بجائے مسلمانوں کو فرقہ بندی اور تعصب کے لیے ابھارا جا رہا ہے اسی کیفیت کو دیکھ کر علامہ اقبال تڑپ اٹھے تھے۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

علامہ اقبال کے اس شعر کو پڑھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ آج کے حالات ہی کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے یہ لکھا ہے۔ مذہبی مکاتب فکر کے اس اختلاف نے بعض افراد اور گروہوں کو ذہنی مریض بنا دیا ہے اور پھر دینی گروہوں کی اس چپقلش سے دشمن کے ایجنٹ بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور وہ جلتی پر تیل کا کام کر کے معمولی سے مناقشے کو فساد کی شکل دے دیتے ہیں اسی المیہ نے گزشتہ چند سالوں میں اہل سنت اور اہل تشیع کے بڑے بڑے علماء کرام کو موت کی نیند سلا دیا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مذہبی و فقہی اختلاف رائے کو دشمنی کا رنگ دے دیا گیا ہے اور دوسرے کے وجود کو برداشت کرنے کا حوصلہ ہی باقی نہیں رہا۔

روشنیوں کا شہر کراچی آج لہو لہو ہے وہ دن بہت مبارک ہوتا ہے جس روز کسی بے گناہ کا خون نہ بہے۔ آج جب یہ سطور لکھ رہی ہوں تو ریڈیو پاکستان اور پی ٹی سی سے بھوجا ایئر لائن کے مالک فاروق صاحب کے بیٹے کے قتل کی خبر نشر ہوئی ہے۔ جسے چند روز پہلے اغوا کر لیا گیا تھا اور اس کی رہائی کے لیے پانچ کروڑ روپے مانگے گئے اور چند روز بعد اس کی نعش ہی مل سکی۔ جماعت دہم میں پڑھنے والے آصف بھوجا جیسے معصوم کا خون آخر کس جرم کی پاداش میں بہایا گیا۔ اور گزشتہ دس بارہ سالوں سے کراچی کے گلی کوچوں میں جو خون بہہ رہا ہے اس کا حساب کس سے لیا جائے گا......؟ کراچی جو ۱۹۸۵ء سے پہلے ایک پر امن شہر تھا جہاں ہر طرف بھائی چارے اور امن و اخوت کا دور دورہ تھا جہاں ہر بے روزگار کو کم از کم اتنا روزگار ضرور مل جاتا تھا کہ وہ خود بھی اور اپنے بال بچے کو بھی دو وقت کی روٹی عزت

سے فراہم کر سکے۔ وہاں لسانی بنیادوں پر تنظیمیں بنیں' مہاجر اور سندھی' مہاجر اور پٹھان' مہاجر اور پنجابی جھگڑے شروع ہوئے اور پاکستان کی تاریخ میں اپنوں ہی کے ہاتھوں اپنوں ہی کا خون مشرقی پاکستان کے بعد شاید بلامبالغہ واقعی صرف کراچی ہی میں بہایا گیا۔ اور بہایا جا رہا ہے۔ اور یہ سب کچھ ایک دوسرے کے وجود کو تسلیم نہ کرنے اور برداشت نہ کرنے ہی کے سبب سے ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔

پاکستان کی حدود سے باہر کے مناظر ملاحظہ کریں تو وہاں کی تصویر بھی بڑی بھیانک نظر آتی ہے بھارت جو ہمارا بڑا پڑوسی ملک ہے وہاں اس کے قیام سے آج تک مسلمانوں کے وجود کو مٹانے کے لیے ہر سازش اور ہر ہتھکنڈا استعمال کیا گیا۔ ہندو قوم پرست" بنیاد پرست تنظیموں راشٹریہ سیوک سنگھ نے ماضی میں اور شیوسینا' وشوہندو پریشد اور بھارتیہ جنتا پارٹی بھارتی مسلمانوں کے خلاف دور حاضر میں کھلی تلوار کی مانند ہیں۔ ۱۹۴۷ء سے آج تک بھارتی مسلمانوں کے ساتھ جو ظالمانہ اور سفاکانہ سلوک ہوتا رہا ہے اس کی نظیر برصغیر کی تاریخ میں اور کوئی نظر نہیں آتی۔ نوجوانوں' بوڑھوں اور بچوں کا قتل عام ہوتا رہا ہے اور ہندو مسلم فسادات کے نام سے مسلمانوں کی نسل کشی ہوتی رہی ہے ان کے گھروں' دکانوں اور مساجد کو نظر آتش کیا جاتا رہا ہے بابری مسجد کی شہادت کا سانحہ تو چند سال پہلے کی بات ہے۔

اور اب گزشتہ سال سے ہندو بنیاد پرست تنظیمیں عیسائیوں کے خلاف کارروائیوں میں مصروف ہیں چند ماہ پہلے ایک آسٹریلوی پادری اور اس کے بیٹوں کو زندہ جلانے کا واقعہ ہندومت کے نام لیواؤں کے اس بھیانک چہرے کو سامنے لاتا ہے کہ ہندو اپنے سوا کسی دوسرے کے وجود کو برداشت کرنے کی خاصیت ہی اپنے اندر نہیں رکھتا۔ مسلمان ہوں یا عیسائی ہندومت کے ماننے والوں کے نزدیک وہ ملیچھ اور ناقابل برداشت ہیں اور ان کے وجود سے بھارت ماتا کے وجود کو پاک کرنا ان کا نصب العین ہے۔

افغانستان کی ۱۹۷۹ء سے شروع ہونے والی خون ریز کہانی ابھی تک مکمل نہیں ہوئی لاکھوں انسانوں کا خون بہانے اور لاکھوں کو بے گھر کرنے کے بعد جب روسی افواج افغانستان سے چلی گئیں تو دنیا نے بالعموم اور اہل پاکستان نے بالخصوص سکھ کا سانس لیا اور امید کی کرن پھوٹی کہ اب افغانستان کی دھرتی پر خون کی بارش کی بجائے امن و آشتی کا دور دورہ ہو گا مگر صد افسوس کہ اس کے بعد بھی اس بدقسمت ملک کو امن نصیب نہیں ہوا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جہاد افغانستان میں شامل تمام گروہ اور تنظیمیں باہمی افہام و تفہیم سے افغانستان کے امور کو درست رکھتے لیکن ان جہادی تنظیموں نے ایک دوسرے کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ عدم برداشت کی یہ بدترین مثال ہے جو ایک مسلم برادر ملک کے مسلح جہادی تنظیموں کے درمیان دیکھنے میں آئی۔ چند روز قبل اقوام متحدہ کے نمائندے براہیمی لخداری کی کوششوں سے کچھ صلح کے امکانات پیدا ہوئے ہیں۔ طالبان اور شمالی اتحاد کے نمائندوں نے اس بات پر

اتفاق رائے کیا ہے کہ باہم مل کر افغانستان کے امور مملکت کو چلانے کے لیے اقدامات ہوں گے۔ لیکن اس معاہدے کے بعد بھی دونوں کی افواج کے درمیان جھڑپوں کی خبریں آ رہی ہیں۔ روسی افواج کے انخلا کے بعد کی ساری کی ساری جنگ دراصل ایک دوسرے کے وجود کو برداشت نہ کرنے ہی کا نتیجہ ہے۔

عالمی سطح پر نظر دوڑائیں تو ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ سویت یونین کی تقسیم کے بعد جب یوگوسلاویہ میں (۹۱ء میں) بھی تقسیم کا عمل شروع ہوا تو سربیا اور کروشیا کی طرح بوسنیا کے عوام نے بھی الگ مملکت کے قیام کے لیے کوششیں شروع کیں تو محض اس جرم کی پاداش میں کہ بوسنیا مسلم اکثریتی علاقہ ہے' وحشی سربوں نے وہاں کے نہتے عوام کا قتل عام شروع کر دیا۔ اہل مغرب نے ایک طرف تو وحشی سربوں کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ وہ جتنا اسلحہ حاصل کریں اور مسلمانوں کی نسل کشی کا کام جاری رکھیں اور دوسری طرف اہل بوسنیا پر سخت پابندی عائد کر رکھی تھی کہ وہ اسلحہ حاصل نہ کر سکیں اور اپنے دفاع کے لیے ہتھیار نہ اٹھا سکیں اور یوں نہتے مسلمانوں کا قتل عام ہوتا رہا اور امریکہ اور اہل مغرب محض زبانی جمع خرچ اور مگرمچھ کے آنسو بہاتے رہے اور آج کوسوو میں بھی یہی تاریخ دہرائی جا رہی ہے۔ بوسنیا کی ہولناک تباہی کا زخم ابھی مندمل نہیں ہوا تھا کہ سربوں نے پھر سے بغض و عناد اور تعصب کی بھٹی میں کوسوو کے مسلمانوں کو جلانا شروع کر دیا ہے تاہم کوسوو لبریشن آرمی ان کے راستے کی رکاوٹ بنی ہوئی ہے ایک عسکری نامہ نگار ویزک کا کہنا ہے کہ کوسوو میں اب تک سینکڑوں انسانی جانیں ضائع ہو چکی ہیں اور ہزاروں افراد دربدر ہو چکے ہیں مبصرین کے مطابق اس لڑائی کے نتیجے میں کئی ہزار خاندانوں نے البانیہ کی سرحد کی طرف ہجرت کی اور البانیہ کی سرحد پر قائم اقوام متحدہ کے کیمپوں میں پناہ گزین ہوئے۔ اقوام متحدہ کے ہائی کمیشن برائے پناہ گزین کے عہدے داروں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ مغربی کوسوو میں سربیا کے نیم فوجی دستوں نے دیہاتیوں کے خلاف بھاری توپ خانے کا استعمال کیا ہے جس سے کئی دیہات تباہ ہو گئے امریکہ کے نمائندے رابرٹ گلبرٹ کا کہنا ہے کہ ہم نے مصیبت زدہ علاقوں کا دورہ کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ پناہ گزین کیمپوں کا بھی دورہ کیا ہے صورتحال سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کوسوو والوں کو نسلی بنیاد پرستی کی وجہ سے زبردستی ان کے گھروں سے دور دھکیلا جا رہا ہے۔

عالمی طاقتیں اس دوغلی پالیسی پر عمل پیرا ہیں جو انہوں نے بوسنیا کی جنگ میں اختیار کی تھی۔ عالمی طاقتیں اجلاس منعقد کرنے اور وارننگ دینے کی حکمت عملی اپنائے ہوئے ہیں وہ کوسوو کو ایک اسلامی ریاست کی صورت میں دیکھنے کے بجائے سربیا کے ایک صوبے کے طور پر تھوڑی بہت داخلی خود مختاری دینے کو تیار ہیں۔ درحقیقت اس معاملے میں امریکہ اور اس کے حلیف وہی حکمت عملی اپنائے ہوئے ہیں جو ۹۲ء میں بوسنیا کی تباہی کے وقت اپنائی گئی تھی وہی بلند بانگ دعوے' گیدڑ بھبکیاں اور لگاتار اجلاسوں کا سلسلہ بھی جاری و ساری ہے لیکن سربوں کو کوسوو میں

مظالم سے روکنے کے لیے کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا گیا۔ یہ سب کچھ دراصل اس عالمی رجحان کا عکاس ہے جس کے تحت مشرق ہو یا مغرب جہاں بھی مسلمان ہیں ان کے وجود کو برداشت کرنا اہل مغرب سے بہت مشکل ہو رہا ہے۔ ان کے ہر ہر اقدام سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اپنوں کے سلسلے میں ان کے پیمانے اور ہیں اور مسلمانوں کے سلسلے میں اور (یہ مضمون سربیا پر نیٹو کی افواج کے حالیہ حملوں سے پہلے لکھا گیا)۔

کویت پر عراق نے حملہ کیا اور قبضہ کر لیا۔ امریکہ نے اقوام متحدہ کے ذریعے اپنی اور حلیف افواج کے ذریعے اس قبضے کو ختم کروایا اور ساتھ ہی کچھ ایسے اقدامات اور معاہدے و قراردادیں منظور کروالیں کہ آئے روز امریکہ اور برطانیہ والے عراق پر حملہ آور ہو رہے ہیں امریکہ نے یہ سارا ڈرامہ اس لیے رچا رکھا ہے کہ وہ خلیج میں اپنی جنگی قوت کو برقرار رکھنے کا جواز چاہتا ہے اور عراق کو ایک مسلسل خطرہ بنا کر وہ سعودی عرب اور خلیجی ریاستوں کو اس بات پر مجبور کیے ہوئے ہے کہ وہ امریکی افواج کے انخلاء کی بات نہ کریں...... دراصل امریکہ ہرگز یہ بات برداشت نہیں کر سکتا کہ اسرائیل کے اردگرد کوئی مضبوط مسلم ریاست ہو جو امریکی مفادات کے لیے خطرہ بن جائے۔

کویت جیسی چھوٹی سی ریاست پر عراق کا ناجائز قبضہ ختم کروانے کے لیے امریکہ بہادر نے پوری اقوام عالم کی آشیرباد حاصل کر کے چند دنوں میں نہ صرف قبضہ ختم کروایا بلکہ آج تک عراق کے عوام کو اس بات کی سزا دی جا رہی ہے۔ بچے خوراک اور ادویات کی کمی سے ہلاک ہو رہے ہیں۔ آئے روز ہزاروں ٹن بارود عراق کے شہروں اور آبادیوں پر پھینکا جا رہا ہے...... لیکن سوال یہ ہے کہ اہل مغرب 'امریکہ اور اقوام عالم کو کشمیر پر بھارت کا ناجائز قبضہ کیوں نظر نہیں آتا۔ اسی اقوام متحدہ نے ۱۹۴۷ء میں کشمیر کے سلسلے میں جو قراردادیں منظور کی تھیں۔ ان پر آج تک کیوں عمل نہیں ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اقوام متحدہ کی جو قراردادیں کویت کے لیے تھیں وہ بے حد مقدس تھیں اور کشمیر کی قراردادیں ناقابل عمل...... بلکہ اس کا واحد سبب یہ ہے کہ اہل امریکہ اور اہل یورپ کے اپنے مفادات ہیں۔ کویت کے تیل کے کنویں اور کویت کی کھربوں ڈالر کی امریکی بنکوں میں سرمایہ کاری۔ امریکہ کو زیادہ عزیز تھی بہ نسبت کشمیر کے جہاں بھارت عوام کی آواز کو دبانے کے لیے اپنی سات لاکھ افواج کو بھیجے ہوئے ہے جو وہاں کے نہتے عوام کے خلاف کارروائیوں میں مصروف ہے۔ بے شک کشمیری عوام 'مسلمانان کشمیر ہلاک ہوتے رہیں...... اقوام عالم کو ان کی کوئی پرواہ نہیں...... چونکہ مسلمانوں کے وجود 'ان کی آزادی کو اقوام عالم بالعموم اور اہل مغرب بالخصوص کو برداشت کرنے کے بہت کم روادار ہوتے ہیں۔

نسلی برتری کا احساس...... بھی عدم برداشت کے رجحان کو جنم دیتا ہے۔ دیگر ممالک کی تو بات بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے جہاں ہٹلر اور مسولینی جیسے نسلی بنیاد پرستی کے علمبردار پیدا ہوئے ہم صرف برطانیہ کی مثال

بیان کرتے ہیں برطانیہ بنیادی انسانی حقوق کا محافظ اور جمہوری روایات کا حامل ملک ہے۔ گزشتہ ماہ فروری ۱۹۹۹ء میں برطانیہ کی ایک عدالت نے ایک مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے برطانوی پولیس کے اقدامات کو کالے لوگوں کے خلاف نسلی تعصب برتنے کا مجرم قرار دیا۔ اور اس حوالے سے بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دیا۔ جس سے یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ ساری ترقی' ساری جدیدیت' ساری خوبیوں کے باوجود گورے لوگ' خواہ وہ قانون کے محافظ ہی کیوں نہ ہوں وہ کالوں کو اپنے برابر کا انسان سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہیں......

جنوبی افریقہ جو ایک دور میں برطانوی نوآبادی رہا وہاں پر نوآبادیاتی نظام کے خاتمے کے ایک مدت بعد تک سفید فام اقلیت سیاہ فام اکثریتی ملک پر حکومت کرتی رہی اور وہاں کے عوام نے سفید فام اقلیتی حکومت کے مظالم اور ان کی نسل پرستانہ کارروائیوں اور قوانین کے خلاف مدتوں جدوجہد کی...... بالآخر نیلسن منڈیلا کی قیادت میں ایک طویل جدوجہد کے بعد وہاں کے عوام نے سفید فام اقلیتی حکومت سے نجات حاصل کی۔ وہاں کے سیاہ فام عوام نے نیلسن منڈیلا کی قیادت میں قربانیوں کی جو لازوال تاریخ مرتب کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ لیکن یہاں ہماری دلچسپی کا موضوع یہ ہے کہ ہم بیسویں صدی کے اختتام کی طرف بڑھ رہے ہیں اور اس صدی کے ربع آخر میں بھی ہم نسلی برتری کے مظاہر دیکھتے آرہے ہیں گویا آج کا انسان سارے علم و آگہی کے باوجود دوسرے رنگ یا دوسری نسل کے انسانوں کو اپنے برابر کا انسان تسلیم کرنے سے انکاری ہے۔ اور اس کے وجود کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

دراصل انسان کا بنایا ہوا کوئی بھی قانون' اصول اور ضابطہ کبھی بھی انسانوں کے اندر بنیادی انسانی اخلاقیات پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ صرف خالق حقیقی کا بنایا ہوا نظام...... اس کے محبوب برحق کا بتایا ہوا راستہ ہی دنیا کے انسانوں کو امن و آشتی کا راستہ دکھا سکتا ہے۔ اس مضمون کے آئندہ صفحات میں ہم حضور کی انہی تعلیمات پر ایک اجمالی نظر ڈالیں گے جن کے ذریعے دنیا کے انسانوں کو جسد واحد بنایا جا سکتا ہے۔

حضور ﷺ کی تعلیمات

گزشتہ صفحات میں ہم نے قومی اور عالمی منظر نامہ پیش کیا ہے۔ جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ قومی سطح سے عالمی سطح پر ہر طرف انسان اپنے مفادات کا غلام ہو کر دوسروں کے وجود کو برداشت کرنے سے گریزاں ہے۔ آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کی وہ کونسی تعلیمات ہیں' جو دنیا کے انسانوں کے لیے مشعل راہ بن سکتی ہیں۔ اور ان کو اختیار کر کے وہ اپنے دکھوں اور غموں کا مداوا کر سکتے ہیں۔

انسانی جان کا احترام

انسانی تمدن کی بنیاد جس اصول پر قائم ہے اس اصول یا قانون کی پہلی دفعہ یہ ہے کہ انسان کی جان اور اس کا خون محترم ہے انسان کے تمدنی حقوق میں اولین حق زندہ رہنے کا حق ہے اور اس کے تمدنی فرائض میں اولین فرض زندہ رہنے دینے کا فرض ہے دنیا کی جتنی شریعتیں اور مہذب قوانین ہیں ان سب میں احترام نفس کا یہ اخلاقی اصول ضرور موجود ہے جس قانون اور مذہب میں اس کو تسلیم نہ کیا گیا ہو وہ نہ تو مہذب انسانوں کا مذہب۔ قانون بن سکتا ہے نہ اس کے ماتحت رہ کر کوئی انسانی جماعت پرامن زندگی بسر کر سکتی ہے' نہ اسے فروغ حاصل ہو سکتا ہے۔

ہر شخص کی عقل خود سمجھ سکتی ہے کہ اگر انسان کی جان کی کوئی قیمت نہ ہو' اس کا کوئی احترام نہ ہو' اس کی حفاظت کا کوئی بندوبست نہ ہو' تو چار آدمی کیسے مل کر رہ سکتے ہیں' ان میں کس طرح باہم کاروبار ہو سکتا ہے۔ انہیں وہ امن واطمینان اور وہ بے خوفی وجمعیت خاطر کیوں کر حاصل ہو سکتی ہے جس کی انسان کو تجارت' صنعت اور زراعت کرنے' دولت کمانے' گھر بنانے' سیر وسفر کرنے اور متمدن زندگی بسر کرنے کے لیے ضرورت ہوتی ہے؟ پھر اگر ضروریات سے قطع نظر کر لیں خالص انسانیت کی نظر سے دیکھا جائے تو اس لحاظ سے بھی کسی ذاتی فائدہ کی خاطر' یا کسی ذاتی عداوت کی خاطر اپنے ایک بھائی کو قتل کرنا بدترین قساوت اور انتہائی سنگدلی ہے جس کا ارتکاب کر کے انسان میں کوئی اخلاقی بلندی پیدا ہونا تو در کنار' اس کا درجہ انسانیت پر قائم رہنا بھی محال ہے۔ دنیا کے سیاسی قوانین تو اس احترام حیات انسانی کو صرف سزا کے خوف اور قوت کے زور سے قائم کرتے ہیں۔ مگر ایک سچے مذہب کا کام دلوں میں اس کی صحیح قدر وقیمت پیدا کرنا ہے تاکہ جہاں انسانی تعزیر کا خوف نہ ہو اور جہاں انسانی پولیس روکنے والی نہ ہو' وہاں بھی بنی آدم ایک دوسرے کے خون ناحق سے گریزاں رہیں اس نقطہ نظر سے احترام نفس کی جیسی صحیح اور موثر تعلیم اسلام میں دی گئی ہے وہ کسی دوسرے مذہب میں ملنا مشکل ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ مختلف پیرایوں سے اس تعلیم کو دل نشین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سورۃ المائدۃ میں آدم کے دو بیٹوں کا قصہ بیان کرنے کے بعد' جن میں سے ایک نے ظلماً دوسرے کو قتل کیا تھا۔ فرمایا ہے:

من اجل ذالك كتبنا على بنى اسرائيل انه من قتل نفساً بغير نفس او فساد فى الارض فكأنما قتل الناس جميعا و من احياها فكانما احيا الناس جميعا ولقد جاء تهم رسلنا بالبينات ثم ان كثيرا منهم بعد ذلك فى الارض لمسرفون

(المائدۃ ۳۲)

"اسی بنا پر بنی اسرائیل کو یہ لکھ کر دے دیا تھا کہ جو کوئی کسی کی جان لے بغیر اس کے کہ اس نے کسی کی جان لی ہو یا زمین میں فساد برپا کیا ہو تو' تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا اور جس نے

کسی کی جان بچائی تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچایا۔ ان لوگوں کے پاس ہمارے رسول کھلی ہدایات لے کر آئے مگر اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جو زمین میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں"۔

ایک دوسری جگہ خدا اپنے نیک بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے :

لا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون و من یفعل ذلک یلق اثاما

(الفرقان : ٦٨)

"اور اس جان کو جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہے بغیر حق کے ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ کیے کی سزا پائے گا۔"

ایک اور مقام پر فرمایا :

قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم ان لا تشرکوا به شیئا و بالوالدین احسانا ولا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقکم و ایاهم ولا تقربوا الفواحش ماظهر منها و ما بطن ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ذلکم وصکم به لعلکم تعقلون۔

(الانعام :١٥١)

"(اے محمد ﷺ) کہو کہ آؤ میں تم کو بتاؤں کہ اللہ نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں۔ تم پر واجب ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو' اپنی اولاد کو مفلسی کے باعث قتل نہ کرو' ہم جہاں تم کو رزق دیتے ہیں۔ ان کو بھی دیں گے۔ بدکاریوں کے قریب بھی نہ پھٹکو خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی ہوئی۔ کسی ایسی جان کو جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہو ہلاک نہ کرو۔ سوائے اس صورت میں ایسا کرنا حق کا تقاضا ہو اللہ نے ان باتوں کی تمہیں تاکید کی ہے۔ شاید تم کو کچھ عقل آئے"۔

اس تعلیم کے اولین مخاطب وہ لوگ تھے جن کے نزدیک انسانی جان کی کوئی قیمت نہ تھی۔ اور جو اپنے ذاتی فائدے کی خاطر اولاد جیسی چیز کو بھی قتل کر دیا کرتے تھے اسی لیے داعی اسلام علیہ السلام ان کی طبیعتوں کی اصلاح کے لیے خود بھی احترام نفس کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ احادیث میں کثرت اس قسم کے ارشادات پائے جاتے ہیں جن میں بے گناہ کے خون بہانے کو بدترین گناہ بتایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر چند احادیث ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا :

"اکبر الکبائر الشرک باللہ و قتل النفس و عقوق الوالدین و قول الزور"

"بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے اور قتل نفس اور والدین کی نافرمانی اور جھوٹ بولنا"۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

لن یزال المؤمن فسحة من دینه مالم یصب دما حراما

"مومن اپنے دین کی وسعت میں اس وقت تک برابر رہتا ہے جب تک وہ کسی حرام خون کو نہیں بہاتا"۔

نسائی میں ایک متواتر حدیث ہے کہ:

اول ما یحاسب به العبد الصلوة و اول ما یقضی بین الناس یوم القیامة فی الدماء

"قیامت کے دن بندے سے سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اور پہلی چیز جس کا فیصلہ لوگوں کے درمیان ہوگا وہ خون کے دعوے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان تدعوللہ ندًا وھو خلقك یہ کہ تو کسی کو اللہ کا نظیر و تفیل قرار دے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا اس نے پھر پوچھا کہ اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے آپ نے جواب دیا ان تقتل ولدك ان یطعم معك یہ کہ تو اپنے بچے کو قتل کردے اس خیال سے کہ وہ تیرے کھانے میں شریک ہوگا۔

دنیا پر اسلامی تعلیم کا اخلاقی اثر

حرمت نفس کی یہ تعلیم کسی فلسفی یا معلم اخلاق کی کاوش فکر کا نتیجہ نہیں تھی کہ اس کا اثر صرف کتابوں اور مدرسوں تک ہی محدود رہتا۔ بلکہ درحقیقت وہ خدا اور اس کے رسول کی تعلیم تھی جس کا لفظ لفظ ہر مسلمان کا جزو ایمان تھا' جس کی تعمیل' تلقین او تنقید ہر شخص پر فرض تھی جو کلمہ اسلام کا قائل ہو۔ پس ایک چوتھائی صدی کے قلیل عرصہ ہی میں اس کی بدولت عرب جیسی خونخوار قوم کے اندر احترام نفس اور امن پسندی کا ایسا مادہ پیدا ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق قادسہ سے صنعا تک ایک عورت تنہا سفر کرتی تھیں اور کوئی اس کے جان و مال پر حملہ نہ کرتا تھا۔ حالانکہ یہ وہی ملک تھا جہاں پچیس سال پہلے بڑے بڑے قافلے بھی بے خوف نہیں گزر سکتے تھے۔

پھر جب مہذب دنیا کا نصف سے زیادہ حصہ حکومت اسلامیہ کے تحت آ گیا اور اسلام کے اخلاقی اثرات چار دانگ عالم میں پھیل گئے تو اسلامی تعلیم نے انسانوں کی بہت سی غلط کاریوں اور گمراہیوں کی طرح انسانی جان کی اس بے قدری کا بھی خاتمہ کر دیا جو دنیا میں پھیلی ہوئی تھی۔ آج دنیا کے مہذب قوانین میں حرمت نفس کو جو درجہ

حاصل ہوا ہے وہ اس انقلاب کے نتائج میں سے ایک شاندار نتیجہ ہے جو اسلامی تعلیم نے دنیا کے اخلاقی ماحول میں برپا کیا تھا ورنہ جس تاریک دور میں یہ تعلیم اتری تھی اس میں انسانی جان کی فی الحقیقت کوئی قیمت نہ تھی۔ عرب کی خونخواریوں کا نام تو اس سلسلے میں دنیا نے بہت سنا ہے' مگر ان ممالک کی حالت بھی کچھ بہتر نہ تھی جو اس زمانہ میں دنیا کی تہذیب و شائستگی اور علم و حکمت کے مرکز بنے ہوئے تھے روم کے کولوسیم (Colosseum) کے افسانے اب تک تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں جس میں ہزارہا انسان شمشیر زنی (Gladiatory) کے کمالات اور رومی امراء کے شوقِ تماشا کی نذر ہو گئے۔ مہمانوں کی تفریح کے لیے یا دوستوں کی تواضع کے لیے غلاموں کو درندوں سے پھڑوا دینا یا جانوروں کی طرح ذبح کرا دینا' یا ان کے جلنے کا تماشا دیکھنا' یورپ اور ایشیاء کے اکثر ممالک میں کوئی معیوب کام نہ تھا۔ قیدیوں اور غلاموں کو مختلف طریقوں سے عذاب دے کر مار ڈالنا اس عہد کا عام دستور تھا۔ جاہل و خونخوار امراء سے گزر کر یونان و روما کے بڑے بڑے حکماء و فلاسفہ تک کے اجتہادات میں انسانی جانوں کے بے قصور ہلاک کرنے کی بہت سی وحشیانہ صورتیں جائز تھیں ارسطو اور افلاطون جیسے فلاسفہ اخلاق ماں کو یہ اختیار دینے میں کوئی خرابی نہ پاتے تھے کہ وہ اپنے جسم کے ایک حصہ یعنی جنین کو الگ کر دے چنانچہ روم و یونان میں اسقاط حمل کوئی ناجائز فعل نہ تھا۔ باپ کو اپنی اولاد کو قتل کرنے کا پورا حق حاصل تھا اور رومی مقننوں کو اپنے قوانین پر فخر تھا کہ اس میں اولاد پر باپ کے اختیارات اس قدر غیر محدود ہیں حکماء رواقیین (Stoics) کے نزدیک انسان کا خود اپنے آپ کو قتل کرنا کوئی برا کام نہیں تھا بلکہ ایسا باعزت فعل تھا کہ لوگ جلسے کر کے ان میں خودکشیاں کیا کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ افلاطون جیسا حکیم بھی اسے کوئی بڑی معصیت نہیں سمجھتا تھا۔ شوہر کے لیے اپنی بیوی کا قتل بالکل ایسا تھا کہ جیسے وہ اپنے کسی پالتو جانور کو ذبح کر دے۔ اس لیے قانون یونان میں اس کی کوئی سزا نہ تھی۔ اس سلسلے میں ہندوستان سب سے بڑھا ہوا تھا۔ یہاں مرد کی لاش پر زندہ عورت کو جلا دینا' ایک جائز فعل تھا۔ اور مذہباً اس کی تاکید تھی۔ شودر کی جان کی کوئی قیمت نہ تھی اور صرف اس وجہ سے کہ وہ غریب برہما کے پاؤں سے پیدا ہوا ہے' اس کا خون برہمن کے لیے حلال تھا۔ وید کی آواز سن لینا شودر کے لیے اتنا بڑا جرم اور گناہ تھا کہ اس کے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال کر مار ڈالنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری تھا۔ ''جل پروا'' کی رسم عام تھی جس کے مطابق ماں اپنے پہلے بچہ کو دریائے گنگا کے سپرد کر دیتی تھی اور بچے کو دریا میں بہا کر ماں باپ اپنی اس قساوت کو اپنے لیے موجب سعادت سمجھتے تھے۔

ایسے تاریک دور میں اسلام نے آواز بلند کی کہ لا تقتلوا النفس التی حرم الله الا بالحق انسانی جان کو اللہ نے حرام قرار دیا' اس کو قتل نہ کرو مگر اس وقت جب کہ حق اس بات کا مطالبہ نہ کرے۔ اس آواز میں ایک قوت تھی اور قوت کے ساتھ وہ انسانی عقل اور فطرت سے مطابقت بھی رکھتی تھی۔ اس لیے وہ دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچی اور اس نے انسان کو اپنی جان کی صحیح قیمت سے آگاہ کیا۔ خواہ کسی قوم نے اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کی ہو یا نہ کی

ہو' اس کی اخلاقی زندگی اس آواز کا اثر قبول کیے بغیر نہیں رہ سکی۔ اجتماعی تاریخ کا کوئی انصاف پسند عالم اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ دنیا کے اخلاقی قوانین میں انسانی جان کی حرمت قائم کرنے کا فخر جتنا اس آواز کو حاصل ہے اتنا "پہاڑی کے وعظ" یا "رہنا پر مود ھرما" کو حاصل نہیں ہے۔

حضور علیہ السلام کی لائی ہوئی تعلیمات نے اہل دنیا کے لیے امن و آشتی کا جو انقلاب آفرین پیغام دیا اس نے انسانی خاندان کے ہر فرد کو اس کا صحیح مقام عطا کیا' انسانی معاشرہ ایک بے خار گلدستہ بن گیا جس کا ہر پھول اور ہر پتی اس کے لیے باعث زینت تھی۔

نوع انسانی کے افراد ایک خاندان میں تبدیل ہو گئے' وہ سب ایک باپ (آدمؑ) کی اولاد تھے اور آدم کی اصل مٹی سے ہے' نہ کسی عرب کو کسی عجمی پر فضیلت تھی اور نہ کسی عجمی کو عرب پر فوقیت تھی ہاں اگر کسی کو کسی پر فضیلت تھی تو محض تقویٰ کی بنا پر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے لوگو! بے شک اللہ نے تم سے جاہلیت کے عیب کو دور کر دیا ہے اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے کی رسم ختم کر دی۔ انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں نیک اور خدا سے ڈرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں شریف' دوسرے بد عمل بدبخت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل"۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان سے فرمایا: "دیکھو تم کسی سے نہ بہتر ہو اور نہ بڑے' ہاں اگر تقویٰ میں بڑھ جاؤ" آپ جب اپنے رب سے رات کے آخری حصے میں مناجات کرتے تھے تو فرماتے تھے "میں گواہ ہوں کہ تمام بندے بھائی بھائی ہیں" (ابو داؤد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کا پورا پورا استیصال کر دیا تھا اور اس کے داخلے کے تمام روزن بند کر دیئے تھے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

جو عصبیت کا علمبردار ہو وہ ہم میں سے نہیں۔ جو عصبیت پر جنگ کرے وہ ہم میں سے نہیں اور جس کی موت عصبیت پر ہو وہ ہم میں سے نہیں۔ (ابو داؤد)

حضور علیہ السلام کا مندرجہ بالا فرمان ہر دور کے انسانوں کے لیے مشعل راہ ہے کہ وہ نسل' رنگ' زبان' علاقے یا کسی ایک مہاجر نے ایک انصاری کو کچھ کہہ دیا اور انصاری پکار اٹھا "انصاریو!" اور مہاجر پکار اٹھا "مہاجرو!" تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چھوڑو اس جتھے بندی کے نعروں کو یہ نجس ہیں" (صحیح بخاری)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس نے اپنے لوگوں کی باطل پر مدد کی تو وہ اس اونٹ کی مثال ہے جو کنوئیں میں گرنا چاہتا ہے اور لوگ اس کو دم سے پکڑ پکڑ کر روکتے ہیں۔ عربوں کی نفسیات اس حد تک تبدیل ہو گئی کہ ان کا ذوق اس مشہور مثل کو ہضم نہ کر پایا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا "اپنے بھائی کی مدد

کرو' ظالم ہو یا مظلوم" تو صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ مظلوم کی مدد تو بے شک کی جائے مگر ظالم کی مدد کیسے کی جائے۔ آپ نے فرمایا اس کو ظلم سے روکو یہی اس کی مدد ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضور ﷺ نے اپنی امت کے افراد کو تعلیم دی کہ وہ اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کو جو کسی وجہ سے ان سے پیچھے ہوں ان کی مدد کریں ایک حدیث قدسی ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا اے فرزند آدم! میں بیمار ہوا تو مجھے دیکھنے نہیں آیا' بندہ کہے گا پروردگار میں تیری عیادت کیسے کر سکتا تھا تو تو رب العالمین ہے' ارشاد ہوگا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو اس کی عیادت کو نہیں گیا تجھے معلوم نہ تھا کہ تو اس کی عیادت کو جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا پھر ارشاد ہوگا کہ اے فرزند آدم میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا بندہ عرض کرے گا اے پروردگار میں تجھے کھانا کیسے کھلاتا تو تو رب العالمین ہے۔ ارشاد ہوگا تجھے اس کی خبر نہیں کہ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا...... اس نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے کھانا نہیں کھلایا تجھے اس کی خبر نہیں تھی کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا...... پھر ارشاد ہوگا کہ اے فرزند آدم میں پیاسا تھا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ بندہ پھر اظہار تعجب کرے گا اللہ کی طرف سے جواب آئے گا کہ میرا فلاں بندہ پیاسا تھا اگر تو اس کو پانی پلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

آپ رحمۃ للعلمین تھے آپ کی رحمت کا سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ آپ نے دنیا کو عقیدہ توحید کی تعلیم دی۔ انسان کو ہر قسم کی خدائی سے نجات دلا کر ایک خدائے واحد کا بندہ بنایا۔ تمام دروازوں پر جھکنے سے بچا کر ایک در پر سجدہ کرنے کی راہ دکھائی۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

عقیدہ توحید کا انسانی دل و دماغ پر اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ رب العالمین پر ایمان رکھتا ہے اس لیے اس کی نگاہ "عالمین" پہ ہوتی ہے۔ وہ نسلی' خاندانی' علاقائی' لسانی اور مادی تنگ نظریوں سے بلند و برتر ہو کر ساری مخلوق کی بھلائی کو اپنا نصب العین بنالیتا ہے۔

حضور ﷺ کی رحمت للعالمینی کا دوسرا کرشمہ یہ ہے کہ آپ نے اس انسانیت کو جو قوموں' برادریوں اور اعلیٰ و ادنیٰ طبقوں میں بٹی ہوئی تھی اور ان کے درمیان انسانوں اور جانوروں' آقاؤں اور غلاموں کا سا فرق تھا' وحدت و مساوات کا ایک ایسا تصور دیا کہ جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ آپ نے خدا کا یہ پیغام لوگوں تک پہنچایا۔

"لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری برادریاں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے" (الحجرات: ۱۳)

پھر حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

"لوگو تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے تم میں سے سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے"۔

حضور ﷺ کی رحمت اللعالمینی کا تیسرا کرشمہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انسان کو اس کے حقیقی مقام سے روشناس کرایا۔ انسان کو احترام انسانیت کا تصور دیا۔

و لقد کرمنا بنی آدم اور ہم نے نبی آدم کو فضیلت بخشی۔

آپ ﷺ نے مخلوق کو اللہ کا کنبہ قرار دیا اور اس شخص کو سب سے زیادہ محبوب قرار دیا جو اللہ کے کنبے کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔

کرو مہربانی تم اہل زمین پر
خدا مہرباں ہو گا عرش بریں پر

حضور ﷺ کی رحمت العالمینی کا چوتھا مظہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مایوسی اور ناامیدی سے ہی نوع انساں کو نجات دلائی۔ عیسائیت نے ازلی وابدی گناہ کا تصور دیا مگر آپ نے ارشاد فرمایا کہ کل مولود یولد علی الفطرۃ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے بتایا کہ ہر شخص اپنے اعمال کے لیے خود جوابدہ ہے سورۃ النجم کی آیات کا ترجمہ ہے کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا...... اور یہ کہ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی اور پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ (۳۸ :۴۱) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔

آپ ﷺ کے رحمت للعالمین ہونے کا پانچواں کرشمہ یہ ہے کہ آپ نے دین و دنیا کی وحدت کا تصور دیا...... آپ ﷺ نے دین اور دنیا کے مصنوعی تضاد کو ختم کرتے ہوئے بتایا کہ لا رھبانیۃ فی الاسلام (اسلام میں ترک دنیا کا کوئی تصور نہیں) اور انسان روئے زمین پر خدا کا خلیفہ ہے۔ کائنات کی ہر شے انسان کی ضرورت اور اس کے لیے بنائی گئی ہے۔

خلق لکم ما فی الارض جمیعاً: اللہ نے تمہارے لیے پیدا کیا وہ سب کچھ جو زمین میں ہے۔ آپ ﷺ نے پورے روئے زمین کو ایک مسجد ایک وسیع عبادت گاہ میں تبدیل کر دیا اور تمام متحارب گروہوں کو حسن، عمل، خدمت خلق اور حصول رضاء الٰہی کے ایک ہی محاذ پر کھڑا کر دیا۔

آپ ﷺ کی رحمت للعالمینی کا چھٹا مظہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے پوری کائنات میں "علم" کو عام کیا۔ آپ ﷺ نے عرب کی ان پڑھ قوم کو پوری عالمی برادری کا استاد بنا دیا...... آپ ﷺ نے مدینہ میں سب سے پہلے مسجد تعمیر کی اور اس میں "صفہ" نامی چبوترا بنوایا جو اسلام کی اولین درس گاہ تھی جس کے معلم اول آپ ﷺ تھے۔

آپ ﷺ نے اسلامی معاشرے کے ہر فرد کے لیے تعلیم کا حصول لازمی قرار دیا۔

آپ ﷺ کی رحمت العالمینی کا ساتواں مظہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انسانوں کے معاشی استحصال کا خاتمہ کیا۔ دولت کے بہاؤ کا رخ امیروں سے غریبوں کی طرف کیا آپ نے سود کا خاتمہ کیا۔ دولت کے بہاؤ کا رخ امیروں سے غریبوں کی طرف کیا آپ ﷺ نے سود کا خاتمہ کیا...... زکوۃ کا نفاذ کیا اور صدقات کے لیے ترغیب دی۔ جوئے ور شراب پر پابندی لگائی۔ بخل اور فضول خرچی کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی ترغیب دی۔

لا تجعل يدك مغلولة الى عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوما محسورا

(بنی اسرائیل۔ ۲۹)

خلاصہ مضمون

تاریخ کے وسیع دائروں پر نظر ڈالیں تو اس میں ہمیں طرح طرح کے مصلحین دکھائی دیتے ہیں۔ شیریں فعال واعظ اور آتش بیان خطیب سامنے آتے ہیں۔ بادشاہوں اور حکمرانوں کے انبوہ ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ جنہوں نے عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں۔ جنگجو فاتحین کی داستانیں ہم پڑھتے ہیں۔ جماعتیں بنانے اور تمدن میں زیروزبر اور مدوجزر پیدا کرنے والوں سے ہم واقف ہیں۔ نئے نئے مذاہب کی نیو ڈالنے والے اخلاقی خوبیوں کے داعی اور کتنے ہی مقنن ایوان تہذیب میں جلوہ گر رہ چکے ہیں۔ لیکن جب ہم ان کی تعلیمات ان کے کارناموں اور ان کے پیدا کردہ مجموعی نتائج کو دیکھتے ہیں تو ہمیں کہیں خیر و فلاح دکھائی دیتی ہے تو وہ جزئی قسم کی ہے۔ اس کے اثرات زندگی کے کسی ایک گوشے پر ابھرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور پھر خیر و فلاح کے ساتھ ساتھ طرح طرح کے مفاسد بھی ترکیب پائے ہوئے دکھائی دیتے ہیں انبیاء کے ماسوا کوئی عنصر تاریخ میں ایسا نہیں دکھائی دیتا جو انسان کو...... پورے کے پورے انسان کو...... اجتماعی انسان کے اندر سے بدل سکا ہو۔ حضور ﷺ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی دعوت نے پورے کے پورے اجتماعی انسان کو اندر سے بدل دیا اور صبغۃ اللہ کا ایک ہی رنگ مسجد سے بازار تک مدرسہ سے عدالت تک 'گھروں سے میدان جنگ تک چھا گیا۔ ذہن بدل گئے۔ خیالات کی رو بدل گئی' نگاہ کا زاویہ بدل گیا' عادات و اطوار بدل گئے' رسوم و رواج بدل گئے حقوق و فرائض کی تقسیمیں بدل گئیں۔ خیر و شر کے معیارات اور حلال و حرام کے پیمانے بدل گئے۔ کسی گوشے میں شر نہیں۔ کسی کونے میں فساد نہیں۔ کسی جانب بگاڑ نہیں۔ ہر طرف بناؤ ہی بناؤ...... تعمیر ہی تعمیر اور ارتقاء ہی ارتقاء در حقیقت محسن انسانیت کے ہاتھوں انسانی زندگی کو نشاۃ ثانیہ حاصل ہوئی...... اور حضور نے ایک نظام حق کی صبح درخشاں سے مطلع تہذیب کو روشن کر کے بین الاقوامی دور تاریخ کا افتتاح فرمایا۔ یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اس کی مثال کسی دوسری جگہ نہیں ملتی۔

حرف آخر

آج جو ہم قومی سطح کے ہر شعبہ میں ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی خوبی سے عاری ہو چکے ہیں اور آج کا انسان قومی سطح سے بین الاقوامی سطح تک دوسروں کے وجود کو برداشت کرنے سے گریزاں ہے اس کا بنیادی سبب حضور ﷺ کی تعلیمات حسنہ سے روگردانی کے سوا اور کچھ نہیں۔ آج بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل ہونے والی مملکت خداداد پاکستان کو حضور ﷺ کی تعلیمات کی روشنی ایک ماڈل اسلامی ریاست کی شکل دی جائے اور دنیا کے سامنے جب ایک مثالی اسلامی ریاست اپنے سنہری اصولوں پر کاربند ہو۔ سیاسی اور مذہبی رواداری کا دور دورا ہو۔ اسلامی اخوت اور بھائی چارہ عام ہو...... ہر صوبے اور ہر علاقے اور مختلف زبانیں بولنے والے اہل پاکستان خود کو رحمت للعالمین کا پیروکار جان کر دوسروں کے لیے رحمت بن جائیں۔ خون بہانے اور نفرت بانٹنے کی بجائے جانوں اور عزتوں کے رکھوالے بن جائیں اور محبت اور اخوت کے علمبردار بن جائیں۔ ظالموں اور مظلوموں دونوں کی مدد کرنے والے بن جائیں۔ مظلوموں پر ظلم نہ ہونے دیں اور ظالموں کو ظلم سے روکیں۔ آج ملک بھر میں خواتین کی طرف سے شور ہے کہ ان کو ان کے حقوق نہیں مل رہے۔ خواتین کو وہ حقوق جو حضور ﷺ نے دیئے تھے وہ حقوق ملیں تو ساتھ ہی خواتین کو وہ ذمہ داریاں اور فرائض بھی پورے کرنے چاہئیں جو قرآن اور حضور ﷺ کی احادیث مبارکہ کے ذریعے خواتین کے ذمہ لگائے گئے ہیں۔

معاشرہ کرپشن سے پاک ہو اور ملک کی قیادت صالح ہاتھوں میں ہو۔ دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں میں نہ ہو۔ سود کو ختم کر کے زکوٰۃ اور صدقات کے نظام کو فعال کر کے دولت کا بہاؤ امیروں سے غریبوں کی طرف ہو ملک میں کوئی غریب نہ رہے' کوئی بے روزگار نہ رہے تو بلاشبہ یہ ملک تعلیمات نبوی کی روشنی میں ایک ماڈل اسلامی ریاست بن سکتا ہے اور پوری عالمی برادری کے مظلوم اور مقہور انسانوں کے لیے ایک مشعل راہ' ایک امید کی کرن ایک پہاڑی کا چراغ اور ایک نجات کی راہ بن سکتی ہے۔

آج بھی خدا کے کلام قرآن مجید کا ایک ایک لفظ محفوظ ہے۔ تعلیمات نبوی کے مجموعے مرتب شدہ ہیں لیکن اللہ کی دھرتی پر ایک بھی ملک ایسا نہیں ہے جہاں اللہ اور اس کے رسول کا نظام مکمل طور پر نافذ ہو اور پھر کس طرح ممکن ہے کہ قومی سطح سے بین الاقوامی سطح تک انسانوں میں تحمل و برداشت کے وہ اعلیٰ اوصاف پیدا ہوں گے...... جو اعلیٰ درجہ کے انسانوں میں موجود ہوتے ہیں وہ اپنے لیے جو کچھ پسند کرتے ہیں وہ دوسروں کے لیے بھی پسند کرتے ہیں...... جو ان سے کٹتا ہے وہ اس سے جڑنے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کو محروم کرے وہ اس کو دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو نیکی اور بھلائی کے علمبردار ہوتے ہیں اور برائی اور خرابیوں کے خاتمے کے لیے جہاد کرتے ہیں یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق ایک معاشرہ موجود ہو اور دنیا کی اقوام و ملل اس سے رہنمائی حاصل کریں۔

عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

سلمیٰ بی بی، برنالہ آزاد کشمیر

برداشت فارسی کا لفظ جس کا مطلب صبر، تحمل، بردباری، حلم، سنا، اٹھانا، جانوروں کی غور پرداخت، چاہت، قرض ادھار لینا ہے۔

عربی میں صبر اور تحمل اس کے مترادف معانی رکھتے ہیں۔ اہل لغت نے صبر اور تحمل کی یوں تعریف کی ہے "ہر حال میں اپنے جذبات پر قابو رکھنا"۔

قرآن مجید میں صبر مختلف مواقع پر استعمال ہوا ہے۔ مثلاً

فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل (احقاف)

آپ صبر (برداشت) کریں جیسا کہ صاحب عزم رسولوں نے صبر (برداشت) کیا۔

انما یو فی الصابرون اجرھم بغیر حساب (الزمر)

صبر برداشت کرنے والوں کو ان کا اجر بلا حساب و کتاب ملے گا۔

سورۃ آل عمران میں ہے۔

اللہ کے رستے میں ان پر مصیبتیں پڑیں ان سے وہ شکستہ دل نہ ہوئے اور انہوں نے دشمن کو کمزوری دکھائی اور نہ انہوں نے ہمت ہاری۔ بے شک اللہ تعالیٰ صبر (برداشت) کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

موجودہ دور میں عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان زوروں پر ہے یہ رجحان افراد سے لے کر معاشرہ، معاشرے سے لے کر قوم اور قوم سے لے کر بین الاقوامی حدود کو چھو رہا ہے۔ فرد دوسرے فرد کو برداشت نہیں کر رہا ہے۔ ایک محلہ دوسرے محلے کو برداشت نہیں کر رہا ہے اسی طرح ایک صوبہ دوسرے صوبہ کو برداشت نہیں کر رہا ہے اور یہی عالم بین الاقوامی سیاست کا ہے ایک ملک دوسرے ملک کو برداشت نہیں کرتا۔

قوم کی سطح پر ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک سیاسی جماعت دوسری سیاسی جماعت، برسر اقتدار لوگ حزب

اختلاف کو برداشت نہیں کر رہے۔ بلکہ یہاں تک کہ مذہبی جماعتیں جو برداشت' رواداری' صبر اور تحمل کی تبلیغ کرنے کی دعویدار ہیں اور ان کے منشور میں دوسروں کو برداشت کرنا' رواداری اور تحمل تحریر ہے وہ اس کو چھوڑ چکی ہیں بہت سے مذہبی رہنما ایسے ہیں جنہوں نے ایک مدت مدارس کی مسند تدریس پر قرآن اور حدیث کی تدریس کی مگر برداشت کی طرف وہ بھی کماحقہ توجہ نہ دے سکے۔

اسی طرح بین الاقوامی سطح پر بھی عدم برداشت کا رجحان عروج پر ہے اسلام اور کفر کو تو چھوڑیئے مسلمان ممالک ایک دوسرے کو برداشت نہیں کر رہے ہیں۔

اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی آبادی دوسرے نمبر پر ہے لیکن آپس میں اتحاد نہیں ہے۔ اتحاد نہ ہونے کی اصل وجہ عدم برداشت ہے اگر کسی ملک سے کسی وجہ سے کوئی سیاسی غلطی ہو گئی ہے تو پھر اس غلطی کو چھوڑنا نہیں ہے بلکہ آئندہ اس ملک کی مخالفت کا کوئی موقع ضائع نہیں جانے دینا۔ عرب ممالک کا آپس میں عدم برداشت کا رو زوروں پر ہے اگر صرف عرب ممالک ایک دوسرے کے احترام اور برداشت کا جذبہ پیدا کر لیں تو غریب مسلم ممالک کی غربت دور ہو سکتی ہے اور مسلم امہ میں خوشحالی آسکتی ہے۔

مسلمان ہوتے ہوئے ہم سب حضور ﷺ کے امتی ہیں اور ان کی محبت کے دعویدار ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس محبت کے دعوے میں ہم کتنے حقیقت پر ہیں۔ حضور ﷺ کی زندگی برداشت اور رواداری کے سلسلے میں ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے۔

حضور ﷺ کی سیرت پاک سے برداشت و تحمل وہ مثالیں ملتی ہیں جن کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی ہے۔

۵ ھ کو نجد کا سردار ثمامہ بن اثال گرفتار ہوتا ہے اس مسجدِ نبوی ﷺ کے ستون سے باندھ دیا جاتا ہے نبی ﷺ وہاں تشریف لائے اور ثمامہ سے اس کا حال دریافت فرمایا۔

اس نے جواب دیا محمد میرا براحال ہے اگر آپ میرے قتل کا حکم دیں گے تو یہ حکم ایک خونی کے حق میں ہوگا اور اگر آپ معاف فرمائیں تو ایک شکر گزار پر رحمت فرمائیں گے اور اگر مال کی ضرورت ہے تو جس قدر چاہتا ہے دیں۔

دوسرے روز نبی کریم ﷺ نے پھر اپنا سوال دہرایا تو ثمامہ نے کہا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ احسان فرمائیں گے تو ایسے شخص پر فرمائیں گے جو احسان ماننے والا ہے۔

تیسرے روز آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔

ثمامہ رہائی کے بعد ایک کھجور کے باغ میں گیا جو کہ مسجد نبوی ﷺ کے قریب تھا وہاں غسل کیا مسجد نبوی

نبوی ﷺ میں واپس آکر کلمہ پڑھ لیا۔

ثمامہ مکہ پہنچے وہاں ایک شخص نے پوچھا کہ تم صحابی بن گئے ہو ثمامہ نے جواب دیا نہیں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا ہوں اور اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب یاد رکھنا کہ ملک نجد سے تمہارے پاس ایک دانہ گندم بھی نہ آئے گا جب تک آپ ﷺ اجازت نہ دیں۔

ثمامہ نے مکہ کی طرف آنے والا اناج بند کر دیا۔ غلہ کی بندش کی وجہ سے اہل مکہ بلبلا اٹھے۔ آخر ان کو نبی ﷺ سے التجا کرنا پڑی آپ ﷺ نے ثمامہ کو لکھ بھیجا کہ غلہ بدستور جانے دیں یہ ان لوگوں کو برداشت کرنا تھا جو بدر، احد و خندق میں مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے پورا زور لگا چکے تھے۔ (رحمتہ العالمین صفحہ ۲۰۸)

صلح حدیبیہ ۶ ھ کی تفصیلات ہم سب کے سامنے ہیں گفتگو کے بعد جب شرائط لکھی جانے لگیں تو مکہ کی جانب سے سہیل بن عمرو مختار معاہدہ تھا اور دوسری طرف حضرت علی ؑ نے معاہدہ لکھنا تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو۔ سہیل نے کہا:

"اما الرحمن فو اللہ ما ادری ما ھو" رحمٰن کو ہم نہیں جانتے باسمك اللھم لکھا جائے آپ ﷺ نے قبول کیا اور اس کو برداشت کیا۔ پھر فرمایا لکھو۔

ھذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

سہیل نے کہا

واللہ لو کنا نعلم انك رسول اللہ ما صددناك عن البیت ولا قاتلناك و لکن اکتب محمد بن عبداللہ

حضور ﷺ نے فرمایا کہ رسول اللہ مٹا دیا جائے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نہیں مٹا سکتا پھر حضور ﷺ نے خود مٹا دیا۔

ابھی معاہدہ پر دستخط نہیں ہوئے تھے کہ ابو جندلؓ بن سہیل بن عمروؓ جو اسلام قبول کرنے کے جرم میں قریش کی قید میں تھے بھاگ کر تشریف لائے اور مسلمانوں سے کہا:

یا معشر المسلمین ارد الی المشرکین و قدجئت مسلما الاترون ما قد لقیت و کان قد عذب عذاباً شدیدا فی اللہ

آپ ﷺ ان قریش سے معاہدہ کر رہے تھے جو ایک سال قبل غلہ کی بندش کی شکایت لے کر آئے اور آپ ﷺ نے غلہ حال کرا دیا تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے رحمٰن کا نام، رسول اللہ کو اپنے ہاتھ سے مٹایا اور ابو جندلؓ کی تکالیف کو برداشت کر لیا۔ پھر اسی برداشت کو قرآن مجید نے انا فتحنا لك فتحا مبینا کہا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابھی حدیبیہ میں ہی ٹھہرے تھے کہ اسی آدمی کو تنعیم سے صبح کے وقت جب مسلمان نماز میں مصروف تھے اس ارادے سے اترے کہ مسلمانوں کو نماز کے اندر قتل کر دیں یہ سب لوگ گرفتار کر لیے گئے۔ حضور ﷺ نے انہیں معاف کر دیا اور چھوڑ دیا۔

معاہدہ میں اس قدر ناقابل برداشت باتیں 'ابو جندل کا واپس کرنا' قتل کرنے کے ارادے سے آنے والوں کو معاف کرنا یہ برداشت عظیم کی مثالیں ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے آپ ﷺ کے خلاف اپنی ساری تدبیریں کر ڈالیں اور آپ کو ایذا پہنچانے کی تمام صورتیں جو کسی کے ذہن میں آسکتی تھیں وہ سب جمع کر لی گئیں واقعہ افک کی ایذا ایسی تھی جو شاید سخت ترین تھی۔ صفوان بن معطلؓ جیسے مقدس صحابی پر منافق عبداللہ بن ابی نے تہمت گھڑی۔ منافقین نے اس کو ایسا رنگ دے کر پھیلایا کہ بعض سادہ لوح مسلمان بھی تہمت کے تذکرے کرنے لگے جن میں حسان بن ثابتؓ، مسطح بن اثاثہؓ اور حمنہ بنت جحشؓ شامل تھیں اللہ تعالیٰ ان (عائشہؓ) کی برات پر آیات اتاری۔

حضرت عائشہؓ پر کس قدر کٹھن وقت تھا اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ کی توبہ قبول فرمالی اگر کوئی آدمی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سامنے حضرت حسانؓ کی برائی کرتا تو اسے پسند نہ کرتی تھیں اور فرماتیں کہ حسان نے رسول ﷺ کی طرف سے کفار کا خوب مقابلہ کیا ہے اس لیے انہیں برا نہ کہو اور جب عائشہؓ کے پاس حاضر ہوتے تو ان کو تعظیم اور تکریم سے بٹھاتیں برداشت کی کس قدر بڑی مثال ہے۔

اسی واقعہ افک میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ایک عزیز جو بدری مہاجرین میں سے تھے اور بہت غریب تھے ان کی حضرت ابو بکرؓ مالی مدد کیا کرتے تھے جن کا نام مسطح بن اثاثہ بن عباد بن المطلب بن عبد مناف۔

جس شخص نے صدیق اکبرؓ کی بیٹی جو صرف بیٹی ہی نہیں بلکہ امہات المومنین میں سے ہیں پر تہمت لگائی ہو اور پھر تہمت بھی اس گھر پر جہاں سے کھانا پینا ملتا ہے۔ اس کو درگزر کر دینا اور برداشت کر جانا ہمارے سامنے نمونہ ہے۔

۹ھ میں قبیلہ ہو طے نے بغاوت کر دی۔ حضرت علیؓ نے باغیوں کو پکڑ کر مدینہ بھیج دیا ان میں حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی اور اس وقت اس کا بھائی عدی بن حاتم قبیلہ کا سردار تھا۔ حاتم کی بیٹی نے آپ ﷺ سے یوں عرض کیا کہ میں سردار قوم کی بیٹی ہوں میرا باپ رحم و کرم میں مشہور تھا بھوکوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا غریبوں پر رحم کیا کرتا تھا آپ ﷺ مجھ پر رحم کریں۔

آپ ﷺ نے فرمایا تیرے باپ میں مومنوں کی صفات تھیں اس کے بعد اسے جملہ متعلقین کے ساتھ چھوڑ دیا زادِ راہ بھی دیا اور لباس بھی عنایت فرمایا۔

آج کے حکمران ہوتے تو بہن کو مجبور کرتے کہ تم بھائی کو ہمارے حوالہ کرو لیکن آپ ﷺ نے درگزر

کیا۔

عدی بن حاتم حضور ﷺ کا سخت مخالف تھا جب بہن نے اسے حضور ﷺ کی صفات بتلائیں تو اس نے ملاقات کا فیصلہ کیا اور جب عدی بن حاتم مدینہ آیا تو حضور ﷺ نے ان کو کھجور کا تکیہ پیش کیا اور خود زمین پر بیٹھے اور اس طرح اس نے اسلام قبول کر لیا۔

آپ ﷺ نے غزوہ حنین کے مال غنیمت سے ان لوگوں کو عطا کیا جو ماضی میں اسلام کو ختم کرنے کے در پے تھے۔

ابو سفیان	۱۰۰ اونٹ	
صفوان بن امیہ	۱۰۰ اونٹ	
عینیہ بن حصن	۱۰۰ اونٹ	
اقرع بن حابس	۱۰۰ اونٹ	
علقمہ بن علاثہ	۱۰۰ اونٹ	
مالک بن عوف	۱۰۰ اونٹ	(البدایہ والنھایہ جلد ۴ صفحہ ۳۵۹)

آپ ﷺ نے عظیم وسعت قلبی کا ثبوت دیتے ہوئے ان سب کا اکرام اور عزت کی۔

عمرؓ بن العاص وہ شخص تھے جن کو قریش مسلمانوں کی مخالفت اور اعلیٰ قابلیت رکھنے کی وجہ شاہ حبش کے پاس بھیجا تھا وہ حبش گئے اور کہا کہ مسلمانوں کو ہمارے حوالہ کر دو۔

عثمان بن طلحہؓ جو کعبہ کے کلید دار تھے جب یہ حضور ﷺ کی خدمت میں اسلام لانے کی غرض سے گئے تو آپ نے ان کو خوش آمدید کہا اور فرمایا:

"آج مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے ہم کو دے ڈالے"۔(انسان کامل از ڈاکٹر خالد علوی)

ابو سفیانؓ نے اسلام قبول کیا تو نہ صرف ان کو معاف فرمادیا بلکہ ان کے گھر کو امن گاہ قرار دیا۔

خالد بن ولیدؓ جو جنگ احد میں مسلمانوں کی ہزیمت کا سبب بنے۔ ایمان لانے کے بعد سیف اللہ کے قابل رشک خطاب سے نوازے گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ زید بن شعنہ پہلے یہودی تھے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ نبوت کی علامتوں میں سے کوئی بھی ایسی نہیں رہی جو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ دیکھ لی ہو۔ بجز دو علامتوں کے جس کے تجربے کی اب تک نوبت نہ آئی تھی۔

۱۔ آپ ﷺ کا حلم (برداشت) آپ ﷺ کے غصہ پر غالب ہوگا۔

۲۔ آپ ﷺ کے ساتھ کوئی جتنا بھی جہالت کا برتاؤ کرے گا اسی قدر آپ ﷺ کا تحمل برداشت زیادہ ہوگا۔ میں ان دونوں کے آزمانے کا موقع تلاش کرتا رہا اور آمدورفت بڑھاتا رہا۔ ایک دن آپ ﷺ حجرے کے باہر تشریف لائے۔ حضرت علیؓ آپ ﷺ کے ساتھ تھے ایک بدوی آیا اور عرض کیا۔ رسول اللہ میری قوم مسلمان ہو چکی ہے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ مسلمان ہو جاؤ گے تو تمہیں وافر رزق ملے گا اب حالت یہ ہو گئی ہے کہ قحط پڑ گیا ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ اسلام سے نکل نہ جائیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ اس وقت موجود تو کچھ بھی نہیں۔

اس پر زید بن شعنہ سے ایک باغ کا سودا ہوا۔ زید نے رقم پیشگی دے دی۔ ابھی اس معاہدہ میں کچھ دن باقی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی جنازے سے فارغ ہو کر ایک دیوار کے سائے میں تشریف فرما تھے میں (زید بن شعنہ) آیا اور آپ ﷺ کے چادر کے پلو کو پکڑ کر نہایت سخت لہجے میں کہا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ میرا قرض ادا نہیں کرتے۔ خدا کی قسم میں تم سب اولاد عبدالمطلب کو جانتا ہوں کہ بڑے نادہند ہو۔ حضرت عمرؓ کو غصہ آیا اور فرمایا کہ اے خدا کے دشمن تم کیا بک رہے ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور حضرت عمرؓ سے فرمایا: عمرؓ میں اور یہ ایک چیز کے زیادہ محتاج تھے وہ یہ کہ مجھے حق ادا کرنے میں خوبی برتنے کو کہتے اور اسے مطالبہ کرنے میں بہتر طریقے کی نصیحت کرتے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا جاؤ اس کو لے جاؤ اس کا حق ادا کر دو۔ اور تم نے جو اسے ڈانٹا ہے اس کے بدلے میں بیس صاع کھجوریں زیادہ دینا۔ (اسوہ اکرم ﷺ از ڈاکٹر عبدالحی۔ حوالہ جمع الفوائد)

ایک شخص ابھی معاہدہ کا وقت باقی ہے۔ گستاخی کرتا ہے۔ آپ ﷺ اس کو برداشت فرماتے ہیں۔ اسے جواب تک نہیں دیتے۔ اور حضرت عمرؓ کو ڈانٹنے کی وجہ سے مزید غلہ دینے کا حکم دیتے ہیں۔

ایک دفعہ مکہ میں قحط پڑا۔ لوگوں نے ہڈیاں اور مردار کھانا شروع کر دیا۔ ابو سفیان نے جو ان دنوں مسلمانوں کے دشمن تھے۔ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم لوگوں کو صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہو تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے تم خدا سے دعا کیوں نہیں کرتے۔

اس وقت قریش کی ایذا رسانیاں اور شرارتیں انسانیت کی حدود کو بھی پھاند گئی تھیں۔ لیکن ابو سفیان کی بات سن کر فوراً آپ ﷺ کے دست مبارک دعا کے لیے اٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قدر مینہ برسایا کہ مکہ جل تھل ہو گیا اور قحط دور ہو گیا۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ دخان)

جن لوگوں نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ کو انسانیت سوز تکالیف دیں۔ آپ ﷺ نے ان

سب کو برداشت فرمایا۔ معاف فرمایا اور فوراً دعا فرمائی۔

آج ملکی اور بین الاقوامی سطح پر جو عدم برداشت کی رو چل رہی ہے اس کی اصل اور بنیادی وجہ آپ ﷺ کے طریقہ کو چھوڑنا ہے۔

آج بھی اگر ہم سنت نبوی پر عمل کرنا شروع کردیں تو بے شمار اختلافات یکسر ختم ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سنت نبویؐ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دیں۔ آمین۔

عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

سیدہ ساجدہ گیلانی، اسلام آباد

عدم برداشت کا رجحان خواہ وہ کسی بھی سطح پر ہو اسلام سے دوری بے رخی اور بے زاری کی ایک واضح شکل ہے۔ کیونکہ اسلام تو تحمل میانہ روی، رواداری اور صبر کا سبق دیتا ہے جب انسان نفس کا غلام ہو جاتا ہے تو نفس اس کے اوپر سوار ہو جاتا ہے۔ جبکہ اسلام نے ہمیشہ نفس کی نفی کرنے اور اسے دبانے اور اس پر سوار ہونے کا درس دیا ہے اس لیے ایمان والوں کو فرمایا گیا یا ایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطن انہ لکم عدو مبین (۲: ۲۰۸) اے ایمان والو پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ فرمایا و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ و ھو فی الاخرۃ من الخسرین اور جو کوئی اسلام کے سوا دین چاہے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا (آل عمران ۸۵) پھر یہ بھی جتا دیا کہ دین میں جو کچھ بھی تمہیں بھیج چکا ہوں قرآن اور صاحب قرآن کی شکل میں اس میں کسی کمی اور زیادتی سخت گناہ ہے۔ فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کر لیا (المائدہ ۳) اب تو یہ واضح ہو گیا کہ مسلمان ہیں تو قانون اور رواج بھی خالصتاً اسلامی ہی چلیں گے کسی اور نظام یا مصلحتوں کی گنجائش ہی نہیں۔ رسول رحمت نبی آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صاف فرما دیا "خدا کی قسم کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے تابع نہ ہو جائے جو میں لایا ہوں" پھر یہ بھی فرما دیا کہ صرف تابع ہونا ہی کافی نہیں بلکہ اولیت بھی دینی ہے فرمایا کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے مال و جان اولاد (ہر چیز) سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔ گویا جب تک پورے کا پورا تعلیمات نبوی ﷺ پر عمل نہ ہو برداشت آ ہی نہیں سکتی جتنے انبیاء خلفا و لی اللہ اور بزرگان دین گذرے ہیں ان سب نے نفس کشی کا سبق دیا ہے اس پر عمل پیرا ہو کر دکھایا۔ گویا دکھ سکھ خوشی غمی اضطراب و بے کسی اور

صاحب اقتدار ہر کیفیت میں برداشت کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ بہادر شاہ ظفر نے کیا خوب کہا ہے ؎

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے ہو وہ کیسا ہی صاحبِ فہم وذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

آیئے ذرا جائزہ لیں کہ عدم برداشت کا رجحان ہماری زندگی کے کس کس پہلو سے عیاں ہے۔

گھریلو سطح پر:

عدم برداشت کا مظاہرہ سب سے زیادہ گھر میں ہی نظر آتا ہے خاص طور پر اگر گھر والے دیندار نہیں ہیں (عملی طور پر) تو نہ مرد عورت کو برداشت کرنے کو تیار ہے نہ عورت مرد کی حاکمیت کو تسلیم کرتی ہے۔ بچے ہیں تو وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ شریک ہو جاتے ہیں اگر باپ دو لفظ زور سے بولتا ہے تو بچہ چار لفظ کیونکہ بچے بڑوں ہی سے سیکھتے ہیں۔ اگر میاں بیوی شیر و شکر ہوں، گھر کا ماحول دیندار ہو بیوی میاں کو احترام دے میاں بیوی کی عزت کرے تو بچوں میں بھی یہی جذبہ کار فرما ہوگا۔ قرآن کے حکم سے بھی ظاہر ہے۔

الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ

مرد حاکم ہیں عورتوں پر کہ اللہ نے ان کو فضیلت دی ہے۔

اسلام تو یہ بتاتا ہے لیکن برا ہو اس مغربیت کا جس نے عورت کے دل و دماغ میں یہ خناس ڈال دیا ہے کہ مرد اور عورت برابر ہیں یا پھر گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ پھر جائے اس کے کہ مرد عورت کو دین کی طرف لگائے شادی ہوتے ہی گھر کا ماحول مغربیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ عورت ہے تو وہ اپنی جگہ اپنے آپ کو دیکھی ہوئی فلموں کی ہیروئن سمجھتی ہے مرد ہے تو وہ اپنے آپ کو کسی ملک کا شہزادہ یا ہیرو سے کم نہیں سمجھتا۔ شادی پر تمام دنیاوی فلمی رواج ناچ گانا لگتا ہے کسی انڈین فلم کی مووی بن رہی ہے۔ شادی کے بعد ہنی مون اگر یورپ میں نہیں تو سوات ایوبیہ وگرنہ مری تک تو ضرور ہے۔ سارے رسم و رواج گھر کے ماحول میں عیاشی آزادی، نہ نماز نہ روزہ، گھما گھمی، دعوتیں پارٹیاں، اسی ہلے گلے میں بچوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچے بھی ایسی ڈگر پر چلتے ہیں جس پر ماں باپ چل رہے ہوتے ہیں جب کہ قرآن کا سبق تو یہ ہے

یا ایھا الذین امنوا قوا انفسکم و اھلیکم ناراً و قود ھا الناس والحجارۃ

"اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (اہل و عیال) دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے"۔

اب باپ کبھی مسجد جاتا تو بچے بھی عادی ہو جاتے۔ اور کبھی نہ کبھی مسجد کی شکل دیکھ لیتے یا ماں نمازی ہوتی تو

کوئی بیٹا بیٹی بھی جانماز پر کھڑا ہونا سیکھ ہی لیتا۔ دوسرے صبح صبح اٹھ کر باہر جانے سے بچے کی ورزش ہوتی بلکہ صبح صبح باہر کا تازہ اور پر سکون ماحول بچے کی طبعیت میں سکون اور ٹھنڈک کا احساس پیدا کرتے کیونکہ پر سکون ماحول طبعیت کو سکون بخشتا ہے۔

پھر دوزخ کی آگ سے بچانے کا مقصد یہی ہے کہ ان کی تربیت دینی اور اسلامی خطوط پر کی جائے۔

۱۹۸۲ء میں ہمیں نائجیریا جانے وہاں ۳ سال رہنے کا موقع ملا اس وقت وہاں ہمارے ارد گرد کا ماحول خاصا اسلامی تھا وہ لوگ ہر کام کو سادہ آسان اور اسلامی طریقے سے کرتے بڑوں کو دیکھ کر احتراماً تھوڑا سا سر جھکانا بڑوں کے کام بھاگ کر کرنا ان کے ہاتھ سے سامان وغیرہ لے کر خود کرنا حالانکہ ہم ان کے ہم قوم نہیں تھے لیکن جہاں انہوں نے میرے میاں کو سامان لے کر آتے دیکھا بچوں نے خود لے کر اوپر تک چھوڑ کر جانا۔ یہاں تک کہ ۳ سال کے قیام کے دوران ہم نے کسی مرد یا عورت کو ایک دوسرے کا گریبان پکڑتے نہیں دیکھا نہ کسی چھوٹے کو بڑے کی بے عزتی کرتے دیکھا۔ بچے کی تعلیم کے ساتھ اس کی تربیت پر بھی نظر رکھی جائے صرف ڈگریاں لے لینا یا کلاس میں top کر لینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ حدیث ہے کہ "اپنے بچے کو ادب و تمیز کی ایک بات سکھانا ایک صاع ے تولے صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

ان السمع و البصر و الفؤاد کل اولئك كان عنه مسئولا

"بے شک کان آنکھ اور دل غرض ہر چیز سے سوال کیا جائے گا"۔

اسی طرح زبان کا بھی برداشت سے بڑا تعلق ہے دیکھئے برداشت کے سلسلہ میں ان ہی تین حسیات کا زیادہ تعلق ہے۔ انسان کسی چیز کو پہلے یا تو کان سے سنتا ہے یا آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ ان دونوں سے جو علم اسے حاصل ہوتا ہے اس پر عمل اس کا دل کرتا ہے یا اس کے کان اور آنکھوں سے جو وہ محسوس کرتا ہے اس کا سارا ایکشن یا ری ایکشن اس کے دل کے فیصلے کے بعد ہوتا ہے۔ پہلی دونوں حسیات کی رپورٹ پر فیصلہ کا اختیار دل کو ہے جب تک دل اسلامی تعلیمات کو مانے گا نہیں ان کی سچائیوں کا قائل نہیں ہوگا عمل کی نوبت نہ آئے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمادیا :

من لم يرحم صغيرنا و لم يؤقر كبيرنا فليس منا

"تم میں سے جو کوئی چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے (مسلمان) نہیں"۔

حقیقت میں یہ پہلا نقطہ ہے جو والدین اپنے بچوں کو اور اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے

سمجھیں اور پھر عمل کریں اور اوروں کو بھی کرائیں۔

اسلام نے ہر شخص کو عزت نفس عطا کی ہے اگر معاشرے میں چھوٹوں سے محبت اور بڑوں کی عزت بلا کسی تفریق ذات پات یا عہدے کے کی جائے تو یہ صحیح اخلاقیات ہیں والدین جب اپنے بڑوں کی دل سے عزت کریں گے تو ان کے بچے بھی اسی طرح ان کی عزت کریں گے۔ اگر صرف سامنے عزت کریں پیٹھ پیچھے ان کی بہتیری کمزوریوں کا مذاق اڑائیں تو یہ صرف دکھاوا ہے دلی عزت نہیں پھر ہمارے بچے بھی اسی طرح کریں گے عبداللہ بن ابی منافقوں کا سردار تھا جب اس کی منافقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمانوں پر عیاں ہو گئی تو ان کے بیٹے جو پکے اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ آپ ﷺ مجھے اجازت عطا فرمایئے کہ میں اپنے باپ کا سر خود قلم کر دوں کیونکہ اگر کوئی اور مسلمان اسے آپ ﷺ کی محبت میں قتل کرے تو ایسا نہ ہو کہ میں محبت پدری کے جوش میں اسے قتل کر کے اپنے اعمال خراب کر لوں۔ آپ ﷺ نے ان کے اس جذبے کی تعریف فرمائی اور قتل سے منع فرمایا بلکہ ان کی دلجوئی کے لیے عبداللہ بن ابی کے کفن کے لیے اپنا کرتا بھی عطا فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بزرگوں اور بوڑھوں کی عزت پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

"جو کوئی کسی بزرگ یا بوڑھے کی تکریم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے میں اس کی عزت کرنے والے پیدا فرمادیتے ہیں"۔

اسی طرح والدین کے بارے میں فرمایا کہ وہ تمہاری جنت بھی ہیں اور دوزخ بھی۔ یعنی اگر ان کی عزت و تکریم ان کے غصے ان کی تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے حسن سلوک کرو گے تو جنتی ورنہ دوزخی۔ اور یہ سب معاشرے میں برداشت پیدا کرنے کے لیے حدیں مقرر کی گئی ہیں۔ والدین کے سامنے اف تک کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے اسی طرح سسر اور استاد باپ تینوں کو باپ فرمانے کا مقصد تینوں تکریم کے لحاظ سے برابر ہیں۔ فرمایا:

"تیرے تین باپ ہیں ایک جس نے تجھے پیدا کیا دوسرے جس نے تجھے بیٹی دی اور تیسرے جس نے تجھے علم دیا"۔

ہمسایوں کے بارے میں بھی مسلم و بخاری کی حدیث: "اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا (تین بار فرمایا) جس سے اس کا ہمسایہ امن میں نہیں"۔ اب دیکھئے سب سے زیادہ برداشت کا مظاہرہ یہاں ہوتا ہے کہ آپ کو ہمسائے سے ہر قسم کی دست درازی کی ممانعت ہے اس کی جائز مدد کرنے' جائز حق سے محروم نہ کرنے کی تاکید ہے۔ مثلاً اسے اپنی دیوار میں کیل گاڑنے سے منع نہ کرو۔ سالن پکاؤ تو شوربہ زیادہ کر لو وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا حصہ ہے۔ قیامت میں بھی سب سے پہلا مقدمہ دو پڑوسیوں ہی کا ہو گا پھر معاشرے بھر میں برداشت کا مظاہرہ آپ نے اس طرح کرنا ہے دوسرے مسلمان کا مال و آبرو اور جان آپ کے ہاتھ سے محفوظ رہے اور

ہمارا جان و مال اور آبرو دوسرے کے ہاتھ سے محفوظ رہے۔ جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے: "وہ مسلمان نہیں جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ نہیں"۔

ایک حدیث میں تو مسلمان کو ایک جسم سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس کا ایک حصہ تکلیف میں ہو تو پورا جسم بے آرام رہتا ہے۔ (حدیث)

ذرا تجزیہ کریں کیا ہم اور ہماری نسل اپنے بڑوں کی ہمسایوں کی استادوں کی اس طرح تکریم کرتے ہیں جس طرح اسلام نے بتایا؟ کیا ہم نے ماں باپ کو وہ مقام دیا جس کا اسلام تقاضا کرتا ہے حضرت حسنؓ سے کسی نے نافرمانی کی (والدین کی) مقدار پوچھی تو فرمایا "اول ان کو کڑوی نظر سے دیکھنا دوسرا ملنا جلنا چھوڑ دینا تیسرا ان کو اپنے مال سے محروم کر دینا"۔ بقر عید سے پہلے ڈیرہ غازی خان میں تین بیٹوں نے مل کر باپ سے رقم لینے کے لیے اس کے دودھ میں زہر ملا دیا جب اس کو پتہ چل گیا (باپ کو) تو بیٹوں نے گلا گھونٹ کر مار دیا۔

اسلام نے اخلاقی برائیوں کے لیے کڑی سزائیں مقرر کی ہیں۔ مثلاً غیبت کی سزا مردہ بھائی کا گوشت کھانا ہے چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا اسی طرح حسد سب نیکیوں کو کھا جاتا ہے جس طرح لکڑی کو آگ کھا جاتی ہے۔ کیونکہ اخلاقی برائیاں تب سرزد ہوتی ہیں جب ہم نفس کو کھلی چھٹی دے دیتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان بزرگان دین نے نام کمایا دین و دنیا میں درجے ان کے بلند ہوئے جنہوں نے نفس کے خلاف جہاد کیے۔ کیونکہ نفس ہی شیطان ہے اور وہی انسان کو برائیوں کا حکم دیتا ہے اور آرزوئیں اور امیدیں دلاتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے امنینهم و لا مرنهم حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت کیجئے آپ ﷺ نے فرمایا "لا تغضب" "غصہ نہ کر" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمایا ایک بار فرمایا "پہلوان وہ نہیں جو مدمقابل کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ پر قابو پالے (حدیث) اس طرح صدمے کی حالت میں بال اور چہرہ نوچنے چھاتی پیٹنے کی بھی ممانعت کی۔ اسی طرح ماں اور باپ اگر اپنی جھوٹی انا اور میں کے چکر میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش میں رہیں گے تو اولاد کو یہی عملی درس ملے گا یہی وجہ ہے گھروں میں نااتفاقیاں ہمارے بچوں میں عدم برداشت کا رجحان پیدا کر رہی ہیں۔ پھر جب لڑکی شادی ہو کر نئے گھر کو جاتی ہے گھر سے یہ سبق ملتا ہے کہ دیکھو تم فلاں کی بیٹی یا فلاں کی بہن یا بھانجی ہو کسی سے دب کر رہنے کی ضرورت نہیں یا تم گری پڑی نہیں ہو فلاں خاندان کی فلاں ہو۔ اب دیکھئے جب لڑکی ان خیالات کے ساتھ سسرال میں آئے گی تو وہ کیا ساس سسر نند بلکہ خاوند کو برداشت کرے گی اس کے کسی بڑے رشتہ دار کی دھونس اس کے مزاج کو جگہ پر آنے ہی دے گی جب کہ حضرت فاطمہؓ دو جہان کے سردار کی بیٹی کس انکساری سے اپنے خاوند اور بچوں کی خدمت کرتی ہیں پانی کی مشک اٹھا اٹھا کر کندھے پر مستقل نشان پڑ گئے ہیں۔ چکی چلا چلا کر ہتھیلیاں گھس گئی ہیں گھر میں جھاڑو دینے

کپڑے میلے مگر رتبہ اور شان یہ کہ جنت کے مردوں کے سرداروں کی والدہ ہیں اور خود جنت کی عورتوں کی سردار۔ جھوٹی میں اور انا جاہلوں کا کام ہے ان عظیم ہستیوں کا نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ بیٹی حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونچا بولتا من کر مارنے کو دوڑتے ہیں۔ سعید عتیب تابعیؒ کی بات یاد آتی ہے کہ مسجد میں باقاعدہ آنے والا ایک غریب دیندار شخص جب کچھ دن مسجد نہ آیا اور آپ کے پوچھنے پر بتایا کہ بیوی کے انتقال کی وجہ سے نہیں آیا سعید عتیب تابعی نے افسوس کر کے نکاح کرنے کا پوچھا اس نے کہا مجھ غریب کو کون بیٹی دے گا فرمایا ہم دیں گے اور وہیں نکاح کا خطبہ پڑھ کر بیٹی کا نکاح ان سے کر دیا رات کو خود آکر گھر پہنچا گئے دراہم کی تھیلی بھیجی ہفتے بعد مسجد میں پوچھا ساتھی کو کیسا پایا انہوں نے بہت تعریف کی تو فرمایا نافرمانی یا سرکشی کرے تو ڈنڈے سے خبر لینا اور یہ وہ لڑکی تھی جس کی خوبصورتی کی وجہ سے یزید نے اپنے بیٹے کے لیے رشتہ مانگا تھا اور انکار پر کسی بہانے حضرت سعیدؒ کو کوڑے لگوائے تھے۔ تو یہ تھا دین کا حقیقی سبق جو بچوں میں حقیقی برداشت پیدا کرتا تھا۔ واقعہ کربلا اور متاثرین کربلا کی برداشت اور تحمل کی تو آج تک مثال نہیں ملتی۔

جسمانی اور ڈاکٹری سطح پر

جسمانی سطح پر بھی ہر قدم پر عدم برداشت کا رجحان نمایاں ہے بچے پڑھائی اور سکول کے بعد نہ کوئی ورزش نہ بھاگ دوڑ زیادہ رجحان اس بات کا ہے کہ پڑھائی کے بعد جو وقت ملتا ہے وہ ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر کارٹون انگلش مووی یا ڈرامہ دیکھ لیا جائے۔ سکول جانے کے لیے بھی ہر سکول کی اپنی بس ہے یا ویگن ہیں لہذا پیدل چلنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ اور نہ وقت ہے جن کے پاس گاڑیاں ہیں وہ ویسے ہی چند قدم بھی جانا ہو تو گاڑی سے جاتے ہیں سکول تو زیادہ تر چھوٹے چھوٹے گھروں میں پرائیویٹ کھولے گئے ہیں اس طرح بچوں کو جسمانی ورزش کا یا تو وقت نہیں ملتا یا کم ملتا ہے۔ بچوں کو بھاگ دوڑ اچھل کود کا موقع نہیں ملتا اس لیے جسمانی برداشت ختم ہوتی جا رہی ہے۔ یا سرے سے ہے ہی نہیں۔ ایک گورنمنٹ کالج میں نئے نئے داخلوں کے بعد جب پی ٹی کا پیریڈ ہوا تو آدھی کلاس کے لڑکے لڑکھڑا کر گر گئے کہ ان کو اس طرح حرکت کی عادت اور برداشت نہ تھی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن دیکھیں کہ ہوش سنبھالتے ہی اپنے دودھ شریک بہن بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے لگے جس سے ایک تو گرمی سردی کی برداشت کی عادت پڑی دوسرے بھیڑ بکریاں چرانے سے طبعیت میں بھی مسکینیت پیدا ہوتی ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر کام کو ہاتھ سے کرتے تھے مسجد نبوی ﷺ میں نیزہ بیزہ تلوار بازی کی تربیت بھی دیتے تھے خود بھی بچپن میں یہ سب کام کیے تھے جب کہ آج کل بچوں کو ماں باپ کام کی طرف اس لیے نہیں لگاتے کہ ان کے پڑھنے کا وقت ضائع ہو گا۔ مائیں خود بازار جا کر سودا سلف لے آتی ہیں بچے گلی کوچوں کے نکڑوں پر کھڑے وقت ضائع کرتے ہیں اگر اس طرح کے کام بچپن سے بچوں سے کرائے جائیں ان میں احساس ذمہ داری برداشت حکم ماننے

کی صلاحیت پیدا ہو نفس کی سرکشی حکم ماننے سے ختم ہوتی ہے پہلے زمانے میں جب کسی بچے کو بزرگوں کے پاس دینی تربیت کے لیے بٹھایا جاتا تھا تو وہ نفس کی سرکشی ختم کرنے کے لیے ان سے بھیک منگوایا کرتے تھے۔اس سے جھوٹی میں ختم ہوتی تھی یہی جھوٹی میں ہی تو ہے جو استاد والدین یا کسی بڑے کی بات برداشت کرنے نہیں دیتی۔اس کے ختم ہونے سے انسان میں صحیح معنوں میں کچھ سیکھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے نائیجریا میں بھی رواج ہے۔

ڈاکٹری سطح پر دیکھئے ادھر ایک چھینک آئی اور ادھر دوائیں شروع پہلے چھوٹی اور معمولی تکلیفوں کے لیے طب نبوی ﷺ سے استفادہ کیا جاتا تھا بزرگوں کے چھوٹے چھوٹے ٹوٹکے استعمال کیے جاتے تھے بلکہ پہلے تو چھوٹی موٹی بات کو تو اہمیت ہی نہیں دی جاتی تھی اب تو معمولی سی معمولی بات پر بڑے سے بڑے ڈاکٹرز سے مشورہ ہوتا ہے جس کا جتنا نام اور ڈگریاں ہیں اتنا ہی لمبا وہ نسخہ تھما دیتا ہے جب علاج کی شروع ہی اینٹی بائیوٹک اور ہائی پوٹینسی کی ادویات سے ہو گی تو بڑی تکلیفوں میں تو جسم عادی ہونے کی وجہ سے یہ دوائیں اثر ہی نہ کریں گے نتیجہ ہر چھوٹی بیماری کینسر پر جا ختم ہوتی ہے حالانکہ بچپن میں جن چیزوں کے فوائد طب نبوی ﷺ سے سنے تھے اب انگریز ڈاکٹروں سے سنتے ہیں جو مختلف مہنگی تحقیقات کے بعد سامنے لائے گئے۔ایک عزیز امریکہ سے تحقیق چیک اپ کرا کر ایک نسخہ لائے کہ فلاں ڈاکٹر نے بتایا کہ میتھی کے بیج کیپسول میں ڈال کر لیں تو شوگر کا شافی علاج ہے تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یاد آگئی فرمایا"اگر تم کو میتھی کے فوائد معلوم ہوں تو تم اس کو سونے کے بھاؤ خریدنے لگو"۔اسی طرح آپ ﷺ نے کلونجی' شہد' انجیر اور زیتون سے علاج بتائے ہیں۔

خواتین کے ہاں بھی اکثر بچے بڑے یا چھوٹے آپریشنوں سے پیدا ہونے لگے وہ دردیں جو عورت بچہ پیدا کرنے کے لیے لیتی تھی وہ نہ صرف بچے میں قوت مدافعت پیدا کرتی تھیں بلکہ عورت کی بخشش کا سبب ہوتی تھیں اب نہ تو ڈاکٹروں کے پاس اتنا وقت ہے کہ ان کو Waste کر سکیں اور انتظار کریں نہ عورتوں کے پاس اتنا Stamina ہے کہ ان کو برداشت کریں نتیجہ یہ باہمی رضامندی سے آپریشن کر دیا جاتا ہے بلکہ دوسرے ممالک میں تو درد محسوس ہونے کی دوائیں اور Spray آگئے ہیں۔نہ ڈاکٹر کو انتظار کر کے قیمتی وقت ضائع ہونے کا خوف نہ مریض کو درد برداشت کرنے کی مشقت۔ باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی۔

آج سے چودہ پندرہ سال پہلے مجھے علاج کے لیے لندن جانے کا موقع ملا کیونکہ بیماری نائجرین ڈاکٹروں کی سمجھ میں نہ آتی تھی تو حیرانی ہوئی کہ وہاں اس وقت ٹیکے گلوکوز وغیرہ بین Ban تھے جو آج بھی ہمارے ملک میں بیماری کا علاج ہیں۔بات سمجھ آئے نہ آئے گلوکوز کی ایک ڈرپ یا انجکشن تو کچھ نہیں کہتا۔ نتیجہ یہ کہ بہت سی بیماریاں ایسی ہو جاتی ہیں جو صحیح تشخیص نہ ہونے کے سبب کھائی جانے والی دواؤں سے پیدا ہوتی ہیں۔سب سے پہلے وہ معمولی تکلیف کو برداشت کرنے کا مشورہ دیتے ہیں پھر مختلف سوالات سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ بیماری

ئی سائیکالوجی پس منظر تو نہیں پھر جو دوا دی جاتی ہے وہ ہمارے ہاں کی طرح ہر میڈیکل سٹور سے نہیں خرید سکتے کٹر کی ہدایت پر جو دوا کم سے کم (Potency) قوت مقدار کی دی جاتی ہے وہ کیمسٹ پہلے فون پر ڈاکٹر سے تسلی کر کے ہدایت حاصل کر کے دیتا ہے جب کہ مقامی لوگ تو داخل ہوئے بغیر (جہاں انکی فائلیں کھلی ہیں تمام چھوٹی بڑی ئیات اس میں لکھی ہیں) علاج کرا ہی نہیں سکتے جو عموماً مفت ہوتا ہے یا متعلقہ ادارے کی طرف سے جہاں وہ ملازم تا ہے۔

پھر دیکھئے ہماری خوراک نے بھی ہماری برداشت کو کمزور کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ رسول اللہ صلی للہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے کسی ایک سے سوال کیا گیا کہ آپ کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمدہ سے عمدہ کھانا کیا تھا؟ فرمایا جو کے موٹے پسے ہوئے آٹے کی روٹی جس کو چھانا بھی نہیں جاتا تھا صرف پھونک مار کر ملکا اڑادیا جاتا تھا ایک بار میں نے ڈبے کی تلچھٹ کو توے کے اوپر روٹی پر الٹ دیا تو آپ ﷺ نے بڑے خوش ہو کر ول فرمایا بلکہ اوروں کو بھی دیا آپ ﷺ کا اچھے سے اچھا بستر کسی ام المومنین کے گھر چمڑے کا ٹکڑا تھا جس میں کھجور کے پتے بھرے تھے کسی کے گھر ایک کپڑا تھا جس کو سردی میں آدھا نیچے بچھاتے اور آدھا اوڑھتے۔ ایک بار چار تہہ کر کے بچھادیا تو فرمایا اتنا آرام وہ بستر ہے کہ گرمی یا نرمی تہجد کے لیے اٹھنے میں مانع ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں چونکہ غریب سے غریب بھی بچوں کے لیے اچھا اور نرم بستر بناتے ہیں اچھا اور بہترین کھانا کھلاتے ہیں چاہے وہ حرام ذریعہ سے صل ہو تو بچوں کے معدوں میں بھی برداشت نہیں رہی آجکل نہ صرف باریک معدہ نما آٹا کھایا جاتا ہے پھر اسے بھی ھان لیا جاتا ہے تو اس کی وجہ سے برداشت نہیں رہی کہ معدہ سخت غذا کھا سکے۔

یورپ میں آج کل اس بات پر تحقیق مسلسل ہو رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غذا میں ان کے صحابہؓ کی غذا میں کیا بات تھی کہ ہمسایہ ملک سے بھیجے گئے طبیب پورا سال ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہے۔ سب سے یادہ تحقیق جو پر ہو رہی ہے مختلف بیماریوں میں جو اور آش جو کا استعمال کرایا جا رہا ہے حالانکہ اصل شفا جو میں نہیں سلام کے اس نکتے میں پوشیدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ساری طب کو آدھی آیت میں جمع کر دیا ہے فرمان ربی ہے کلو و شربو ولا تسرفو (الاعراف) کھاؤ پیو اور بے جا نہ اڑاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہم ایسی قوم ہیں کہ ب تک بھوک نہ لگے نہیں کھاتے اور جب کھاتے ہیں تو پیٹ بھر کر نہیں کھاتے"۔ پھر پرہیز بھی علاج اور دوا کی طرح سنت ہے جو آج کل دوائیں استعمال کرائی جاتی ہیں ان میں سے ۷۰ فیصد میں الکحل اور نشہ آور ہوتی ہیں جب اسلام نے مسکرات اور منشیات کو حرام ٹھہرایا ہے شراب کے بارے میں تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ دوا نہیں یہ تو خود بیماری ہے (بخاری و مسلم)

پھلوں کے کھانے کے طریقے کو بدل کر ہم نے جوس کا طریقہ شروع کر دیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک

تو دانت نہ چبانے کی وجہ سے کمزور ہونے لگے دوسرے پھلوں کے چھلکوں کے اندر پھل کے اوپر گودے میں ج
Platelet بنانے کی تاثیر تھی وہ جسم تک نہیں پہنچتی بلکہ چھلکوں میں ضائع ہوتی ہے یہی حال دالوں کا ہے ہم دال کو
چھیل چھال کر دھو کر جب استعمال کرتے ہیں تو ساری طاقت جو ہماری قوت برداشت بناتی تھی چھلکوں میں یا زیاد
دھونے میں ضائع ہو گئی چاولوں کو ابال کر پانی پھینکنے میں ساری طاقت پھینک دی گئی۔

بین الاقوامی سطح پر

بین الاقوامی سطح پر بھی عدم برداشت کا رجحان زیادہ بڑھ رہا ہے پاکستان کے مقابلے میں دوسرے ملکوں می
چوریوں، ڈکیتیوں، قتل و غارت گری کے واقعات بہت زیادہ ہیں خصوصاً امریکہ اور یورپ میں جہاں جہاں جن جن
علاقوں میں اسلام نہیں وہاں جرائم کی تعداد زیادہ ہے انڈیا نے اپنے ہمسائیوں پر دست درازی کا سلسلہ مسلسل شرو
کر رکھا ہے امریکہ ہے تو وہ جہاں مرضی نہ چلے بمباری کرا دی ہر ملک پر دھونس اور دھاندلی سے مرضی منوانے
کوشش کرتا ہے ایمل کانسی کا اغوا بھی اسی دھونس اور دھاندلی جبر کی مثال ہے۔ اب لیبیا کے باشندوں کے پیچھے
ہے حالانکہ طاقت کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے ملکوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی جائے بلکہ اللہ
طاقت دی ہے تو اسے دوسرے چھوٹے ممالک کی مدد کے لیے استعمال کرے تاکہ وہ ترقی کر سکیں۔

آج سے پندرہ سو سال پہلے چشم فلک نے وہ بھی طاقت کا مظاہرہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ا
کثیر تعداد فوج کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے شکر خداوندی کے جذبے سے سر سواری پر جھکا ہوا لب پر اللہ کی بڑ
کی آیات تلاوت فرما رہے تھے۔ پھر حدیبیہ کی صلح کا منظر بھی یاد آتا ہے کہ صلح کی شرائط پر مسلمانوں کا دل خون ہو
ہے اور تو اور حضرت عمرؓ کا خون بھی جوش مار رہا ہے بظاہر شرطیں کتنی دکھ دینے والی ہیں تڑپتے ہوئے اسیروں کی
مدد نہیں کر سکتے انہیں کفار گھسیٹتے ہوئے لیے جا رہے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام اتار کر دوسر
کپڑے پہن لیتے ہیں تو صحابہؓ کرام خاموشی سے پیروی کرتے ہیں صرف اتنا پوچھتے ہیں کہ کیا یہ اللہ کے حکم سے ہے
آپ ﷺ کے اثبات میں جواب دینے کے بعد مسلمان خاموشی سے برداشت کر لیتے ہیں مثل مشہور ہے گرمی خو
اور نرمی دوسروں کو کھا جاتی ہے نتیجہ مسلمانوں کے حق میں ہوا جن شرائط کو کفار اپنی فتح سمجھ رہے تھے بعد میں ان کے
اپنے گلے میں پھنس گئیں۔ اسلام ہر چھوٹے اور بڑے معاملے میں برداشت اور حوصلے کا سبق دیتا ہے۔ حضور
اللہ علیہ وسلم کے سفر طائف کو دیکھئے کہ مہمان نوازی کے بجائے اوباش لڑکوں کو پیچھے لگاتے ہیں جو پتھر مار کر
حضور ﷺ کو زخمی کر دیتے ہیں اور جوتے مبارک خون سے تر ہو جاتے ہیں اور جب پہاڑوں کا فرشتہ اجازت طلب
کرتا ہے کہ ان کو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں تو فرماتے ہیں "یہ لوگ مجھے نہیں جانتے امید ہے ان کی اولاد سے
نیک لوگ پیدا ہوں گے" جب کہ ہم لوگ ذرا سی طاقت ملنے پر فرعون بن جاتے ہیں پہلے تو ہر کسی چیز کو حاصل

کرنے کے لیے جائز و ناجائز طریقے سے کوششیں کی جاتی ہیں دھونس' دھاندلی' رشوت' سفارش جس طرح بن پڑے اچھی نوکری عہدہ یا رشتے ناطے کو اپنا حق سمجھ کر حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس طرح بھی کامیابی نہ ہو تو تعویذ گنڈے اور کالے جادو سے بھی گریز نہیں کیا جاتا ابھی چار ماہ پہلے میری بیٹی شادی کے چوتھے روز غیر یقینی موت کا شکار ہو گئی۔ میں رشتہ کے دوسرے امیدواروں کی دھمکیوں میں نہ آئی اور کوئی احتیاطی تدابیر اختیار نہ کیں اللہ تعالیٰ اسی طرح کسی کے اعمال کو ضائع کرتا ہے ایسے لوگوں کا ایمان بھی خراب ہوتا ہے لیکن ان کو اس بات کی پروا نہیں ہے۔ "جو شخص ایسی چیزوں سے سحر منتر وغیرہ کا خریدار ہو گا اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور جس چیز کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا وہ بری تھیں کاش وہ اس بات کو جانتے" (البقرہ ۱۰۲) ایک جگہ فرمایا "جادوگر فلاح نہیں پائیں گے" (کرنے والے اور کرانے والے) (یونس۔ ۷۷)

ایک شخص کے متعلق مشہور تھا کہ وہ اسم اعظم جانتا تھا اس کے پاس ایک دوسرا شخص اسم اعظم سیکھنے کے لیے آیا پہلے شخص نے پوچھا تم اسم اعظم سیکھ کر کیا کرو گے کیونکہ اس کے عالم کو تو بہت صبر و تحمل اور حوصلے والا ہونا پڑتا ہے؟ پہلے شخص نے کہا میں اسم اعظم سیکھ کر مظلوموں کی مدد کرنا چاہتا ہوں ابھی جب میں آ رہا تھا شہر کے نکڑ پر کوتوال کے آدمیوں نے ایک بوڑھے لکڑہارے کو پکڑ کر خوب مارا پیٹا اور اس کی لکڑیاں اور گھوڑے کی زین بھی چھین لی۔ اسم اعظم کے عالم شخص نے کہا تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اسم اعظم میں نے اسی بوڑھے لکڑہارے سے سیکھا ہے۔ حقیقت میں اسلام ہی ہمیں سکھاتا ہے کہ طاقت کے ہوتے ہوئے بھی اس کے استعمال میں کتنی احتیاط کی ضرورت ہے اور کتنا برداشت کرنا ہوتا ہے۔

روس کو ویٹو کی طاقت حاصل ہے اور اس کو وہ ہر دفعہ استعمال کر کے کشمیری مسلمانوں کے حق رائے دہی کے خلاف ایک بند باندھ دیتا ہے اسی طرح جن ملکوں کو اللہ نے طاقت دی ہے وہ اس کو چھوٹے ملکوں کی فلاح کے لیے استعمال کریں تو ان کا بھی بھلا ہو گا لیکن اپنے علاوہ دوسروں کو برداشت کرنا بڑی بات ہے۔

میرے اپنے خیال میں ہم پاکستانیوں میں برداشت کا مادہ بالکل ہی کم ہے نائیجریا میں قیام کے دوران جب کبھی ہسپتال جانے کا اتفاق ہوتا تو دیکھنے میں آتا کہ نائجیرین بڑی پرسکون اور منظم قوم کی طرح اطمینان سے باری کا انتظار کرتے بڑی بڑی لائنوں میں مرد عورتیں اطمینان سے خود بھی کھا پی رہے ہوتے اور بچوں کو بھی کھلا رہے ہوتے اور بچے بھی تسلی سے بیٹھے رہتے۔ جب کہ پاکستانی انڈین خنگہ دیشی بے چینی میں رہتے کبھی فلاں سے مل فلاں ڈاکٹر کی سفارش اور جلد فارغ ہو جاتے پہلے پہلے نائجیرین محسوس نہیں کرتے تھے لیکن بعد میں بہت محسوس کرتے کہ کیا ہم انسان نہیں ہیں۔ اسی طرح جب سڑک پر بتی لال ہوتی نائجیرین جہاں ہوتے وہیں رک جاتے لیکن ہمارے پاکستانی ادھر سے گھس ادھر سے پوری کوشش کرتے کہ اشارے کے کھلتے ہی سب سے پہلے نکل جاؤں خواہ اس کوشش میں

حادثہ کیوں نہ ہو جائے۔

۱۹۸۵ء میں مجھے عراق جانے کا اتفاق ہوا ہمارا جہاز بغداد اترنے والا آخری جہاز تھا شدید جنگ تھی (جہاز میں صرف ہماری فیملی تھی یا ایک شخص بٹیرے لے کر جا رہا تھا) ایران نے اعلان کیا تھا کہ اب جو جہاز چڑھا وہ مار گرایا جائے گا نتیجتاً ۱۰ دن کوئی جہاز گیا نہ آیا دس دن کے بعد فضائی سروس حال ہوئی ایئر پورٹ پر شدید رش تھا پہلے انڈیا کے دو جہاز بورڈ ہوئے ۷۰۰ یا ۸۰۰ لوگ بورڈ ہوئے انتہائی ڈسپلن سے کوئی ہنگامہ نہ ہوا حالانکہ ان کے خطوط بھی سنسر ہوئے ان کی کیسٹس روک لی گئیں (جاسوسی کے خوف سے اس کے بعد ایک پاکستان کے لیے جہاز کا اعلان ہوا وہی پاکستانی جو ابھی تک کھڑے گپیں لگا رہے تھے ایسے ہو گئے جیسے ایک دوسرے کے دشمن ہوں دھکم پیل گالی گلوچ ہر آدمی آگے جانے کی کوشش میں ایک دوسرے کے گریبان پکڑنے تک نوبت پہنچ گئی ہر آدمی دوسرے کو دھمکیاں دے کہ دیکھوں تم کیسے سوار ہوتے ہو کاؤنٹر والی عورت نے دو تین بار کہا کہ قطار بنا کر آئیں اگر طریقے سے نہ آئے تو میں کسی کا سامان نہیں لوں گی۔ لیکن ہر بندہ سمجھ رہا تھا وہ چلا گیا میں رہ گیا آخر عورت نے غصے میں کاؤنٹر بند کر دیا کہ جاؤ آج فلائٹ ہی نہیں جائے گی۔ میرا وہاں سب دیکھ کر دل خون کے آنسو رو رہا تھا یہ الگ پریشان مسافر دور دراز سے آئے ہوئے تھے سب پڑھے لکھے ڈاکٹر انجینئر (زیادہ تر) تھے لیکن جو مظاہرہ کیا شرم سے سر جھک گئے۔

ہم مسلمان ہیں ہمارے آقا نبی ﷺ رحمت نے تو دنیا کو ایسا منشور دیا جس نے بدّوؤں کو سنوار دیا تو ہم کس سمت جا رہے ہیں۔ ہمارے بچے ہم سے کیا سیکھیں گے۔ ہمارے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو تو اللہ نے بہترین نمونہ بنا کر بھیجا۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تمہارے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ ہمیں ہر صورت میں ان کی پیروی کرنی ہے۔ آپ ﷺ کی ساری زندگی تسلیم و رضا کی مثال ہے پیدا ہوئے تو والد نہ ہونے کا صدمہ ذرا بڑے ہوئے تو ماں اللہ کو پیاری ہو گئیں دادا نے ہاتھ تھاما تو وہ بھی جلد ہی بچھڑ گئے بعثت کے بعد سارے عزیز و اقارب وطن والوں کی مخالفت۔ پھر پے در پے بیٹوں کی وفات بیٹیوں کی طلاقیں پھر ان کی موت اپنے ہاتھ سے اپنے جگر گوشوں کو دفنایا ان کی تکلیفوں پر صبر کرنا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا عزم و حوصلہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اللہ نے برداشت دی تھی ہم تو اس کے سویں حصہ کے برابر بھی نہیں ہو سکتے لیکن کوشش کرنا فرض ہے حد تو یہ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے بتا دیا لیکن برداشت کی انتہا دیکھئے کہ کبھی اس تقدیر کو بدلنے کی دعا نہیں کی حالانکہ ایک بار بھی دعا فرماتے تو اللہ تعالیٰ کبھی نہ فرماتے۔ مدینہ آکر بھی آپ ﷺ نے مسلسل مشکل حالات کاٹے بے انتہا معاشرتی اور معاشی مسائل پے در پے جنگیں یہودیوں اور منافقوں کی ریشہ دوانیاں لیکن قربان جایئے اس نبی ﷺ رحمت کے کہ جنگ کا میدان ہے تو بھی سب سے آگے سینہ سپر ہیں کبھی پیٹ پر پتھر باندھے خندق کھودتے نظر آتے ہیں غزوہ تبوک میں بلا کی گرمی

سفر سواریوں کی کمی میلوں پیدل چلنا پڑتا ہے یا باری سے سوار ہوتے ہیں خوراک دیکھیں ناکافی خوراک ہے محنت مسلسل ہے اگر ہم اپنے نبی ﷺ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل میں کم کھائیں پیدل چلیں جب موقع ملے کیونکہ کھانے کے بارے میں تاکید ہے کہ ایک حصہ کھانے کا ایک پینے کا تیسرا حصہ سانس لینے کے لیے رکھیں جب کہ ہمارے ہاں یہ طریقہ ہے کہ ایک تو لازمی تین بار کھانا ہے بھوک ہو نہ ہو پیٹ پورا بھر لیا پانی خود جگہ بنالے گا۔ سانس کا کیا ہے آئے نہ آئے طائف جانے کا اتفاق ہوا تو سوچ یہی آئی کہ اتنا مشکل سفر (تب تو سڑکیں بھی نہ تھیں) اتنے مشکل پہاڑ کس طرح رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ نے سر کیئے ہوں گے۔ آپ ﷺ کی جفاکشی پر رشک آتا ہے۔ اب ہمارے لوگوں کی برداشت دیکھیئے کہ نرم سے نرم بستر قدم قدم پر سواری مرغن سے مرغن کھانے باریک چھنے آٹے کی روٹی تو ہمارے جسم کو جفاکشی کی دولت کیسے نصیب ہو گی۔ بقول علامہ اقبال۔

تیرے صوفے ہیں افرنگی تیرے قالین ایرانی
جو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

اللہ نے مصائب کے باوجود زندگی کو صبر و ہمت سے گزارنے کا سبق دیا فرمان ربی ہے لا رھبانیة فی الدین دین میں رہبانیت نہیں ہے پھر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ زندگی گزار کر دکھا بھی دی اسی طرح زندگی کی ناکامیوں سے یا پریشانیوں سے گھبرا کر خودکشی سے منع فرمایا گیا ہے بلکہ خودکشی کو حرام قرار دیا ہے۔ ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما (النساء۔ ۲۹) اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے۔

جسم میں برداشت پیدا کرنے کے لیے خوراک کو اس کی اصلی شکل میں استعمال کیا جائے دالوں وغیرہ کو چھلکے سمیت استعمال کیا جائے پھلوں کو جوس کے بجائے اس کی اصل شکل میں کھایا جائے گنا وغیرہ دانتوں سے چھیل کر کھایا جائے تو نہ صرف دانت مضبوط ہوتے ہیں بلکہ اس کا رس جسم کے لیے بہت مفید ہے اسی طرح چھوٹی چھوٹی تکلیفوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے گئے طریقے سے علاج کیا جائے تو دواؤں کے Side efects سے مزید بیماریوں سے بچت ہو گی بلکہ سنت کا ثواب ہو گا جس میں برداشت پیدا ہو گی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم اپنی پھوپھی یعنی کھجور کے درخت کی قدر کرو کہ اس کی تخلیق تمہارے باپ آدمؑ کے خمیر سے بچی ہوئی مٹی سے ہوئی تم اپنی عورتوں اور بچوں کو کھجوریں کھلاؤ اگر کھجور نہ ملے تو چھوارے دو (بخاری) بھارت میں تحقیق کے بعد کھجور کو بہترین غذا قرار دیا ہے قبض کے لیے علاج ہے کھانسی میں مفید ہے بلغم نکالتی ہے عضلات کے درد کا علاج ہے حضرت سعد بن ابی وقاص کو دل کا دورہ پڑا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی کھجور عجوہ (جو زہر کے اثرات میں بھی مفید ہے) کے ۷ دانے روزانہ گٹھلی سمیت چند روز کھلائے تو کبھی دل کا دورہ نہیں پڑا۔ اسی طرح شہد سو سے زیادہ بیماریوں کا علاج ہے۔ انجیر جس کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے بہت سی بیماریوں کا علاج ہے جس میں اہم بواسیر اور

گھٹیا ہے۔ زیتون کی بھی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے اس میں ۷۰ سے زیادہ بیماریوں کا علاج ہے یہاں تک کہ کوڑھ کا بھی علاج ہے۔ جو کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں خاص اہمیت حاصل تھی۔ امراض قلب جسمانی کمزوری۔ آنتوں کی سوزش معدہ کے زخم اور نفسیاتی مسائل میں جو کا دلیہ اکسیر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تلبینہ (جو کا دلیہ) دل کے عوارض دور کرنے میں لاجواب ہے اور غم واندوہ کو رفع کرتا ہے۔ (بخاری) جالینوس کا قول ہے کہ جو ایسا اناج ہے جو بیماروں اور تندرستوں دونوں کو یکساں مفید ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب کوئی صدمہ پیش آتا تو اہل خانہ کو جو کا دلیہ کھلایا جاتا کیونکہ یہ غم واندوہ کو دل پر اثر کرنے نہیں دیتا۔

کثرت سے شہد کا استعمال عمر بڑھاتا ہے شہد کینسر کا علاج ہے کیونکہ اس میں بھاری مقدار ہائیڈروجن کی ہے۔ آپ ﷺ صبح نیند سے بیدار ہو کر غسل خانے سے فارغ ہو کر بعد مسواک و وضو کے شہد پانی میں حل کر کے پیتے تھے ۲۳ سال عہد رسالت میں کبھی بیمار نہ ہوئے معدہ کی تیزابیت ہاضمہ اور جگر کے امراض میں مفید ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے علاوہ بھی کافی روزے رکھتے تھے یہ بھی برداشت بڑھانے میں بے حد مفید ہیں۔ کیونکہ روزہ ہی نفس کو صحیح طریقے سے کنٹرول کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ ڈھال ہے جس طرح ڈھال دشمن سے حفاظت کرتی ہے اسی طرح روزہ نفس کے دشمن سے بچنے کے لیے ڈھال ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقیات کی سنتوں کی پیروی کرنے سے خود بخود برداشت آئے گی کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے بہترین وہ ہیں جن کا اخلاق بہترین ہو'' ایک بار فرمایا ''بد اخلاقی اعمال کو اس طرح خراب وبرباد کر دیتی ہے جس طرح سرکہ شہد کو''۔

بچوں سے محبت سے پیش آئیں غلطی سرزد ہونے پر سب کے سامنے نہ ٹوکیں ورنہ بات بے اثر ہو گی دل آزاری کا امکان ہے بہتر ہ موقع پا کر تنہائی میں سمجھائیں حضرت ابو الدرداؓ فرماتے ہیں ''اگر تو نے اپنے بھائی کو سب کے سامنے نصیحت کی تو اسے ذلیل کر دیا تنہائی میں نصیحت کی تو اسے مزین کر دیا''۔ والدین نے اپنے بچوں کو شوہر اپنی بیوی کو مالک اپنے نوکر کو سرزنش ضرور کرے لیکن بد کلامی سے پرہیز کرے ورنہ گنبد کی آواز کی طرح کل کو وہ بھی یہی کریں گے۔ حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مومن عن و تشیع کرنے والا نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی پر لعنت بھیجتا ہے اور نہ فحش کلامی کرتا ہے اور نہ بکواس کرتا ہے'' (ترمذی) حضرت انس بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کہ بد زبانی جس چیز میں ہو اس کو عیب دار کر دیتی ہے اور حیا و شرم جس چیز میں ہو اس کو زینت دے دیتی ہے'' (ترمذی) اسی طرح رشتہ داروں سے اگر کوئی غلطی ہو جائے اسے معاف کرنے کی کوشش کرو دل بڑا کرو طعنہ زنی اور چغل خوری نہ کرو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ویل لکل ھمزۃ لمزۃ اسی طرح بدگمانی جاسوسی اور غیبت سے بھی منع فرمایا گیا ہے ''اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو بعض گمان

گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے"۔ (۱۲۔۴۹)

اسی طرح باقی اخلاقی برائیوں سے بچنے کی برداشت پیدا کریں اپنے چھوٹوں عزیزوں رشتہ داروں گھر کی عورتوں کی اخلاقی اور دینی تربیت کریں جب کسی کو نیکی کی دعوت دیں تو اس کے ساتھ محبت سے پیش آئیں گناہ کرتے دیکھیں تو نہایت نرمی سے سمجھائیں جب انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خلفاء کی پیروی کرے گا خود بخود ان کی نقل کرتے کرتے صحیح ہو جائے گا پھر پورے ملک میں یہ جذبہ ابھرے گا جس کے تحت منبر پر کھڑے خلیفہ عمر فاروقؓ کو ایک جوان پکار کر کہتا ہے اے عمرؓ ہم تمہاری بات نہ مانیں گے کیونکہ تم نے بے انصافی کی ہے وہ پوچھتے ہیں کیا؟ تو جواب میں وہ شخص کہتا ہے بیت المال سے جو چادریں ملی ہیں اس میں ہماری قمیض نہیں بنتی تم تو دراز قد ہو تمہاری کیسے بن گئی ہے۔ عمرؓ فرماتے ہیں اس کا جواب میرا بیٹا دے گا ان کے بیٹے عبداللہ کھڑے ہو کر کہتے ہیں میں نے اپنے حصے کی چادر انکو دی ہے اس پر وہ نوجوان مطمئن ہو کر کہتا ہے اب ہم تمہاری بات سنیں گے اسی طرح ازواج مطہرات نہ ایک دوسرے سے نہ حسد کرتیں نہ دشمنی بلکہ محبت اور عزت سے ایک دوسرے کو برداشت کرتیں ایک بار حضرت عائشہؓ نے حضرت صفیہ کے قد کے بارے میں کوئی بات کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ ایسی بات نہ کی جائے۔

حضرت ام حبیبہؓ (ام المومنین) نے انتقال سے پہلے حضرت عائشہؓ کو بلایا اور کہا میرا تمہارا سوکنوں کا معاملہ ہے کوئی چھوٹی موٹی رنجش یا غلط فہمی ہو تو اللہ تمہیں بھی معاف فرمائے اور مجھے بھی درگزر فرمائے انہوں نے آمین کہا تو بولیں تم نے مجھے بہت خوشی پہنچائی ہے اللہ تمہیں بھی معاف فرمائے طبقات میں لکھا ہے کہ اسی طرح ام سلمہ کے پاس بھی آدمی بھیج کر معافی حاصل کی تا کہ جو دنیا کا معاملہ ہے یہیں نمٹ جائے اور آخرت کا بوجھ سر پر نہ رہے۔

اسی طرح واقعہ افک میں حضرت عائشہؓ پر تہمت لگنے سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت فراخدلی سے معاف فرمادیا اسی طرح حضرت ابو بکرؓ اور عائشہؓ نے بھی بغیر بدلہ لیے درگزر فرمایا۔

اسوہ حسنہ کے ہر پہلو میں مسلمانوں کے لیے سراسر خیر اور ایک مربوط نظام ہے جو زندگی گزارنے کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے لیکن چند باتیں ماننے سے وہ پر اثر نہیں رہتے جب تک پورے کے پورے اسلام میں داخل ہونے والی کیفیت پیدا نہیں ہوتی اور انسانیت اپنے معراج تک نہیں پہنچتی۔ جب کوئی شخص پورے کا پورا اتباع سنت میں ڈوب جاتا ہے تو ہمیں صحیح انسان کا چہرہ نظر آتا ہے نفس کی اسی کیفیت کو نفس مطمئنہ یعنی کامیاب یافتہ کہا گیا ہے۔

وما علینا الا البلاغ

عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

مسز بلقیس وہاب، اسلام آباد

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ، اما بعد

میرے لیے یہ امر قابل فخر اور باعث مسرت ہے اور اسے میں اپنی خوش بختی پر معمول کرتی ہوں کہ اپنے محدود علم کے باوجود ایک مسلمان عورت کی حیثیت سے "عدم برداشت کا قومی و بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم" کے موضوع پر قلم اٹھانے کی جسارت کر رہی ہوں۔

جب تک یہ بزم آب و گل باقی ہے افضل الرسل خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک ہمارے لیے رہبر اور روشنی کا مینار رہے گی۔ اگر تمام درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندر سیاہی تو بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی ﷺ کی تعلیمات کے بیان کے لیے ناکافی ہیں۔

دراصل قرآن اور حیات نبوی ﷺ معناً ایک ہی ہیں۔ قرآن متن ہے اور سیرت اس کی تشریح، قرآن علم ہے اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا عمل، قرآن کریم اوراق و صفحات ہیں اور ذات نبوی ﷺ ایک مجسم و ممثل قرآن ہے جسے لاکھوں انسانوں نے مدینہ طیبہ کی گلیوں میں برسوں سرگرم عمل دیکھا۔

ہمیں کسی ثانیے اس حقیقت سے صرف نظر نہیں کرنا چاہیے کہ "قال رسول اللہ" کا مطلب ہے "ارشاد خداوندی ہے" اور فصل رسول اللہ کے معنی یہ ہیں کہ "ارادہ خداوندی یوں ہے" آج سے تیرہ سو برس پہلے عرب میں "عدم برداشت" کا رجحان پایا جاتا تھا اور وہاں کے باشندوں کی اخلاقی حالت جو کچھ بھی تھی وہ اظہر من الشمس ہے سارا قرآن کریم ان کے کارناموں سے بھرا پڑا ہے چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہزاروں بندگان خدا کا خون بہا دینا ان کے لیے معمولی بات تھی۔

آفتاب نبوت ﷺ کے طلوع کے وقت پوری دنیا پر کفر و ظلمت کے گہرے بادل چھائے ہوئے تھے

انسان خوف و حزن کے عالم میں راہ گم کردہ ٹھوکریں کھارہا تھا اسے اپنی منزل مقصود کا پتہ نہ تھا۔ راہ حیات کا خالق کائنات کا تصور ذہن انسانی سے محو ہو چکا تھا بحر و بر میں فساد برپا تھا اخلاقی حالت انتہائی ناگفتہ بہ تھی۔ ظلم و ستم، قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا ہر طرف جہالت کا دور دورہ تھا۔

شدید نسلی و قومی تعصب، بے قید سیاست اور ظالمانہ معاشرتی اور مجلسی رسم و رواج معاشی و معاشرتی بحران اس دور کے اہم اجتماعی مفاسد میں سے تھے۔ غرض جہالت کی ایک خوفناک تاریکی تھی جو ملک عرب کو گھیرے ہوئے تھی۔ سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس عہد میں تشریف لائے تو رحمتہ اللعالمین بن کر تشریف لائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و ما ارسلنٰك الا رحمة للعالمین

اور ہم نے آپ کو صرف اور جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جو مذہب ہمارے لیے لائے وہ اسلام ہے اسلام کے لغوی معنی سر تسلیم خم کرنے کے ہیں اور اپنے آپ کو سپرد کر دینے کے ہیں۔ تعلیمات نبوی ﷺ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی بنیاد پر ایک نظام حیات پیش کر کے انسانوں سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ اس کی پیروی کریں اور اسے اپنے لیے لائحہ عمل قرار دیں۔

میرا آج کا موضوع "عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم" ہے۔

عام زندگی یا روزمرہ استعمال میں دو قسم کی اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں اول عدم "برداشت" دوئم "بے صبری" بادی النظر میں تو ان کے معنی ایک ہیں لیکن ان الفاظ کو اگر احادیث اور تعلیمات نبوی کی روشنی میں دیکھا جائے تو ایک واضح فرق سامنے آتا ہے۔ نفس انسانی کے اندرونی خلفشار جو انسان کے ذہن پر اثر انداز ہو' دل اور دماغ کے دانشمندانہ عمل کو صبر کہتے ہیں اور اس سے مختلف عمل کو بے صبری' غصہ' نفرت اور دیگر منفی جذبات انسانی' کی صورت میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ ذہن میں موجود خیالات کا مرکز ہر بیرونی عوامل کے اثر انداز ہونے اور اس کے ردِ عمل کو برداشت کرنے کو کہتے ہیں اس کا تعلق انسان کے قلب سے ہوتا ہے اس کا انحصار مندرجہ ذیل باتوں پر ہوتا ہے۔

۱۔ اصل شخصیت:

ایک چھوٹے بچے کے ذہن کی مثال ایک کورے کاغذ کی مانند ہے مگر ضروری نہیں کہ کورا کاغذ سفید ہی ہو یا بہترین مادے سے بنا ہو انسان کی بنیادی شخصیت جو کہ حالات کے عوامل سے پاک ہوتی ہے اس کا اس کے ذہن پر

بہت اثر ہوتا ہے۔

۲۔ حالات :

شخصیت پر اثر انداز ہونے والے حالات انسان کی قوت برداشت کو متغیر کرتے ہیں۔ بعض حالات انسان کی برداشت کو اس حد تک لے جاتے ہیں کہ اس کا ذہن کسی بھی قسم کے منفی عوامل کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ نتیجۃً ذہن کا منفی حالات پر رد عمل یکساں رہتا ہے۔

۳۔ تربیتی ماحول :

مختلف تربیتی ماحول سے نشو و نما پانے والے اذہان ایک واقع Situation پر مختلف طریقے سے رد عمل ظاہر کرتے ہیں مگر ایک مخصوص تربیتی ماحول میں پرورش پانے والے اذہان بھی مختلف Situation واقعہ پر مختلف رد عمل ظاہر کرتے ہیں مگر ان کے رد عمل کی بنیاد اس تعلیمی ماحول کی عکاسی کرتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نے انسان کو زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ بتایا قومی و بین الاقوامی امور سے عہد براء ہونے کا راستہ دکھایا۔ آپ ﷺ نے تزکیہ اور تصفیہ باطن کو جداگانہ ابواب میں مرتب فرمایا۔ ان گنت درود و سلام ہوں آپ ﷺ پر جن کی نگاہ اعجاز کے سب محتاج ہیں۔ آج پھر عالم اسلام کی ضرورت ہے کہ انہی تعلیمات کی روشنی میں اپنی منزل کا تعین کریں۔ آج کی سسکتی اور پریشان حال دنیا کا علاج معلم کتاب و حکمت کی تعلیمات میں مضمر ہے۔ آج کا انسان تعلیمات نبوی کی روشنی میں ضابطہ حیات قرآن و سنت کو عملی طور پر نافذ کر کے شرف انسانی کے رفیع مقام کو پھر حاصل کر سکے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

و یعلمکم ما لم تکونوا تعلمون

نبی تم کو وہ کچھ سکھاتے ہیں جو تم نہ جانتے تھے۔

معلم کائنات نے دنیا کو کامل تعلیم دی' آج کل ہم ان اقدار و روایات کو بھول کر عدم برداشت کا شکار ہو چکے ہیں۔ بارگاہ اقدس کا کونسا تلمیذ ہے جو کشت زار علوم کے لیے باران رحمت ثابت نہیں ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ جو کہ چالیس سال تک قوم میں گذری زندگی کے کسی شعبہ میں کوئی سقم نہیں پایا گیا۔ عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حفت الجنة بالمكاره و حفت النار بالشهوات۔ (مشکوۃ)

"حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جنت کو ایسی چیزوں نے گھیر رکھا ہے جنہیں انسان کا نفس ناپسند کرتا ہے اور جہنم کو ایسی چیزوں نے جو نفس کو مرغوب ہیں"

یعنی خواہشات اور آرام و راحت کی قربانی دیئے بغیر ایک مسلمان جنت کا حق دار نہیں ہو سکتا۔

اصول ہر برداشت اور تعلیمات نبوی ﷺ :

عن حذیفة قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تکونوا امعة تقولون ان احسن الناس احسنا و ان اساء و اظلمنا ولکن و طنوا انفسکم ان احسن الناس ان تحسنوا و ان اساء و افلا تظلموا۔

(مشکوۃ باب الظلم)

"حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! زمانہ ساز نہ بن جاؤ یہ کہتے ہوئے کہ اگر لوگ حسن سلوک سے پیش آئے تو ہم بھی اچھا برتاؤ کریں گے اور اگر انہوں نے بد سلوکی کی تو ہم بھی ظلم کریں گے بلکہ اپنے آپ کو اس بات کا خوگر بناؤ کہ اگر لوگ اچھا برتاؤ کریں تب بھی تم حسن سلوک سے پیش آؤ اور اگر وہ ظلم کی راہ پر چلیں تو تم ان کی تقلید نہ کرو"۔

موضوع عدم برداشت کا قومی و بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ کے بارے میں آپ ﷺ نے قرآنی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت کے لیے صبر و تحمل اور استقلال سے کام لیا یہاں تک کہ آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے 'آپ ﷺ کو پتھر مارے جاتے علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر گندگی پھینک دی جاتی۔ تاکہ عفونت و بدبو کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت اور جمعیت خاطر میں خلل واقع ہو اس کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی عدم برداشت کا مظاہرہ نہ کیا بلکہ فرمایا اے فرزندان بد مناف ہمسائیگی کا حق خوب ادا کرتے ہو! صحیح بخاری میں بروایت ابن عمرو العاص مرقوم ہے کہ ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ ابن ابی محیط نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک میں چادر ڈال کر سخت اذیت دی حضرت صدیق اکبرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھایا۔

ایک مرتبہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں تھے تو ابو جہل کے کہنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر اونٹ کی اوجھری رکھ دی گئی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی برداشت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ثابت کیا کہ احکام خداوندی لوگوں تک پہنچانے میں جتنی مشکلات پیش آئیں انہیں برداشت کیا جائے اور زندگی کو تعلیمات نبوی کی روشنی میں گذارنا چاہیے اور قوت برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

آج کل عوام الناس میں عدم برداشت کا رجحان بڑھ رہا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برداشت کا صرف خیالی نقشہ ہی پیش کیا۔ بلکہ اس نقشہ پر ایک زندہ معاشرہ قائم کر کے دکھایا۔ آپ ﷺ نے ان گنت ظلم برداشت کیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔ اور تمام دنیا کے سامنے اس بات کا عملی مظاہرہ کر کے دکھایا کہ جو اصول وہ پیش کر رہے ہیں وہ دوسرے اصولوں کے مقابلے میں کتنی اچھی پاکیزہ زندگی ہے

ایسی مثالوں سے تاریخ اسلام کے صفحات روشن ہیں کہ صحابہ اکرمؓ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر چل کر جس طرح ایثار سے کام لیا۔ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برداشت کے فریضے کی کما حقہ ادائیگی کے نتیجے میں صحابہ اکرامؓ کی ایک ایسی عظیم الشان جماعت معرض وجود میں آئی جو کہ تعلیمات نبوی کی روشنی میں برداشت کی روشن اور واضح دلیل ہے۔

و ان تصبروا و تتقوا لا یضر کم کیدھم شیئا

اگر تم صبر کرو (یعنی اگر برداشت کرو) اور اللہ سے ڈرتے رہو تو دشمن کی تدبیر تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

برداشت کے بغیر انسان صبر نہیں کر سکتا اور صبر کے بغیر آدمی اولوالعزم اور باہمت نہیں بن سکتا صبر اوصاف حمیدہ میں سے ایک صفت ہے صبر و برداشت سے ہی انسان بزدلی اور رسوائی سے بچ سکتا ہے اور برداشت ہی میں وقار ہے برداشت میں متانت ہے برداشت سے توکل حاصل ہوتا ہے۔ صبر و برداشت کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل ہوتی ہے اور معیت نصیب ہوتی ہے۔

رنج والم' صدمہ' خوف و دہشت' جنگ و جدال کے موقع پر اگر انسان عدم برداشت کی وجہ سے بے قابو ہو جاتا ہے بدحواسی میں کچھ کا کچھ کہنے لگ جاتا ہے اپنی زبان کو نہیں روکتا' میدان جنگ میں بزدلی دکھاتا ہے مقابلے میں ڈٹا نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے تمام موقعوں پر اپنے آپ کو روکے اور سنبھالے رکھو۔ پائے استقامت میں تزلزل نہ آنے پائے' نالہ و شیون' آہ و بکاء' نوح و ماتم سب و شتم سے اپنے آپ کو بچاؤ' ہمت نہ ہارو استقلال و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو اگر ان چیزوں پر کاربند ہو گے تو اللہ تعالیٰ بھی تم میں برداشت کی قوت زیادہ کر دے گا اور تمہاری مدد فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے نتائج مقرر کر دیئے ہیں اسی طرح صبر و برداشت کے نتائج بھی اللہ تعالیٰ ہی انسان کو برداشت کی ہمت عطا فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کے لیے ہمیں ذرائع حاصل کرنے پڑتے ہیں تدبیریں کرنی پڑتی ہیں۔ مثال کے طور پر رزق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے۔ لیکن رزق کو حاصل کرنے کے لیے ہمیں تدبیر کرنی پڑتی ہے جب ہم تدبیر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقدیر ہمارا ساتھ دیتی ہے۔ اور ہمیں ہمارا مقررہ رزق مل جاتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فاصبر علی ما یقولون

اے نبی ﷺ اس پر صبر کر (برداشت کر) جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں

اگر ہم سچے مسلمان ہیں تو ہمیں تعلمات نبوی ﷺ کی روشنی میں قوت برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے مگر ایسا نہیں ہے لوگ آج کل عدم برداشت کا شکار ہیں جی چاہتا ہے کہ آئے دن ہونے والی خودکشیوں پر کچھ لکھوں۔

عدم برداشت کا یہ عالم ہے کہ اگر آئندہ خودکشی کا ارادہ کرنے والوں کا سیمینار بلائیں تو اس کے لیے منٹو پارک بھی چھوٹا پڑ جائے گا۔ معاشرتی ناہمواری ڈپریشن اور اخلاقی بددیانتی عدم برداشت کی وجوہات ہیں۔ آج کل اکثر اخبارات میں خودسوزی کا ذکر ہوتا ہے جسے پڑھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے دل بجھ گیا ہے جیسے تیز دھوپ میں گلاب کی ٹہنیاں بجھ جاتی ہیں رنگ سوکھ چکے ہیں پتیاں مرجھا کے بکھر جاتی ہیں اور ہوا بین کرتی ہے ان حالات میں اندر بھی سناٹا ہے۔ دل بجھے ہوئے ہیں آج کل جیسے دھوپ کی شدت اور پانی کے قحط نے سبزے کو سیاہ کر ڈالا ہے کہیں کہیں تو قتل ہی کر ڈالا ہے بالکل اسی طرح عدم برداشت کا قومی و بین الاقوامی رجحان بکھرا پڑا ہے۔ آج کل عدم تحفظ اور عدم برداشت کا یہ حال ہے کہ روس کی سرخ سپاہ افغانستان کے دیہات پر چڑھ آئی ہے اور افغان بچے اس کے ٹینکوں تلے دم توڑ رہے ہیں۔

آج کل بھی دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کی برداشت اور تحمل کی مثال پیش کی جاسکتی ہے میں ایک ایسی مسلمان خاتون ذاتی طور پر جانتی ہوں جس کی قوت برداشت کی لوگ مثال دیتے ہیں جس کی تین سالہ بیٹی صرف نرس کی معمولی کی غفلت سے موت کے منہ میں چلی گئی یہ مارچ ۱۹۹۲ء کا ذکر ہے دو شعبان کی رات تھی کہ نرس نے جو کہ ٹی وی پر اردو فلم دیکھ رہی تھی نے جلدی میں بچی کے سر میں گلوکوز کی ڈرپ لگادی جو کہ ٹھیک نہ لگ سکی نتیجہ یہ نکلا کہ بچی "عینا" کے دماغ کی نس پھٹ گئی اور خون آنکھ میں جمع ہو کر موت واقع ہو گئی اس خاتون نے مسلمان عورت ہونے کے ناطے صبر اور برداشت کا مظاہرہ کیا۔ اسی خاتون کے ساتھ دوسرا واقعہ اس طرح پیش آیا۔ یہ ۱۹۹۶ء اپریل کی ۱۸ تاریخ تھی جمعرات کا دن تھا ذیقعد کی ۲۵ تاریخ تھی اسی ماں کا نوجوان بیٹا کنڈیکٹر کی بے حسی کی وجہ سے بس کی زد میں آکر اسی جگہ سڑک پر پانی کے ایک گھونٹ کے بغیر اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔ اس نوجوان کی والدہ نے کمال ضبط و برداشت سے کام لیا نہ اس نے بین کیے اور نہ اپنے سر میں خاک ڈالی بلکہ نہایت ہی برداشت سے اپنے دوسرے بچوں کی سلامتی کے لیے اپنے رب کے حضور دعا کرتی ہے یہ عورت زندہ ہے اور پاکستان کے شہر اسلام آباد میں رہتی ہے۔ میں اس عورت کو ذاتی طور پر جانتی ہوں۔ وہ خاتون نارمل زندگی بسر کر رہی ہے اسے ایک نظر دیکھنے سے کوئی اس کی برداشت کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ جس نے تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں برداشت کیا اور خدا کے حضور سر جھکا دیا۔

مگر جب انسان چاروں طرف سے مصائب میں گھر جاتا ہے اور اس کو بچاؤ کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تو بعض اوقات اس کی ہمت جواب دے جاتی ہے پھر بھی تعلیمات نبوی ﷺ کا درس یہی ہوتا ہے کہ برداشت کرو صبر کرو لیکن صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور انسان عدم برداشت کا شکار ہو جاتا ہے۔

آج کل کینسر کی وبا اس طرح پھیل رہی ہے جیسے کبھی سردرد یا زکام عام ہوتا تھا۔ ایک اندازے کے

مطابق پاکستان میں ۲ لاکھ ۴۴ ہزار لوگ کینسر کے منہ میں جا رہے ہیں پچھلے مریض بھی موجود ہیں نئے بھی آ رہے ہیں کیا ہر شخص اپنی جیب سے یہ علاج کروا سکتا ہے؟ نہیں! اگر ایسا نہیں ہے تو عدم برداشت کا رجحان تو بڑھے گا اور جو تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی سے مستفید ہوتے ہیں وہ قابل ستائش ہوتے ہیں۔

اس مرض کا علاج کروانے کے لیے رقم کہاں سے آئے گی؟ دیکھیں کہ اس علاج کی سہولتیں ملک میں کہاں کہاں ہیں اور کس درجے اور سطح کی ہیں کیا اک عام شخص وہاں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔

پاکستان میں جو لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ وہ عدم برداشت کا شکار ہو کر خود کشی کرنے لگے ہیں اگر ہم تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں زندگی گزاریں تو عدم برداشت کا قومی و بین الاقوامی رجحان ختم ہو سکتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مغرب میں بھی تو خود کشی کے واقعات ہو رہے ہیں وہاں تو ویلفیئر سٹیٹ بھی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مغرب میں روحانی خلا ہے وہاں عدم برداشت کا یہ عالم ہے کہ ۱۸ سال بعد بیٹا بیٹی کی ذمہ داری والدین پر ہے نہ والدین کی ذمہ داری بیٹے بیٹی پر ہے۔ انسانوں کو نہ تو وہاں روحانی سکون حاصل ہے اور نہ اس مفہوم میں اسے کوئی سیکورٹی حاصل ہے کہ معاشرہ اس کو کوئی جذباتی تحفظ دینے کے لیے تیار ہو۔ وہاں خود کشی کے اسباب بالکل دوسرے ہیں' اور پاکستان میں اسباب ہیں تعلیمات نبوی ﷺ سے لاعلمی یہ اسباب پہلے بھی موجود تھے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ یہ مرض گھمبیر ہوا جاتا ہے اس کی شدت میں اضافہ ہوا جاتا ہے۔

میں اس مرض کو سماجی و معاشرتی' اقتصادی اور تہذیبی عدم توازن کا نام دیتی ہوں۔ عمومی محرومی کا نام دیتی ہوں۔ اس مرض کی سنگینی میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ مقررہ آمدنی والے لوگوں کے لیے جسم اور روح کا رشتہ برقرار رکھنا مشکل ہو رہا ہے یہ بھی حقیقت ہے کہ انفرمیشن ٹیکنالوجی کے فروغ کی وجہ سے عوام کے اندر توقعات کا ایک سیلاب آیا ہوا ہے۔

مسئلہ اصل میں یہ ہے کہ جو وسائل موجود ہیں ان کو کفالت عامہ کا ذریعہ بنایا جائے آپ اپنے لیے خوشحالی کے جزیرے بنا کر بیٹھ جائیں اور بدحالی اور غربت کے سمندر موجود رہیں ہم مسلمان قوم ہونے کے بڑے مدعی ہیں ایک اسلامی ملک میں ہمیں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ ہم عدم برداشت کا مظاہرہ کریں جب تک پاکستان میں تعلیمات نبوی ﷺ کی تعلیمات کو دنیاوی تعلیم کے ساتھ لازمی قرار نہ دیا جائے گا جب تک بچھڑے ہوئے اور پسماندہ طبقات کو یہ پیغام نہیں ملتا کہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں جس کی روشنی میں آپ اپنے مصائب پر قابو پا سکتے ہیں اور وہاں آپ کو ریلیف ملے گا اگر ایسا نہیں ہوتا اور ہم میں عدم برداشت کا قومی و بین الاقوامی رجحان موجود رہے گا۔ اور مجھے تو اندیشہ ہے کہ عدم برداشت کی وجہ سے خود کشی اور خود سوزی کی لہر قابو میں نہ آئے

گی خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔ ہم سب کی ذمہ اوری ہے اور پوری قوم اور پوری دنیا کو مل کر یہ سوچنا چاہیے کہ یہ صورتحال جن عوامل کی پیدا کردہ ہے ان کا ازالہ کرنے کے لیے ہمیں تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی کا سہارا لینا چاہیے۔ اگر یہ نہیں ہو سکتا تو میں یہ عرض کرتی ہوں کہ پوری قوم مجرم ہو گی اور جو لوگ ایسا کر رہے ہیں ان کی غلطی اور ان کے گناہ میں یہ پورا معاشرہ بھی شریک ہو گا۔ ہمیں اپنی جو لبد ہی کا احساس ہونا چاہیے اس صورتحال کو تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں عدم برداشت کے قومی و بین الاقوامی رجحان سے ہمیں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے رسول ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہماری زندگیوں کو ہر قسم کی آلائشوں سے پاک فرمائے اور ہمیں نبی پاک ﷺ کی طرح برداشت کا مادہ عطا کرے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

ڈاکٹر نثار احمد' کراچی

اس میں کیا شک ہے کہ عدم برداشت کا رجحان نہ صرف یہ کہ انفرادی' اجتماعی اور قومی سطح پر معاملات کو زیروزبر کر رہا ہے بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی فی زمانہ عدم برداشت کا رجحان اقوام و علل کو ایک دوسرے کے مدمقابل لے آیا ہے۔ گویا عدم برداشت مرض نہیں وبا کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ اس کا زہر ہماری رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے اور اس سے ہماری جسمانی و روحانی زندگی' تہذیبی و اخلاقی زندگی نحیف و نزار ہوتی جا رہی ہے۔ اور اگر اس کے جلد علاج کی فکر نہ کی گئی تو جسد ملت کو بہت بڑا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لیے وزارت مذہبی امور بجا طور پر لائق تحسین ہے کہ اس نے خطرہ کا بروقت احساس کر کے صحیح موضوع کا انتخاب کیا ہے۔

عدم برداشت کا رجحان کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ کیوں پیدا ہوتا ہے' اور کہاں رنگ دکھاتا ہے؟ اس کی کئی سطحیں' کئی درجے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ کبر و نخوت' غصہ و جال' اور عدم برداشت کا مظاہرہ صرف وہ لوگ کیا کرتے تھے جو واقعی کہیں کہ حاکم' بادشاہ' حکمران ہوتے' جاگیردار' نمبردار' جہانگیر و جاں دار ہوتے' یا ملک وڈیرے' لوگوں کے ان داتا' غلاموں کے آقا ہوتے اور جو مال' دولت' یا طاقت کے نشہ سے سرشار ہوتے جن کا دماغ عرش معلی ہوتا اور دوسرے سب کے سب' فرش نشیں' خاک بسر روندے جانے کے قابل' ذلیل و کمتر' حقیر' ذلیل کمینے نظر آتے۔ ان کے حکم سے سرتابی محکوموں' مملوکوں کے لیے ممکن نہ تھی۔ رعایا ان کے اشارہ چشم و ابرو کے صدقہ میں امان پاتی تھی' اور عوام کالانعام' بے چون چرا زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ کیونکہ معمولی سے "آزادانہ حرکت" کو گستاخی میں شمار ہو کر موجب قہر و عتاب خسروانہ ہو سکتی تھی۔

ہر عمل کا ردعمل لازمی ہے۔ زمانہ پلٹا کھاتا ہے' وقت بدل جاتا ہے' قدریں' قسمتیں بدل جاتی ہیں۔ بہت سے تاج بھی الٹ دیئے جاتے ہیں۔ اونچے جھنڈے گر جاتے ہیں اکڑی گردنیں خم ہو جاتی ہیں' جن کے در پر نقارے بجا کرتے تھے ان کو پوچھنے' پوجنے' والا کوئی نہیں رہتا۔ اور ادھر جو پہلے کبھی ڈرتے دبتے تھے' پسے چلے آرہے

تھے سینہ پھلا کر چلنے لگتے ہیں جو سر اٹھانا' اکڑنا' آنکھوں سے آنکھیں ملانا حاشیہ خیال میں بھی نہ لا سکتے تھے' جو برداشت کے کوڑے سے پٹتے رہے' طاقت کی چکی میں پستے رہے۔ غصہ و نفرت کی آگ میں جلتے رہے' بالآخر پھٹ پڑے' سر اٹھانے لگے' اور زور و قوت حاصل کرنے میں ہر حد سے آگے نکل گئے۔ حد سے نکل کر سمت کا شعور باقی نہیں رہتا' ادب' تمیز' شائستگی' تحمل' برداشت کمزوری کا باعث بن سکتے ہیں' اور کمزوری' مظلومی' مجبوری کا پیش خیمہ ہے۔ یہ مجبوری اور معذوری ہی تو مطلوب نہیں' کمزوری کسی صورت میں قابل قبول نہیں۔ طاقت چاہیے طاقت' طاقت زور و قوت ہر قیمت پر تاکہ دوسروں کو اس کا تماشہ دکھا سکیں۔ تماشہ شعبدہ بازی کے بغیر نہیں دکھایا جاسکتا اور قوت حاصل کرنے کے لیے چاہیے' چاہے جائز ہو یا ناجائز۔ اسلحہ کا حصول بھی ضروری ہے کیونکہ اسلحہ طاقت کا ذریعہ' اس کا سبب اور اس کی دلیل بھی ہے۔ اس لیے دولت اور اسلحہ لازم و ملزوم ہیں۔ یہ دونوں اپنے اثرات میں بھی یکساں ہوتے ہیں۔ دولت آجائے تو آدمی بے قابو ہو جاتا ہے اور اسلحہ مل جائے تو ہاتھ پاؤں مچلنے لگتے ہیں اور جنہیں بیک وقت دونوں حاصل ہو جائیں تو وہ گویا عدم برداشت کے جنگلی بھینسے پر سوار ہو جاتے ہیں جو کھیل ہی کھیل میں اپنے سامنے آنے والے کو کچل کر' روند کر' اپنے سینگوں پر اچھال کر خوش ہوتا ہے۔ یہ بھی دوسروں کو کچل کر' روند کر اس کی پگڑی عزت اچھال کر' نیچا دکھا کر' بہت خوش ہوتے ہیں۔ تفریح لیتے ہیں۔

غرض ایک طرف مال دولت' طاقت کا نشہ بھی آدمی کو حواسوں میں نہیں رہنے دیتا۔ اور کئی پہلوؤں سے عدم برداشت پر مجبور کر دیتا ہے' حاکمانہ حیثیت و مرتبہ اور اقتدار' چاہے جس درجہ کا ہو' آدمی کو بلندی و برتری کا احساس دلاتا ہے اور عدم برداشت پر اکساتا ہے۔ اس کی علامتیں بہت سی ہیں جو الگ الگ یا ایک ساتھ بھی ظاہر ہوتی ہیں۔ اور ہو سکتی ہیں مثلاً غرور و تکبر' رعونت و فرعونیت' ظلم و جبر' کروفر' غصہ' غیض و غضب' فحش کلامی' بدمزاجی' تندخوئی' وغیرہ وغیرہ۔ اور دوسری طرف مظلومی' مجبوری' محرومی' معذوری اور مجبوری بھی صبر و ضبط کے بندھن توڑ دیتی ہے۔ خرمن ہوش و خرد کو جلا دیتی ہے' نتیجتاً آدمی سفلہ پن پر اتر آتا ہے' اکھڑ اجڈ ہو جاتا ہے' بغاوت و سرکشی پر آمادہ' نزدیک' دور کی' ہر چیز کو الٹ پلٹ کر' توڑ پھوڑ کر' آگ لگا دینا چاہتا ہے' محرومی و ناامیدی بھی پیدا کرتی ہے اور اپنی حد سے گزر کر خودکشی و خودسوزی تک پہنچا دیتی ہے۔

مختصر یہ کہ چاہے حاکمانہ و مقتدرانہ حیثیت ہو یا محکمانہ' طرز زندگی' طرز عمل' اور رویہ کی دو انتہائیں ہیں۔ انتہا پسندی اور عدم برداشت' ظلم و فساد کو جنم دیتی ہے۔ اور اگر ظلم و فساد ہر جگہ پھیل جائے' خشکی و تری میں ہر طرف اسی کا راج بلکہ مزاج ہو تو پھر تباہی و بربادی میں لمحوں کی دیر رہ جاتی ہے' اور یہ ہوتا ہے انسانوں کے اپنے ہی کرتوتوں کا نتیجہ کتاب مقدس کے سنہری الفاظ یہ ہیں:

ظهر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقهم بعض الذی عملوا لعلهم

یرجعون (الروم۔۴۱)

"خشکی اور تری (ہر جگہ فساد ہی) فساد برپا ہو گیا (ہے) لوگوں کے اپنے (کرتوتوں اور) اعمال کے سبب تاکہ مزا چکھایا جائے ان کو ان کے بعض اعمال کا شاید کہ وہ پھر جائیں (اور باز آجائیں اپنی روش سے)۔

ان ہی جانگسل اور نازک لمحات میں ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی نجات دہندہ آئے سب کچھ ختم ہونے سے پہلے چانے والا آئے، لینے والا نہیں دینے والا آئے۔ اور جسے دیکھتے ہی سب کہ اٹھیں سبحان اللہ سبحان اللہ صل علی صل علی۔

دنیا کا آخری نجات دہندہ آیا اور ہمیشہ رہنے کے لیے آیا۔ اور اس لیے آیا کہ جب بھی کوئی برا اور کڑا وقت آئے تو اس "خاصہ خاصان رسل" کے در پہ امت آئے، ہر اک آئے، خوشہ دل و جاں لائے، حاکم و محکوم، ظالم و مظلوم، مالک و مملوک، جابر و مجبور، آمر و مامور، کوئی ہو آئے، تمنا مد عالے کر آئے اور ملتجی ہو ان کی نگہ کرم کا، تو کیوں نہ ہو گا مالا مال، سیراب و شاداب اور شاداں و فرحاں۔ قرآن میں مقصدِ آمد و بعثت کے ساتھ ہی مذکور ہے۔

وما ارسلنا من رسول الا ليطاع باذن الله ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاء وك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما فلا و ربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم يجدوا فى انفسهم حرجا مما قضيت و يسلموا تسليما (النساء۔۶۴،۶۵)

"اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے اور اگر وہ لوگ جس وقت انہوں نے ظلم کیا اپنے آپ (اپنی جانوں) پر، آتے تیرے پاس، پھر (حاضر خدمت ہو کر) اللہ سے معافی چاہے اور رسول بھی ان کو بخشواتا، تو ضرور پاتے اللہ کو توبہ کا قبول کرنے والا اور مہربان سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے جب تک کہ تجھ ہی کو فیصلہ کنندہ نہ بنالیں ان معاملات میں جن میں یہ آپس میں جھگڑتے رہے۔ (اس شرط کے ساتھ کہ) پھر آپ کی طرف سے کیے گئے کسی فیصلہ (کے خلاف) اپنے دلوں میں کوئی (خفیف سی) تنگ دلی بھی محسوس نہ کریں اور بہ سر چشم اسے تسلیم کرلیں۔

جس وقت وہ نجات دہندہ آیا، یعنی آج سے کوئی ڈیڑھ ہزار سال پہلے، وہ فخر آدم، فخر الرسل ﷺ مبعوث ہوا، تو دنیا ان ہی نازک لمحات کی دہلیز پر کھڑی تھی، جہاں عدم برداشت کی دونوں انتہائیں انسانیت کو آخری انجام تک لے آئی تھیں۔ اگر وہ لمحہ گزر جاتا، اور وہ محسن اعظم، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نہ آتا، تو سب کچھ یقیناً جل بھسم ہو جاتا۔ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے، مگر اس وقت ہر حد پامال ہو چکی تھی۔ عدم برداشت کا ہر نمونہ دنیا میں ہر جگہ موجود تھا، حاکمانہ و مقتدرانہ، عدم برداشت کی تمام بری خصلتیں ہر معاشرہ میں نمایاں تھیں۔ ظلم و جبر، رعونت، فرعونیت کا دور دورہ تھا، ظلم و فساد کی فراوانی تھی۔ مظلومیت، مجبوری، محرومی نے بغاوت و سرکشی اور طغیان و عصیاں

کو زمانہ کا چلن بنادیا تھا۔ جہاں مشرق ہو کہ بلاد مغرب ہر طرف آگ لگی تھی۔ اور انسانیت آگ کے گڑھے کے بالکل کنارے کھڑی تھی کہ ٹھیک وہ لمحہ آگیا' جبکہ رحمت حق کو جوش آیا اور وہ کملی والا آقا آگیا' جو نسخہ کیمیا ساتھ لایا پھر دکھوں سے چور' بیمار انسانیت کو اس نے وہ نسخہ پلا کر شفا مرحمت فرمائی اور آگ کے صحرا کو گل و گلزار بنا کر جنت نشاں بنادیا۔ یہ ایسا فضل ربانی تھا' جس کے بار احسان سے دنیا کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی اور انسانیت اس ایک لمحہ کو فراموش نہیں کر سکتی جبکہ صدقہ رحمۃ اللعالمین میں وہ قوم جو جہنم میں گرنے سے بچ گئی قرآن حکیم میں ارشاد رب العالمین بہت توجہ چاہتا ہے:

واذکروا نعمة الله علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا و کنتم علی شفا حفرة من النار فانقذکم منها (آل عمران۔ ۱۰۳)

"اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جبکہ تم (عدم برداشت کے سبب) آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے' پھر اللہ نے الفت ڈال دی تمہارے دلوں میں اور تم ہو گئے اس کے فضل و کرم سے بھائی بھائی۔ اور تم آگ سے بھرے گڑھے کے بالکل کنارے کھڑے تھے تو تم کو اس (میں گرنے) سے بچا لیا"۔

حضور اقدس' رسول اکرم' نبی محتشم' غمخوار عالم' ہادی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے لازوال کارناموں کا احاطہ ممکن نہیں اور صفات و ثنائے مصطفیٰ علیہ الصلوۃ والثناء کا بیان کسی بندہ بشر کا کام نہیں' تاہم یہ کہنا بلا خوف تردید ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد ہی دنیا' ایک واقعی' اور بہار آفریں انقلاب سے بہرہ ور ہوئی۔

چنانچہ عدم برداشت کے حوالہ سے بھی سلطان دوراں' رہبر انس و جان' شہسوار لامکاں نے اپنی تعلیم و تلقین سے وہ رہنمائی عطا فرمائی کہ عدم برداشت کا منہ زور گھوڑا رام ہو گیا' اس کو لگام دے دی' تاکہ قابو میں رہے' نہ حد سے باہر جا سکے نہ فتوحات لا انتہا سے باز آ سکے۔ گھوڑا کتنا ہی بے لگام' بے قابو' باغی و سرکش ہو اسے مار ڈالنا کمال نہیں' اس پہ قابو پا کر اشارہ چشم و ابرو پر چلانا کمال ہے اس لیے اس صاحب جمال و کمال آقائے ﷺ نے عدم برداشت کے اصل داعیات' محرکات و اسباب کا بھی علاج کیا' اور اس کی علامات' مظاہر' مناظر اور نشانات کو بھی اصلاح کے سانچے میں ڈھالکر دیدہ زیب بنادیا۔

چنانچہ مثال کے طور پر یہ ملاحظہ کیجئے کہ غصہ' غیظ و غضب' عدم برداشت کی پہلی نشانی بھی ہے اور بعض اوقات اس کا محرک بھی ہے۔ غصہ اگر ایک حد سے آگے بڑھ جائے تو سخت معیوب' اور قابل مذمت ہے۔ تہذیب نفس انسانی کے لیے اس کی طرف پہلے توجہ ضروری تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "پہلوان وہ نہیں ہے جو (کشتی میں) اپنے حریف کو پچھاڑ دے بلکہ

پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے"۔ (صحیح مسلم۔ مشکوۃ) ایک اور روایت کے مطابق ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ "مجھے نصیحت کیجئے" آپ ﷺ نے فرمایا "غصہ نہ کیا کرو" اور پھر بار بار فرمایا غصہ نہ کیا کرو (بخاری۔ مشکوۃ عن ابی ہریرہؓ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین باتوں کا شمار ایمان اخلاق میں ہوتا ہے اول یہ کہ جب غصہ آجائے تو انسان (مغلوب الغضب ہو کر) باطل کے تالاب میں نہ گر پڑے۔ دوم یہ کہ جب خوش ہو تو خوشی (کی بہتات میں) راہ حق سے برگشتہ نہ کر دے۔ اور سوم یہ کہ جب قدرت و اقتدار جائے تو وہ چیز نہ لے جس پر اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ (المعجم للصغیر۔ للطبرانی) اور یہ بھی ارشاد رحمۃ للعالمین ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو کھڑے ہونے کی حالت میں غصہ آئے تو بیٹھ جائے اگر اس سے بھی غصہ فرو نہ ہو تو پھر لیٹ جائے۔ (مشکواۃ عن ابی ذر) اور مغفرت انس سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنے غصہ کو روکے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عذاب کو اس سے ہٹائے گا اور جو اللہ سے معافی مانگے گا اللہ اس کو معاف فرمادے گا۔ اور جو (خلافٌ حق بولنے سے) اپنی زبان کی حفاظت کرے گا اللہ اس کے عیب پر پردہ ڈالے گا۔ (مشکوۃ) بہر حال غصہ کی بالکل نفی مطلوب نہیں ورنہ حق کی حفاظت 'امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی اور غیرت و حمیت دینی کی خاطر اٹھ کھڑے ہونے کی ہمت کس طرح ہو سکے گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے معاملہ میں کسی سے کبھی انتقام نہیں لیا مگر یہ کہ اللہ کی حرمت (شعائر اللہ یا حدود اللہ) پامال ہو رہی ہوں تو آپ اللہ کے لیے (غصہ و) انتقام پر تیار ہو جائے۔

اسی طرح مثلاً فحش کلامی' بدگوئی' بدزبانی' گالم گلوچ بھی عدم برداشت کی پکی نشانی ہے۔ اور آج کل کے مالک' وڈیرے' حاکم اس قسم کی فحش گفتاری کو پسند کرتے ہیں' بلکہ اسے اپنی آن بان اور شان کا حصہ سمجھتے ہیں۔ ہاں البتہ دوسروں کو لب کشائی کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ زبان کی بے راہ روی اور بے اعتدالی ہی تمام مفاسد کی جڑ ہے۔ اور عدم برداشت کا سرغنہ ہے۔ ہمارے سید و سردار 'احمد مختار' صاحب خلق عظیم حضور روف ورحیم علیہ الصلواۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جن کے منہ سے پھول جھڑتے تھے کہ "سب سے وزنی چیز جو قیامت کے دن مومن کی میزان (ترازو) میں رکھی جائے گی وہ اس کا حسن اخلاق ہو گا اور اللہ اس شخص سے بغض رکھتا ہے جو زبان سے بے حیائی کی بات نکالتا اور بدزبانی کرتا ہے۔ (ترمذی عن ابی الدرداء) حضرت سھل بن سعید سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو مجھے (دو چیزوں) زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دے دے میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں گا۔ (بخاری۔ مشکواۃ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بے حیائی کا کام کرتے اور نہ دوسروں کو برا بھلا کہتے۔ (بخاری' مسلم) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے "فحش

بات کہنے والا اور فحش بات کی اشاعت کرنے والا' یہ دونوں گناہ میں برابر ہیں۔ (مشکوۃ عن علی عن ابی طالب) اور ایک حدیث میں یہ بھی ارشاد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ "بندہ ایک بات اپنی زبان سے نکالتا ہے جو اللہ کی خوشنودی کی بات ہوتی ہے۔ بندہ اس کا خیال نہیں کرتا۔ اس کو اہمیت نہیں دیتا) لیکن اللہ اس بات کی بدولت اس کے درجے بلند کرتا ہے۔ اسی طرح آدمی اللہ کو ناراض کرنے والی بات زبان سے لاپروائی کے ساتھ نکالتا ہے جو اسے جہنم میں گرا دیتی ہے"۔ (بخاری عن ابی ہریرہؓ)

آمد رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت دنیا کے تمام خطوں اور ملکوں میں سیاسی' سماجی' اخلاقی' ثقافتی' اور معاشی ■ مذہبی ابتری کے تمام احوال کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان سب کی تہ میں "عدم برداشت" کا عنصر بہر حال موجود ہے اور ظلم و فساد کی ہر شکل اور قوت و طاقت کے بے محل استعمال میں بھی "عدم برداشت" اصل کار فرما قوت ہے۔ اس سلسلہ میں خاص بات یہ ہے کہ عدم برداشت کے ہر دائرہ کا مرکز اور ہر اکائی (Unit) کے ہر خلیہ (Cell) کا مرکزہ (Nucleus) علو و برتری کا احساس' اونچا' بلند و بالا ہونے کی خواہش اور قدرت طاقت تصرف حاصل کر لینے کی تمنا ہے۔ دنیا میں علو و برتری اور بلندی و سروری اور قدرت تصرف کی سب سے بڑی علامت اور پہچان یہ ہے کہ آدمی "فرعون" بن جائے۔ لیکن ہر فرعون بے سامان کی طرح فرعون موسیٰ کے بارے میں خالق ارض و سماء اور مالک شش جہات کا چند الفاظ پر مشتمل یہ تبصرہ بڑا سادہ مگر بڑا معنی خیز ہے کہ ان فرعون لعال فی الارض و انه لمن المسرفین (یونس۔ ۸۳) اس کا بین السطور مفہوم یہ ہوا کہ اللہ (رب العزت) کی سرزمین پر فرعون (غلبہ حاصل کر کے' اور اپنے تئیں بلند و بالا سمجھ کر) بہت چڑھ دوڑا تھا اور وہ ان لوگوں میں سے (ہو گیا) تھا جو (اپنی خواہش نفس اور مطلب برآری کے لیے' ظلم و تصرف اور طاقت و قدرت کی) ہر حد سے گزر جاتے ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ فرعونیت بالآخر غرقاب نہ آب ہوئی۔

فخر' غرور و تکبر' علو مرتبت کا علم سمجھا جاتا ہے اور ظلم و عدوان اس کا لازمی تقاضہ ان کے سائے میں جرائم کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے ان تمام اونچی گدیوں پر فائز ہونے والے چاہے جتنا خوش ہو لیں' حشر میں تو ان کا حشر برا ہو گا ہی' انسانیت کے لیے بھی یہ نشاط انگیز نہیں اور دنیا کا انجام بھی عبرت انگیز ہے۔ عدم برداشت کی ان صفات کو جان لینا چاہیے الی فرعون و ملا ئه فاستکبروا و کانوا قوما عالین (المومنون: ۴۶) فرعون اور اس کے اعیان سلطنت بڑے (گھمنڈی' مغرور) متکبر اور (اپنے آپ کو بڑا) عالی مرتبہ سمجھنے والوں میں تھے۔ سورہ اعراف میں بنی اسرائیل کے طرز عمل کی نشاندہی یوں فرمائی گئی۔ فاستکبروا و کانوا قوما مجرمین (الاعراف۔ ۱۳۳) وہ تکبر و سرکشی کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی جرائم پیشہ (گناہگار) سورہ النحل میں انجام استکبار یہ بتایا گیا۔ فلبئس مثوی المتکبرین (النحل۔ ۲۹) پس یہ ہے کہ بڑا ہی برا ٹھکانہ متکبروں کے لیے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ "جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا جنت میں داخل نہ ہو سکے گا"۔ (مسلم عن ابن مسعود) اور سرورِ انبیاء' علیہ الف الف تحیۃ والثناء نے یہ بھی فرمایا کہ "متکبر آدمی جنت میں داخل ہوگا اور نہ وہ جو جھوٹی شیخی بگھارتا ہے) (ابو داؤد عن حارثہ بن وھب) طرز عمل کے ساتھ ساتھ مفرورانہ لباس بھی تکبر کی علامت ہے اس لیے فرمایا گیا کہ "اللہ اس شخص کی طرف قیامت کے دن نہیں دیکھے گا جو شیخی کے جذبہ سے اپنا تہبند زمین پر گھسیٹے گا۔ (ابو داؤد عن ابی سعید الخدری)

حضور خاتم الانبیاء والمرسلین جس حیات بخش پیغام کے ساتھ تشریف لائے' جس دین حق کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی اور جو رہ نجات واصلاح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو دکھائی' اس کا نام "اسلام" ہے۔ اسلام کے لغوی لفظی معنوں میں امن' آشتی' صلح عافیت داخل ہے۔ اس کے ہر حرف میں "صبر و ضبط اور برداشت" کی ٹھنڈک ہے۔ ہر جہت میں' ہر پہلو اور ہر زاویہ سے سکون و سلامتی کا "اثر" نمایاں ہے۔ اسلام کے بالمقابل چیز جاہلیت ہے جہل و جاہلیت کے مفہوم میں ان پڑھ ہونا' عقل و خرد سے بے بہرہ' تہذیب و تمدن سے ناآشنا سمجھنا درست نہیں' اس کے معنوں میں زیادہ سے زیادہ کم علمی' بے علمی اور لاعلمی کی گنجائش تو ہے لیکن کتنے ہی پڑھے' ہم سب کے علم اور تجربہ میں ہے کہ وہ لاعلم' بے علم اور کم علم ہوتے ہیں۔ حصول علم کا ذریعہ صرف مکتب' مدرسہ' اسکول' کالج نہیں اور محض حواس بھی کافی ہیں۔ مخاطبین قرآن لاعلم تھے توحید سے' راہ حق سے' ناواقف تھے شریعت الٰہیہ سے وحی و کتاب سے ظہور اسلام کے وقت عربوں کی تہذیب و معاشرت اور اظہار و بیان میں جاہلیہ و جہل' علم کے مقابل استعمال نہ ہوتا تھا بلکہ "حلم" کی ضد تھا۔ اس لیے جہل' جہالت اور جاہلیت کا مطلب نادانی' حماقت' بے وقوفی' سفاہت' غیر شائستگی' اکھڑ پن اور (عدم برداشت یعنی) ظلم تھا۔ لہٰذا جہل و جاہلیت محض کیفیت کا نام نہ تھا پورے طرز عمل' مجموعی رویہ اور سلوک (Attitude) کا نام تھا جو اس زمانہ میں اسلام کے بالمقابل رواں دواں تھا۔ یہاں تک کہ اسلام و جاہلیت کا یہ فرق و امتیاز چھوٹی بڑی ہر چیز میں نمایاں ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ مثلاً سورۃ الفرقان میں جہاں حاملین اسلام کو "عبادالرحمٰن" کے عنوان سے یاد کیا گیا' وہاں جاہلوں کے بالمقابل ان کے رویہ اور سلوک کی بھی پوری وضاحت کر دی گئی۔ (ارقان ۶۳ تا ۷۷) تفصیل کا تو یہاں موقع نہیں ہے لیکن آغاز کلام میں ہی اس کے تیور ملاحظہ فرمایئے۔ و عباد الرحمن الذین یمشون علی الارض هونا و اذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلما (الفرقان۔ ۶۳) رحمٰن کے اصلی بندے تو وہ ہیں جو زمین پر نرم چال (آہستگی' حلم و وقار سے) چلتے ہیں اور (اگر) جاہل ان کے منہ آئیں (اور الجھنے کی کوشش کریں) تو کہہ دیتے کہ تم کو سلام۔ اس صفت کا ذکر سورۃ القصص (۵۵) میں بھی ہے۔ یہ طرز عمل عدم برداشت کے بارے میں مغروروں متکبروں سے کتنا مختلف ہے۔

اسلام کی تمام تعلیمات کا مرکزی نقطہ اور جوہر و خلاصہ "توحید" ہے۔ اور تعلیمات سرورِ عالم صلی اللہ علیہ

وسلم کا مرکزہ اور آپ کے وظیفہ نبوت و رسالت کا مدعا و فقشا پرچم توحید کی سرفرازی تھی۔ اور جو ایک مرتب سلسبیل محمدی ﷺ سے جام توحید پی لیتا تھا اس پر کسی قاہر و جابر، کسی حاکم مطلق، کسی مالک الملک، کسی فرعون کسی نمرود کی خدائی، اور کسی معبود باطل کے میخانہ کی مے ناب کا اثر نہ ہوتا تھا۔ وہ سمجھ لیتا تھا کہ ساری کبریائی اور بڑائی، بلندی و برتری ایک ہی رب العالمین کو سزاوار ہے۔ تعلیم توحید سے جھوٹی خدائی کا طلسم ٹوٹ گیا اور انسانوں پر انسانوں کی حکمرانی کا دور اختتام کو پہنچا، وہی مالک، وہی رازق، وہی خالق، وہی آقا، وہی ان داتا ٹھہرا۔ گویا وہ سب اس بات حرکات جو لوگوں کو اس پر دام لاتے تھے، بادل بن کر اڑ گئے۔ سورۃ النحل میں ارشاد ہے:

الھکم الہ واحد فالذین لا یومنون بالاخرۃ قلوبھم منکرۃ و ھم مستکبرون لا جرم ان اللہ یعلم ما یسرون وما یعلنون انہ لا یحب المستکبرین (النحل ۲۳۔۲۲)

تمہارا خدا بس ایک ہی اللہ ہے مگر جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے ان کے دلوں میں انکار رچ بس کر رہ گیا ہے اور وہ گھمنڈ میں پڑ گئے ہیں۔ اللہ یقیناً ان کے سب کرتوت جانتا ہے، چھپے ہوئے بھی اور کھلے ہوئے بھی۔ وہ ان لوگوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا جو غرور نفس میں مبتلا ہوں۔

عدم برداشت کا رجحان مثبت یا منفی دائروں میں جن باتوں سے پروان چڑھتا ہے ان میں سے ایک بے جا طرف داری، حمایت اور عصبیت ہے۔ نیکی اور تقویٰ دین و ایمان اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد و اعانت کرنا اور طرفداری و حمایت کرنا یقیناً مستحسن اور مطلوب ہے۔ صاف حکم ہے۔

و تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (المائدہ ۲)

اور نیکی اور پرہیزگاری کے (کاموں) معاملات میں (ایک دوسرے کا ساتھ دو) سب سے تعاون کرو۔ لیکن جو گناہ (ومعصیت) کے کام ہیں ان میں سے کسی سے تعاون نہ کرو۔

البتہ برے کاموں میں عدم تعاون ہی مستحسن ہے اور ایسے تمام معاملات جس میں بے جا طرف داری اور بے جا حمایت لازم آتی ہو احتراز لازم ہے۔ اور عصبیت جاہلیہ کی ہر قسم قطعاً ممنوع ٹھہرائی گئی ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ "اپنے لوگوں سے محبت کرنا کیا عصبیت ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، بلکہ عصبیت یہ ہے کہ اپنے لوگوں سے محبت کرنا کیا عصبیت ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، بلکہ عصبیت یہ ہے کہ آدمی ظلم کے معاملہ میں اپنی قوم کا ساتھ دے۔ (مشکوۃ۔ عن ابی نسیلہ) اور ایک حدیث مبارکہ کا مضمون یہ ہے کہ "جو شخص کسی (ناجائز معاملہ میں) اپنی قوم کی مدد کرتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی اونٹ کنویں میں گر رہا ہو اور یہ اس کی دم پکڑ کر لٹک گیا ہو تو یہ بھی اس کے ساتھ (کنویں میں) جا گرا۔ (ابوداؤد عن ابن مسعود)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ لیس منا من دعا الی عصبیة و لیس منا من قاتل عصبیة و لیس منا من مات علی عصبیة (ابو داؤد عن جبیر بن مطعم)

وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی حالت میں مرے۔

اسلام کسی معاملہ کسی دائرہ میں انتہا پسندی کا قائل نہیں۔ اور انتہا پسندی خواہ کسی قسم کی ہو، مثبت ہو یا منفی، ہو یا مصنوعی، بہر حال "عدم برداشت" کا سبب بن سکتی ہے۔

اور "عدم برداشت" نہ انفرادی سطح پر مفید ہے نہ اجتماعی سطح پر نفع رساں، عدم برداشت نہ قومی سطح پر قابل تحسین ہے اور نہ بین الاقوامی سطح پر مسرت آگیں۔ اور اس کی بنیادی وجہ ہے انتہا پسندی، اسلام اور تعلیمات نبوی کا خلاصہ یہی ہے کہ وہ انتہاؤں کے درمیان عدل و قسط، اور اعتدال و میانہ روی کا علمبردار ہے۔ اعتدال و توازن اختیار کر کے ہی ہم، عدم برداشت کے رجحان پر قابو پا سکتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ اپنے مسائل کا حل تلاش کر سکتے ہیں۔ اور اس کے حوالہ سے ذیل کے چند فرمودات نبوی پر اپنی گفتگو ختم کر رہے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعمال میں سے اتنی مقدار اختیار کرو جس کی تم طاقت رکھتے ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتا یہاں تک کہ تم خود اکتا جاؤ۔ (بخاری۔ مشکوۃ)

حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "خوش حالی میں میانہ روی کیا ہی خوب ہے۔ ناداری میں اعتدال کی روش کیا ہی اچھی ہے۔ اور عبادت میں درمیانی انداز کیا ہی بہتر ہے۔ (مسند بزاز، کنز العمال)

بروایت حضرت ابو ہریرۃ، حضور رسولِ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا: دین آسان ہے کوئی شخص دین سے زور آزمائی نہیں کرتا مگر یہ کہ دین اس پر غالب آکر رہتا ہے۔ سیدھے رہو، میانہ روی اختیار کرو۔ (مشکوۃ)

اور یہ بھی ارشاد رحمۃ للعالمین ہے کہ "مومن کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے"۔ لوگوں نے پوچھا "مومن اپنے آپ کو ذلیل کیسے کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ناقابل برداشت" (طاقت سے زیادہ) آزمائش میں اپنے آپ کو ڈال دیتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری مشکلات کو آسان فرما کر ہمیں امن و سکون کی دولت عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

ڈاکٹر نور الدین جامی، ملتان

عدم برداشت کا مفہوم

عدم برداشت کا متضاد برداشت ہے اور برداشت سے مراد اپنے آپ کو روکنا اپنے نفس کو اضطراب گھبراہٹ سے روکنا اور اپنی جگہ پر ثابت قدم رہنا کے ہیں اور برداشت کو ہم صبر سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل ولا تستعجل لھم(۱)

"اور صبر (برداشت) سے کام لیجئے جیسا کہ اولوالعزم رسولوں نے برداشت سے کام لیا اور جلد بازی مت کیجئے"۔

عرب گنوار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے کے سامنے آکر بد تمیزی سے آپ کو پکارتے تھے ان سے کہا گیا کہ اتنی گھبراہٹ کیا تھی ذرا برداشت کر لیں اور ٹھہر جائیں۔

ولو انھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیراً لھم(۲)

اگر وہ برداشت کر لیتے یہاں تک کہ آپ ان پر نکل آئیں تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔ لہٰذا صبر کے جہاں مختلف معنی ہیں ثابت قدمی استقامت وہاں برداشت کرتے ہوئے مناسب وقت کا انتظار کرنا بے قرار نہ ہونا، مشکلات کو خاطر میں نہ لانا اور درگزر سے کام لینے، ضبط نفس اور ہر طرح کی تکلیف کو اٹھا کر فرض کو ہمیشہ ادا کرنا کے بھی ہیں۔

چنانچہ برداشت کا مفہوم ہوا کہ مصیبتوں اور مشکلوں میں اضطراب اور بے قراری نہ ہو بلکہ ان کو خدا کا حکم اور مصلحت سمجھ کر خوشی خوشی جھیلا جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ جب وقت آئے گا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے خود ان کو دور فرما دیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مدح فرمائی :

والصابرین علی ما اصابھم (۳) اور جو مصیبت میں صبر کریں

اسی طرح یہ بھی برداشت کے دائرہ احاطہ میں ہے کہ منزل مقصود کی راہ میں جو مشکلات اور خطرے پیش آئیں دشمن جو تکالیف پہنچائیں اور مخالفین جو طعن و طنز کریں ان کو خاطر میں نہ لیا جائے اس سے بد دل اور پست ہمت ہونے کے بجائے اور زیادہ استقلال اور استواری پیدا ہو بڑے بڑے کام کرنے والوں کی راہ میں روڑے اکثر اٹکائے گئے انہیں بھی برداشت کرنا چنانچہ حضرت لقمان علیہ السلام کی زبانی جو انہوں نے بیٹے کو نصیحت کی کہ حق کی دعوت و تبلیغ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض پوری استواری سے ادا کرو اور اس راہ میں جو مصیبتیں پیش آئیں ان کا مردانہ وار مقابلہ کرو اور برداشت کرو۔

و امر بالمعروف و نهى عن المنكر و اصبر على ما اصابك ان ذلك من عزم الامور (۴)

اور نیکی کا حکم کر اور برائی سے روک اور جو مصیبت پیش آئے اس کو برداشت کر یہ بڑی پختہ باتوں میں سے ہے۔

برداشت کا ایک مفہوم برائی کرنے والوں کی برائی کو نظر انداز کیا جائے اور جو بد خواہی سے پیش آئے اور تکلیفیں دے اس سے قصور کو معاف کیا جائے یعنی تحمل اور برداشت میں اخلاقی پامردی دکھائی جائے قرآن مجید کی کئی آیات میں صبر کی وضاحت اسی مفہوم سے کی گئی ہے۔

و ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصابرين و اصبرو ما صبرك الا بالله و لا تحزن عليهم و لا تكن فى ضيق مما يمكرون (۵)

اور اگر تم سزا دو تو اسی قدر جس قدر تم کو تکلیف دی گئی اور البتہ صبر (برداشت) کرو تو صبر کرنے والوں کے لیے یہ بہتر ہے اور تیرا صبر کرنا خدا کی مدد سے ہے اور ان کا غم نہ کر اور نہ ان کی سازشوں سے دل تنگ ہو۔

یہ صبر بھی برداشت کی وہ قسم ہے جو اخلاقی حیثیت سے بہت بڑی بہادری ہے مسلمانوں کو اس بہادری کی تعلیم دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ صبر و برداشت کمزوری سے یا دشمن کے خوف یا کسی اور سبب سے نہ ہو بلکہ صرف خدا کے لیے ہو۔

برداشت کی تعریف کرنے سے عدم برداشت کی تعریف متعین ہو گئی۔ لہذا ہم عدم برداشت کی تعریف یہ کر سکتے ہیں کہ اپنے آپ کو روک نہ سکنا' نفس کو اضطراب و گھبراہٹ سے نہ روکنا' ثابت قدم رہنا' مصائب پر صبر نہ کر سکنا' معمولی معمولی تکالیف پر بے قرار ہو جانا مشکلات کا مقابلہ نہ کر سکنا درگزر سے کام نہ لینا ضبط نفس سے کام نہ لینا اور فرض کو ادا نہ کر سکنے کے ہوں گے۔

عدم برداشت

میرے خیال میں عدم برداشت کا جذبہ کئی معاشرتی خرابیوں کا موجب بنتا ہے۔ عدم برداشت کے درج

ذیل اسباب ممکن ہو سکتے ہیں۔

غلو یا انتہا پسندی

انتہا پسندی اور غلو کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ آدمی امن اور سلامتی سے دور ہلاکتوں اور خطروں سے قریب تر ہو جاتا ہے اسی لیے اسلام کی راہ اعتدال کی راہ ہے ہر چیز میں اعتدال۔ تصور اور عقائد میں عبادت اور زہد میں اخلاق اور رویہ میں معاملات اور قانون سازی میں اسی راہ کا نام اللہ نے صراط مستقیم رکھا ہے۔ یہ راہ ان دینی اور فکری گروہوں کی راہ سے الگ ہے جس پر اللہ کا غضب ہوا جو راہ پانے کے بعد کھو بیٹھے اور جن کی راہوں پر غلو اور افراط و تفریط کی چھاپ پڑی ہوئی ہے۔

لہذا اسلام عدم برداشت کی جائے میانہ روی اور اعتدال پسندی کی تلقین کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و کذلك جعلناکم امة وسطا لتکونوا شھداء علی الناس (٦)

اور اسی طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کو امت وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ رہو۔

اسلام اعتدال کی تعلیم دیتا ہے انتہا پسندی سے خبردار کرتا ہے۔ یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے نصوص پر جن لوگوں کی نگاہ ہے وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام غلو کو انتہائی ناپسند کرتا ہے۔ نیز لوگوں کو اس سے شدت کے ساتھ خبردار کرتا ہے احادیث میں بھی غلو سے روکا گیا ہے اور اس کے خوفناک انجام سے آگاہ کیا گیا ہے۔ دین میں انتہا پسندی اور غلو سے سختی سے روکا گیا ہے اس لیے کہ یہ انتہا پسندی اور غلو اپنے ساتھ کچھ خرابیاں عیوب اور آفتیں بھی لے کر آتا ہے۔

غلو کا رویہ طبیعتوں میں وحشت پیدا کرتا ہے اور یہ فطری طور پر انسانوں کے لیے ناپسندیدہ اور ناقابل برداشت ہوتا ہے تھوڑے لوگ ہی اسے برداشت کر سکتے ہیں۔ انتہا پسندی اور غلو کی عمر تھوڑی ہوتی ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غلو کی راہ پر چلنا اور اسے عادت بنا لینا آسان نہیں۔ انسان اکتانے والی مخلوق ہے اگر سختی اور دشواری پر ایک دن صبر کر لیتا ہے تو جلد ہی اس کی ساری جسمانی قوتیں تھک جاتی ہیں اور وہ آگے بڑھنے سے انکار کر دیتی ہیں اور شدت پسندی کا یہ رویہ جہاں پایا جاتا ہے وہاں ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی بھی ہوتی ہے اور دوسرے بہت سارے حقوق متاثر ہوتے ہیں۔ یہ ہے کہ آج کل لوگوں کی زبان پر رجعت پسندی' انتہا پسندی' جمود و تعصب کے جو الفاظ چڑھے ہوئے ہیں ان کے مفہوم کی وضاحت اور تجدید نہایت ضروری ہے۔ شدت پسندی اور سخت گیری کے سلسلے میں موقع و محل کو نظر انداز کر دینا بھی ناپسندیدہ ہے کیونکہ شدت اور سختی کا جتنا خراب اثر دعوت تبلیغ کے کام میں پڑتا ہے اتنا کسی اور چیز پر نہیں پڑتا۔ اسی طرح بدگمانی میں غلو اور انتہا پسندی کی علامت ہے دوسروں کے تئیں بدگمانی کا رویہ اختیار کرنا انہیں سیاہ عینک سے دیکھنا جو ان کی اچھائیوں کو چھپا دے اور ان کی برائیوں کو بڑھا

چڑھا کر دکھائے انتہا پسندی کے لوازمات میں سے ہے۔ انتہا پسند کے نزدیک بدگمانی تہمت اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے جبکہ قانون کی نظر میں ہر شخص بے قصور ہے جب تک کہ اس کا کوئی جرم ثابت نہ ہو جائے۔

فروعی مسائل سے دلچسپی اور اہم مسائل سے غفلت

دینی بصیرت میں ضعف اور علم دین میں عدم رسوخ ہی کی یہ علامت ہے کہ کچھ لوگ فروعی مسائل میں الجھتے رہتے ہیں اور بڑے اہم مسائل سے غفلت برتتے ہیں جن کا تعلق امت کے وجود اور اس کے تشخص اور مستقبل سے ہوتا ہے چنانچہ ان میں سے بڑی تعداد کو ہم دیکھتے ہیں کہ چھوٹی بڑی داڑھی کے رکھنے پر یا تشہد میں انگشت شہادت کو حرکت دینے پر فوٹو گرافی اور ایسے ہی دیگر مسائل جن پر لمبی بحثیں اور کافی قیل و قال ہو چکی ہے ہنگامہ برپا کر کے زمین و آسمان ایک کر دیتے ہیں اور یہ سب کچھ اس وقت ہوتا ہے جبکہ لادینی نظام حیات یا سیکولرازم کی یلغار جاری اور الحادی مارکسیت کا پھیلاؤ بڑھ رہا ہے۔ صہیونیت اپنے قدم جما رہی ہے صلیبی گروہ اپنی چالیں چل رہا ہے اور اسلام سے علیحدہ ہونے والے باطل فرقے امت مسلمہ پر اثر انداز ہونے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ عالم اسلام نئے امریکی ورلڈ آرڈر سے دوچار ہے اسلام کی تاریخ اور تشخص کو مٹایا جا رہا ہے دنیا کے مختلف حصوں' کشمیر' فلسطین' سربیا' کوسوو میں مسلمانوں کو ذبح کیا جا رہا ہے لیکن مسلم امہ فروعی اور اجتہادی مسئلوں پر گروہ بندیوں میں مبتلا ہے۔ کاش یہ لوگ ان فروعی مسائل پر جنگ و جدل کا بازار گرم کرنے کی جائے اپنی کوششیں ان چیزوں پر صرف کرتے جن سے مسلمانوں اور نئی نسل کے عقائد کی اصلاح ہوتی' انہیں فرائض کی ادائیگی پر آمادہ کرتی' کبائر کے ارتکاب سے بچاتی اور اگر ان غیر اسلامی ممالک میں مسلمان ان تین چیزوں : عقیدہ کی حفاظت' فرائض کی ادائیگی اور کبائر سے اجتناب کے باب میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمارا قومی رجحان اس کے بالکل بر خلاف ہے۔ یہ افراد فروعی مسائل پر تو معرکہ گرم کرتے رہتے ہیں اور ہمیشہ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ راکھ میں دبی چنگاریوں کو شعلہ بنا دیں حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو بنیادی ذمہ داری مثلاً والدین کے ساتھ نیک سلوک' بال بچوں کے حقوق' روزی کے حلال ذرائع کا انتخاب' کام کو صحیح آہنگ سے انجام دینے اور پڑوسی کے حقوق میں کوتاہی کرتے ہیں لیکن یہ لوگ ان تمام باتوں سے اغماض برتتے ہیں اور پسندیدہ اور مرغوب جھگڑوں میں دن رات لگے رہتے ہیں۔ اور عدم برداشت کا یہ جذبہ بالآخر بدترین لڑائی جھگڑوں اور شدید ترین دشمنی ہی کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

اس قسم کے جدال کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے :

ماضل قوم بعد هدى كانوا عليه الا اوتوا الجدال (۷)

کوئی قوم ہدایت ملنے کے بعد اس وقت گمراہ ہوتی ہے جب وہ جدال میں مبتلا ہوتی ہے۔

اس حدیث کو امام احمد امام ابو داؤد اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے نیز امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

کبائر کے ارتکاب پر جرات اور معمولی چیزوں کے بارے میں جدال ونزاع اور وسوسہ اندازی کا رویہ یہی وہ پر تضاد موقف تھا جس نے بزرگ صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو اس وقت غضبناک کر دیا تھا جب کسی عراقی نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حج کے موقع پر ان سے پوچھا کہ حج کے دوران مچھر وغیرہ کو مار دیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے یا اس نے یہ سوال کیا کہ اگر احرام کی حالت میں کوئی شخص مکھی کو قتل کر دے تو کیا حکم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سائل سے پوچھا آپ کی تعریف اس نے جواب دیا کہ عراق کا باشندہ ہوں اتنا سننا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا لوگو ذرا انہیں دیکھو کہ یہ مچھر کے خون کے بارے میں سوال کر رہے ہیں جبکہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل کر چکے ہیں حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے سنا ہے کہ یہ دونوں یعنی حضرت حسن اور حسین میرے لیے دو خوشبودار پھول ہیں۔ (۸)

حرمت کے ضمن میں اسراف

عدم برداشت اور شدت پسندی کا رویہ اپنانے سے قرآن پاک' حدیث شریف اور سلف کے اقوال میں خبردار کیے جانے کے باوجود دینی امور میں ہمیشہ تنگی اور شدت پیدا کرنے کی کوشش کرنا اور چیزوں کو حرام قرار دینے کے سلسلے میں اسراف کا رویہ اپنانا محرمات کے دائرے کو وسیع کرنا شریعت سے اگاہی اور علم دین میں عدم رسوخ کی دلیل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال و ھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون (۹)

"اور یہ جو تمہاری زبانیں جھوٹے احکام لگایا کرتی ہیں کہ یہ چیز حلال ہے اور وہ چیز حرام تو اس طرح کے حکم لگا کر اللہ پر جھوٹ نہ باندھو جو لوگ اللہ پر افترا باندھتے ہیں وہ ہرگز فلاح نہیں پاتے"۔

اس ضمن میں اسلاف کا نظریہ یہ تھا کہ جس چیز کے حرام ہونے کا یقینی علم حاصل ہوتا تھا اسی کو حرام کہتے تھے اور اگر اس کے حرام ہونے کا یقینی علم نہ ہوتا تو ایسے موقع پر کہتے کہ ہم اسے مکروہ سمجھتے ہیں یا ہمارے خیال میں یہ جائز نہیں یا اس سے ملتی جلتی عبارت استعمال کرتے تھے۔ لیکن کھلے طور پر اسے حرام نہیں قرار دیتے تھے لیکن جن لوگوں میں عدم برداشت کا جذبہ پایا جاتا ہے وہ بغیر کسی تحفظ کے چیزوں کو حرام قرار دینے میں جلدی کرتے ہیں۔ اگر کسی مسئلہ میں فقہاء کی دو رائے ہوں ایک اباحت کے حق میں ہو اور دوسری کراہت کے حق میں تو یہ لوگ کراہت والوں کو اپنائیں گے اسی طرح چیز کے بارے میں اگر ایک قول یہ ہو یہ وہ مکروہ ہے اور دوسرا قول یہ ہو کہ وہ حرام ہے

تو یہ حرام قرار دینے والے قول کو اپنائیں گے۔ اسی طرح اگر کسی چیز کے بارے میں فقہاء کرام کی دو رائے ہوں ایک میں آسانی اور نرمی پائی جاتی ہو اور دوسری میں سختی اور تنگی پائی جاتی ہو تو ان کا جھکاؤ ہمیشہ سختی اور تنگی کی طرف رہے گا۔

اسی طرح لباس کی بابت بھی سختی کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ازار ٹخنوں کے نیچے نہیں ہونا چاہیے وہ حرام ہے۔

اصول شریعت اور مقاصد رسالت کے سلسلے میں اس بے بصیرتی اور تاریکی نے اسلامی قدروں اور بنیادوں کو سمجھنے میں بڑی مشکلات پیدا کی ہیں نئی نسل کے لوگوں کو پراگندہ کیا ہے اور ان میں سے بہتوں کے ذہنوں میں صحیح اور غلط مفہوم گڈمڈ ہو کر رہ گیا ہے حالانکہ ان میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کی تحدید اور توضیح لازمی ہے مثلاً ایمان' کفر' شرک' نفاق' جاہلیت اس لیے ان ہی بنیاد پر دوسروں پر حکم لگایا جاتا ہے دوسروں سے تعلقات کی نوعیت متعین ہوتی ہے لیکن جن لوگوں کو نہ عربی زبان کا ذوق ہے نہ اس کے اسرار سے آگاہی ہے انہیں لوگوں نے ان بنیادی اساسی چیزوں کے مفہوم کو متعین کرنے میں حقیقت اور مجاز کو خلط ملط کر دیا ہے اس لیے معاملات مشتبہ ہو گئے ہیں راہیں مشکوک ہو گئی ہیں۔ لہذا یہ لوگ متشابہات کی پیروی کرنے لگ گئے ہیں اور محکمات سے اعراض کرتے ہیں جبکہ راسخین فی العلم کا شیوہ یہ ہے کہ وہ صرف محکم کی پیروی کرتے ہیں اور متشابہ پر وہ عمل پیرا ہوتے ہیں جن کے دل میں کجی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة و ابتغاء تاویله (۱۰)

جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ فتنہ کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو معنی پہنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

جیسا کہ ماضی میں خوارج نے تحکم کے بارے میں یہ نعرہ لگایا "ان الحکم الا الله" ان لوگوں کے اعتراض کا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا وہ الگ تاریخی مقول بن چکا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے جواب میں کہا تھا "کلمة حق یرد بها الباطل" (۱۱)

جہالت اور بے بصیرتی

عدم برداشت کے جو اسباب و علل کا پہلے جائزہ لیا گیا ہے یہ دین میں بے بصیرتی کی تاریخی معلومات میں کمی اور حیات و کائنات کے سلسلے میں سنن الہی سے عدم آگاہی ہے چنانچہ اس روگ میں مبتلا افراد میں کسی کو آپ دیکھیں گے کہ وہ ناممکن کو ممکن بنانا چاہتا ہے اور ایسی چیز کا طلب گار ہے جو پائی نہیں جاتی اور تخیل کی اس دنیا میں پہنچ جاتا ہے جس کا اس عالم آب و گل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تاریخ سے یہ لوگ نابلد ہوتے ہیں حالانکہ تاریخ عبر تو کا خزانہ اور قوموں کا معلم ہے جس طرح ایک فرد کل کے واقعات سے آئندہ کے لیے سبق حاصل کرتا ہے اس

طرح قومیں بھی اپنے ماضی سے اپنے مستقبل کو سنوارنے کا سبق سیکھتی ہیں اپنے صحیح اور غلط کاموں سے اور اپنی فتح و شکست سے عبرت حاصل کر کے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتی ہیں۔

بیدار مغز قوم کے لیے تاریخ یادداشت اور قوت حافظ کی حیثیت رکھتی ہے اور جو قوم اپنی تاریخ کو نظر انداز کر دیتی ہے اس کی حیثیت اس فرد کی طرح ہوتی ہے جس کی یادداشت کی قوت ختم ہو چکی ہے اور جو صرف آج کے لیے جیتا ہے وہ اپنے ماضی کو نہیں جانتا اور نہ اس کے پس منظر میں اپنے حال اور مستقبل کی تعمیر کر سکتا ہے قرآن کریم نے اس پر پوری توجہ دی ہے۔

قد خلت من قبلکم سنن فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة المکذبین

تم سے پہلے بہت سے دور گزر چکے ہیں زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ ان کا انجام کیا ہوا۔ جنہوں نے اللہ کے احکام و ہدایات کو جھٹلایا۔

اسی طرح قرآن کی عظمت کو صرف اس صورت میں جان سکتے ہیں جبکہ جاہلیت اور گمراہیوں کو جان لیں جن کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے :

و ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (۱۲)

حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے

و کنتم علی شفا حفرة من النار فانقذ کم منها (۱۳)

تم لوگ آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا۔

اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حقیقت کا اعلان اس طرح کیا :

انما تنقض عری الاسلام عروة عروة اذا انشاء فی الاسلام من لا یعرف الجاهلیة (۱۴)

جب اسلام میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو جاہلیت سے آگاہ نہ ہوں گے تو اسلام میں انتشار اور بکھراؤ کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

عصبیت

عصبیت کے ہونے کی وجہ سے عدم برداشت کا جذبہ قومی اور عالمگیر سطح پر ابھر کر سامنے آچکا ہے اس وقت ملک کی جو صورتحال ہے وہ عدم برداشت کا نتیجہ ہے ہم لوگ تباہی کے گڑھے کی طرف جا رہے ہیں ہماری قوم عصبیتوں کا شکار ہو کر رہ گئی ہے ہمارے سوچنے کے زاویے اور رجحانات محدود ہو کر رہ گئے ہیں ہم اپنی قوم و ملک پر اپنی ذات و انانیت کو ترجیح دیتے ہیں۔ قوم کا شیرازہ بکھر رہا ہے ہم لوگ فرقوں اور گروہوں میں بٹ رہے ہیں ہم عصبیت کا شکار ہو رہے ہیں اپنے ملک اور قوم سے محبت کرنا کوئی بری بات نہیں لیکن اگر یہی محبت اپنی معقول حدود سے تجاوز کر

جائے اور اس کی وجہ سے انسان وطن کی ہر چیز کو اپنی اور باہر کی ہر چیز کو پرائی سمجھنے لگے تو اسی کا نام عصبیت ہے۔ عصبیت کا مزاج قرآن کریم کی اس تعلیم کے بالکل خلاف ہے جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثی و جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند الله اتقکم (۱۵)

اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مذکر اور ایک مونث سے پیدا کیا اور تمہیں گروہوں اور قبیلوں کی شکل دی تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو بلا شبہ تم میں اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔

جب کہ عصبیت کی بناء پر غیر قوم کا غیر وطن کا آدمی ایک مہمان کی حیثیت سے تو اچھے سے اچھے سلوک کا مستحق ہو سکتا ہے لیکن اسے اپنا کسی حال میں نہیں سمجھا جا سکتا۔ وہ علم و فضل کے اعتبار سے خواہ کتنے بلند مقام پر کیوں نہ فائز ہو اخلاق و کردار کے لحاظ سے خواہ کتنا اونچا مقام رکھتا ہو جسمانی اور فکری صلاحیتوں سے کتنا مالا مال ہو لیکن عدم برداشت کا جذبہ اسے یہ حق دینے کے لیے تیار نہیں کہ وہ ملک و قوم کے لوگوں میں باعزت مقام حاصل کر سکے۔ زندگی کے مسائل میں ان کا راہنما بنے۔ عصبیت کے وہ آدم خور بت جنہیں اسلام نے ایک ایک کر کے پیوند زمین کیا تھا آج اسلام کے ماننے والے انہی بتوں کو پھر سے کھڑا کر رہے ہیں۔

مخالفین ہمارے درمیان جہاں عصبیت کو ہوا دے رہے ہیں وہاں صوبائی اور لسانی تعصبات کو بھی ہوا دی جا رہی ہے۔ نسل اور رنگ کے فتنے جگائے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے عظیم ترین المیہ سقوط مشرقی پاکستان سے دوچار ہونا پڑا۔ اس میں بھی ہمارے دشمنوں نے ہم پر یہی حربہ آزمایا۔ ہمارے ملی وجود پر کاری ضرب لگائی کہاں وہ پاکستانی قوم تھی جو ۱۹۴۷ء میں پورے عالم اسلام کو متحد کرنے کا علم لے کر چلی تھی اور کہاں یہ پاکستانی قوم جو آج خود ٹکڑوں میں بٹ کر اپنی ذلت و نکبت کا رونا رو رہی ہے۔ اب پاکستان کے باقی ماندہ چار صوبوں میں بھی اسی صوبائی عصبیت اور لسانی منافرت کو بھڑکایا جا رہا ہے کہیں مہاجر اور سندھی کا جھگڑا کھڑا کیا جا رہا ہے اور کہیں پنجابی اور پٹھان کو ایک دوسرے کے مقابلے میں کھڑا کیا جا رہا ہے۔ یہ سب عدم برداشت اور تعصب کا نتیجہ ہے۔

جذبہ قومیت

عصبیت اور عدم برداشت کے رجحان سے جذبہ قومیت جنم لیتا ہے۔ مسلم امہ کو پارہ پارہ کرنے کے لیے اہل مغرب نے قومیت' وطنیت کی اصطلاح وضع کی ان کا عدم برداشت کا جذبہ یہ برداشت نہ کر سکا کہ مسلمان بھی متحد ایک وحدت ہوں چنانچہ اس اکائی کو ختم کرنے کے لیے جہاں مختلف حربے استعمال کیے وہاں ایک وطنیت اور قومیت کا بھی ہے۔

عرب میں نظریہ وطنیت Natioalism(۱۶) کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس کے بانی تمام تر عیسائی اور یہودی تھے۔ عہد حاضر کے مشہور مستشرق فلپ کے ہٹی اپنی کتاب "اسلام اور مغرب" میں لکھتے ہیں :

"یہ بنیادی طور سے سوریا اور لبنان کے عیسائی ہی تھے جنہوں نے اس مغربی متاع (نظریہ قومیت) سے مصالحت کی ان کے شاعروں اور صحافیوں نے جو مصر پر برطانیہ نسبتاً زیادہ آزادی کے ساتھ لکھتے ہیں وہ چنگاری جس نے نیشنل ازم کے شعلے کو بھڑکایا اس نظریہ کے نئے تصورات مثلاً حب وطن قوم بلایئے وطن اور انسانی حقوق کے لیے انہوں نے نئے الفاظ گھڑے یا پرانے الفاظ میں ترمیم کی اس لیے خلافت عثمانیہ کے جو کے سے آزاد ہونا دراصل نظریہ قومیت کی پیدائش پر موقوف تھا"۔

جارج اینٹونیوس نے مزید وضاحت کی ہے کہ جن لوگوں نے عرب قومیت کی تحریک کو آگے بڑھایا ان میں دو آدمی سب سے زیادہ نمایاں تھے ایک ناصف یازجی اور دوسرے بطرس لسبتانی۔ یہ دونوں لبنان کے عیسائی تھے لسبتانی ہی نے سب سے پہلے اس نعرہ کو چلایا کہ

"حب الوطن من الایمان"

وطن کی محبت جزو ایمان ہے

اس سے قبل عرب اس نظریے سے واقف نہ تھے شروع میں مسلمانوں کی تحریک کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا گیا مگر رفتہ رفتہ وہ اس سے متفق ہوتے چلے گئے۔ ترک جوانوں میں بھی اسی تعلیم کے اثرات نے ترکی قومیت کا بت کھڑا کیا اسی طرح انہوں نے عربوں اور ترکوں کو ایک دوسرے کے خلاف ابھار کر باہم بر سر پیکار کر دیا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عالم اسلام جو کبھی خلافت عثمانیہ کے تحت ایک جسم کی طرح تھا چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ کر رہ گیا۔ اور مسلمان وطنیت اور قومیت پر فخر کرنے لگے مصریوں نے بھی دعوی کیا کہ "نحن ابناء اراعین" کہ ہم فرعون کی اولاد ہیں بعینہ یہ قومی رجحان تقریباً ہر اسلامی ملک میں عود کر آیا اور ہمارے ملک میں بعض لوگوں نے ڈنکے کی چوٹ پہ کہنا شروع کیا کہ راجہ داہر ہمارا ہیرو ہے۔ اور محمد بن قاسم ایک لٹیرا تھا۔ ایک زمانہ تو وہ تھا کہ راجہ داہر کے ہم مذہب محمد بن قاسم کو اپنا ہیرو سمجھتے تھے اور اس کے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہانے کو اپنی سعادت سمجھتے تھے اور چشم فلک آج یہ بھی دیکھ رہی ہے کہ محمد بن قاسم کے ہم مذہب اسے لٹیرا قرار دے کر راجہ داہر کی قبر پر پھول چڑھا رہے ہیں۔ اسی طرح بابر کی جائے رانا سانگا پر فخر کیا جا رہا ہے یہ سب قومیت کے اثرات ہیں۔

عدم برداشت کا عالمی رجحان

عدم برداشت جذبہ بالخصوص عالم اسلام کے خلاف عروج پر ہے۔ اس وقت پوری دنیا مسلم امت کے خلاف جارحیت پر اتر آئی ہے۔ مسلم ملکوں اور ان کے مقدس مقامات پر حشیانہ حملے کیے جا رہے ہیں اس جنگ کے شعلوں کو کبھی اعلانیہ بھڑکایا جاتا ہے اور کبھی خفیہ طور' پر یہ ایک ایسی جنگ ہے جس پر ساری غیر مسلم یہودی صلیبی' اشتراکی اور ہندو طاقتیں متفق ہیں اور متحد ہیں اور اسلام کو پھلتا پھولتا برداشت نہیں کر سکتیں۔ باوجود یہ کہ آپس میں باہمی تضادات ہیں اسلام کے خلاف سب مشترک ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض (۱۸)

جو لوگ منکر حق ہیں وہ ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں۔

چنانچہ اس ضمن میں دنیا کے مختلف مذاہب کا جائزہ لیتے ہیں کہ مسلمانوں اور اسلام کے خلاف برداشت کے جذبہ کا کتنا فقدان ہے اور وہ عالم اسلام اور مسلمانوں کو برداشت ہی نہیں کر سکتے۔

یہودیت میں عدم برداشت کا رجحان

توریت' انجیل' اور قرآن کریم کی رو سے یہود صرف دنیا میں ہی افضل ترین قوم نہ تھی۔ بلکہ عنداللہ محبوب ترین قوم تھی۔ کیونکہ اس نے توحید کی بنیاد رکھی تھی۔ مگر یہ لوگ نافرمان اور مغرور ہو گئے۔ انہوں نے انبیاء کو قتل کرنا شروع کیا۔ احکام خداوندی کو پس پشت ڈال دیا اور شرعی حدود قیود سے آزاد ہو گئے۔ جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو امارت اور حکومت سے محروم کر کے ان پر ذلت مسلط کر دی۔ بنی اسرائیل کو اعزاز نبوت سے محروم کر کے تاج نبوت بنی اسماعیل میں منتقل کر دیا۔ جس سے سرکار دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ یہودی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو برداشت نہ کر سکے۔ اور انہیں اپنے تاریخی اور مذہبی ورثہ کے چھن جانے کا از حد رنج و قلق ہوا۔ اور اس روز سے اس قوم نے شیطان کی طرح خدا اور رسول خدا کے خلاف محاذ بنا لیا۔ اسلام کے خلاف صف آراء ہو گئے۔ انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے کے پہلے سے عادی تھے۔ اب وہ مشاہیر اسلام کو برداشت نہ کر سکے اور یہودیوں کی خفیہ ریشہ دوانیوں کی بدولت مشاہیر اسلام کی شہادتوں کا سلسلہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت سے شروع ہوا۔ اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری ہے۔ یہودی دنیا بھر میں کئی سال کانفرنس کرتے رہے بالآخر ۱۹۸۷ء میں انہوں نے بڑے غور و خوض کے بعد اپنی تمام مساعی ان تین نقاط پر مرکوز کرنے کا فیصلہ کیا۔

۱۔ یہودیوں کے لیے ایک قومی وطن کا قیام

۱۔ دنیا کے مالی نظام پر قبضہ و تسلط

۲۔ اسلامی ممالک کو نیست و نابود کرنا

ان مقاصد کے حصول کے لیے یہودیوں نے ساری دنیا میں ایک سازشی جال بچھایا جب اس کے خاطر خواہ نتائج بر آمد ہوئے تو یہودیوں کی ایک عظیم اور پر اسرار شخصیت نے ۳۳ درجے یہودیوں کے نمائندوں کا ایک جلاس بلایا جس کی کئی نشستوں میں اس نے اپنے عظیم سازشی منصوبے کی تفصیلات باغرض توثیق بیان کیں۔ جو باقاعدہ ایک مسودے کی صورت میں ضبط تحریر میں لائی گئیں۔ اور اس پر ان نمائندوں نے اپنے تصدیقی دستخط ثبت کیے۔ دنیا کی یہ بدنام ترین دستاویز "پراٹوکول" (۱۹) کے نام سے مشہور ہے۔ نظام عالم میں اس وقت ہر جگہ یہودی اثر نفوذ ہی کار فرما ہے۔ اسی لیے یو۔ این۔ او' یونیسکو' ورلڈ بنک' انٹر نیشنل مانیٹر فنڈ کی کلیدی آسامیوں پر یہودی مہاجرین قابض ہیں۔ دنیا کی بڑی بڑی حکومتوں میں ان کا ہی عمل دخل ہے۔ دنیا کی عظیم سائنسی لیبارٹریوں' اسلحہ ساز کارخانوں' فلمی نگار خانوں' نشریاتی اداروں' خبر رساں ایجنسیوں' صنعتی و تجارتی اور اشاعتی مرکزوں پر یہودی چھائے ہوئے ہیں اور اپنے سازشی منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچا رہے ہیں۔ دو ہزار سال سے یہ ایک مسلمہ حقیقت چلی آ رہی ہے۔ اور متی مرقس' لوقا اور یوحنا چاروں انجیلیں اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کو یہودیوں نے قتل کیا۔ قرآن کریم اس ضمن میں یہودیوں کا اقبال جرم ان الفاظ میں پیش کرتا ہے کہ :

اذقتلنا المسیح عیسیٰ' ابن مریم (۲۰)

یہودیوں نے اس عالمگیر سازشی منصوبے کے تحت دنیا کی بڑی بڑی عیسائی طاقتوں کو زیر اثر اور اپنا موئید و معاون بنا لیا تو انھوں نے مذکورہ بالا مسلمہ حقیقت کو مسخ کرنے کے لیے اپنی حکومتوں کی وساطت سے نائب مسیح پاپائے روم سے مطالبہ کیا کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی چڑھانے کی ذمہ داری سے بریت کا اعلان کرتے ہیں۔ لہٰذا اس تاریخی حقیقت کو تاریخ اور انجیل کے اوراق سے حذف کر دیا جائے اور یوں سمجھا جائے کہ گویا یہ واقعہ ظہور پذیر ہی نہیں ہوا۔ چنانچہ پاپائے روم نے مرعوب ہو کر یہودی' عیسائی بھائی بھائی کا سیاسی رشتہ قائم کرنے کے لیے یہودیوں کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا۔ اور رومن کیتھولک کلیسا نے اکثریت کے ووٹ سے اس فیصلے کی توثیق کر دی کہ حضرت مسیح کو یہودیوں نے سولی پر نہ چڑھایا تھا۔ اس طرح عیسائیت نے صیہونیت کے سامنے ہتھیار ڈال کر اسلام کے خلاف ایک متحد محاذ بنا لیا اور کل کے دشمن آج کے دوست بن گئے اور انجیل مقدس کو ایک بار پھر تحریف کا نشانہ بننا پڑا۔ عیسائی دنیا کو متاثر کرنے کے بعد اب یہودیوں کی عام تر توجہ اسلامی ممالک کی طرف ہے۔ ان کی جارحیت اور عدم برداشت کا یہ عالم ہے کہ ان کے ناپاک عزائم میں یہ شامل ہے کہ جہاں جہاں یہودی آباد رہے وہ علاقہ بھی اسرائیل میں شامل کرنا ہے۔ اور ان کے ناپاک عزائم میں مدینۃ الرسول بھی شامل ہے۔ (۲۱)

عیسائیت میں عدم برداشت کا رجحان

عیسائیت میں بھی عدم برداشت کا رجحان اپنے آغاز سے ہی ہے۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات نے عفو اور محبت کی تعلیم یہاں تک دی کہ اگر کسی کے گال پر کوئی طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اور اگر کوئی کسی سے ایک جوتا مانگے تو دوسرا بھی اس کی طرف اتار دے۔ (۲۲) عیسائیت کی تاریخ اس کی نفی کرتی ہے۔ خاص طور پر پاپائیت کا دور ایسا دور ہے جو اپنے مخالفن کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ جو شخص بھی علم اور عرفان کی بات کرتا ہے تو اسے مقدس کلیسا کے منافی سمجھا اور عبرت ناک سزائیں دیں۔ کوپر نیکس، گلیلو اور برونو وغیرہ کے ساتھ پوپ صاحبان کا ظالمانہ سلوک تاریخوں میں محفوظ ہے۔

عیسائیوں نے اپنے دور اقتدار میں مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ ان کے عدم برداشت کے رویہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ سقوط غرناطہ کے بعد اندلس سے مسلمانوں کی حکومت تقریباً آٹھ سو سال سے قائم تھی۔ ختم ہو گئی۔ لیکن حکومت کے ساتھ عرصہ حیات بھی مسلمانوں پر تنگ کر دیا گیا۔ ظلم و سفاکی اور جور و ستم کا کوئی پہلو نہیں تھا جو ان کے حق میں روا نہ رکھا گیا ہو۔ فرڈینڈ نے عہد نامہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے غرناطہ کی سب سے بڑی جامع مسجد کو گرجا گھر کی شکل میں تبدیل کر دیا اور یہ کوشش کی کہ مسلمان کسی طرح اپنی مرضی سے عیسائیت اختیار کر لیں اور مرتد ہو جائیں۔ اس سلسلے میں اول اول ان کے ساتھ نرمی اور مروت کا معاملہ کیا گیا۔ لیکن جب عیسائیوں کو یقین ہو گیا کہ مسلمان اپنے مذہب کو ترک کرنے والے نہیں تو ان کے ساتھ جبر و تشدد کا معاملہ شروع کیا گیا۔ ۱۴۹۹ء میں فرمان شاہی صادر ہوا جو کہ لوگ مذہب عیسوی اختیار نہیں کرتے تو انہیں سپین سے نکل جانا چاہیے۔ یہ بھی اعلان کرا دیا کہ مسلمان نجاست صغریٰ و کبریٰ دونوں میں سے کسی ایک نجاست کی حالت میں بھی غسل نہ کریں۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ اپنے نام بھی بدل لیں۔ مسلمانوں کو زبردستی نہ اور اسی طرح مسلمانوں کے علمی و ثقافتی کارناموں کو مٹانے کی طرف توجہ دی گئی۔ غرناطہ کے تمام گھروں کی تلاشی لی گئی۔ اور زبان عربی کی جتنی کتابیں جہاں کہیں بھی ملیں ان سب کو ضبط کر لیا گیا۔ اس ترغیب سے تقریباً دس لاکھ کتابیں جمع ہو گئیں۔ ۱۴۹۹ء سے جبر و تشدد اور ظلم و ستم کا عہد شروع ہو گیا۔ اہل اسپین عربوں کے بچوں کو پکڑ لیتے تھے اور انہیں جبراً عیسائی بنا لیتے تھے اور اس کے لیے عذر یہ کرتے تھے یہ لوگ ابتداً عیسائی ہی تھے۔ لارڈ بشپ نے سرزمین اندلس کو عربوں کے وجود سے پاک و صاف کرنے کے لیے تجویز پیش کی کہ جو عرب دین مسیح اختیار نہ کریں وہ خواہ مرد ہوں یا عورتیں یا بچے ان سب کو قتل کر دیا جائے۔ فرانس کا مشہور انقلابی مصنف "والٹیر" کہتا ہے کہ عربوں نے اسپین فتح کیا تو انہوں نے ایک عیسائی کو بھی اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ لیکن یہ امر یقینی

افسوسناک ہے کہ جب عیسائیوں کا اس ملک پر قبضہ ہو گیا تو "شمنیس" تمام عربوں کو عیسائی کر لینا چاہا اور اس سلسلے میں اس نے پچاس ہزار مسلمانوں کو اس پر مجبور کیا کہ وہ ایک ایسے مذہب کا نشان (صلیب) لگائیں جس پر وہ ایمان نہیں لائے تھے۔

۱۵۴۴ء میں یہ حکم جاری ہوا کہ مسلمان عربی زبان کا استعمال اور اپنے شعائر کو ترک کر دیں اور اپنا لباس بھی نہ پہنیں اور ۱۶۰۴ء میں یہ اعلان عام ہو گیا کہ مسلمان سرزمین اندلس کو بالکل خالی کر دیں۔ چنانچہ دو سال کی مدت میں تقریباً پانچ لاکھ مسلمانوں نے اس ملک کو خیرباد کہہ دیا۔ مورخین مغرب کا اندازہ ہے کہ "فرڈیننڈ" کے غرناطہ پر آخری حکم جلاوطنی تک جن لوگوں نے اسپین کو چھوڑا ان کی تعداد تیس لاکھ ہے۔ لیکن ایک مورخ کا بیان ہے کہ افریقہ کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں میں سے ۳/۴ مسلمان وہ تھے جن کو راستے میں ہی قتل کر دیا اور وہ غریب منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے۔ (۲۳)

اسی طرح صلیبی جنگوں میں عیسائیت کا رویہ بھی عدم برداشت پر مبنی تھا۔ اگرچہ مسلمان حکمرانوں نے عیسائیوں کے مذہبی معاملات میں کبھی دخل نہ دیا تھا۔ اور بعض عیسائی افسروں کو اعلیٰ سرکاری عہدے بھی ملتے تھے تاہم بعض متعصب پادریوں نے یورپ میں مسلمانوں کے مظالم کی فرضی داستانیں اور قصے بیان کر کے وہاں کے عیسائی باشندوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر اکسایا اور انہیں ترغیب دی کہ وہ بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے چھین کر وہاں عیسائی سلطنت قائم کریں۔ ان دنوں عیسائیوں میں ایک خیال نیم مذہبی عقیدوں کی صورت میں پھیلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس روئے زمین پر نازل ہو کر ایک ہزار برس کے لیے ایک عیسائی سلطنت قائم کریں گے ان کا خیال تھا کہ اس بے نظیر دور کا آغاز مسلمانوں کو فلسطین سے نکالنے کے بعد شروع ہو گا۔ چنانچہ مختلف عیسائی ممالک کے سپاہی مقدس فرض کی ادائیگی کے لیے کمربستہ ہو گئے۔

۱۰۹۹ء میں عیسائی فوجوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر کے وہاں مسلمان مردوں عورتوں اور بچوں کا قتل عام کر دیا ستر ہزار مسلمان مسجد اقصیٰ کے سامنے قتل کر دیئے گئے۔ عرب ایران عراق کے مسلمان اپنے اندرونی جھگڑوں کے باعث مسلمانوں کی امداد نہ کر سکے۔ کم و بیش نوے برس تک بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ رہا۔ آخر سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۱۱۸۷ء میں عیسائیوں سے بیت المقدس کو واپس چھین لیا۔ (۲۴)

اس وقت سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیائے عیسائیت مسلمانوں کے وجود کو برداشت تک کرنے کے لیے تیار نہیں حالانکہ مسلمانوں نے اپنے دور اقتدار میں نہ صرف انہیں برداشت کیا بلکہ رواداری کا معاملہ بھی کیا۔ لیکن اب یہ عیسائی طاقتیں نیو ورلڈ آرڈر کے تحت عالم اسلام کے ساتھ جو کچھ کر رہی ہیں سب پر واضح ہے۔ جارحیت اور عدم برداشت کو دیکھیں تو امریکہ کے ہمسایہ گرنیاڈ سے لے کر عراق تک' ایران سے لے کر روس تک' مشرق

یورپ میں کیوبا سے لے کر مشرقی جرمنی تک امریکی مداخلت ودہشت گردی عدم برداشت اور جارحیت کی ہزاروں لاکھوں داستانیں بکھری پڑی ہیں۔

ہندومت میں عدم برداشت کا رجحان

ہندو ویسے تو فلسفہ اہنسہ کے پیروکار ہیں کہ کسی بھی ذی روح چیز کو تکلیف نہیں پہنچانی۔ عملی طور پر دیکھا جائے تو ان کا یہ فلسفہ حیوانوں کے لیے تو ہے مگر انسانوں کے لیے ہرگز ہرگز نہیں۔ ایک طویل عرصہ تک مسلمان ہندوستان پر حکومت کرتے رہے۔ ہمیشہ ان کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا ان پر کسی قسم کا کوئی جبر نہیں تھا۔ محمد بن قاسم سے لے کر اورنگزیب عالمگیر تک کے عروج کے ادوار میں بھی مسلمانوں نے نہ صرف انہیں برداشت کیا بلکہ انہیں بڑی مراعات اور اہم مناصب پر بھی ہمیشہ فائز رکھا۔

محمد بن قاسم نے ہندوؤں کے لیے بھی جاگیریں وقف کیں اور برہموں کو بڑے بڑے عہدوں سے نوازا صاحب آئینہ حقیقت نما لکھتے ہیں :

"محمد بن قاسم اور اس کے عہد کے مسلمان گورنروں نے ملک سندھ میں ہندوؤں کے مندروں کے لیے بڑی بڑی جاگیریں وقف کیں"۔

مورخین لکھتے ہیں کہ :

"محمد بن قاسم نے یہ تحقیق کرنے کے بعد کہ برہمن واقعی ایک معزز اور امور سلطنت سے واقف قوم ہے حکم دیا کہ برہموں کو سلطنت اسلامیہ کے دو عہدوں پر معمور کیا جائے چنانچہ محکمہ مال کا تمام انتظام برہموں کے سپرد کر دیا گیا۔ زر مالگزاری کا وصول کرنے کا حساب رکھنا خزانہ کے حفاظ کرنا سب برہموں کے سپرد کر دیا گیا"۔

اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ :

محمد بن قاسم کے زمانہ سے لے کر آئندہ ہر زمانہ میں ملک سندھ کا مالی محکمہ برہموں کے ہاتھ میں رہا۔ برہمن محمد بن قاسم سے جس شخص کی سفارش کرتے وہ اس کے مرتبے کو بلند کر دیتا تھا۔(۲۶)

اورنگزیب عالمگیر کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بہت متعصب ظالم ہندو کش تھے ان کے متعلق تاریخ کی شہادت ہے کہ ان کے برابر روادار اور منصف یورپ میں بھی کوئی بادشاہ نہ تھا۔ عالمگیر نے حاکم بنارس ابوالحسن کے نام اپنے ایک خط مورخہ : ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۰۶۵ء میں تحریر فرمایا :

"ہماری پاک شریعت اور سچے مذہب کی رو سے یہ ناجائز ہے کہ غیر مذہب کے قدیم مندروں کو گرایا جائے ہماری اطلاع میں یہ بات لائی گئی ہے کہ بعض حاکم بنارس اس کے گردونواح کے

مندروں پر ظلم و ستم کرتے ہیں۔ اور مذہبی معاملات میں دخل دیتے ہیں اور ان برہموں کا جن کا تعلق پرانے مندروں سے ہے ان کو ان کے حقوق سے محروم کیا جاتا ہے لہٰذا یہ حکم دیا جاتا ہے کہ آئندہ کوئی شخص مندروں اور برہموں کو کسی وجہ سے بھی تنگ نہ کرے اور ان پر کسی قسم کا ظلم کرے"۔

کپتان الیگزینڈر ہملٹن ایک یورپی سیاح جو اورنگزیب عالمگیر کے زمانہ میں ہندوستان آکر پچیس برس مقیم رہا وہ اپنے سفر نامہ ج اص ۱۲۷ میں شہر ٹھٹھہ صوبہ سندھ کے متعلق لکھتا ہے:

"ریاست کا مذہب اسلام ہے لیکن تعداد میں اگر دس ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے ہندو کے ساتھ رواداری پور طور پر برتی جاتی ہے وہ اپنے برت رکھتے ہیں اور تہواروں کو اسی طرح مناتے ہیں جیسے اگلے زمانوں میں کرتے تھے جبکہ بادشاہت خود ان کی تھی وہ اپنے مردوں کو جلاتے ہیں لیکن ان کی بیویوں کو اجازت نہیں کہ وہ شوہروں کے ساتھ ستی ہوں۔ (۲۸)

غیر مسلموں کو مسلمان حکومت کے اہم صیغوں میں افسران کی حیثیت سے جگہ دی جاتی تھی اور انہیں بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا گیا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے:

"جہانگیر کے توپ خانے کا افسر اعلیٰ راجہ بکرماجیت تھا جو کہ پچاس ہزار توپچیوں کا افسر تھا اور تین ہزار توپیں ان کے زیر کمان تھیں یہ راجہ بکرماجیت کھتی تھا اکبر کے زمانہ میں ترقی کرتا ہوا جیل خانہ کا داروغہ مشرقی سے خدمت دیوانی اور مرتبہ امرائی کو پہنچا تھا فن سپہ گری اور تدابیر جنگ خوب جانتا تھا"۔

سر سی پی رائے صدر بنگال فیڈریشن لکھتے ہیں:

"اورنگزیب کے عہد میں ہندوؤں کو منصب داری اور بڑی بڑی جاگیریں عطا کی گئیں وہ بڑے بڑے زمیندار بنا دیئے گئے اور نگزیب نے ہندوؤں کو گورنر (جنرل وائسرائے) بنایا یہاں تک کہ اس نے خالص اسلامی صوبہ افغانستان پر بھی نائب السلطنت مقرر کیا تھا وہ ہندو راجپوت ہی تھا"۔

یہ تاریخی حقائق اس حقیقت کو آشکارا کرنے کے لیے کافی نہیں کہ یہ اسلام اور سیرت رسول کی تعلیمات کا اثر تھا کہ مسلمان حکمرانوں غیر مسلموں کو برداشت کیا کبھی بھی تنگ دلی سے کام نہ لیا۔ اس کے مدمقابل ہندو بنئے کی قوت برداشت کو دیکھئے کہ جب بھی وہ اقتدار میں آئے مسلمانوں کو برداشت نہ کر سکے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں ان کی عدم برداشت کی مثال ہیں کہ مسلمانوں کو ہندو بنایا جائے اور مسلم آثار کو ختم کیا جائے چنانچہ ہندو دانشوروں نے یہ

نظریہ قائم کیا کہ مسلمانوں کی جتنی بھی عظیم الشان عمارتیں ہیں یہ دراصل ہندو مندروں کو منہدم کر کے بنائی گئی ہیں۔لہذاان کی تحریک یہ ہے کہ ان کو ستایا جائے اور کیونکہ ہندوستان کی سرزمین پر قائم مسلم آثار سے صرف اسی صورت میں نجات مل سکتی ہے۔چنانچہ اس فلسفہ پر بابری مسجد کی شہادت کے ذریعے سے عمل کیا گیا۔

حالانکہ تمام شواہد اس کے خلاف ہیں کہ بابر نے رام چندر کی جنم بھومی کو مٹا کر اس پر مسجد تعمیر کی ہے۔

حالانکہ شہنشاہ بابر نے شہزادہ ہمایوں کو جو وصیت کی تھی اس سے اس کی رواداری اور وسعت قلبی اور قوت برداشت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

"اے پسر سلطنت ہندوستان مختلف مذاہب سے پر ہے۔الحمد للہ اس کی بادشاہت تمہیں عطا فرمائی۔تمہیں لازم ہے کہ تمام تعصبات مذہبی لوح دل سے دھوڈالو اور عدل وانصاف کرنے میں ہر مذہب وملت کے طریق کار کا لحاظ رکھو جس کے بغیر ہندوستان کے لوگوں کے دلوں پر قبضہ نہیں کیا جاسکتا۔اس ملک کی رعایا مراحم خسروانہ اور الطاف شاہانہ ہی سے مرہون منت ہوتی ہے۔جو قوم یا ملت حکومت کی مطیع اور فرمانبردار ہے اس کے مندر اور مزار برباد نہ کیے جائیں عدل وانصاف ایسا کرو کہ رعایا بادشاہ سے خوش ہو۔ظلم وستم کی نسبت احسان اور لطف کی تلوار سے اسلام زیادہ ترقی پاتا ہے شیعہ اور سنی کے جھگڑوں سے چشم پوشی کرو ورنہ اسلام کمزور ہو جائے گا۔جس طرح انسان کے جسم میں چار عناصر مل جل کر اتحاد واتفاق سے کام کر رہے ہیں اسی طرح انسان کے مختلف مذاہب کی رعایا کو ملا جلا کر رکھو اور ان میں اتحاد وعمل پیدا کرو تاکہ جسم سلطنت مختلف امراض سے محفوظ و مامون رہے۔سرگزشت تیمور پر' جو اتحاد واتفاق کا مالک تھا' اپنی نظر رکھو تاکہ نظم ونسق کے معاملات میں پورا تجربہ ہو۔(۳۰)

اس پوری وصیت پر توجہ فرمایئے کیا غیر مسلموں کے ساتھ اس میں رواداری' عدل وانصاف' ان کے مذہبی شعائر اور عبادت گاہوں کی حفاظت کی تاکید نہیں کی گئی اس لیے نہ صرف بابر بلکہ تمام مسلمان حکمرانوں نے ہندوؤں کو وہ حقوق دیئے جو ان کو ملنا چاہیے تھے۔

اسی طرح مسئلہ کشمیر بھی ہندو ذہنیت کے جارحانہ عزائم اور عدم برداشت کا اظہار ہے کہ بھارت نے اکتوبر ۱۹۴۷ء میں کشمیر کا اپنے ساتھ جبری الحاق کر دیا۔مسئلہ کشمیر پنڈت جواہر لال نہرو کے جذبہ عدم برداشت کی داستان کا دوسرا نام ہے۔سلامتی کونسل نے ۵۲۔۱۹۵۱ء میں بھارت کے اس استدلال کو یکسر مسترد کر دیا ہے اور قرار داد منظور کی کہ بھارت کشمیر میں استصواب رائے عامہ کروانے کا پابند ہے۔بھارت نے کشمیر کے دو تہائی حصہ پر محض اپنی طاقت کے بل بوتے پر اور بالجبر قبضہ کر رکھا ہے۔۱۹۹۰ء میں بھارت کے التوائی ہتھکنڈوں سے تنگ آکر

کشمیری مسلمانوں نے مسلح ہو کر جدوجہد کا آغاز کیا اور بھارت نے اس تحریک کو دبانے کے لیے انسانیت سوز ہتھکنڈہ استعمال کیا ہے اور پانچ لاکھ باقاعدہ فوج تعینات کر کے جارحانہ کارروائیاں تیز کر دی ہیں جس کی واضح مثال سرینگر' اسلام آباد' اننت ناگ' شوپیاں' کپواڑہ' بڈگام میں بھی انسانیت سوز مظالم کی مسلسل داستانیں منظر عام پر آرہی ہیں۔ جس سے ہندو کا عدم برداشت کا رویہ کھل کر سامنے آچکا ہے۔

عدم برداشت کا رجحان اور تعلیمات رسول ﷺ

عدم برداشت کے اس قومی و عالمی رویہ کو دیکھ کر برداشت کا رجحان پیدا کرنا ناگزیر ہو چکا ہے۔ ہمارے سامنے ایک نمونہ ہے جس کو سامنے رکھ کر ہم برداشت کا جذبہ پیدا کریں' عصبیت' وطنیت' جہالت' تشدد' دہشت گردی کا خاتمہ کریں۔ علم' رواداری' قلبی وسعت پیدا کریں چنانچہ اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنة (۳۱)

بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک نمونہ موجود ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

ان الله بعثنى لتمام مكارم الاخلاق و كمال محاسن الافعال (۳۲)

اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی تکمیل کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا :

"كان خلقه القرآن" (۳۳) آپ ﷺ اخلاق میں قرآن کا مجسم نمونہ تھے۔

آپ ﷺ کے جذبہ برداشت کو ملاحظہ فرمایئے :

انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ : "میں چل رہا تھا' آپ ﷺ اس وقت ایک نجران کی چادر زیب تن کیے ہوئے تھے جس کے کنارے موٹے تھے' راستہ میں ایک اعرابی آپ ﷺ کو ملا آپ ﷺ کی چادر مبارک پکڑ کر زور سے کھینچی' میں نے نظر اٹھائی تو آپ ﷺ کی گردن پر اس کے کھینچنے کی وجہ سے نشان پڑ گئے ہیں' پھر اعرابی نے کہا' یا محمد ﷺ ! اللہ جو مال آپ ﷺ کے پاس ہے' وہ مجھے دینے کا حکم دیجئے' آپ ﷺ نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا اور ہنسے' پھر ہدایت کی کہ اس کو دیا جائے۔ (۳۴)

زید بن سعنہ (قبول اسلام سے قبل) آپ ﷺ کے پاس آیا اور قرض کا مطالبہ کیا جو آپ ﷺ نے اس سے لیا تھا' پھر اس کے بعد اس نے کپڑا پکڑ کر آپ ﷺ کے شانہ مبارک سے زور سے کھینچا اور اپنی مٹھی میں کپڑے کو لے لیا اور سخت الفاظ میں بات کی' پھر کہا کہ تم عبد المطلب کی اولاد! بڑے ٹال مٹول کرنے والے ہو' حضرت عمر رضی اللہ

عنہ نے اس کو جھڑکا' اور سخت لہجہ میں بات کی' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رویہ مسکراہٹ کا رہا' آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا' عمر ہم اور یہ شخص تمہاری طرف سے دوسرے رویہ کے مستحق تھے' مجھے تم قرض جلد ادا کرنے کا مشورہ دیتے اور اس کو نرم طریقہ سے تقاضہ کرنے کو کہتے! پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی مدت ادائیگی میں ابھی تین دن باقی ہیں' بہر حال آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے قرض کی ادائیگی کا حکم دیا اور بیس صاع اس کو مزید دینے کو فرمایا کہ اس کا معاوضہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے خوفزدہ کر دیا تھا' اور پھر یہی بات اس کے اسلام کا باعث بن گئی۔ (۳۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ: "ایک بار مکہ سے اسی (۸۰) مسلح آدمی "جبل تنعیم" سے اچانک وارد ہوئے اور دھوکہ میں رکھ کر آپ ﷺ کو گزند پہنچانا چاہا' آپ ﷺ نے ان سب کو قیدی بنا لیا' اور ان کو زندہ رہنے دیا"۔ (۳۶)

جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: "ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف لشکر کشی کی' راستہ میں دوپہر کا وقت ہوا اور آرام کی ضرورت محسوس ہوئی' اس علاقہ میں کثرت سے جھاڑیاں تھیں' آپ ببول کے ایک درخت کے سایہ میں استراحت فرمانے لگے' اور اپنی تلوار درخت پر لٹکا دی' اور لوگ بھی منتشر ہو کر مختلف درختوں کے نیچے پناہ گیر ہو گئے' یہ کیفیت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں آواز دی' ہم حاضر خدمت ہوئے تو دیکھا کہ ایک اعرابی آپ ﷺ کے سامنے بیٹھا ہوا ہے' آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا کہ یہ شخص آیا اور میری تلوار کھینچ لی' میں بیدار ہوا تو یہ تلوار کھینچے ہوئے میرے سر پر کھڑا تھا' اس نے کہا تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے' میں نے کہا اللہ! اس نے تلوار نیام میں کر لی' اس کے بعد بیٹھ گیا اور یہ ہے وہ شخص جو تمہارے سامنے بیٹھا ہوا ہے" راوی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوئی سزا نہ دی۔ (۳۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم و بردباری کا یہ حال تھا کہ تمام صحابہ کرام کا حلم بھی مل کر آپ ﷺ کے برابر نہ تھا۔ حالانکہ سب صحابہ کرام حلم و سکینت کے حامل تھے' آپ ﷺ کی حیثیت سب معاملات میں ایک شفیق استاد' اور رحم دل و مہربان مصلح و مربی کی تھی' اس کا ایک نمونہ ہمیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں نظر آتا ہے' وہ کہتے ہیں کہ: "ایک مرتبہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا' لوگ یہ دیکھ کر اس پر دوڑ پڑے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو چھوڑ دو اور جہاں اس نے پیشاب کر دیا ہے وہاں ایک ڈول پانی یا کچھ پانی کے ڈول بہا دو' اور خیال رکھو کہ تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو' تنگی و دشواری پیدا کرنے والے بنا کر نہیں۔ (۳۸)

آپ ﷺ کے تحمل' قوت برداشت' کشادگی قلب اور صبر و عزیمت کے واقعات میں آپ ﷺ کے

خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ شہادت ہے' جو انہوں نے اس سلسلہ میں دی ہے۔ اس وقت وہ بہت کم سن تھے' انہوں نے کہا کہ :"میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی آپ ﷺ نے کبھی ہنہ بھی نہ کہا اور نہ یہ فرمایا کہ فلاں کام تم نے کیوں کیا اور فلاں کام کیوں نہ کیا ؟"(۳۹)

یہ واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ آپ ﷺ میں برداشت کا جذبہ کتنا تھا اسی طرح آپ ﷺ کے اسوہ سے عدم برداشت کے جو محرکات بنتے ہیں' جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں انتہا پسندی' شدت' غلو' جہالت' عصبیت اور قومیت کا تدارک بھی آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ میں موجود ہے۔

انتہا پسندی کو آپ ﷺ نے غلو سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

قل یا اهل الكتاب لا تغلوا في دينكم غير الحق و لا تتبعوا اهواء قوم قد ضلوا من قبل و اضلوا كثيراً و ضلوا عن سواء السبيل (۴۰)

کہو اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان کے تخیلات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سواء السبیل سے بھٹک گئے۔

ان آیات میں نصاریٰ کو غلو دین سے روکا گیا ہے اور خوش بخت وہ ہیں جو دوسروں کے انجام سے نصیحت اور عبرت حاصل کرتے ہیں اور آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند امام نسائی اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے :

اياكم و الغلو في الدين انما هلك من قبلكم بالغلو في الدين (۴۱)

تم دین میں غلو کرنے سے بچو تم سے پہلے کے لوگ دین میں غلو ہی کے باعث ہلاک ہوئے۔

المناوی نے الفیض میں (ج ۳ ص ۱۲۶) میں ابن تیمیہ سے ان کا قول نقل کیا ہے کہ حدیث کی سند امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ صحیح مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

هلك المتنطون (۴۲)

آپ ﷺ نے یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا امام نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بال کی کھال نکالتے ہیں شدت پسندی کا رویہ اپناتے ہیں اور اپنے اقوال و اعمال میں حد سے بڑھ جاتے ہیں۔

ابو یعلی نے اپنی مسند میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لا تشددوا على انفسكم فيشدد عليكم قوما شددوا على انفسم فشدد عليهم فتلك بقايا هم

فی الصوامع و الدیارات (۴۳)

"اپنے اوپر سختی نہ کرو ورنہ یہ سختی تم پر لازم کردی جائے گی ایک گروہ نے (انتہاپسندی کارویہ اپنا کر) اپنے اوپر سختی کی تو ان پر سختی کی گئی اور اس گروہ سے بچے ہوئے باقی افراد صوامع اور راہب خانوں میں ہیں"۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دینداری کے سلسلے میں ہر ایسے رویہ پر ٹوکا جس میں غلو کی طرف رجحان پایا جاتا تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جن لوگوں نے عبادت اور زہد کے معاملے میں مبالغہ کا ایسا رخ اپنایا جو اسلام کی راہ اعتدال سے میل نہیں کھاتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے غیر معقول رویہ پر نکیر فرمائی آپ ﷺ نے روحانیت اور مادیت میں توازن اور دین و دنیا میں یگانگت پیدا کی اور دین میں آسانی پیدا کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یرید اللہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر (۴۴)

اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دو باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا حق دیا گیا تو آپ ﷺ نے ہمیشہ اسی بات کو پسند کیا کہ جس میں آسانی ہو بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا نماز پڑھتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سب سے لمبی ہوتی تھی یہاں تک کہ جب آپ ﷺ رات میں تہجد کے لیے کھڑے ہوتے تو اتنا طویل قیام کرتے کہ آپ ﷺ کے پاؤں میں ورم آجاتا لیکن جب آپ ﷺ امام ہوتے تو لوگوں کے حالات اور ان کی قوت برداشت کے پیش نظر ہلکی نماز پڑھاتے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

اذا صلی احدکم بالناس فلیخفف فان فیہم ضعیف و السقیم و الکبیر و اذ صلی احدکم لنفسہ فلطول ما یشاء (۴۵)

"جب تم میں سے کوئی امام ہو تو اسے ہلکی نماز پڑھانی چاہیے اس لیے کہ مقتدیوں میں کمزور، بیمار اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور جب کوئی تنہا نماز پڑھے تو وہ حسب خواہش اپنی نماز طویل کر سکتا ہے"۔

اسی طرح آپ ﷺ نے جاہلی عصبیت کے خلاف جہاد فرمایا اپنے قول و فعل سے بار بار اس غیر انسانی جذبے کو ختم کرنے کی کوشش فرمائی اور اس کوشش میں اس حد تک کامیابی حاصل کی کہ عرب کے بسنے والوں کو بھی نہ صرف برداشت کیا بلکہ اپنا سردار کہا ایک طرف حبشہ کے بلال، روم کے صہیب اور فارس کے سلمان کو آگے بڑھ کر گلے لگایا اور دوسری طرف اپنی قوم کے ابوجہل اور ابولہب کے خلاف تلوار لے کر نکلے اور عملاً اس بات کا اعلان کر دیا کہ جو خدا کا دوست ہے وہ ہمارا ہے خواہ کسی ملک و قوم کی طرف منسوب ہو اور جو خدا کا دشمن ہے وہ ہمارا نہیں ہے خواہ وہ گوشت پوست کے اعتبار سے وہ ہم سے کتنا ہی قریبی رشتہ رکھتا ہو۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا:

یا معشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ و تعظمھا بالآباء (۴۶)

"قریش کے لوگو! اللہ نے تم کو جاہلیت جھوٹی نخوت سے نجات دی ہے اور باپ دادا کی بجیاد پر بڑائی جتلانے کا دستور ختم کر دیا ہے"۔

اور حجۃ الوداع کے خطبہ میں ایک لاکھ سے زائد عربی النسل صحابہ کرام کے مجمع کے سامنے آپ ﷺ نے اس سے زیادہ واضح الفاظ میں اعلان فرمایا:

یا ایھا الناس ان ربکم واحد و ان اباء کم واحد کلکم لآدم و آدم من تراب ان اکرمکم عنداللہ اتقکم و لیس لعربی علی عجمی فضل الا بالتقوی الا کل شیء من امر الجھالیۃ تحت قدمی موضوع۔(۴۷)

اے لوگو! تم سب کا پروردگار ایک ہے اور تم سب کا باپ ایک ہے تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے تم سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے کان کھول کر سن لو کہ جاہلیت کی تمام رسمیں میرے پاؤں تلے روند دی گئی ہیں۔

اسی طرح آپ ﷺ کی تعلیمات رواداری کا درس دیتی ہیں کہ دوسرے لوگوں کو اور ان کے مذہب کو بھی برداشت کیا جائے۔ آپ ﷺ کے ہاں رواداری کا تو یہ عالم ہے کہ آپ ﷺ نے دوسرے مذاہب کے باطل معبودوں کو بھی برا کہنے سے منع فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم۔ (۴۸)

"مسلمانو! جو لوگ خدا کے سوا دوسرے معبودوں کی پرستش کرتے ہیں ان کو برا نہ کہو یہ لوگ بھی نادانی سے خدا کو برا کہنے لگیں گے"۔

نصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہوتے تھے اور آپ ﷺ خود ان کی خدمت انجام دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے یہاں سے ایک سفارت آئی آپ ﷺ نے اس کو اپنا مہمان بنایا اور بہ نفس نفیس مہمانداری کے تمام کام انجام دینا چاہے تو صحابہ نے عرض کیا کہ ہم یہ خدمت انجام دیں گے ارشاد فرمایا ان لوگوں نے میرے دوستوں کی مدد کی ہے اس لیے میں خود ان کی خدمت کروں گا۔ (۴۹)

آپ ﷺ انہیں اپنی مسجد میں نماز پڑھانے تک کی اجازت دیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ نجران کے عیسائیوں کا وفد جب مدینہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو عیسائیوں کی نماز کا وقت آ گیا انہوں نے مسجد نبوی میں نماز پڑھانا شروع کر دی مسلمانوں نے روکنا چاہا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو

منع کیا اور فرمایا نماز پڑھنے دو چنانچہ انہوں نے مسجد نبوی میں اپنے مذہب کے مطابق مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔(۵۰)

یہ تو عیسائیوں کے ساتھ آپ ﷺ کی رواداری تھی اسی طرح یہودیوں کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے مروت، مذہبی رواداری اور کشادہ قلبی سے کام لیا۔

غزوہ خیبر میں جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا اس میں توریت کے متعدد نسخے تھے یہودیوں نے درخواست کی کہ وہ ان کو عطا کر دیئے جائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ یہ سب صحیفے ان کے حوالے کر دیئے جائیں۔

یہودی فاضل ڈاکٹر اسرائیل ولفنسون اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"اس واقعہ سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ان مذہبی صحیفوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کس درجہ احترام تھا آپ ﷺ کی اس رواداری اور فراخ دلی کا یہودیوں پر بڑا اثر پڑا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان کو کبھی نہیں بھول سکتے کہ آپ ﷺ نے ان کے مقدس صحیفوں کے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہیں کیا جس سے ان کی بے حرمتی لازم آتی ہو اس کے مقابلہ میں ان کو یہ واقعہ بھی خود یاد ہے کہ جب رومیوں نے یروشلم کو ۷۰ء میں فتح کیا تو انہوں نے ان مقدس صحیفوں کو آگ لگا دی اور ان کے پاؤں سے روندا اس طرح متعصب نصرانیوں نے اندلس میں یہود پر مظالم کے دوران میں تورات کے صحیفے نذر آتش کیے یہ وہ عظیم فرق تھا جو ان فاتحین (جن کا ابھی اوپر ذکر ہوا ہے) اور اسلام کے نبی کے درمیان ہمیں نظر آتا ہے۔(۵۱)

امید واثق ہے کہ اگر تعلیمات نبوی ﷺ پر عمل کیا جائے تو عدم برداشت کے رجحان میں کمی واقع کی جا سکتی ہے اور اس دنیا کو امن و آشتی کا گہوارہ بنایا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ القرآن الحکیم، الاحقاف: ۳۵

۲۔ القرآن الحکیم، الحجرات: ۵

۳۔ ایضاً، الحج: ۳۵

۴۔ ایضاً، لقمان: ۱۷

۵۔ ایضاً النمل : ۱۲۶۔۱۲۷

۶۔ ایضاً البقرہ : ۱۴۳

۷۔ ابوداؤد' جامع ترمذی

۸۔ ایضاً

۹۔ القرآن الحکیم' النحل : ۱۱۶

۱۰۔ ایضاً' آل عمران : ۷

۱۱۔ مشکوۃ المصابیح باب مناقب اہل بیت

۱۲۔ القرآن الحکیم' آل عمران : ۱۳۷

۱۳۔ ایضاً' آل عمران : ۱۶۳۔۱۶۴

۱۴۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی الصحوۃ الاسلامیہ مکتبہ لاہور ص ۷۰

۱۵۔ القرآن الحکیم' الحجرات : ۱۳

۱۶۔ Adeeb Khanam Conflict of East and Westren Turkey P:36

۱۷۔ Philip K Hitli Islam and the West P:91 Newyork 1962

۱۸۔ القرآن الحکیم' النساء : ۷۳

۱۹۔ پراٹوکول کا اردو ترجمہ عظیم سازشی منصوبہ کے نام سے عالمی ادارہ اشاعت جھلیک ملتان سے بھی شائع ہو چکا ہے۔

۲۰۔ القرآن الحکیم' النساء : ۲۰

۲۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو Muslim [redacted] the March P:288

۲۲۔ انجیل

۲۳۔ الاسلام والحضارۃ العربیۃ' ج ۱ ص ۲۵۲۔۲۵۳ الاخبار الاندلس ج ۳ ص ۲۷۵

۲۴۔ محمد رضا' تاریخ مسلمانانِ عالم

۲۵۔ آئینہ حقیقت نما' ص ۲۵

۲۶۔ ایضاً ص ۲۶

اس ضمن میں مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمایئے ڈاکٹر تاراچند' ڈاکٹر ایشوری پرشاد' ڈاکٹر پرمتما سرن اور گاندھی جی وغیرہ کی کتب و مضامین۔

۲۷۔ روزنامہ خلافت ج ۵ 'نمبر ۱۶۰ '۱۸ اگست ۱۹۲۶ء از پرنسپل راجہ رام کالج ڈاکٹر بالکش
۲۸۔ سفرنامہ کپتان الیگزنڈر ہملٹن ج ا'ص ۱۲۷۔۱۲۸
۲۹۔ تزک جہانگیری ص ۲۱
۳۰۔ روزنامہ خلافت ج ۵ 'نمبر ۱۶۰ '۸ اگست ۱۹۲۶ء از پرنسل راجہ رام کالج ڈاکٹر بالکش
۳۱۔ القرآن الحکیم 'الاحزاب : ۳۳
۳۲۔ شرح السنہ و مشکوۃ المصابیح 'ص ۵۴۱
۳۳۔ صحیح مسلم بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا
۳۴۔ صحيح بخاري' كتاب الجهاد باب كان النبي صلى الله عليه وسلم يطعى المؤلفة القلوبهم
۳۵۔ مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۳
۳۶۔ صحيح مسلم: كتا الجهاد والسير باب قول الله "و هو الذى كف ايديهم"
۳۷۔ صحیح بخاری : کتاب المغازی 'باب غزوہ بنی المصطلق
۳۸۔ صحیح البخاری : کتاب الوضوء
۳۹۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل باب حسن خلقہ صلی اللہ علیہ وسلم
۴۰۔ القرآن حکیم 'الاحزاب : ۳۳
۴۱۔ نسائی : کتاب المناسک ص ۲۱۷ 'ابن ماجہ مناسک ص ۶۳
۴۲۔ السناوی 'الفیض ' صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۲۶
۴۳۔ ابوداؤد : کتاب الادب ص ۴۴
۴۴۔ القرآن الحکیم 'الاحزاب : ۳۳
۴۵۔ بخاری : کتاب الصلوۃ
۴۶۔ تفسیر روح المعانی حوالہ بیہقی ابن مردویہ ج ۲۶ ص ۴۸ ادارہ الطباعۃ المنیریہ مصر
۴۷۔ ایضاً مسند احمد حوالہ سیرۃ النبی ج ۲ 'ص ۱۵۱
۴۸۔ القرآن الحکیم
۴۹۔ خفاجی 'شرح الشفاء ج ۲ ص ۱۰۰
۵۰۔ ابن قیم 'زاد المعاد ج ا ص ۳۵
۵۱۔ اسرائیل ولفنسون 'تاریخ الیہود بلاد العرب ص ۱۷۰

عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی، کراچی

عنوان کی وضاحت

محسن انسانیت سرور کائنات خاتم الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی چودہ صدیوں سے مورخین، محققین، دانشوروں، ادباء اور شعراء کا محبوب موضوع رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ وہ موضوع ہے جس کے لیے دشمنوں اور دوستوں، مخالفین و موافقین سبھی نے مختلف اسباب کی بناء پر وہ کشش محسوس کی جس کی مثال کے لیے کوئی اور ہستی پیش نہیں کی جاسکتی۔ انگریز مستشرق ڈی۔ ایس۔ مارگولیس (D.S. Margoliouth) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر جو کچھ بھی لکھا ہو مگر ان کی کتاب کے مقدمہ کا ابتدائی جملہ ضرب المثل اور آفاقی حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اپنی کتاب کے آغاز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "The biographers of the prophet Mohammad from a long series which it is impossible to end but in which it would be honourable to find a place." (۱)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے، جس کو ختم کرنا ناممکن ہے لیکن اس میں جگہ پانا باعثِ شرف ہے۔ اسی شرف کے حصول کے لیے قلم طبع آزمائی پر آمادہ ہوا۔ برداشت کا تعلق اخلاقی احکامات سے ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بجا لکھا ہے!

> اخلاقی احکام کا تعلق جہاں تک تعلیم محض سے ہے وہ کوئی ایسی متاع غریب نہیں جس کے پیش کرنے پر اسلام فخر کرے۔ اخلاقی احکام ہمیں ہر جگہ مل سکتے ہیں اور قریباً ہر مذہب نے اپنا مقصد یہی بتلایا ہے کہ انسان کو اخلاق کا وعظ سنائے۔ اگر قرآن حکیم تعلیم دیتا ہے کہ عہد و مواثیق کی پابندی کرو تو قوانین موسوی اور ضابطہ عیسوی بھی یہ نہیں کہتا کہ عہد

باندھ کر توڑ ڈالو حتی کہ آریائی نسل کی وہ فلسفیانہ روحانیت بھی جس نے ہندوستان اور ایران میں ظہور کیا' اپنی ہر ادنیٰ سے ادنیٰ شاخ کے اندر اخلاقی تعلیمات کے احکام سے لبریز ہے۔

اصلی چیز تعلیم نہیں بلکہ تعلیم کے نتائج اور اس کا عمل ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کریم نے جو کچھ کہا' اس نے عملی شکل میں کیسی صورت اختیار کی؟ انسان کی روح اس لیے بیمار نہیں کہ زبانوں نے تعلیم کم کر دی اور کاغذوں پر زیادہ نہیں لکھا گیا بلکہ اس کا اصل دکھ زندگی کی عملی مشکلات میں ہے اور صرف وہی تعلیم فتح مند ہو سکتی ہے' جو ایک مستحکم عملی نمونہ اپنے ساتھ رکھتی ہو۔ عملی حقیقت کے لحاظ سے اولین نمونہ حامل قرآن و اولین داعی اسلام (ﷺ) کا ہے۔

لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

جنگ و صلح کی متضاد حالتوں میں انسان کا نظام اخلاق دفعۃً بدل جاتا ہے۔ ایک شخص بذات خود نہایت رحم دل ہے لیکن میدان جنگ میں جا کر نہایت بے رحم ہو جاتا ہے۔ ایک شخص ذاتی معاملات میں نہایت حلیم الطبع ہے لیکن کسی فوج میں شامل ہو کر سخت مشتعل اور مغلوب الغضب ہو جاتا ہے۔ ایک شخص امن و صلح کے زمانے میں نہایت صادق القول اور پابند عہد ہے' لیکن زمانہ جنگ میں انتہائی خداع اور عہد شکن بن جاتا ہے۔ ایک جماعت' ایک قوم' ایک ملک' امن و سکون کے دور میں انسانیت کا بہتر سے بہتر نمونہ ہوتی ہے لیکن جنگی اغراض' طامعانہ اقدامات اور حربی مصالح کے عہد فساد میں آ کر چارپایوں سے زیادہ وحشی اور درندوں سے زیادہ خونخوار ہو جاتا ہے۔ لیکن دنیا میں صرف "اسلام" ہی ایک ایسی زندہ ہستی ہے جو اپنے پہلو میں دل اور دل میں ایک غیر ممکن التغیر برداشت اخلاقی طاقت رکھتی ہے۔ اس پر عوارض خارجیہ کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ظاہر و باطن' شخصیت و جمہوریت' افتراق و اجتماع' جنگ و صلح' اس کے لیے تمام حالتیں یکساں ہیں۔ اس کا معیار اخلاق جس اصلاح امن و صلح کی حالت میں قائم رہا۔ اسی استحکام و استواری کے ساتھ جنگ کے سیلاب اور آتش و خون کے طوفان میں بھی قائم و ثابت نظر آیا۔ (۳)

انسان کے ذخیرہ اخلاق میں سب سے زیادہ کمیاب اور نادر الوجود شے دشمنوں پر رحم اور ان سے عفو و درگزر ہے' لیکن پیغمبر رحمت محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں یہ جنس فراواں تھی اپنے دشمنوں سے انتقام لینا انسانی فطرت کا لازمی حصہ ہے۔ لیکن یہی فطرت اور خصلت رحمت عالم کی سیرت طیبہ میں معدوم نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے بدترین دشمنوں سے حسن سلوک' مثالی رواداری' عفو و درگزر کا عملی مظاہرہ پیش کر کے یہ ثابت کر دیا کہ آپ ﷺ دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

محبت کے یوں جس نے دریا بہائے
یہ بندہ نوازی کے جوہر دکھائے
خوشی اپنی غیروں کے غم میں بھلا دی
اٹھائیں جن سے اذیتیں انہی کے حق میں دعائیں مانگیں

دل ان کا بھی چھینا جو سر لینے آئے
کہ جو کھائے اور جواہر لٹائے
دیا درد جس نے اسے بھی دوا دی
کسی میں یہ شان حلم بھی ہے ایسا کوئی حلیم بھی ہے

برداشت

اخلاقی اعتبار سے برداشت اہم ترین صفت ہے۔ بالخصوص قائدین اور مذہبی شخصیات کے حوالہ سے اس لیے کہ مختلف اقوام و ملل کا کسی ایک نکتہ پر متحد ہو جانا عقلاً و نقلاً محال ہے۔ صفت برداشت کا مطالعہ کرنے سے قبل اس کی لغوی تحقیق کی وضاحت کیے دیتا ہوں' مخزن المحاورات کے مطابق یہ فارسی کا لفظ ہے اور مونث ہے۔(۴) اس کے معنی ہیں صبر و تحمل بردباری' سہنا' اٹھانا(۵) عربی میں اس کا متبادل "حلم "(۶) ہے اور انگریزی میں اسے Tole-rancy(۷) کہتے ہیں اردو تھیسارس کے مطابق "فارسی" اور اردو میں اس کے مختلف مترادفات مستعمل ہیں' ملائمت' درگزر' بردباری' صبر' حلم' تالیف' نیام اور رواداری (۸) لیکن عنوان میں رواداری کا لفظ اگر استعمال کیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا اس لیے کہ یہ اس مفہوم کو ادا کرنے میں بمقابلہ برداشت زیادہ جامع و مستعمل ہے۔(۹)

قومی و بین الاقوامی

"قوم" کا لفظ اسلام کے نقطہ نظر سے ایک مذہب کے ماننے والوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مسلمان ایک قوم ہیں چاہے دنیا کے کسی بھی ملک میں رہتے ہیں۔ تقسیم ہند کی بنیاد دو قومی نظریہ اسی فکر پر استوار ہوا لیکن آج دنیا میں "قوم" سے مراد کسی ایک ملک کے باشندے مراد لیے جاتے ہیں چاہے اس ملک میں جتنے بھی مذاہب کے ماننے والے ہوں۔ غالباً اسی تناظر میں یہاں "بین الاقوامی" کا لفظ مستعمل ہوا ہے۔ ورنہ "بین المللی" یا "بین الممالک" ہونا چاہیے تھا۔

تعلیمات نبوی ﷺ

تعلیمات کا لفظ اشعارۃً مستعمل ہوا ہے مطلب ہے ہر وہ کام جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا یا کرنے کا حکم دیا یا آپ ﷺ کے سامنے کیا گیا (قول' فعل' تقریر) آپ کی تعلیمات میں شامل ہے' حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نبی کریم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "کان خلقہ القرآن" (۱۰) نبی کریم ﷺ کی اخلاقی تعلیمات وہی تھیں جو قرآن کی ہیں۔

برداشت کی اہمیت و فوائد

رواداری، برداشت عفوو درگزر انسانی زندگی کا ایک ایسا پہلو ہے۔ جس کے بغیر بقاء حیات اور استحکام اجتماع ممکن ہی نہیں، عفوو درگزر دراصل انسانی شخصیت کی وسعت اور اس کی انسانیت کی توسیع ہے عفوو درگزر نہ ہو تو انسانیت گھٹ کر ختم ہو جائے اور ہر طرف خونخواری و حیوانیت کا دور دورہ ہو۔ عفوو درگزر لطافت و رحمت کا اظہار ہی ہے جس سے انسانیت پہچانی جاتی ہے۔ انسان کی اس اخلاقی قدر کا منبع و مصدر بھی صفت رب ہے۔ رب کریم جو اپنے محیط علم اور مطلق قدرت کی بناء پر مخلوق کی بغاوت و انحراف پر سزا دے سکتا ہے، لیکن برداشت کرتا ہے، عفوو درگزر سے کام لیتا ہے۔ کبھی مہلت دیتا ہے اور صرف نظر کرتا ہے اور کبھی معاف کر دیتا ہے۔ اس کے عفوو کرم نے کاروبار حیات کو وسعت دی اور زندگی کی سرگرمیوں کو برکت بخشی ہے۔ اگر اس کا عفوو کرم نہ ہوتا تو لوگ اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے جل رہے ہوتے، مصیبتوں اور غفلتوں کی سزا بھگت رہے ہوتے یہ اس کا عفوو کرم ہے کہ خطا کارو معصیت کش فوری طور پر نہیں پکڑا جاتا اور یہ اس کا عفوو درگزر ہی ہے کہ معصیت کار کو اس کی ندامت پر معافی مل جاتی ہے۔ قرآن پاک نے اللہ تعالیٰ کی صفت عفو کے بارے میں کئی مقامات پر ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اسم صفاتی "عفو" قرآن مجید میں بے شمار مرتبہ آیا ہے۔ (۱۱) اللہ تعالیٰ کی صفت عفو کا ایک اور مظہر اس کے اسمائے حسنیٰ غفور غفار اور غافر ہیں جن کے معنی بخشنے والا اور معاف کرنے والا ہیں۔ یہ اسماء بھی قرآن مجید میں درجنوں مرتبہ آئے ہیں۔ (۱۲) اللہ تعالیٰ نے مسلمان کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا! و الکاظمین الغیظ و العافین عن الناس (۱۳) وہ غصہ برداشت کرنے والے اور درگزر کرنے والے ہیں۔ دوسری جگہ حکم دیا! ادفع باللتی ھی احسن (۱۴) برائی کا بدلہ نیکی سے دو۔ ایسا کرنے سے وہ دشمن دوست بن جائے گا اور جو ایسا کرتا ہے وہ بڑی ہمت کا کام کرتا ہے۔ (۱۵) اس لیے برائی کے بدلہ برائی کرنا یا غصہ کے بدلہ غصہ کرنا آسان ہے، لیکن نفس پر قابو پا کر برداشت کا مظاہرہ بہت مشکل ہے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا: "لیس الشدید بالصرعة انما الشدید الذی یملك نفسه عند الغضب" (۱۶)

بہادری کشتی میں ایک دوسرے کو پچھاڑنے کا نام نہیں بلکہ طاقت ور اور بہادر تو وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔ آپ ﷺ نے اشج عبدالقیس سے فرمایا تمہارے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جنہیں اللہ پسند کرتا ہے۔ "الحلم و الاء نائة" (۱۷) حلم یعنی قوت برداشت اور بردباری۔ رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا" و صلوا ارحامکم" (۱۸) ایک حدیث مختلف طرق سے مختلف الفاظ میں منقول ہے کہ! ایک صحابی آئے اور آپ ﷺ سے عرض کیا مجھے کسی ایسی بات کی تعلیم دیں کہ پھر میں اس پر عمل کروں کسی زیادتی کی ضرورت نہ پڑے میں سیدھا جنت میں چلا جاؤں، آپ ﷺ نے فرمایا لا تغضب غصہ نہ کر

داشت کا مادہ پیدا کر پھر اس نے یہی سوال کیا' آپ ﷺ نے یہی جواب دیا۔(۱۹) یہ حدیث دراصل قرآن کی اس یت کی تفسیر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے! والکاظمین الغیظ العافین عن الناس (۲۰)

دم برداشت کے نقصانات

برداشت کی ضد ہے غضب اور غضب میں انسان مغلوب الحال ہو کر خودکشی کرتا ہے۔ جان' مال' آبرو کے درپے ہوتا ہے۔ اسی کی طرف متوجہ کرتے ہوئے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تمہاری جان' مال' آبرو' سب ایک وسرے پر ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔(۲۱) عدم برداشت کے نقصانات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے فرمایا! ربما غضب المومن غضبۃ تقحمہ (۲۲) یعنی بسا اوقات مسلمان غضب ناک ہو جاتا ہے۔ اور اس کی غضبناکی و عدم برداشت اس کے لیے بڑے بڑے گناہوں کا سبب بن جاتی ہے۔ عدم برداشت خونریزی' دشمنی' دم سکون اور بے شمار مصائب کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس لیے برداشت کا ملکہ پیدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور تعلیم دی گئی ہے کہ برداشت ہی حسن اخلاق ہے۔

رداشت کا ملکہ پیدا کرنے کا طریقہ

اسلام احکام کے ساتھ اس کا فلسفہ اور مسائل کے ساتھ اس کا حل بھی بتلاتا ہے تاکہ اس پر عمل کرنا سان ہو جائے' مسند احمد کی حدیث ہے!

اذا غضب احدکم فلیسکت (۲۳)

جب غصہ آئے تو خاموشی اختیار کرلے۔

اس لیے کہ غصہ کی حالت میں غلط بات منہ سے نکلے گی جو کہ مزید فساد کا موجب ہوگی' سنن ابو داؤد کی روایت ہے فرمایا!

اذا غضب احدکم و ھو قائم فلیجلس (۲۴)

جب غصہ آئے تو اس کا دوسرا علاج یہ ہے کہ اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے' اگر بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔

اس طرح برداشت کا ملکہ پیدا کرنے کا نفسیاتی علاج بتادیا کہ جسمانی ہیئت تبدیل کرنے سے اعضاء کا تناؤ ختم ہو جاتا ہے اور غصہ قابو میں رہتا ہے' نبی کریم ﷺ کے اندر یہ صفت بدرجہ اتم موجود تھی جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو عالمگیر دائمی نمونہ عمل قرار دیا گیا۔(۲۵) جس کا اعتراف مستشرقین نے بھی کیا ہے۔

مستشرقین کے اعترافات

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے!

آپ ﷺ کی سیرت کا سب سے نمایاں پہلو جو ایک حیران کن متاثر کرنے والا تضاد یہ ہے کہ عظیم فتوحات کے باوجود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی انسانیت اور انسانیت نوازی میں کمی نہیں بلکہ اضافہ ہوتا چلا گیا۔(۲۶)

اس لیے کہ آپ ﷺ نے اپنے اندر برداشت اور انسانیت کی عادت پیدا کر لی تھی ذات کے لیے کبھی انتقام نہیں لیتے تھے۔

ایم ایم واٹ لکھتے ہیں!

عیسائی دنیا نے جس شخص سے سب سے زیادہ نفرت کا اظہار کیا اور اسے (نعوذباللہ) ظلمت کے شہزادہ کا لقب دیا در اصل وہی شخص دنیا میں احترام کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔(۲۷)

نامور مفکر پروفیسر فرینک کہتے ہیں!

اگر اسلام جلوہ گر نہ ہوتا تو دنیا شاید زمانہ دراز تک انسانیت، تہذیب اور شائستگی سے روشناس نہ ہوتی یہ امر واقعہ ہے کہ آج دنیا میں مساوات، امداد باہمی علمی جدوجہد اور نوع انسانی کے ساتھ ہمدردی کی جو تحریکیں جاری ہیں، وہ سب کی سب اسلام ہی سے مستعار لی گئی ہیں۔ اسلام نے جلوہ گر ہو کر حکومتوں کا ڈھانچہ بدل دیا۔ دنیا کے اقتصادی نظام میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اسلام نے ایسا مکمل نظام حیات پیش کیا جو مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ ساری دنیا کے لیے ایک رحمت ثابت ہوا۔ یہ ایسی خوبیاں ہیں، جن کے روبرو نہ صرف میری بلکہ ہر انصاف پسند انسان کے گردن جھک جانی چاہیے۔(۲۸)

جناب گوپی ناتھ امن نے کیا خوب کہا ہے۔

شفیع امم رحمت عالمیں ہے
فقط وہ متاع مسلماں نہیں ہے
نظام کہن کو کیا پارہ پارہ
تری ذات والا نمو آفریں ہے
یہ لڑتے قبیلوں کو کس نے بتایا
محبت نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے
جہاں سے سدا نور پھیلا جہاں میں
مرے ایشیا کی عجب سر زمیں ہے

ترے میکدے کی رہے خیر ساقی
یہ کاسہ ہے میرا یہ میری جبیں ہے(۲۹)

عدم برداشت کا قومی وبین الاقوامی رجحان عہد نبوی سے پہلے

تعلیمات نبوی ﷺ کا مطالعہ کرنے سے قبل یہاں تقابلی جائزہ کے طور پر اسلام سے پہلے اقوام وملل میں رائج عدم برداشت کا مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔ جس سے اندازہ ہوگا کہ اسلام سے پہلے جو ماحول تھا وہ آج پھر زندہ ہو چکا ہے جس طرح اسلام سے پہلے مختلف اقوام وملل عدم برداشت کا مظاہرہ کر رہی تھیں' آج بھی اسی کا عملی اظہار ہو رہا ہے۔

کائنات کا سب سے پہلا قتل عدم برداشت کا ثمرہ ہے

سورۃ المائدۃ میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے کہ جب ہابیل کی قربانی اللہ نے قبول کر لی تو قابیل زیادہ مشتعل ہوا اس نے قتل کی دھمکی دے کر اس پر عمل بھی کیا' ہابیلؑ نے صاف کہہ دیا کہ میں اس اشتعال انگیزی کا قولاً و عملاً کوئی جواب نہیں دوں گا۔(۳۰) اور پھر موت قبول کر لی' مگر مردانگی کے اعلیٰ مقام کو اپنی قوت برداشت سے زندہ رکھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" ہر وہ شخص جو قتل کیا جاتا ہے اس کے خون کا ایک حصہ آدم کے اس بیٹے قابیل ہی کی گردن پر ہوتا ہے جس نے خونریزی کی بنیاد رکھی۔(۳۱) اسلام سے پہلے عدم برداشت اور مذہبی تشدد بقول علامہ فرید وجدی کچھ اس طرح تھا۔

> "مذہب قبول کرنے پر مجبور کرنے میں بے رحمی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ جو لوگ انکار کرتے تھے۔ وہ بھڑکتی ہوئی آگ کے حوالہ کیے جانے پھاڑنے والے حیوانات کے آگے ڈالے جاتے تھے یا ان کی دونوں ٹانگیں دو گھوڑوں کے پاؤں میں باندھ کر ان کو مختلف سمتوں میں چھوڑ دیتے تھے۔ تانبہ پگھلا کر ان پر ڈالتے تھے یا ان کو مدھم آگ پر کئی کئی روز تک لٹکائے رکھتے تھے اور ان کے شور ، فریاد اور آہ و فغاں کی بالکل پرواہ نہیں کرتے تھے' ان کا گوشت کٹ کٹ کر گرتا جاتا اور چربی پگھل کر بہہ جاتی"۔(۳۲)

قرآن نے بھی سورۃ بروج میں اس طرف اشارہ کیا ہے! مارے گئے اور غارت ہوئے خندق والے یعنی ایندھن والی آگ والے(۳۳)

مفسرین نے اس آیت کے سلسلہ میں اسلام سے پہلے کے مظالم کا تذکرہ کیا ہے۔ جو حق پرستوں پر کیے جاتے تھے ان واقعات کی تفصیل روح المعانی تفسیر فتح القدیر اور دوسری کتب تفسیر و حدیث میں پڑھی جا سکتی

ہے۔(۳۴)

آپ ﷺ سے پہلے دنیا میں مقاصد جنگ کی طرح جنگ کے طریقے بھی وحشیانہ تھے۔ جنگ کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہولناک غیض وغضب کا مظہر ہوتی تھی۔ مقاتلین (Belligerents) اور غیر مقاتلین (Non Bel-ligerents) کا کوئی فرق نہیں تھا۔ لڑائی کا اثر سوسائٹی کے ہر طبقے پر پڑتا تھا' اور ہر شخص یکساں طور پر تہ تیغ کیا جا سکتا تھا۔ بالخصوص عورتیں ہوسناکیوں کا تختہ مشق بنائی جاتی تھیں۔ جنگی قیدیوں کو تکلیف دے کر مار ڈالنا' انہیں آگ میں دھکیل دینا' ان کے اعضاء کو قطع وبرید کرنا' لاشوں کے اعضاء کا کاٹ لیا جانا' ان کی کھوپڑی کو بطور جام شراب استعمال کرنا' بغیر اعلان کے جنگ کرنا اور عہدو پیان کو توڑ دینا اس زمانہ کی جنگوں میں معمولی باتیں تھیں۔(۳۵)

برنڈن برگ لکھتے ہیں!

۱۷۱۹ء سے قبل کی دھائیوں میں وسطی یورپ کے ممالک مسلسل اور تباہ کن جنگوں کی وجہ سے تقریباً ختم ہو چکے تھے۔(۳۶)

ہندوؤں میں قومی وبین الاقوامی عدم برداشت کا رجحان

ہندوستان میں آریوں کی جنگیں غیر آریوں سے ہوئی تھیں۔ جنہیں وہ فطرتاً ذلیل اور نجس سمجھتے تھے۔ ویدوں کے منتروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آریوں کے دل میں دشمن کو ہولناک عذاب دینے کی خواہش موجود تھی۔ زندہ آدمی کی کھال کھینچنا' اس کی بوٹیاں کاٹ لینا' اسے آگ میں جلانا' اس کے اعضاء کا مثلہ کرنا' اس کو درندوں سے پھڑوانا' جانوروں کی کھال میں اسے سی دینا' اور اس کے اہل وعیال کو تہہ تیغ کر ڈالنا۔ یہ تعزیریں تھیں جو وہ اپنے دشمن پر عائد کرنا چاہتے تھے۔(۳۷)

ہندوؤں کی مذہبی کتب مقدسہ عدم برداشت اور قتل وغارت گری سے بھری ہوئی ہیں۔

یجروید میں لکھا ہے! یہ اگنی۔ غارت گری کی جنگ میں مال غنیمت لائے۔(۳۸)

> اے اگنی ہماری مزاحمت کرنے والی جماعتوں کو مغلوب کر ہمارے دشمنوں کو بھگا دے۔ اے اجیت دیوتاؤں کو نہ ماننے والے حریفوں کو قتل کر اور اپنے پجاری کو شوکت و عظمت نصیب کر۔(۳۹)

رگ وید میں لکھا ہے! ہربد گو کو قتل کر دے اور جو کوئی ہم کو خفیہ طریقوں سے تکلیف پہنچائے اسے برباد کر۔(۴۰) دشمن اپنی قوت کے زعم باطل میں پھولے ہوتے ہیں ان کو قتل کر۔(۴۱) اے مینو (غضب کا دیوتا) ہم سے لڑنے والوں پر غالب آ توڑے جا' قتل کیے جا' دشمنوں کو کچلے جا۔(۴۲)

ہندوؤں کے بین الاقوامی عدم برداشت کے ساتھ قومی عدم برداشت کا مطالعہ کرتے ہیں تو اور بھی زیادہ

بھیانک چہرہ سامنے آتا ہے۔ برہمن کے علاوہ بقیہ تمام ذاتیں ہندو ہونے کے باوجود اچھوت ہیں عزت کے قابل نہیں ہیں۔ دھرم شاستر میں لکھا ہے!

اس دنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ سب برہمن کا ہے کیونکہ وہ مخلوقات میں برتر و افضل ہے۔ پس دنیا کی سب چیزیں اسی کی ہیں۔ (۴۳) اگر برہمن کسی نچلی ذات یا اچھوت (جس میں مسلمان، سکھ، بدھ بلکہ کائنات کے تمام انسان شامل ہیں) کو قتل کر دے تو اس پر کوئی جرمانہ نہیں ہے۔ (۴۴)

اس پر میں نے تفصیل سے اپنی کتاب "بابری مسجد کی شہادت" (۴۵) میں لکھا ہے۔ یہی وجہ ہے ہندوؤں نے اپنے معاصر اہل مذہب کے ساتھ عدم برداشت کا سلوک کیا۔ جس کی صرف ایک مثال پیش خدمت ہے!

پنڈت دیانند اپنی کتاب ستھیار تھ پرکاش میں لکھتے ہیں!

سوامی شنکر اچاریہ نے دس برس تک تمام آریہ ورت میں دورہ کر کے جینیو کے مت (دھرم) کا کھنڈن کیا اور وید دھرم کا منڈن کیا، شنکر اچاریہ کے دور میں جینیو کے مت توڑے گئے، خود جینیوں نے اپنے بتوں کو چھپانے کے لیے زمین میں گاڑ دیا تھا جو کہ اب برآمد بھی ہو رہے ہیں۔ (۴۶)

یہودیوں کا قومی و بین الاقوامی عدم برداشت کا رجحان

یہودیوں کے تشدد اور عدم برداشت کا اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن نے جہاں یہ بتایا کہ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں۔ (۴۷) نقض عہد کرتے ہیں۔ (۴۸) وہیں ان کا سب سے بڑا جرم یہ بیان کیا ہے یقتلون الانبیاء بغیر حق (۴۹) ناحق انبیاء کرام کا قتل کرتے ہیں، ہمارے سامنے یہودیوں کی کوئی مسلم کتاب نہیں ہے۔ بلکہ بقول ڈاکٹر حمید اللہ کچھ زمانہ کے حملہ آوروں، کچھ احبار کی تصحیف کچھ کچھ امتداد زمانہ کے سبب اصل کتاب ناپید ہو چکی ہے۔ (۵۰)

لیکن یہودی مذہب کی توراۃ واحد کتاب ہے جس پر سب یہودی متفق ہیں۔ (اگرچہ یہ بھی تحریف شدہ ہے) اس سے بھی عدم برداشت کی تعلیم ملتی ہے اور ہم نے کس کو باقی نہیں چھوڑا سوائے چارپایوں کے جنہیں ہم نے غنیمت جان کر پکڑ لیا اور اس مال کے جو ہم نے شہروں میں لوٹا۔ (۵۱)

ملک گیری کے متعلق کہا گیا! جب تم یردن سے پاک ہو کر کنعان میں داخل ہو تو تم ان سب کو جو اس زمین کے باشندے ہیں اپنے سامنے سے بھگا دو ان کی مورتیں فنا کر دو ان کے سب اونچے مکانوں کو ڈھا دو اور ان کو جو

اس زمین کے بسنے والے ہیں خارج کر دو اور وہاں خود آباد ہو جاؤ کیونکہ میں نے وہ سر زمین تم کو دی ہے کہ اس کے مالک ہو۔(۵۲)

معروف مستشرق آر۔ وی۔ سی بوڈلے توراۃ کے حوالہ سے لکھتے ہیں اس میں حکم ہے۔!

جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح و آشتی کا پیغام دے تا کہ وہ تجھے صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لیے کھول دے وہاں کے باشندے تیرے باجگذار بن کر تیری خدمت کریں۔ اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ لڑنا چاہے تو اس کا محاصرہ کرنا اور جب تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں دے دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا اور عورتوں بال بچوں اور چوپایوں شہر کے سب مال لوٹ کر اپنے لیے رکھ لینا۔(۵۳)

یہود نے اپنے معاصر اہل مذہب پر زیادتیاں کیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بقول متی انجیل کے صلیب پر چڑھا دیا گیا' پیٹ پھاڑ کر انتڑیاں نکال دی گئیں۔(۵۴)(قرآن کہتا ہے نہ سولی دی گئی نہ قتل کیا گیا۔(۵۵))

خود یہود کے ساتھ عیسائیوں نے عدم برداشت کا مظاہرہ کیا' بخت نصر نے ان کا قتل عام کیا' بیت المقدس کو آگ لگا دی ان کی مذہبی کتب جلا دی۔ بحران میں اتفاقاً دو یہودی قتل ہو گئے تو حمیری یہودی حکمران ذونواس نے عیسائیوں کا قتل عام کیا۔(۵۶)

عیسائیوں (رومیوں) اور مجوسیوں (ایران) میں قومی و بین الاقوامی عدم برداشت کا رجحان

دنیا کے یہ مہذب ممالک اپنی بربریت میں ہر قوم سے آگے تھے' ان کے ہاں یہود اور ہندوستان کے مذکورہ بالا مظالم کے علاوہ فصلوں اور باغوں کو تباہ کرنا اور بستیوں کو جلا کر راکھ کر ڈالنا فاتح کے لیے باعث فخر سمجھا جاتا تھا۔ سکندر اعظم نے شام کے قدیم تجارتی شہر صور کو چھ مہینے کے سخت محاصرہ کے بعد فتح کیا تو آٹھ ہزار بے گناہ انسانوں کو قتل کیا' اور تیس ہزار کو غلام بنا لیا۔ مفتوحین کے لیے اس زمانہ میں صرف دو ہی صورتیں تھیں۔ یا تو وہ قتل کیے جاتے تھے۔ یا غلام بنا لیے جاتے تھے۔

۷۰ء میں طیطس رومی نے بیت المقدس کو فتح کر کے شہر کی تمام حسین لڑکیوں کو فاتحین میں تقسیم کر دیا۔ ہر جوان مرد قیدی کو مصر کی کانوں میں مزدوری کے لیے یا روم کے اطیفی تھیٹروں میں قتل کر دیئے جانے یا وہاں کے کلوسیمس میں جنگلی جانوروں سے پھڑوانے کے لیے بھیج دیا گیا۔ اس نے وہاں ستانوے ہزار آدمی گرفتار کیے۔ جن میں سے گیارہ ہزار بھوک کی تاب نہ لا کر مر گئے اور ہلاک ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ نوشیروان نے ۵۴۰ء میں انطاکیہ کو لوٹ کر آگ لگا دی۔ اور ۵۷۶ء میں کیپیڈوسیا اور میلٹیائن کو جلا کر برباد کر دیا۔ خسرو پرویز نے ۶۴ء میں بیت المقدس کو فتح کر کے نوے ہزار انسانوں کو قتل کیا۔ اور عبادت گاہوں کو آگ لگا

دی۔اور اس کے جواب میں ہرقل نے جب ایران پر حملہ کیا۔تو زرتشت کے وطن ارمیان ہی کو پیوند خاک کر دیا اور قیصر جسٹینین نے جب افریقہ کے ونڈالوں پر حملہ کیا تو اس نے پانچ لاکھ کی اس پوری قوم ہی کو صفحہ ہستہ سے مٹا کر ایک سر سبز و شاداب ملک کو ویرانے میں تبدیل کر دیا۔در حقیقت رومی سلطنت غیر رومی سلطنتوں کے قانونی وجود ہی کو تسلیم نہیں کرتی تھی۔یہی حال ایرانی سلطنت کا تھا۔جس کے نزدیک ہر غیر ایرانی وحشی اور باغی تھا۔اور یہی سبب تھا کہ یہ سلطنتیں جنگ میں ہر اخلاقی اقدار کو پامال کرتیں اور ایک دوسرے کے خلاف عدم برداشت کا مظاہرہ کرتی تھیں۔(۵۷)

۵۷۰ء میں حبشہ کے عیسائی حکمران ابرھہ نے کعبہ پر حملہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ابابیل کے ذریعہ پورا لشکر نیست ونابود کر دیا۔سورۂ فیل کے ذیل میں ابن کثیر نے تفصیل بیان کی ہے۔اس حملہ کا بنیادی سبب کلیسائے صنعاء کی اہانت کا بدہ لینا تھا۔(۵۸) یا بقول مستشرق کونستان ورژیل جارج اسے یہ برداشت نہیں تھا کہ کعبہ تجارتی مرکز بنا رہے۔(۵۹)

عربوں میں قومی وبین الاقوامی عدم برداشت کا رجحان

اس تقابلی مطالعہ میں مختصراً اس قوم کا مطالعہ بھی پیش خدمت ہے جس سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ پڑنے والا ہے۔اس قوم کی "قومی عدم برداشت" کا جائزہ ادب جاہلیہ سے پیش خدمت ہے۔

سبعہ معلقات جو ادب جاہلیہ کا منتخب کلام ہے اس سے عرب تہذیب کی خونخواری عدم برداشت اور پر تشدد پہلو خوب نمایاں ہوتے ہیں' عمر بن کلثوم کہتا ہے!

ترجمہ : "بے شک ہم جھنڈوں کو جنگ کے گھاٹ سفید لے کر جاتے ہیں اور جب وہ خون سے سیراب ہو کر سرخ ہو جاتے ہیں تو انہیں واپس لاتے ہیں۔جب ہم کسی قوم کی طرف اپنی چکی لے جاتے ہیں۔تو وہ لڑائی میں اس کا آٹا بن جاتی ہے۔ہمارے نوجوان ایسے ہیں جو قتل ہو جانے کو باعث شرف سمجھتے ہیں۔(۶۰)

عرب کسی اخلاقی ضابطہ کے پابند نہیں تھے' غارت گری پسندیدہ مشاغل میں تھا۔اس لیے جنگ کو حرب (غصہ) نار (آگ) روع (خوف) یوم کریہہ (مصیبت کا دن) مغضبۃ (غصہ وناراضگی) چکی وغیرہ سے تعبیر کرتے تھے۔(۶۱)

اور جنگ کے مقاصد میں مال غنیمت حاصل کرنا جذبہ تفاخر اور انتقام ہوتا تھا' دشمن کا مصلہ کرنا اعضاء کاٹنا' زندہ جلا دینا' معمولی درجہ کی باتیں تھیں۔(۶۲)

قبیلہ عبس وذبیان کے دو نوجوانوں نے داحس وغبراء نامی گھوڑے پر مقابلہ کیا جب داحس غبراء سے آگے نکلنے لگا تو قبیلہ ذبیان کے بعض نوجوانوں نے شکست کے ملال سے حملہ کر کے گھوڑے کو گرا دیا اس پر دونوں قبیلوں

میں جنگ چھڑ گئی جو چالیس برس تک جاری رہی۔(۶۳)

نہ مدعی نہ شہادت حساب پاک ہوا
یہ خون خاک نیشاں تھا رزق خاک ہوا

جنرل گلب لکھتے ہیں!

اہل عرب مذہب کے مسئلہ میں باہم رواداد تھے کعبہ میں ۳۶۰ بت تھے ان میں عیسیٰ علیہ السلام کا بت بھی تھا۔ مکہ میں کبھی مذہبی لڑائی نہیں ہوئی جنہوں نے عیسائیت یا یہودیت کو بہتر سمجھا اسے قبول کر لیا۔(۶۴) آر۔ وی۔ سی بوڈلے سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ کعبہ میں عیسیٰ' مریم' ابراہیم' اسماعیل (علیہم السلام) کی نشانی کے پتھر لگے ہوئے تھے۔(۶۵) اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے عرب دیگر اقوام و ملل کے مقابلہ میں "بین الاقوامی برداشت" رکھتے تھے' البتہ "قومی برداشت" سے عاری تھے' غالباً یہی وجہ ہے انہوں نے نبی کریم ﷺ کو برداشت نہیں کیا' جبکہ عیسیٰؑ و مریمؑ کو برداشت کر لیا۔ یہ عدم برداشت کا وہ قومی و بین الاقوامی پس منظر ہے جس میں اسلام کا ظہور ہوتا ہے۔

اک مہر جہاں تاب ابھرتا ہے حرم سے
اب جھوٹے خدا اپنے چراغوں کو بجھائیں

اسلام و اہل اسلام کے خلاف عدم برداشت کا قومی و بین الاقوامی رجحان

مکہ اور مدینہ میں مسلمانوں کا واسطہ صرف تین طبقوں سے پڑا مشرکین مکہ' یہود مدینہ اور منافقین اور دونوں مقامات پر دیگر مذاہب کے پیروکار نہ ہونے کے برابر تھے۔ لہٰذا مسلمانوں سے انہی تین طبقوں کا واسطہ پڑا اور ان تینوں نے مسلمانوں کے ساتھ عدم برداشت کا مظاہرہ کیا۔ انہیں تمام ادیان قبول تھے' اسلام قبول نہیں تھا۔ دیگر اقوام و ملل نے جہاں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ عدم برداشت کا مظاہرہ کیا وہیں اہل اسلام کے ساتھ بھی بدسلوکی کی جس کا مختصر جائزہ پیش خدمت ہے!

عہد نبوی کے آغاز پر دنیا میں بڑی بڑی متمدن سلطنتیں موجود تھیں۔ مائن کے ایرانی' قسطنطنیہ کے بزنطینی اور خانبالغ کے چینی دنیا کے تین بڑوں پر مشتمل تھے۔ انسانی دماغ اہرام مصر بھی بنا چکا تھا۔ ایلورہ اجنتہ بھی اور آیا صوفیہ بھی۔ توریت کی گرمی بھی دنیا میں آچکی تھی۔ انجیل کی نرمی بھی' وید کی (جات پات بھی) تقسیم انگیزی کا بھی انسان تجربہ کر کے نتیجہ دیکھ چکا تھا اور کنفوشس کی تعلیم کے مطابق ایک سو ایک پشت تک کی رشتہ داری کو یاد رکھنے کی کوشش بھی کر چکا تھا۔ کادیٹیا کی ارتھ شاستر بھی لکھی جا چکی تھی اور ارسطو کی پالیٹکس بھی ہندو کی مہابھارت

بھی۔(۶۶)

لیکن دنیا کو ایک ایسے مذہب اور رہنما کی ضرورت تھی جو مکمل رواداری اور برداشت کے ملکہ کے ساتھ پوری کائنات کے بسنے والے انسانوں کو اپنے دامن عافیت میں سمیٹ لے اور یہی وہ رہنما تھا جس کی آمد کی بشارت تمام انبیاء دیتے چلے آئے تھے۔

یہودیوں کا اسلام کو برداشت نہ کرنا

لیکن کتنی عجیب بات ہے وہ یہودی جو خود لوگوں کو آخری نبی کی خبر دیتے تھے جب آخری نبی کا ظہور ہوتا ہے تو مخالفت مختلف وجوہ بیان کی ہیں' پہلی یہ کہ مسلمانوں نے بیت المقدس کی جگہ کعبہ کو اپنا قبلہ بنالیا۔(۶۷) دوسری یہ کہ بنی قینقاع کے واقعہ کے بعد یہودی مسلمانوں کو اپنے لیے خطرہ سمجھنے لگے تھے اس لیے مشرکین مکہ سے ساز باز کر رہے تھے۔(۶۸) کعب بن اشرف یہودی کو سازشیں کرنے کے سبب قتل کر دیا گیا تھا۔(۶۹) بالآخر یہودی قبیلہ بنو نضیر کا مدینہ سے انخلاء کرنا پڑا۔(۷۰) یہودی اسلام کے خلاف مسلسل سازشوں میں لگے رہتے بلکہ دیگر طبقوں کو بھی آمادہ جنگ کرتے ان کی عداوت تہذیب سے عاری ہو چکی تھی۔ جب خدمت نبوی ﷺ میں آتے تو السلام علیکم کی جگہ السام علیکم (تم پر ہلاکت ہو) کہتے' راعنا کی جگہ راعینا (ہمارے چرواہے) کہتے۔(۷۱) حتیٰ کہ پھر انہیں مدینہ کے بعد خیبر کے قلعوں سے بھی نکالنا پڑا۔(۷۲) یہودی مسلمانوں کو کسی طرح بھی برداشت کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ اس کی وجہ ان کی علمی سیادت کا چھن جانا نبی کریم ﷺ کا عرب سے مبعوث ہونا تھا۔ اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت ان کے عدم برداشت کا سبب تھی' مستشرق آر۔ وی۔ سی بوڈلے یہودی رویوں کا عالمانہ تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے! یہودیوں کی شورشیں بڑی حد تک ان لوگوں کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھیں۔ جس کی وجہ سے انہیں ان کے وطن سے کئی بار نکالا جا چکا تھا۔ سب سے پہلے انہیں ۷۲۲ قبل مسیح میں ان کے وطن سے نکالا گیا۔ یہ خروج عظیم تھا۔ ۵۸۶ قبل مسیح میں ایک بار پھر انہیں وطن بدر ہونا پڑا۔ تیسری بار ۶۳ عیسوی میں پھر ۷۰ء عیسوی میں اور آخری بار ۱۳۵ میں انہیں ان کے وطن سے نکالا گیا۔ اس پے در پے کے عمل نے یہودیوں کو دور دراز تک پھیلا دیا تھا۔ لیکن یہودیوں کی اکثریت یروشلم کے قریب ہی عرب ممالک میں موجود رہی۔ ان میں سے تین بڑے بڑے اور صاحب اختیار قبائل بنی قینقاع' بنی نضیر اور بنی قریظہ مدینہ ہی میں موجود تھے۔(۷۳) مدینہ میں انہی یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا جال بننے کے ساتھ ان کی عزت و ناموس پر بھی ہاتھ ڈالا بنی قینقاع کے ایک شخص نے ایک مسلمان لڑکی کو بر سر بازار ننگا کر دیا اور خوب ٹھٹھہ اڑایا' ایک مسلمان نے اس یہودی کا خاتمہ کر دیا جواباً یہودیوں نے اسے بھی شہید کر دیا بالآخر مسلمانوں کی جنگ ہوئی اور یہودیوں کو مدینہ سے باہر نکالنا پڑا۔(۷۴)

منافقین کا اسلام کو برداشت نہ کرنا

چوہدری افضل حق لکھتے ہیں' جنگ کی آزمائشوں سے میں کامیابی سے گزرنا آسان ہے دولت دنیا کو دین پر قربان کرنا سہل ہے۔ مگر منافقوں سے نباہ کرنا اور ان کی ہزار شرانگیزیوں کے باوجود ایک دفعہ بھی تعرض نہ کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا حوصلہ ہے۔ (۷۵) جب تک مسلمان مکہ میں تھے منافقین کا وجود نہیں تھا۔ نبی کریم ﷺ کی مدینہ آمد کے بعد یہ طبقہ وجود میں آیا' اس کا بانی عبداللہ بن ابی تھا۔ اہل مدینہ اسے اپنا سردار بنانے کی تیاری کر چکے تھے' تاج و تخت تیار تھا' بیٹھنے والے کا انتظار تھا' اتنے میں آپ ﷺ کی آمد کے بعد لوگ اس تخت پر ابی کی جگہ آپ ﷺ کو بٹھا دیتے ہیں۔ ابی سے یہ برداشت نہیں ہوتا' وہ مع اپنے چیلوں کے بظاہر اسلام قبول کر کے بباطن سازشوں میں مصروف ہو جاتا ہے' غزوہ بنی مصطلق ۵ ھ کی فتح کے بعد اپنی قوم کو کہتا ہے مدینہ پہنچتے ہی معززین (اہل مدینہ) (نعوذباللہ) ذلیلوں (مسلمانوں) کو نکال باہر کریں۔ (۷۶) اس سے مسلمانوں کی فتح برداشت نہیں ہوتی۔ غزوہ احد کے اہم ترین موقع پر اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر واپس چلا جاتا ہے۔ (۷۷) تاکہ مسلمان شکست کھا جائیں' یہود کے قبیلہ بنو نضیر کو شہ دی تم حملہ کرو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ (۷۸) غزوہ خندق کے موقع پر مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا۔ (۷۹) مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے کے لیے مسجد ضرار بنائی۔ (۸۰) رومیوں کے خلاف جنگ کے موقع پر مسلمانوں کو بھڑکایا لا تنفرو فی الحر (۸۱) بہت گرمی ہے جنگ میں حصہ نہ لو قرآن نے جواب دیا قل نار جھنم اشد حرا۔ (۸۲) کہہ دو جہنم کی آگ اس سے سے بھی زیادہ گرم ہے۔ تم اس کی تیاری کرو۔ غرض منافقین نے نہ میثاق مدینہ کا پاس رکھا نہ کسی اخلاقی ضابطہ کا لحاظ رکھا بلکہ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے درپہ رہے ہے۔

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

مشرکین عرب کا اسلام کو برداشت نہ کرنا

نبی کریم ﷺ پر جب حکم الٰہی قم نانذر (۸۳) اسلام کے فروغ کے لیے تیار ہو جائے' اللہ کی توحید کو پھیلائیے جو حکم دیا گیا کھل کر بیان کیجیے۔ (۸۴) نازل ہوا تو آپ ﷺ نے اسلام کی تبلیغ شروع کی مستشرق بوڈلے لکھتا ہے!

فاران کی چوٹی پر توحید کا بیان سن کر ابو لہب مشتعل ہوا' آپ ﷺ کو بات کرنے سے نہ صرف روکا بلکہ پتھروں کی بارش کر دی۔ اور آپ ﷺ کے خلاف عدم برداشت و ایذا رسانیوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ راستہ میں کانٹے بچھانا۔ (۸۶)

کعبہ میں عبادت سے روکنا اور عبادت کرتے ہوئے گلے میں اوجڑی ڈالنا۔ جس پر کوشان لکھتا ہے! یہ سزائے موت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ تھا۔(۸۷) آپ ﷺ پر ایمان والوں پر تشدد (۸۸) اور ان کا قتل (۸۹) عام درجہ کی باتیں تھیں حتی کہ مسلمانوں کو دو دفعہ حبشہ ہجرت کرنی پڑی۔ آپ ﷺ اہل مکہ کو چھوڑ کر طائف تبلیغ کرنے گئے تو اوباش نوجوانوں کے ذریعہ ٹھٹھے لگوا کر (۹۰) پتھراؤ کرا کر لہولہان کر کے طائف سے باہر نکالا گیا۔(۹۱) جب کچھ بس نہ چلا تو شعب ابی طالب میں محصور کر کے مکمل سوشل بائیکاٹ کیا گیا۔(۹۲) بالآخر نبی کریم ﷺ مکہ سے مدینہ ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ مگر مشرکین یہ بھی برداشت کرنے پر تیار نہ ہوئے' مسلمانوں پر فوجی و جارحانہ حملے جاری رکھے' دھوکے سے مسلمانوں کو قتل کراتے رہے۔(۹۳) جو معاہدہ کرتے اس کی خلاف ورزی کرتے یہ صورتحال فتح تک جاری رہی۔ (جس پر میں آگے روشنی ڈالوں گا)۔

تعلیمات نبوی ﷺ کی بدولت قومی و بین الاقوامی برداشت کے رجحانات کا فروغ

مندرجہ بالا عدم برداشت کے تناظر میں تعلیمات و عمل نبوی ﷺ کا مطالعہ کرتے ہیں اور قوت برداشت کا جائزہ لیتے ہیں تو اسلام کی رواداری پوری قوت کے ساتھ نمایاں ہو کر آتی ہے۔ جس کی نظیر نہ اسلام سے پہلے پیش کی جا سکی نہ اسلام کے بعد پیش کی جا سکتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا قول و فعل قرآن کے تابع تھا جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کان خلقه القرآن۔(۹۴)

برداشت قرآنی تعلیمات کی روشنی میں

اس لیے پہلے قرآن کی روشنی میں برداشت کی تعلیمات پیش خدمت ہیں!

سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالی نے فرمایا آپ ﷺ کو سارے جہاں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔(۹۵) آپ ﷺ کی رحمت کافر و مشرک تمام انسانیت کے لیے ہے' جو چاہے دامن رحمت و عافیت میں آ سکتا ہے۔ سورۃ الاحزاب میں فرمایا! اے پیغمبر ہم نے آپ ﷺ کو گواہی دینے والا اچھے لوگوں کو خوشخبری نافرمانوں کو ہشیار کرنے والا' اللہ کی طرف لوگوں کو بلانے والا اور ساری دنیا کو روشن کرنے والا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔(۹۶) سورۂ سباء میں (۹۷) اسی بات کو دہرایا گیا ہے' سورہ نحل میں حکم دیا ہے اللہ سب کے ساتھ عدل و احسان اور اچھے سلوک کا حکم دیتا ہے۔(۹۸) یہی بات سورۂ قصص میں کہی گئی ہے۔(۹۹)

مذہبی رواداری کی انتہاء یہ ہے کہ سورہ کہف میں فرمایا جو چاہے ایمان لائے جو چاہے کفر اختیار کرے۔(۱۰۰) البقرہ میں فرمایا دین کے بارے میں کسی پر جبر نہیں۔(۱۰۱) سورۃ الکافرون (۱۰۲) میں اسی بات کو دہرایا گیا ہے۔ اسلام کا تشدد اور سختی سے تعلق نہیں ہے بلکہ یہ تو محبت کا سودا ہے' ارشاد ربانی ہے! اپنے رب کی

طرف سلیقہ دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اچھی اچھی باتوں کے ذریعے اللہ کی طرف بلاؤ اور بحث و مباحثہ میں برداشت کا مظاہرہ کرو۔(۱۰۳) اگر وہ تمہارے ساتھ حد اعتدال کا سلوک نہ کریں پھر بھی حکم دیا جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں ان کے خداؤں کو برا بھلا نہ کہو ورنہ جہالت میں وہ تمہارے سچے خدا کو برا کہنے لگیں گے۔(۱۰۴) اور اپنی عاقبت برباد کریں گے' آپ کے ذمہ زور زبردستی کرنا نہیں ہے' بلکہ صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے۔(۱۰۵) جو راہ ہدایت پر چلتا ہے وہ اپنے نفع کے لیے چلتا ہے جو گمراہ ہوتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔(۱۰۶) کیا اس سے بڑھ کر بھی دنیا کا کوئی مذہب رواداری اور برداشت کی تعلیم دیتا ہے۔

مستشرقین کی جانب سے قرآنی تعلیمات کا اعتراف

جارج سیل (G. Sell) مشہور یورپی مستشرق لکھتا ہے! مسلمانوں کا مذہب جو قرآن کا مذہب ہے ایک امن اور سلامتی کا مذہب ہے۔(۱۰۷) موسیو کاسٹن کار لکھتا ہے! روئے زمین سے اگر قرآن کی حکومت جاتی رہی تو دنیا کا امن وامان کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔(۱۰۸)

فرانسیسی مستشرق موسیو سیڈیولٹ (M.Sedillet) لکھتا ہے!

جو لوگ اسلام کو وحشیانہ مذہب کہتے ہیں ان کے ضمیر کے تاریک ہونے کی واضح دلیل یہ ہے کہ وہ ان صریح آیات کو نہیں دیکھتے جن کے اثر سے عربوں کی وہ تمام بری خصلتیں مٹ گئیں۔ جو مدت دراز سے سارے ملک میں رائج تھیں انتقام لینا' خاندانی عداوت کو جاری رکھنا' کینہ پروری اور جور و ظلم' دختر کشی وغیرہ جیسی مذموم رسومات کو قران نے مٹا دیا ان میں سے اکثر چیزیں پہلے بھی یورپ میں تھیں۔ اور اب بھی ہیں۔(۱۰۹)

برداشت تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

مقالہ کے آغاز میں صفحہ ۲/ اور ۳ پر تعلیمات نبوی ﷺ کے کچھ پہلوؤں کی وضاحت ہو چکی۔ یہاں اشارتاً مزید وضاحت کیے دیتا ہوں' برداشت کے لیے عربی میں "حلم" کا لفظ آتا ہے حلم کی تعریف کی گئی ہے۔ الحلم حالة توقر و ثبات عند الا سباب المحر كات۔(۱۱۰) اشتعال انگیز عوامل کے باوجود انسان برداشت کرے' چھچھورے پن کا مظاہرہ نہ کرے بلکہ کو وقار رہنا ہے نبی کریم ﷺ نے اس کا عملی مظاہرہ کیا اور اسی کی تعلیم دی فرمایا مجھے میرے رب نے نو باتوں کا حکم دیا ہے۔ جس میں سے ایک ہے و العدل فی الرضا و الغضب (۱۱۱) اور غضب (عدم برداشت) دونوں حالتوں میں انصاف کروں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں جبریل نے بیان کیا!

يا محمد ان الله يا مرك ان تصل من قطعك و تعطى من حرمك و تعفو عمن ظلمك (۱۱۲)

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ جو آپ ﷺ سے قطع رحمی کرے اس سے آپ ﷺ صلہ رحمی کریں۔ جو آپ ﷺ کو محروم رکھے اس کو آپ ﷺ عطا کریں اور جو آپ ﷺ پر ظلم کرے اس سے آپ ﷺ عفوودرگزر کریں۔ صحیح بخاری، مسلم کی روایت ہے!

جنگ احد میں جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید کر دیئے گئے اور رخ انور کو زخمی کر دیا گیا تو صحابہ کرام کو از حد تکلیف ہوئی۔ عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان موذیوں اور بدکاروں کے لیے اگر حضور بددعا کر دیتے تو غضب خداوندی انہیں ملیامیٹ کر دیتا۔ رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثار صحابہ کرامؓ کو یہ ارشاد فرمایا: اے میرے صحابہ! میں لعنت بھیجنے کے لیے مبعوث نہیں کیا گیا (یعنی بددعا کرنے کے لیے) بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حق کا داعی اور سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اس ارشاد کے بعد حضور ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ دعا کے لیے بارگاہ رب العالمین میں پھیلا دیئے۔ اور ان ظالموں اور جفاکاروں کو تباہی کے بجائے یہ التجا کی: اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے (ساتھ ہی ان کی عذر خواہی کرتے ہوئے عرض کی) یا اللہ ان کی یہ ظالمانہ حرکتیں اس لیے ہیں کہ وہ مجھے جانتے نہیں۔ اگر وہ مجھے پہچان لیتے تو ہرگز ایسا نہ کرتے۔ (۱۱۳)

زین بن سعنہ یہودی عالم تھے انہیں آپ ﷺ کے اندر نبوت کی تمام علامتیں مل گئیں مگر دو علامتیں جن کا کتب مقدسہ میں ذکر تھا پہلی حلم و برداشت کا جہل پر غالب ہونا' دوسرے کوئی آپ ﷺ کے خلاف کتنی ہی اشتعال انگیزی کرے آپ ﷺ کا برداشت و حلم کا اتنا ہی زیادہ اظہار کرنا' اس صفت نبوت کو آزمانے کے لیے زین نے آپ ﷺ کو ادھار دیا پھر گستاخی کر کے آزمایا حضرت عمرؓ قتل پر آمادہ ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عمرؓ تمہیں چاہیے تھا مجھے قرض ادا کرنے اور اسے شائستگی کا مظاہرہ کرنے کو کہتے تو بہتر ہوتا' جاؤ اسے اس کے قرض سے ۲۰ صاع زیادہ ادا کر دو' عمرؓ نے ایسا ہی کیا' تو زین بن سعنہ نے کہا اے عمرؓ میں نے آپ ﷺ کی صفت "برداشت" جو کہ علامت نبوت ہے دیکھنے کے لیے ایسا کیا تھا۔ فاشهدك انی رضيت بالله ربا و با الاسلام دينا و بمحمد نبیاً (۱۱۴) اے عمرؓ گواہ رہو میں نے مان لیا ہے اللہ میرا رب ہے' اسلام میرا دین ہے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نبی ہیں۔

غیر مسلم کی جانب سے تعلیمات نبوی ﷺ کے اثرات کا اعتراف

تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی اثر ہے جس کا اعتراف کرتے ہوئے پنڈت گوپال کرشن لکھتے ہیں!

"رشی محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کی زندگی پر جب ہم وچار کرتے ہیں تو یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ ایشور نے ان صلی اللہ علیہ وسلم کو سنسار سدھار کے لیے بھیجا تھا ان کے اندر وہ شکتی موجود تھی جو ایک گریٹ ریفارمر (مصلح اعظم) اور ایک مہاپرش (ہستی اعظم)

میں ہونی چاہیے"۔

آپ ﷺ نے عرب کے چرواہوں کو جو ظلم و ستم کے عادی تھے انسان کامل بنا دیا اور ان کے اندر رحم کرم، حلم و تواضع پیدا کر دی۔ ان میں متر تا (مودت) اور پریم (محبت) کے جذبات پیدا کر دیئے۔ یہ لوگ جاہل او وحشی تھے۔ (مگر) چند ہی روز میں ان کو حکمرانوں کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دیا۔ وہ اپنے بھائیوں کا خون بہانا ایک معمو بات سمجھتے تھے۔ مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کی تعلیم سے ایسے دیالو (رحم دل) ہو گئے کہ دنیا کی کھو ہوئی متی اور اس کا امن دوبارہ قائم ہوا اور خود بھی شانتی (امن) کے محافظ بن گئے۔ ایشور نے ان صلی اللہ علیہ وسلم ہردے (قلب) کا پوتر (پاکیزہ) بنایا تھا۔ وہ بہت دیالو رحمدل تھے، پرنتو (مگر) انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں جا دیتے تھے۔ وہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے فاتح اعظم تھے۔ مگر مفتوح اقوام کے لیے پیغام رحم و کرم تھے۔ ج لوگوں نے آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے ساتھیوں پر ظلم کیا تھا اگر آپ ﷺ چاہتے تو ان کو سولی پر چڑھوا د لیکن آپ ﷺ نے ان کی ساری برائیاں معاف کر دیں اور ان سے انتقام نہیں لیا۔ یہ ایک ایسا تاریخی واقعہ ہے کی مجھے نظیر نہیں ملتی۔ آپ ﷺ کے جیون چرتر (سیرت) میں یہ عجیب بات بھی نظر آتی ہے کہ امن اور شانتی دشمن کو آپ ﷺ نے کبھی معاف نہیں کیا۔ مگر جو ان صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی دشمن ہوتا اس سے کبھی بدلہ لیا۔ مگر بدلہ لینے کو ناجائز بھی نہیں بتایا۔ کیونکہ ایسا کرنا نیچر (فطرت انسانی) کے خلاف تھا۔ مگر اپنی ذات کی حد تک عفو و درگزر کے اصول کے پابند رہے۔ آپ ﷺ کی رحمدلی اور کرم کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی آپ سے کوئی بات جاتا تو بھی آپ ﷺ بڑی شانتی اور (سکون) سے سن لیتے۔ آپ ﷺ کے جیون میں ایک مثال بھی ایسی نہیں کی جا سکتی کہ آپ ﷺ نے اپنے کسی دشمن کو ویسا ہی جواب دیا ہو (۱۱۵)

معاہدات نبوی ﷺ میں برداشت و رواداری کا مظاہرہ

لسان العرب کے مطابق معاہدات معاہدہ کی جمع ہے باب مفاعلہ سے معنی ہے جانبین سے قسم کھا کر عہد کرنا (۱۱۶) معاہدات نبوی ﷺ کا اطلاق ان معاہدات پر ہوتا ہے جو آپ ﷺ کی ہجرت کے بعد اور بالخصو ریاست مدینہ کے قیام کے بعد مختلف اقوام و ملل سے کیے گئے (۱۱۷) یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے آپ ﷺ کی بعثت کا اصل مقصد اعلاء کلمۃ اللہ تھا۔ (۱۱۸) معاہدات کے تین دور ہیں، پہلا غزوہ بدر سے پہلے دوسرا صلح حدیبیہ کا زمانہ تیسرا فتح مکہ کا (۱۱۹) قرآن کریم میں ۲۵ سے زائد مقامات پر پوری شدت کے ساتھ معاہدات کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس پر بڑے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے۔ (۱۲۰)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدات کا آغاز بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ (۱۲۱) اور بالخصوص میثاق مدینہ سے ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے ہر طبقہ سے پچاس سے زائد معاہدے کیے جس میں مشرکین عرب، منافقین، ود

عیسائی اور مجوس شامل ہیں۔(۱۲۲) آپ ﷺ نے خود بھی معاہدہ پورا کیا اور مسلمانوں کو بھی اسی کا حکم دیا باوجود یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ ہمیشہ عہد شکنی کی گئی' مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں!

مسلمانوں کے ساتھ نہایت شرمناک طریقے سے غداریاں کی گئی ہیں' رعل' ذکوان' عصبہ اور بنولحیان کے قبائل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی دشمن کے مقابلے کے لیے فوجی مدد کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قراء صحابہؓ میں سے ستر صحابی ساتھ کر دیئے لیکن بئر معونہ پر لے جا کر ان لوگوں نے بیوفائی کی اور مسلمانوں کو بے دریغ قتل کر دیا۔ جب حضرت عاصم کی فوج کو قبیلہ بنولحیان کے دو سو تیر اندازوں نے گھیر لیا تو ان سے وعدہ کیا کہ اگر وہ نیچے اتر آئیں تو کچھ تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اس پر ایک جماعت اتر آئی' لیکن بعض صحابہؓ کو اسی جگہ قتل کر دیا گیا اور بعض کو غلام بنا کر بیچ ڈالا گیا۔(۱۲۳)

"با ایں ہمہ غدر و بے وفائی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو معیار اخلاق شخصی حالتوں میں تھا' وہی میدان جنگ میں بھی قائم رہا۔ شخصی حالت میں آپ کے وفائے عہد کا یہ حال تھا' نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے عبداللہ بن العمساء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ معاملہ کیا اور ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھا کر چلے گئے اتفاق سے خود ہی بھول گئے تین دن بعد واپس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا میں تین دن سے تمہارا اسی جگہ پر منتظر ہوں(۱۲۴) اس کے برعکس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے معاہدہ کی پاسداری کا عالم یہ تھا جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی ابو حذیفہ بن الیمان اور ابو حسل دو صحابی مکہ سے آ رہے تھے' کفار نے گرفتار کیا اور اس شرط پر رہا کر دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ میں حصہ نہیں لو گے یہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور صورت حال بیان کی آپ ﷺ نے فرمایا تم دونوں واپس جاؤ ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے۔(۱۲۵)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدات کی متعدد خصوصیات لکھی گئی ہیں۔(۱۲۶) لیکن میرے نقطہ نظر سے دو اہم ترین خصوصیات ہیں' جو دنیا کے معاہدات میں کہیں نظر نہیں آتیں' پہلی معاہدات میں برداشت اور رواداری' دوسری یہ کہ معاہدہ برابری کی بنیاد پر یا جھک کر قبول کر لیتے آپ کے معاہدات سے فاتح کی حیثیت نمایاں نہیں ہوتی بلکہ مصلح کی حیثیت ابھر کر سامنے آتی ہے میثاق مدینہ' صلح حدیبیہ و دیگر معاہدات واضح مثال ہیں' اس کے برعکس جنگ عظیم اول کے بعد ۲۸ جون ۱۹۱۹ء کو ورسائی کے مقام پر معاہدہ ورسائی طے پایا انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مطابق جرمنی کو جنگ کا واحد ذمہ دار قرار دیا گیا۔ اس کی افواج کو نہتا کر دیا گیا' فاتحین کے نمائندوں کے سامنے جرمنی کے مندوبین کو بے آبرو مندانہ انداز میں پیش کیا گیا اور معاہدہ کا متن تیار کرتے وقت انہیں مجرموں کی طرح کھڑا رکھا گیا' نتیجتاً جرمنی پر بھاری تاوان جنگ (تقریباً ۱۵ ارب ڈالر) عائد کیا گیا۔ جس کو ادا کرنے کی استطاعت وہ

قطعاً نہیں رکھتا تھا' حتی کہ خود انگریز ایچ جی ویلز نے بھی اسے فاتحین کا معاہدہ قرار دیا ہے۔(۱۲۷)

آپ ﷺ کا یہودیوں سے برداشت ورواداری کا سلوک

غیر مسلم اقوام کے ساتھ آپ ﷺ نے جو اجتماعی معاہدے کیے وہ آپ ﷺ کی رواداری و برداشت کے اعلیٰ نمونہ ہیں لیکن مختلف طبقے جن کے ساتھ آپ ﷺ نے انفرادی حیثیت میں برداشت ورواداری کا سلوک کیا، اس میں ایک طبقہ یہودیوں کا ہے یہودیوں نے اہل اسلام کے ساتھ جس عدم برداشت و نارواسلوک کا مظاہرہ کیا، وہ آپ ملاحظہ کر چکے' اس کے مقابلہ میں نبی کریم ﷺ کا سلوک یہ تھا مجیب اللہ ندوی لکھتے ہیں مدینہ میں یہود کا اجتماعی ادارہ بیت المدارس تھا۔ آپ ﷺ اور متعدد صحابہؓ بغرض تبلیغ وہاں جایا کرتے بالخصوص حضرت عمرؓ (۱۲۸) ہجرت کے ابتدائی ایام میں یہود اپنی قوت کے نشہ میں اسلام کو خاطر میں نہ لائے جب بدر کے میدان میں قریش کے اقبال کا آفتاب غروب ہوتے دیکھا تو انھیں اپنا مستقبل تاریک نظر آیا(۱۲۹) آپ ﷺ نے میثاق مدینہ کے نام سے معاہدہ کیا وہ یہودیوں کے ساتھ برداشت ورواداری کا اعلیٰ نمونہ ہے' اس کی اہم شقیں یہ ہیں۔

۱......بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم ہیں' ۲......اور اگر کوئی اس معاہدہ کرنے والی قوم مسلمان اور یہودیوں کے ساتھ کرے گا تو ان کے خلاف سب کے سب مل کر کام کریں گے۔ ۳......معاہدہ اقوام کے باہمی تعلقات باہمی خیر خواہی' خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کے ہوں گے ضرر اور گناہ کے نہ ہوں گے۔ ۴......جنگ کے دنوں میں یہودی مسلمانوں کے ساتھ مصارف میں شامل رہیں گے۔ ۵......یہودیوں کی دوست قوموں کے حقوق یہودیوں کے برابر سمجھے جائیں گے۔ ۶......کوئی شخص اپنے معاہدہ کے ساتھ مخالفانہ کارروائی نہ کرے گا۔ ۷......مظلوم کی مدد نصرت کی جائے گی۔ ۸......باہمی اختلاف کی صورت میں آپ ﷺ کو حکم سمجھا جائے گا۔(۱۳۰)

آپ ﷺ نے صحابہؓ کو بھی برداشت ورواداری کا حکم دیا۔ خیبر کی لڑائی ۷ ھ میں ہوئی' مسلمانوں نے یہودیوں کے جانور اور مال لوٹ لے اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت غصہ آیا تمام لوگوں کو جمع کر کے فرمایا: خدا نے تم لوگوں کے لیے یہ جائز نہیں کیا ہے کہ اہل کتاب کے گھروں میں گھس جاؤ مگر باجازت اور نہ یہ کہ ان کی عورتوں کو مارو نہ یہ کہ ان کے پھل کھا ڈالا یہ کہ جب کبھی وہ تم کو وہ ادا کریں جو ان پر فرض ہے۔(۱۳۱)

اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے' قلعہ خیبر کے محاصرہ میں کسی یہودی کا ایک غلام (جو چرواہا تھا) کر مسلمان ہو گیا' اسلامی قانون کے مطابق وہ فوری آزاد ہو گیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ اپنے آقا سے خیانت نہ کرنا چنانچہ وہ جانوروں کے گلے کو ہانکتا ہوا اپنے آقا کے قلعے کے قریب تک گیا' پھر ان کو

جانوروں کو بھڑ کا دیا وہ عادت کے مطابق خود ہی اپنے گھروں کو چلے گئے۔اور یہ دیانتدار غلام واپس مسلمانوں کے پڑاؤ میں آ گیا بالآخر اہل قلعہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔(۱۳۲) خیبر کے یہودیوں نے شکست کے بعد درخواست کی کہ ہم سے زمین نہ چھینیں' آپ ﷺ نے قبول کر لیا طے ہوا نصف کاشت مسلمانوں کی ہو گی' آپ ﷺ نے اپنے نمائندہ کو تاکید کی جو حصہ وہ دیں فقط وہ لے لو۔(۱۳۳) حضرت حصہؓ جو یہودی تھیں' آپ ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا۔ کیا اس سے بڑھ کر کسی فاتح نے مفتوح کو برداشت کیا ہے ؟

آپ ﷺ کا عیسائیوں سے برداشت ورواداری کا سلوک

مسلمانوں کا یہودیوں سے پہلے عیسائیوں سے تعلق قائم ہو چکا تھا' نجاشی شاہ حبشہ اسلام قبول کر چکا تھا' اور مسلمانوں کو پناہ دینے کی وجہ سے مسلمان عیسائیوں کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے' سورۂ مائدہ کی قرآنی آیات میں انہیں بمقابلہ دیگر بہتر قرار دیا گیا ہے۔(۱۳۴) عیسائیوں کا ایک وفد نجران سے مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ تو حضور ﷺ نے ان کی مہمان نوازی فرمائی۔ نہ صرف مسجد نبوی میں ان کو جگہ دی بلکہ ان کو ان کے اپنے طریقے پر مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھنے کی بھی اجازت دی۔(۱۳۵) حضرت عروہ بن زبیرؓ جنہوں نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلی کتاب لکھی ہے۔(۱۳۶) اہل نجران سے ہونے والے معاہدہ کی تفصیل نقل کی ہے۔ جس میں یہ شق بھی شامل ہے کہ مسلمان جو چیزیں عاریتاً لیں گے اگر ان میں سے کوئی ضائع ہو جائے تو ادا کی جائے گی' اہل نجران کی جان' مال' مذہب' گرجے' مذہبی رہنما ہم سب کے حقوق ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔(۱۳۷) ۶ھ میں سینائے مصر کے سینٹ کیتھرائن کے پادریوں سے جو معاہدہ کیا ہے اس میں یہ شقیں شامل ہیں کہ عیسائیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا' کوئی بشپ منصب سے معزول نہیں ہو گا' نہ خانقاہ سے نکالا جائے گا نہ اس کا مذہب بدلا جائے گا نہ کوئی گرجہ منہدم کیا جائے گا گرجوں کی مرمت کے لیے مسلمان مالی مدد کریں گے۔(۱۳۸)

مستشرقین کے اعتراضات

معروف مستشرق آرنلڈ سر تھامس (Arnold. Sir. Thomas) اس خوبی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> عرب تسلط کے ابتدائی دور میں کسی شخص کو جبراً مسلمان بنانے یا اس پر مذہبی تعصب کی بناء پر تشدد کرنے کا کوئی واقعہ ہمارے علم میں نہیں آیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عربوں نے عیسائی مذہب کے بارے میں رواداری کی جو روش اختیار کی تھی اس نے ملک گیری میں ان کے لیے بڑی آسانی پیدا کر دی تھی۔(۱۳۹)

انگریز مورخ ٹنلے لکھتا ہے :

مسلمانوں کے عہد حکومت میں غیر مسلموں کو زبردستی اسلام قبول کروانے کے لیے کوئی منظم کوشش نہیں ہوئی' عیسائیت کے خاتمے کی غرض سے باقاعدہ ظلم و ستم بھی روا نہیں رکھا گیا اگر خلفاء ان دونوں میں سے کوئی راہ اختیار کرتے تو عیسائیت کو اسی آسانی سے کچل دیتے جس آسانی سے فرڈیننڈ اور ازبیلا نے کیا۔ انہوں نے اسلام کو ہسپانیہ سے خارج کیا یا لوئی چہار دہم نے فرانس میں پروٹسٹنٹ عقائد کو سزا کے قابل قرار دیا جیسے یہودیوں کو ساڑھے تین سو برس تک انگلستان میں داخل نہ ہونے دیا گیا۔ ایشیا میں آج تک عیسائیوں کی عبادت گاہوں کا قائم رہنا اس عام رواداری کا زبردست ثبوت ہے۔ جو اسلامی حکومتوں نے اپنی غیر مسلم رعایا سے روا رکھی جنگوں میں خون بہتا ہی رہا لیکن ایسی بھی مثالیں ہیں کہ فتوحات خون بہائے بغیر ہوئیں۔ مسلمان سپہ سالار اس امر کے پابند تھے کہ دشمن کو ہتھیار ڈالنے کا موقع دیئے بغیر اس سے جنگ نہ کریں۔ (۱۴۰)

مسلمانوں کا یہی حسن سلوک تھا' رومی حملہ کے پیش نظر مسلمانوں نے عیسائیوں کا جزیہ واپس کر دیا خود عیسائیوں نے مسلمانوں کو دعا دی "خدا کرے تم رومیوں پر فاتح پاؤ" جب فتح حاصل ہو گئی تو عیسائیوں نے جشن منایا' از خود جزیہ (ٹیکس) ادا کیا۔ (۱۴۱) اور بڑی تعداد مسلمان ہو گئی۔

آپ ﷺ کا منافقین سے برداشت ورواداری کا سلوک

چوہدری افضل حق نے کیا خوب لکھا ہے! جنگ کی آزمائشوں میں سے کامیاب گزرنا آسان ہے سانپ کے سامنے دودھ رکھ کر ہٹ جانا ممکن ہے مگر مار آستیں منافق کو پالنا پیغمبری ہے۔ رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کبھی مکہ سے مصیبت کی آندھی اٹھالاتا ہے اور کبھی خود تاریکی میں سایہ کی طرح جدا ہو جاتا ہے کبھی ام المؤمنین حضرت عائشہ پر اتہام لگاتا ہے' مگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتھے پر شکن نہیں آتی۔ (۱۴۲) بارہا صحابہؓ نے قتل کی اجازت مانگی آپ ﷺ نے منع کر دیا' حتیٰ کہ ابی کے لڑکے عبداللہ حاضر ہوئے' اجازت چاہی کہ میرے باپ نے جو آپ ﷺ کو ایذاء پہنچائی ہے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے قتل کا فیصلہ کر لیا ہے مجھے اجازت دیں میں اپنے باپ کا سر تن سے جدا کیے دیتا ہوں۔ (۱۴۳) مگر آپ ﷺ نے منع کر دیا' صرف یہی نہیں بلکہ جب اس نے وفات پائی تو آپ ﷺ نے اس کی بخشش کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ اپنی قمیص کا کفن اسے پہنوایا نماز جنازہ پڑھائی اور بخشش کی دعا کی۔ (۱۴۴) دنیا نے اس نظارہ کو دیکھ کر کہا حلم و عفو نے نفاق اور حسد کو خاک میں ملا دیا۔ (۱۴۵) مولانا ظفر علی خان نے کیا خوب کہا ہے۔

وست دعاء انہیں کے لیے عرش تک بلند ہے جن کی آستین میں خنجر چھپا ہوا
بوتے رہے جو رستہ میں کانٹے تمام عمر پھولوں میں ایک ایک ہے آ کر تلا ہوا
احسان کی نوید سپید و سیاہ کو سب کے لیے دریچہ رحمت کھلا ہوا
جن کے یہ سارے کام ہیں اللہ کے لیے پھر کیوں نہ سب سے رتبہ ہو ان کا بڑھا ہوا (۱۴۶)

آپ ﷺ کا مجوسیوں سے برداشت ورواداری کا سلوک

آپ ﷺ نے دیگر طبقوں کے ساتھ مجوسیوں سے بھی حسن سلوک کا مظاہرہ کیا' امام ماوردیؒ لکھتے ہیں جزیہ کی ادائیگی میں مجوسی یہود و نصاریٰ کی طرح ہیں' اگرچہ ان کا ذبیحہ حرام ہے اور ان سے نکاح ممنوع ہے۔(۱۴۷) بلاذری نے انہیں اہل کتاب میں شامل کیا ہے۔(۱۴۸) ابو یوسف سے روایت ہے نبی کریم ﷺ ابو بکرؓ و عمرؓ نے مجوس سے جزیہ لیا ہے۔ حضرت علی کہتے ہیں یہ اہل کتاب کی طرح تھے' بعد میں بھٹک گئے۔(۱۴۹) شہرستانی نے اہل کتاب کے مشابہ قرار دیا ہے اور دلیل کے طور پر نبی کریم ﷺ کا اہل ہجر سے ہونے والا معاہدہ پیش کیا ہے جس میں آپ ﷺ نے ان سے جزیہ قبول کیا۔(۱۵۰) رئیس احمد جعفری نے اس معاہدہ کا تفصیلی متن لکھا ہے۔(۱۵۱) جس سے واضح ہوتا ہے آپ ﷺ نے ان سے بھی حسن سلوک کا مظاہرہ کیا۔

آپ ﷺ کا مشرکین عرب سے برداشت ورواداری کا سلوک اور صلح حدیبیہ

آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ پر سب سے زیادہ ستم رسانیاں مشرکین مکہ نے کیں' حالانکہ آپ ﷺ ہمیشہ برداشت ورواداری کا مظاہرہ کرتے رہے۔ نبوت سے پہلے آپ ﷺ کی دلچسپی سے معاہدہ حلف الفضول ہوا۔(۱۵۲) حجر اسود کعبہ میں نصب کرنے کا مسئلہ حل ہوا۔ لیکن اسلام کی دعوت کے بعد اہل عرب نے جو سلوک کیا وہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں' نبی کریم ﷺ نے اس کے جواب میں دعاء دی' برداشت ورواداری کا ایسی مظاہرہ پیش کیا جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔ مکہ میں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا تھا قحط پڑا' ابو سفیان نے آپ ﷺ سے دعا کے لیے کہا' آپ ﷺ نے دعا کی قحط ختم ہو گیا۔(۱۵۳) اہل طائف کے ظلم کے جواب میں دعا کی یا اللہ انہیں اسلام نصیب کر' آپ ﷺ کی دعا قبول ہوئی۔(۱۵۴) ظفر علی خان نے اس موقع پر فرمایا۔

خواجہ یثرب کے حسن خلق کا اعجاز دیکھ دشمنان حق بھی ٹھہرے مستحق انعام کے
گالیاں دیتے کافر' آپؐ دیتے تھے دعا تھے یہ انداز آیہ رحمت کے لطف عام کے (۱۵۵)

حتیٰ کہ آپ ﷺ کو مدینہ ہجرت کرنا پڑی' مگر پھر بھی آپ ﷺ نے برداشت کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ جس کا ثبوت صلح حدیبیہ ہے حالانکہ اس میں متعدد شقیں اہانت آمیز ہیں۔ لیکن آپ ﷺ کی دوربین نگاہیں جو دیکھ رہی تھیں وہ سب کو نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہی وجہ ہے قرآن کریم نے اسے فتح مبین قرار دیا ہے۔(۱۵۶) اہم شقیں ملاحظہ کریں۔

۱...... مسلمان اس سال بغیر عمرہ کیے واپس چلے جائیں ۲...... اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کریں ۳...... ہتھیار لگا کر نہ آئیں صرف تلوار ساتھ لائیں اور وہ بھی نیام میں ۴...... مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں انہیں ساتھ نہ لائیں اور اگر کوئی مدنی مسلمان مکہ میں ٹھہرنا چاہے تو اسے نہ روکیں ۵...... اہل مکہ میں سے کوئی شخص مدینہ چلا جائے تو واپس کر دیا جائے' لیکن اگر کوئی مسلمان مکے میں جائے تو واپس نہیں کیا جائے گا ۶...... قبائل عرب کو اختیار ہو گا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں ہو جائیں ۷...... دس سال تک مسلمان اور قریش آپس میں جنگ نہیں کریں گے۔(۱۵۷)

آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کا قاتل وحشی حاضر ہوا' اسلام قبول کیا' آپ ﷺ نے کوئی بدلہ نہیں لیا' صرف اتنا فرمایا میرے سامنے نہ آیا کر تجھے دیکھ کر مجھے چچا یاد آتے ہیں۔(۱۵۸) ابو سفیان کی بیوی ہندہ جس نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا مسلمان ہو گئی آپ ﷺ نے معاف کر دیا۔(۱۵۹) ابو جہل کا بیٹا عکرمہ مسلمان ہونے آیا تو فرط مسرت سے اس کی طرف لپکے حتیٰ کہ جسم سے چادر ہٹ گئی۔(۱۶۰) سراقہ بن مالک گرفتار کرنے پہنچا گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے امان کا طالب ہوا' امان لکھ دی۔(۱۶۱) بعد میں بھی کوئی بدلہ نہیں لیا' ایک بدوی آپ ﷺ پر سوتے میں تلوار کھینچ کر قتل کے درپہ ہوا' مگر آپ ﷺ نے بدلہ نہ لیا۔(۱۶۲) صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ۸۰ افراد قتل کے ارادہ سے آئے گرفتار ہوئے آپ ﷺ نے رہا کر دیا۔(۱۶۳) فتح مکہ کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ کو قبیلہ بنی خذیمہ کے پاس تبلیغ کے لیے بھیجا' وہاں لڑائی ہوئی کچھ کفار قتل ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت علیؑ کو بھیج کر ہر ایک کی دیت ادا کی' حتیٰ کہ کتوں کی دیت بھی ادا کی گئی۔(۱۶۴) فتح مکہ کے موقع پر جبکہ ہر دشمن قابو میں آ چکا تھا سوائے چار افراد کے کسی کے قتل کا حکم نہ دیا صاف اعلان کر دیا۔ الیوم یوم الرحمۃ آج رحمت محبت امن برداشت و عافیت کا دن ہے۔(۱۶۵)

مستشرق کا اعتراف عظمت نبوی ﷺ

مستشرق آرتھر گلمن (Arthur Gilman) لکھتے ہیں

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ ستائش کے قابل ہیں' کیونکہ فتح مکہ کے

موقع پر انہوں نے اپنے مخالفوں کی سابقہ بد سلوکی اور قدرتی طور پر اس سے پیدا ہونے والی انتقام خیز ناراضگی کو چھوڑ کر اپنی فوج کو ہر قسم کا خون بہانے سے روکا اور ہر طرح کے عجز و انکسار کا اظہار کرتے ہوئے اللہ کی مہربانی کا شکریہ ادا کیا' اس موقع پر صرف چار آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا' جنہوں نے کسی سابقہ موقع پر وحشت و بربریت کا مظاہرہ کیا۔

ان چار افراد کی موت دوسرے فاتحین کے افعال کے مقابلہ میں انتہائی انسانیت آمیز دکھائی دیتی ہے۔ مثال کے طور پر اس کا صلیبی جنگوں میں لڑنے والے ان عیسائیوں کے ظلم سے مقابلہ کریں جنہوں نے ۱۰۹۹ء میں یروشلم کو فتح کرنے کے بعد ستر ہزار مسلمان' مردوں' عورتوں اور بے بس بچوں کو موت کی نیند سلا دیا تھا۔ مزید بر آں اس کا مقابلہ اس انگریز فوج سے بھی کریں جس نے صلیب (عیسائیت) کی حمایت میں گولڈ کوسٹ کی جنگ ۱۸۷۴ء میں ایک افریقی دار الحکومت کو نذر آتش کر دیا تھا۔(۱۶۶)

نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر جس قوت برداشت ورواداری کا مظاہرہ کیا ہے اس کا دنیا کے کسی بھی فاتح سے موازنہ کر لیں وہ ہو نا ہی نظر آئے گا۔

آپ ﷺ کی بین الاقوامی رواداری وبرداشت کا جائزہ

اس سے قبل معاہدات میں رواداری ملاحظہ کر چکے' معاہدات کا تعلق بھی بین الاقوامی وملی ہو ▪ ہے' لیکن بین الاقوامی تعلقات مختلف مسائل ومعاملات کو محیط ہے۔ اسلامک لٹریچر میں اس کے لیے سیر کا لفظ آتا ہے' یعنی بیرونی ممالک سے امن' جنگ' اور غیر جانبداری کے معاملات کے احکام جسے انگریزی میں International Law کہتے ہیں۔(۱۶۷)

دیگر مذاہب اور ان کے سفراء کے ساتھ برداشت ورواداری کا سلوک

اس کام کے لیے آپ ﷺ ایسے افراد کا انتخاب کرتے تھے جو تاجر ہوتے دیگر ممالک کی تہذیب و ثقافت سے آگاہ ہوتے تاکہ وہ بہتر طور پر اسلام کی ترجمانی کر سکیں۔ جیسے آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو مکہ میں سفیر بنا کر بھیجا تھا۔(۱۶۸) آپ ﷺ خود بھی سفراء کی عزت کرتے اور صحابہؓ کو بھی حکم دیتے۔ مسیلمہ کذاب کے دو سفیر آئے باوجود یہ کہ مرتد واجب القتل ہیں' مگر آپ ﷺ نے فرمایا اگر سفیروں کا قتل ممنوع نہ ہوتا تو میں تم دونوں کی گردنیں اڑا دیتا۔(۱۶۹) باوجود ے کہ مسلم سفیر جس کے ہاتھ پر رومی علاقہ کا بازنطینی گورنر مسلمان ہو گیا تھا' رومیوں نے دونوں کو قتل کر دیا' جس کے جواب میں غزوہ موتہ اور تبوک کی مہمیں پیش آئیں۔(۱۷۰) آپ ﷺ نے وصیت

فرمائی سفیروں اور آنے والے وفود کو اسی طرح ہدایات دیتے رہو جیسے میں دیتا ہوں۔(۱۷۱) ابو رافع صلح حدیبیہ کے موقع پر سفیر بن کر آئے' اسلام قبول کر کے واپس جانے سے انکار کیا' تو آپ ﷺ نے فرمایا تم سفیر ہو واپس جاؤ' اگر وہاں جا کر طبیعت مائل ہو تو آزاد حیثیت سے آسکتے ہو' انہوں نے ایسا ہی کیا اور آکر اسلام قبول کر لیا۔(۱۷۲) ایک صحابیہؓ نے آپ ﷺ کو موسیٰ پر فضیلت دی' تو آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع کیا تاکہ یہودی کی دلداری ہو۔(۱۷۳) آپ ﷺ طائف سے واپس جا رہے تھے عداس نامی ایک شخص ملا اس نے بتایا کہ نینوا سے تعلق ہے' آپ ﷺ نے فرمایا وہ میرے بھائی یونسؑ کا شہر ہے' میں اسی خدا کا رسول ہوں جس نے اسے مبعوث کیا تھا۔(۱۷۴) اسلام کی یہ رواداری ہے کہ اس نے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کا ذبیحہ کھانا اور ان کی خواتین سے نکاح کرنا حلال کیا ہے۔(۱۷۵) اور آپ ﷺ کو سارے جہاں کے لیے رحمت للعالمین اور نبی بنا کر بھیجا ہے۔(۱۷۶) آپ ﷺ کے معاہدات اوپر گزرے ہیں' معاہدہ کے وقت باقاعدہ لکھ کر دیا کہ عبادت خانے محفوظ رہیں گے' ناقوس جانے کی اجازت ہوگی' عید پر صلیب کا جلوس نکال سکتے ہیں' بعد کے خلفاء نے تمام معاہدات باقی رکھے۔(۱۷۷) آپ ﷺ کی خارجہ پالیسی کے بنیادی اصول یہ تھے جو عہد کرو پورا کرو' پڑوسی سے زیادتی نہ کرو' سازشیں نہ کرو' ظلم میں کسی کی حمایت نہ کرو' دشمن کی شکست کے بعد انتقام و تذلیل کا معاملہ نہ کرو۔(۱۷۸) غور فرمائیں اس سے بڑھ کر برداشت و رواداری کا اور کیا مظاہرہ ہو سکتا ہے؟

جہاد کی حلت اور برداشت کی تعلیمات

اسلام امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے توازن و آہنگ کا نام ہے۔(۱۷۹) عیسائیت کی طرح ایک گال پر تھپڑ کھا کر دوسرا گال پیش کر دینے کا نام نہیں ہے۔ الاسلام یعلو و لا یعلی اسلام پست و ذلیل کرنے نہیں آیا' بلکہ پستی سے نکالنے آیا ہے اور یہ محدود طاقت کے استعمال کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے جب ظلم ہو تو مظلوم کی حمایت کے لیے جہاد کی اجازت دی گئی۔(۱۸۰) لیکن اس میں بھی حد سے تجاوز کرنے سے منع کیا گیا۔(۱۸۱) اور اگر دشمن صلح کرنا چاہے تو صلح کا حکم دیا گیا۔(۱۸۲) مستشرقین نے اسلام کے خلاف یہ پروپیگنڈا بڑی شدت سے پھیلایا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے' اس کا جواب بھی مختلف مستشرقین نے دیا ہے۔ پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ لکھتے ہیں۔ قرآن میں کہیں ایسی آیت نہیں جس میں کسی طرح جبری تبدیلی مذہب کا حکم پایا جائے۔(۱۸۳) جارج سیل لکھتا ہے اسلام تلوار کے ذریعہ نہیں پھیلا' اسے تو انہوں نے بھی قبول کیا ہے جن کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت سے کبھی واسطہ نہیں پڑا' اور وہ بھی اس میں داخل ہوئے جنہوں نے عربوں کو ان کی فتوحات سے محروم کیا۔(۱۸۴) یہی بات "فن لے" "گبن (E. Gibban) ایچ' جی ویلز' جان ڈیگٹ' اور بے شمار مستشرق مورخین نے لکھی ہے۔(۱۸۵) جہاں تک جزیہ کا تعلق ہے یہ غیر مسلم مالداروں پر مالی ٹیکس ہے' جیسے مسلمانوں پر زکوٰۃ و عشر کی ادائیگی

لازم ہے اور غریب غیر مسلم بھی مسلمان کی طرح مالی امداد حاصل کر سکتا ہے' دیکھیے۔(۱۸۶) ہندو شاعر منشی شیشو پرشاد نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے ؎

سرزنش کافر کی اور اسلام ناممکن ہے یہ ہو دل آزاری سے اس کو کام ناممکن ہے یہ
خون کافر پر نہیں حصر و قیام اسلام کا اس سے مستحکم نہیں ہرگز نظام اسلام کا
جب عالمگیر سے چمکا ہے نام اسلام کا ورنہ میں کرتا نہ ہرگز احترام اسلام کا

جنگی قیدیوں سے برداشت ورواداری کا سلوک

اسلام نے محاربین (Belligerents) کو دو طبقوں میں تقسیم کیا ہے ایک اہل قتال (Com bat-ants) جنگ میں حصہ لینے والے دوسرے غیر اہل قتال (No Combatants) جنگ میں حصہ نہ لینے والے راہب' مجاور' بچے' خواتین' معذور' وغیرہ پہلے طبقہ کو قتل کی اجازت ہے' دوسرے سے منع کیا گیا ہے۔(۱۸۷) لیکن اگر پہلے طبقہ کا بھی کوئی شخص میدان جنگ میں اسلام قبول کر لے چاہے موت کے خوف سے ہو اس کے قتل پر بھی آپ ﷺ نے شدید ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔(۱۸۸) آپ ﷺ قیدیوں سے حد درجہ بہتر سلوک کرتے' صحابہ بھوکے رہتے' قیدیوں کو کھانا کھلاتے' کپڑا پہناتے (۱۸۹) قبیلہ بنو حنیفہ کے ثمامہ ابن اثال گرفتار ہوئے آپ ﷺ نے خوب خاطر تواضع کی پھر اسے مسلمان ہونے کو کہا' اس نے کہا فدیہ لے لو یا قتل کر دو مگر آپ ﷺ نے بغیر کچھ لیے رہا کر دیا' چند یوم بعد آکر خود مسلمان ہو گئے۔(۱۹۰) حتی کہ آپ ﷺ کے داماد ابو العاص بدر میں قید ہوئے مگر آپ ﷺ نے ان کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا انہیں بھی فدیہ پیش کرنا پڑا۔(۱۹۱) آپ ﷺ نے بنی مصطلق کی قیدی خاتون جویریہؓ سے نکاح کیا تو صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار بننے کی وجہ سے ان کے سو سے زائد قیدی رہا کر دیئے (۱۹۲) آپ ﷺ نے بدر کے قیدیوں کا فدیہ دس افراد کی تعلیم مقرر کی تھی۔ مستشرق آر۔وی۔ سی بوڈلے لکھتا ہے' بدر کے قیدیوں میں صرف دو افراد قتل ہوئے ایک گستاخ رسول شاعر دوسرا مسلمان نمازی کا قاتل (یہ نمازی حضرت خدیجہؓ کا پہلے شوہر سے بیٹا تھا کعبہ میں اسے قتل کیا گیا)(۱۹۳) کونستان لکھتا ہے عربوں میں رواج تھا' قیدی گرفتار کرنے والے کی ملکیت ہوتا تھا چاہے قتل کرے یا فدیہ لے یا فروخت کر لے۔(۱۹۴) مگر آپ ﷺ نے قیدیوں سے جس برداشت' رواداری اور حسن سلوک کا مظاہرہ کیا اس کی کوئی ایک نظیر بھی نہیں پیش کی جا سکتی۔

عصر حاضر میں عدم برداشت کا قومی وبین الاقوامی رجحان اور اس کا حل
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

عصر حاضر میں ایک دفعہ پھر قومی وبین الاقوامی سطح پر عدم برداشت قتل و غارت کا رجحان بڑھتا جارہا ہے۔ اس میں مسلم و غیر مسلم دنیا کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ یہاں مختصراً پہلے غیر مسلم دنیا پھر مسلم دنیا کے رجحانات کی نشاندہی کی جارہی ہے۔

عدم برداشت کا غیر مسلم دنیا میں قومی وبین الاقوامی رجحان

آج سے تین سو سال قبل کا جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ سترہویں صدی کی ابتداء تک یورپ میں قوانین جنگ کا کوئی تصور موجود نہیں' محاربین کو مضرت رسانی غیر محدود وغیر مشروط حقوق حاصل تھے۔ مشہور مقنن گروئیس کے قول کے مطابق قانون میں ان تمام لوگوں کو قتل کردینا جائز ہے۔ دشمن کی حدود میں پائے جائیں' اس میں بچوں' عورتوں کا کوئی استثناء نہیں' پہلی دفعہ ۱۶۴۸ میں عورتوں' بچوں' بوڑھوں' کاشتکاروں' قیدیوں کو قتل سے مستثنیٰ کیا گیا' ۱۸۹۹ء میں اس کے بعد ۱۹۰۷ء میں ایک قانون جنگ مرتب ہوا۔ لیکن ۱۷۰۰ء سے ۱۸۷۲ء تک یورپ میں ۱۲۰ جنگیں ہوئیں جن میں صرف دس میں باقاعدہ اعلان جنگ ہوا۔ جس سے اس پر عملدرآمد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔(۱۹۵)

آپ ﷺ کے دور میں ۲۸ غزوات میں سے صرف ۹ میں جنگ ہوئی۔(۱۹۸) حثیت مجموعی دشمن کے صرف ۱۵۰ افراد قتل ہوئے۔(۱۹۹) اور اتنی محدود خونریزی کے ذریعہ دس لاکھ مربع میل سے زیادہ علاقے فتح ہوئے۔(۲۰۰) واضح ہوا اسلام کا مقصد جہاد سے صرف اصلاح ہے۔ خونریزی یا زر' زن' زمین نہیں۔ ان تباہیوں کے بعد دو سپر پاور بنے دونوں نے دنیا کو سوائے تباہی کے کچھ نہیں دیا' روس نے افغانستان میں دس لاکھ افراد کو ہلاک کیا' ملک کا اسی فیصد علاقہ جنگ میں تباہ ہوا۔ تیس لاکھ افراد بے گھر ہوئے۔ اس کے بعد چیچنیا میں تباہی مچائی' بالآخر نشان عبرت بننے کے لیے اپنی منزل کی جانب گامزن ہے۔ اب صرف ایک سپر پاور امریکہ باقی رہ گیا ہے۔ اس نے دنیا بھر میں انٹر نیشنل غنڈہ گردی مچائی ہوئی ہے۔ جس کے سبب مسلم ممالک میں اسے ردعمل کا سامنا ہے۔ ۲۸ ممالک میں امریکیوں کو سفر سے اجتناب برتنے کے لیے کہا گیا ہے۔ جس میں سے پاکستان سمیت ۱۵ اسلامی ممالک ہیں۔(۲۰۱) امریکی ترجمان "خبر و نظر" کے مطابق صرف ۱۹۹۸ء میں امریکہ میں امریکی مسلمانوں کے ساتھ ۲۸۰ امتیازی سلوک کے واقعات ہوئے۔(۲۰۲)

ہندوستان

انگریز نے ۱۸۵۷ء میں ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں کا قتل عام کیا' جلیانوالہ باغ اس کی صرف ایک مثال ہے۔(۲۰۳) ہمارے پڑوسی ملک ہندوستان نے پاکستان پر دو دفعہ حملہ کیا' جس کے نتیجہ میں ملک دو حصے ہو گیا کشمیر میں قتل عام جاری ہے۔ چین کے ساتھ سری لنکا کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ جاری ہے۔ پاکستان میں دہشت گردی کو فروغ دے رہا ہے۔ خود اپنے ملک کے اندر مسلمانوں کا جانی' معاشی و تہذیبی قتل کر رہا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ مقدس مقام "بابری مسجد" تک شہید کی گئی' ہزاروں مسجدیں سیل پڑی ہیں۔ اس پر میری کتاب "بابری مسجد کی شہادت" مطالعہ کریں۔ مسلمانوں کے علاوہ گولڈن ٹیمپل پر حملہ کر کے اس کو تباہ کیا' ملک بھر میں سکھوں کا قتل عام کیا۔(۲۰۴) خود سکھوں نے ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کا قتل عام کیا' مساجد پر قبضہ کر کے گردوارہ بنایا "مست گڑھ" کی اصطلاح انہی معنوں میں آج بھی ان کے ہاں رائج ہے۔(۲۰۵) اپنے ہم مذہب نچلی ذات کے ہندوؤں کا وقفہ وقفہ سے قتل عام ہو رہا ہے۔ آج کل عیسائیوں کے ساتھ بدسلوکی کا سلسلہ جاری ہے۔ آسٹریلیا کے گراہم اسٹیوارٹ کو زندہ جلایا گیا۔ ۲۵ دسمبر تا ۴ جنوری آٹھ گرجا گھر جلائے گئے۔ عیسائی خاتون سے گینگ ریپ کیا گیا۔(۲۰۶) اڑیسہ میں دو سو عیسائی مکانات نظر آتش کیے گئے۔(۲۰۷) کیرالہ میں دو پادری ہلاک کیے۔(۲۰۸) یہی صورت حال دیگر ممالک کی بھی ہے۔

عدم برداشت کا مسلم دنیا میں قومی و بین الاقوامی رجحان

افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ وہ مسلم قوم جو دنیا کو انسانیت کا سبق سکھانے اٹھے تھے خود اپنی انسانیت کو بھول رہی ہے۔ جو دنیا میں امن و عافیت و برداشت کی شاندار تاریخ کی امین تھی وہ خود اسے بھول چکی ہے' آج غیروں کی سازش کا شکار ہو کر باہم دست و گریباں ہیں۔ عراق کا کویت پر حملہ ایران عراق جنگ' ترکی کے ہاتھوں کردوں کا قتل عام' خود اپنے ہی ملک کے مسلمانوں کا سیاسی' لسانی' و مذہبی بنیادوں پر قتل' مصر میں اخوان المسلمین الجزائر میں اسلامک فرنٹ کا قتل عام امت مسلمہ کی شرمندگی کا ذریعہ ہیں۔

پاکستان

ہمارا ملک بھی سیاسی' لسانی و مذہبی عدم برداشت کا شکار ہے' صرف پچھلے چند سالوں کا جائزہ لیں انسانی حقوق کی رپورٹ کے مطابق یہ بات سامنے آتی ہے جنرل ضیاء صاحب کے دور میں معمولی معمولی جرائم پر (جس میں سیاسی جرائم زیادہ تھے) کوڑوں کی اور طویل المیعاد سزائیں دی گئیں۔ اس سے اسلام کے نظام عدل کا تصور مجروح ہوا۔ (بعد میں شرعی عدالت نے ان سزاؤں کو غیر اسلامی قرار دے دیا)(۲۹۰) ۱۹۹۲ء کی رپورٹ کے مطابق صرف سندھ میں اوسطاً روزانہ ۱۵۰ اغوا ہوئے' ایم کیو ایم تصادم میں ۱۲ افراد ہلاک ہوئے۔ پنجاب میں ۵۹ جنسی

تشدد، ۱۵۴ اغوا، ۳۰ زندہ جلائے ۴۹ قتل کے واقعات ہوئے۔(۲۱۰) ۱۹۹۳ء کی رپورٹ کے مطابق پنجاب میں ۳۱ ۳ ۳ قتل، ۴۶۲ ۱۴ اغوا اور پولیس مقابلہ میں ۶۲ ہلاک ہوئے۔ سندھ میں فرقہ وارانہ تصادم میں ۷ ۱۵ افراد ہلاک ہوئے۔ پولیس مقابلہ میں ۹۹ ہلاک ہوئے۔(۲۱۱) ۱۹۹۴ء کی انسانی حقوق کی رپورٹ کے مطابق صرف پنجاب میں پولیس مقابلہ میں ۲۳۹ اور مجموعی قتل ۴۰۵۰ ہوئے۔(۲۱۲) پاکستان ہیومن رائٹس کمیشن نے ۱۹۹۸ء کی رپورٹ جاری کی ہے جس کے مطابق صرف کراچی میں ۸ ۷ ۱۱ افراد قتل ہوئے، جس میں برداشت ورواداری کے علمبردار حکیم محمد سعید عدم برداشت کا شکار ہوئے۔ پولیس مقابلہ میں ۱۱۰ ہلاک ہوئے(۲۱۳) لسانی تصادم اور فرقہ واریت کی نظر ہونے والوں کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچتی ہے۔ ملاحظہ کریں۔(۲۱۴)

مسائل کا حل تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

پچھلے چند سالوں سے ہمارے معاشرے میں جو عدم برداشت کا رجحان بڑھا ہے اس کے نتیجے میں کراچی متعدد بار خون میں نہا چکا ہے، میں سمجھتا ہوں اس کی وجہ تعلیمات نبوی ﷺ سے عملی بعد ہے۔ آج ہم مذہبی و ملکی سیاسی و لسانی تعصبات میں ڈوب چکے ہیں۔ حالانکہ اسلام آیا ہی تعصبات کو ختم کرنے کے لیے تھا، بقول قاضی محمد سلیمان منصور پوری اسلام نے تعصب کی چاروں اقسام کو رد کیا ہے۔(۲۱۵) اگر ہم اس صورت حال سے نکلنا چاہیں تو قرآن اور تعلیمات نبوی ﷺ سے مکمل رہنمائی ملتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے و ان جنحوا للسلم فاجنح لها و توکل علی الله (۲۱۶) اگر ایک فریق صلح پر آمادہ ہو تو تم بھی اس سے صلح کر لو اور اس سے نہ گھبراؤ کہ وہ مکر سے نقصان پہنچا دے گا بلکہ اللہ پر توکل کرو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی نکتہ پر تمام معاہدات کیے۔ نقض معاہدہ کرنے والوں نے اپنے انجام کو خود دیکھ لیا، دوسرا حکم یہ ہے کہ حسن سلوک و برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں راہ راست پر لانے کی پر خلوص کوشش کی جائے۔(۲۱۷) تو یقین سے کہا جا سکتا ہے۔ ملک فرقہ واریت اور لسانی عصبیت سے آزاد ہو جائے گا اور کیوں نہیں ہو سکتا اگر جاہلی عصبیت تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پاش پاش ہو سکتی ہے اگر عرب کے وحشی معلم انسانیت بن سکتے ہیں اگر عرب کے گم گشتہ راہ، عالم کے رہبر اور رہنما بن سکتے ہیں تو واللہ العظیم تعلیمات نبوی ﷺ میں آج بھی اتنا اثر ہے کہ ہم اس صورت حال سے نکل سکتے ہیں ضرورت صرف خلوص کی ہے۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

تعلیمات نبوی ﷺ کی اثر پذیری

تعلیمات نبوی ﷺ میں آج بھی اثر پذیری ہے بشرطیکہ پڑھنے والی زبان، سوچنے والا دماغ، قبول کرنے

والا دل' عمل کرنے والا ارادہ ہو' اس کے مطالعہ سے فکر کو جلاء قلوب کو تقویت اور ارادوں کو پختگی ملتی ہے۔ حضرت حمزہ کا قاتل وحشی امن وعافیت میں آنے کے بعد اسی اداؤں کو مدعی نبوت مسلیمہ کذاب پر استعمال کر کے اس کا خاتمہ کر کے تعلیمات نبوی ﷺ کی اثر پذیری کا عملی اقرار کرتا ہے۔ رئیس المنافقین کا بیٹا عبداللہ اپنے باپ کے قتل کی اجازت طلب کرتا ہے۔ ابو جہل جو اسلام کا سب سے بڑا مخالف تھا۔ اس کا بیٹا عکرمہ اسلام قبول کرنے آیا تو نبی کریم ﷺ بے ساختی خوشی سے اس کی طرف لپکے' خوش آمدید کہا' اسلام قبول کر کے عکرمہؓ نے رحمۃ للعالمین سے اپنے سابقہ سلوک پر پشیمانی کا اظہار کیا اور یہ وعدہ کیا کہ میں نے جتنی طاقت اسلام کی بیخ کنی میں صرف کی ہے اس سے زیادہ اسلام کے دفاع پر خرچ کروں گا۔ یرموک کے میدان میں ایفاء وعدہ کا وقت آ گیا۔ دشمن کا پلہ بھاری ہوتا جارہا ہے۔ عکرمہ بے چین ہو کر سوچتے ہیں کہ عکرمہ زندہ رہے اور مسلمان شکست کھا جائیں' ایسا نہیں ہو سکتا ہے یہ وہی عکرمہ ہیں جو غزوہ خندق میں خندق پار کر کے مدینہ میں داخل ہو چکے تھے مگر موت کے خوف سے پسپائی قبول کر لی۔ مکہ پر حملہ میں خالد بن ولیدؓ سے مقابلہ کیا' شکست کے بعد بھاگ لیے' اگر آج بھی یہی کچھ ہو تو پھر بات کیا رہی؟ بکھرتے ہوئے مجاہدین اسلام کو سمیٹتے ہیں چار سو افراد سے موت پر بیعت لیتے ہیں کہ میدان کارزار سے اب صرف موت ہی ہٹا سکتی ہے۔ تمام افراد پوری ثابت قدمی سے لڑتے ہیں' عکرمہ سمیت سب کے سب شہید ہو جاتے ہیں اور اپنے خون سے اسلام کی وفاداری ثبت کر جاتے ہیں' خود کٹ گئے آبروئے اسلام بچالی خود قربان ہو گئے لیکن جنگ کا پانسہ پلٹ گئے۔ اس کو علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

اگر ہو آج بھی ابراہیم کا سا ایماں پیدا — آگ کر سکتی انداز گلستاں پیدا
زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں اس کے نام پر — اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا
شوکت مغرور کا کس شخص نے توڑا طلسم — منہدم کس نے الٰہی قصر کسریٰ کر دیا

یہی وہ اثر پذیری ہے جس سے متاثر ہو کر اردن کے عیسائیوں نے مسلمان کمانڈر ابو عبیدہؓ کو خط لکھا!

اے مسلمانو! ہم تمہیں باز نطینیوں پر ترجیح دیتے ہیں' حالانکہ وہ ہمارے ہم مذہب ہیں لیکن تم ہم سے بہتر مذہبی سلوک روا رکھتے ہو' ہم سے زیادہ رحم دلی سے پیش آتے ہو اور ہم سے ناانصافی نہیں کرتے۔ تم ان سے کہیں بہتر طور پر حکومت کرتے ہو۔ انہوں نے تو ہم سے ہمارے اللہ اور ہمارے گھر بھی چھین لیے۔ (۲۱۸) پھر جب ہر قل (باز نطینی حکمران۔ ۵۷۵ء۔ ۶۱۰ تا ۶۴۱) شہر امیسہ کے قریب آیا تو شہریوں نے دروازے بند کر لیے اور مسلمانوں کو اس کی وجہ یہ بتائی کہ وہ اپنے ہم مذہب یونانی حکمرانوں کی ناانصافی اور سختی پر مسلمانوں کی حکومت اور عدل پرستی کو ترجیح دیتے ہیں۔ (۲۱۹)

مستشرقین کے اعترافات

یورپی عالم آر لینڈ اؤ لکھتے ہیں ! دنیا اگر اپنے جھگڑوں سے نجات حاصل کر کے امن کا گہوارہ بننا چاہتی ہے تو پھر اسے محمد ﷺ کی تعلیمات ہی پر عمل کرنا پڑے گا۔ عیسائی پادری والٹر مسین ڈی ڈی نے امن عالم کا صحیح راستہ کے عنوان پر ٹیس مرگ کے گرجے میں لیکچر دیتے ہوئے کہا۔ مسلمانوں کا مذہب جو قرآن کا مذہب ہے ایک ایسا مذہب ہے جو امن و سلامتی کا مذہب ہے اور اس کا نام اسلام ہے۔(۲۲۰) دی گوبینو (De Gobineau) نے اسلام کی مذہبی رواداری کے مسئلہ پر اپنے خیالات کو نہایت پر زور الفاظ میں یوں بیان کیا ہے کہ "اگر ہم مذہبی اصول سے سیاسی ضروریات کو الگ کر دیں' جنہوں نے مذہب کے نام پر زبان اور ہاتھ سے کام لیا ہے تو کوئی مذہب اسلام کی مثل برداشت رواداری اور صلح کل نہیں ملے گا' جس نے دوسروں کو اسی قدر مذہبی آزادی دی ہو بلکہ ان کے دین ایمان سے مطلق کوئی سروکار نہ رکھا ہو' سوائے اسی صورتوں کے کہ مسلمان سلطنتوں نے ملکی مصلحت کے خیال سے مذہبی اتحاد کے لیے ہر طریقہ اختیار کیا ہو رواداری مسلمانوں کی طبیعت کا ایک محکم خاصہ اور مکمل مذہبی آزادی ان کے مذہب کا دستور العمل رہا ہے۔ لہذا ہمیں اپنی توجہ جور و تعدی کے واقعات تک محدود نہیں رکھنی چاہیے۔ جو کہیں کہیں پیش آئے۔(۲۲۱) مقالہ کے اختتام پر مولانا ظفر علی خانؒ کے الفاظ میں دو باتیں کہنی ہیں' پہلی یہ کہ اے مومنو!

آج سے عہد کر لو حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو گے۔ عقیدت کے پہلو عمل سے حقیقت میں تعمیل سنت کرو گے دوسری بات یہ ہے ؎

خراج عقیدت ادا کرنے والو خراج عقیدت سے کیا کام ہو گا ۔۔۔ یہی ہے زبانی محبت کا عالم تو دین ہدیٰ اور بدنام ہو گا
اگر من سکوتم تو روحِ محمدؐ خراج اطاعت کی طالب ہے تم سے ۔۔۔ یہی ہے جو قول و عمل کی دو رنگی بہت درد انگیز انجام ہو گا
فقط خوش بیانی کے جوہر دکھا کر کوئی قوم دنیا میں ابھری نہیں ہے ۔۔۔ عمل چھوڑ کر صرف باتیں بنا کر کوئی قوم دنیا میں ابھری نہیں ہے

آخر میں عرض ہے قلم سیاہی مانگتا ہے اثر خون جگر مانگتا ہے اسلام اطاعت مانگتا ہے منصب رسالت محبت مانگتا ہے' انسان محنت کا انعام مانگتا ہے بندہ ساقی کوثر ﷺ سے جام مانگتا ہے اور رب غفور سے مغفرت مانگتا ہے۔ ربنا اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین۔(۲۲۲)

حواشی و حوالہ جات

۱۔ Margoliouth, D.S- Muhammad and the rise of Islam (London/Newyork, G.P. Putnam's sons 3rd Ed. 1923. P.iii

سورۃالاحزاب۔۲

ساجدالرحمٰن، پیغمبر اخلاق (مرتب مقالات۔ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد) ص ۱۵۴

چرنجی لال، منشی۔ مخزن المحاورات (مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۸۸) ص ۱۶۱

تابش، ذوالفقار احمد۔ اعجاز اللغات (سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۵) ص ۱۲۱، اور فرہنگ نظیر شریف قریشی (پونم لائبریری کانپور یوپی ۱۹۹۱)

رفیق خاور، اردو تھیسارس (مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد ۱۹۹۴ء۔ ص ۱۱۶

Ishfaq Ahmad, Dictionary of Terms (Urdu Science Board Lahore 1985)
Vol. III, P.1758

رفیق خاور، اردو تھیسارس، ص ۱۱۶

رواداری میں لفظ "روا" مذکر ہے معنی ریت کا ذرہ، سوجی، سونے چاندی کا ذرہ، جائز، مباح اور "داری" فارسی لاحقہ ہے۔ بمعنی رکھنا، لینا، رعایت دیکھئے فیروز اللغات مولوی فیروزالدین (فیروز سنز لمیٹڈ لاہور بیسویں طبع ۱۹۶۴) ص ۶۹۱ ص ۵۸، فرہنگ کارواں عارف الٰہی (مکتبہ کارواں لاہور) ص ۳۹۸ وغیرہ

ابو داؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابو داؤد کتاب الصلوۃ اللیل ج ۲، ص ۸۸

محمد فواد، عبدالباقی، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم (انتشارات اسلامی ایران ۱۳۷۴ھ) ص ۵۹۲

ایضاً ص ۶۲۷ تا ۶۲۹

سورۃ آل عمران ۱۳۴ اور الشوریٰ ۳۷

سورۃ فصلت ۳۴

سورۃ الشوریٰ ۴۳، مزید دیکھیں الاعراف ۱۹۹، الحج ۸۵، النور ۲۲

النووی، محی الدین ابی زکریا، ریاض الصالحین (مترجم عابد الرحمٰن سعید اینڈ سنز کراچی) ج ۱ ص ۳۹۷

ایضاً ج ۱ ص ۳۹۰

القرشی، عبداللہ بن وھب بن مسلم۔ الجامع فی الحدیث (تحقیق الدکتور مصطفیٰ حسن دار ابن الجوزی سعودی عرب ۱۹۹۶ء) ج ۱، ص ۴۶، مزید دیکھیں سنن ترمذی ج ۴، ص ۳۵۱، مسند احمد ج ۲، ص ۳۴۷، مستدرک للحاکم ج ۴، ص ۱۶۱، الادب المفرد امام بخاری ص ۳۰

القرشی، عبداللہ بن وھب بن مسلم۔ الجامع فی الحدیث ج ۲، ص ۵۵۱، ص ۵۱۳، ص ۵۱۶ موطا امام مالک ج ۲، ص ۹۰۵ ص ۹۰۶ کتاب الخلق باب ماجاء فی الغضب، صحیح بخاری ج ۸ ص ۳۵ کتاب الادب باب الحذر من الغضب، سنن ترمذی ج ۴، ص ۳۷۱ کتاب البر والصلۃ باب ماجاء فی کثرۃ الغضب مسند احمد ج ۲، ص ۳۴، ۳۷، مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۸، ص ۳۴۴، کتاب الادب باب ماذکر فی الغضب، مصنف عبدالرزاق ج ۱۱، ص ۱۸۷ کتاب الجامع باب الغضب والغیض

آل عمران ۱۳۴

النووی، محی الدین ابی ذکریا ریاض الصالحین ج ۱ ص ۱۷۵

۲۲۔ القرشی' عبداللہ بن وھب بن مسلم الجامع فی الحدیث ج ۲' ص ۷۸

۲۳۔ ابن رجب' ابی الفرج زین الدین عبدالرحمٰن الحنبلی ایقاظ الھمم المنتقی من جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم (دار ابن الجوزی سعودی عرب ۱۹۹۱ء) ص ۲۲۵' مزید دیکھیں۔ مسند احمد ج' ص ۲۳۹' ۲۸۳' ۳۶۵' اور الادب المفرد للبخاری ص ۲۴۵' ۱۳۲۰

۲۴۔ ایضاً ص ۲۲۴' مزید دیکھیں سنن ابوداؤد حدیث نمبر ۴۷۸۲ مسن داحمد ج ۵ ص ۱۵۲

۲۵۔ ندوی' سید سلیمان' خطبات مدراس ص ۳۵

۲۶۔ ستار طاہر' ایک عالم ہے ثناء خواں آپ کا۔ (دوست پبلی کیشنز اسلام آباد ۱۹۹۵ء) ص ۳۲' بحوالہ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا

۲۷۔ ستار طاہر' ایک عالم ہے ثناء خواں آپ کا ص ۲۶ بحوالہ Muhammad Prophet and Stat esman by Watt. Mont Gomery (Oxford University Press 1961)

۲۸۔ Arnold, Sir Thomas the Preaching of Islam (London 1961) P.277

۲۹۔ ساجد الرحمٰن۔ پیغمبر اخلاق ص ۲۴۵

۳۰۔ سورۃ المائدۃ ۲۷ تا ۳۲

۳۱۔ رضئی' سید واجد تگی۔ رسول میدان جنگ میں (پنجاب بک ڈپو لاہور ۱۹۶۶) ص ۲۱

۳۲۔ فرید وجدی' علامہ۔ المدینۃ والاسلام ص ۳۲

۳۳۔ سورۃ البروج ۱

۳۴۔ مفتاحی' مولانا محمد ظفیر الدین ندوی۔ اسلام کا نظام امن (ایچ ایم سعید کمپنی کراچی) ص ۳۴

۳۵۔ رضوی' سید واجد علی رسول میدان جنگ میں' ص ۲۷۱

۳۶۔ آڈمنز' ایبی الزبتھ' سارک سے ہٹلر تک (چاند کمپنی دہلی) ص ا

۳۷۔ رضوی' سید واجد علی۔ رسول میدان جنگ میں ص ۲۷۲

۳۸۔ یجروید (مطبوعہ لاہور) ۸ / ۴۴

۳۹۔ یجروید۔ ۶ / ۳۷

۴۰۔ رگ وید۔ ۱' ۲۹' ۷

۴۱۔ رگ وید ۲' ۳۰' ۱۰

۴۲۔ رگ وید ۱۰' ۲۴' ۳

۴۳۔ صدیقی' عبدالرحمٰن ارمغان وید المعروف رام راج (مرتب عزیز احمد صدیقی دارالتذکیر لاہور ۱۹۹۵) ص ۳۶' بحوالہ منودھرم شاستر ا' ۱۰۰

۴۴۔ ایضاً ص ۳۷' بحوالہ منوشاستر ادھیائے ۱۲ منتر ۱۳۲

۴۵۔ ثانی صلاح الدین' بابری مسجد کی شہادت (۱۸۵۵ء تا ۱۹۹۳ء تک تاریخی حقائق کے ساتھ عوام کی عدالت میں جنگ پبلشرز لاہور ۱۹۹۳ء) ص ۴۲ تا ۵۱

۴۶۔ ساگر' ارق اسماعیل۔ آپریشن بلیو اسٹار (مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۹۳) ص ۱۴ بحوالہ سملاس ۱۱' ص ۳۷۵

۴۷۔ آل عمران ۱۱۲

۴۸۔ النساء ۱۵۵

۴۹۔ آل عمران ۱۱۲' مزید دیکھیں البقرہ ۹۱' آل عمران ۸۱ اور ۲۱

۵۰۔ حمید اللہ' ڈاکٹر۔ محمد رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی (ادارہ اسلامیات انار کلی لاہور) ص ۳۱۹

۵۰۔ رضوی' سید واجد علی۔ رسول میدان جنگ میں ص ۳۱' بحوالہ کتاب استثناء ۲' ۳۵

۵۱۔ ایضاً بحوالہ کتاب اعداد ۳۲' ۵۱' ۵۴

۵۲۔ بوڈلے' آر۔ وی۔ سی۔ محمد رسول اللہ ﷺ (مترجم محمد علی چراغ نذیر سنز لاہور ۱۹۹۶ء) ص ۱۶۴' بحوالہ کتاب استثناء باب ۲۰ آیات ۱۰۔ ۱۴' سعد بن معاذ نے بنی قریضہ یہود کے بالغوں کے قتل کا فیصلہ کیا تھا وہ انہی کے مذکورہ مذہبی حکم کے تحت تھا۔

۵۴۔ نیازی' ڈاکٹر لیاقت علی خان۔ مطالعہ سیرت (پروگریسیو پبلشرز میانوالی ۱۹۹۳) ص ۱۱۶

۵۵۔ النساء ۱۵۷

۵۶۔ ندوی' مجیب اللہ' اہل کتاب صحابہ و تابعین (معارف پریس اعظم گڑھ انڈیا ۱۹۵۱ء) ص ۹۱۔ ۹۲

۵۷۔ رضوی' سید واجد علی۔ رسول میدان جنگ میں ص ۲۷۲

۵۸۔ حمید اللہ' ڈاکٹر محمد رسول اکرم کی سیاسی زندگی ص ۱۴۶ مزید دیکھیں اہل کتاب صحابہ و تابعین' مجیب اللہ ندوی ص ۹۳

۵۹۔ جارج کونستان ورژیل۔ پیغمبر اسلام ﷺ (مترجم مولانا وارث علی' شمع بک ایجنسی کراچی) ص ۱۰

۶۰۔ ......معلقات کلام عمر بن کلثوم

۶۱۔ رضی' سید واجد علی۔ رسول میدان جنگ میں ص ۴۰

۶۲۔ ایضاً ص ۴۱' ۴۲' مزید دیکھیں سیرت النبی شبلی نعمانی (مکتبہ مدنیہ لاہور ۱۴۰۸ھ) ج ۴' ص ۱۷۶

۶۳۔ ماہنامہ بزم قاسمی (سیرت النبی ﷺ نمبر جولائی ۱۹۸۸ء) ص ۲۲۳

۶۴۔ گلب' میجر جنرل' عظیم عرب فتوحات (مطبوعہ لندن ۱۹۶۳ء) ص ۴۳

۶۵۔ بوڈلے' آر۔ وی۔ سی۔ محمد رسول اللہ ﷺ ص ۲۰

۶۶۔ حمید اللہ' ڈاکٹر محمد۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص ۴۱۷

۶۷۔ ایضاً' ص ۳۳۱

۶۸۔ ایضاً' ص ۳۳۱

۶۹۔ ایضاً' ص ۳۳۲

۷۰۔ ایضاً' ص ۳۳۳

۷۱۔ ایضاً' ص ۳۳۴' ۳۳۵

۷۲۔ ایضاً' ص ۳۴۰' ۳۴۱

۷۳۔ بوڈلے۔ آر۔ وی۔ سی' محمد رسول اللہ ﷺ ص ۱۲۷

۷۴۔ ایضاً ص ۱۳۱

۷۵۔ افضل حق' چودہری' محبوب خدا' (مکتبہ القریش اردو بازار لاہور ۱۹۷۷ء) ص ۱۱۶

۷۶۔ صباح الدین' عبدالرحمٰن۔ اسلام میں مذہبی رواداری (مطبع معارف دارالمصنفین اعظم گڑھ انڈیا ۱۹۸۷ء) ص ۳۲

۷۷۔ ابن ماجہ' ابو عبداللہ محمد بن یزید۔ سنن ابن ماجہ (مصطفیٰ البابی الحلبی مصر) کتاب الجنائز

۷۸۔ ماہنامہ نقوش رسول نمبر' محمد طفیل (ایڈیٹر۔ ادارہ فروغ اردو لاہور جنوری ۱۹۸۳ء) ج ۳' ص ۵۱۹

۷۹۔ ایضاً' ج ۳' ص ۵۲۲

۸۰۔ التوبۃ ۱۰۷

۸۱۔ التوبۃ ۸۱

۸۲۔ التوبۃ ۸۱

۸۳۔ المدثر ۲

۸۴۔ الحجر ۹۴

۸۵۔ بوڈلے' آر۔ وی۔ سی' محمد رسول اللہ ﷺ ص ۷۰

۸۶۔ طبری' محمد بن جریر تاریخ طبری' ج ۱' ص ۹۹' سورۂ لہب میں انہی ایذا رسانیوں کا جواب ہے

۸۷۔ جارج' کونستان ورغیل جارج' پیغمبر اسلام ﷺ' ص ۴۳' مزید دیکھیں بن اثیر ج ۲' ص ۷۰' حیات صحابہ یوسف کاندھلوی ج ۱ ص ۲۸۶

۸۸۔ تشدد و عدم برداشت کی تاریخ بہت طویل ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں سیرت ابن ہشام ج ۱' ص ۳۱۷ تا ۳۲۱ طبقات ابن سعد ج ۱' ص ۲۰۳' ابن اثیر ج ۲' ص ۶۶' حیات صحابہ مولانا محمد یوسف کاندھلوی ج ۱' ص ۲۵۹ تا ۲۸۶

۸۹۔ حضرت سمیہؓ' خبیبؓ' وغیرہ کو شہید کرنا' دیکھئے سیرت ابن ہشام' ج ۲ ص ۶۰

۹۰۔ ابن ہشام سیرت النبی ﷺ' ج ۱' ص ۳۴۴' اور طبقات ابن سعد ج ۱' ص ۲۰۷

۹۱۔ ابن سعد' طبقات ج ۱' ص ۲۱۲' اور سیرت ابن ہشام ج ۲' ص ۶۰

۹۲۔ ابن سعد' طبقات ج ۱' ص ۲۰۸ اور سیرت ابن ہشام ج ۲' ص ۱۴' اس پر مستشرق کونستان کے تاثرات کے لیے دیکھئے پیغمبر اسلام ﷺ' ص ۱۲۱ تا ۱۲۴

۹۳۔ علوی' ڈاکٹر خالد' انسان کامل (الفیصل اردو بازار لاہور طبع دوم ۱۹۹۷ء) ص ۱۰۹ اور دیکھیں Encyclopaedia of Seerah (Editorial Board Afzalurrahman the Muslim Schools Trust London Firsted 1981-1989) Vol. II P.256-275

۹۴۔ ابو داؤد' سلیمان بن اشعث السجستانی سنن ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ اللیل ج ۲' ص ۸۸

۹۵۔ سورۃ الانبیاء ۱۰۷

۹۶۔ سورۃ سبا ۲۸

۹۷۔ سورۃ القصص ۷۷

۹۸۔ سورۃ البقرۃ ۲۵۶

۹۹۔ سورۃ النحل ۱۲۵

۱۰۰۔ سورۃ شورائی ۴۸' یہی بات النحل ۸۲ اور مائدہ ۹۲' غاشیہ ۲۲۔۲۶' انعام ۱۰۷' بنی اسرائیل ۵۴' النساء ۸۰' شوریٰ ۶' میں کہی گئی ہے۔

۱۰۱۔ سورۃ الاحزاب ۶

۱۰۲۔ سورۃ النحل ۹۰

۱۰۳۔ سورۃ الکہف ۲۹

۱۰۴۔ سورۃ الکافرون

۱۰۵۔ سورۃ الانعام ۱۳

۱۰۶۔ سورۃ بنی اسرائیل ۱۵

۱۰۷۔ ثانی' تجلیات سیرت' (فضلی سنز اردو بازار کراچی) ص ۱۰۹' بحوالہ المنہاج الواضح ص ۴۴

۱۰۸۔ ایضاً' ص ۱۰۹' بحوالہ تاریخ قرآن ص ۷۰

۱۰۹۔ ایم سیڈولٹ' خلاصہ تاریخ عرب (مترجم: عبدالغفار نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۶ء) ص ۳۴' نبی کے مقام کو جاننے کے لیے مطالعہ کریں۔ The Encyclopaedia of Islam Edited by C.E.Bos Worth WP. Heinrchs (Leided New Yourk. Ejbrill 1993) Vol VII P.360-386,

۱۱۰۔ محمد کرم شاہ پیر۔ ضیاء نبی ﷺ (ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۴۱۸ھ) ج ۵' ص ۳۰۱

۱۱۱۔ ایضاً ج ۵' ص ۳۰۳

۱۱۲۔ الصالحی' محمد یوسف۔ سبل الھدیٰ والرشاد' مطبوعہ قاہرہ ۱۹۷۲ء ج ۷' ص ۳۲

۱۱۳۔ ایضاً' ج ۴' ص ۳۸

۱۱۴۔ ایضاً' ج ۷' ص ۳۶

۱۱۵۔ احمد شاہ سید شبیر' سرور کونین اغیار کی نظر میں (کتاب مرکز گوجرانوالہ ۱۹۹۰ء مقالہ نگار بھارت ساچار ممبئی کے ایڈیٹر ہیں) ص ۱۵۔۱۶

۱۱۶۔ ابن منظور' لسان العرب بذیل مادہ

۱۱۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (دانش گاہ پنجاب لاہور طبع اول ۱۹۸۶ء) ج ۱۹' ص ۱۶۶

۱۱۸۔ غازی' مولانا حامد الانصاری۔ اسلام کا نظام حکومت' (الفیصل اردو بازار لاہور) ص ۳۵۷' یہ دراصل قرآنی حکم ہے دیکھئے۔ التوبہ ۳۳' الفتح ۲۸۔

۱۱۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ج ۱۹' ص ۱۶۶۔۱۶۷

۱۲۰۔ الفتح ۱۰' الانفال ۵۶' النحل ۹۱' البقرہ ۷۷' تفصیل کے لیے دیکھئے المعجم المفہرس لالفاظ القرآن محمد فواد عبدالباقی بذیل مادہ

"عہد"

۱۲۱۔ قریشی، پروفیسر محمد صدیق۔ رسول اکرم کی سیاست خارجہ (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور طبع دوم ۱۹۸۱ء) ص ۱۵۷ تفصیل دیکھیں اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۹، ص ۴۱

۱۲۲۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ کریں، پروفیسر محمد صدیق کی رسول اکرم ﷺ کی سیاست خارجہ ص ۱۵۷ تا ۲۲۶

۱۲۳۔ ساجد الرحمٰن، پیغمبر اخلاق ص ۱۵۶۔

۱۲۴۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی سنن ابو داؤد کتاب الادب ج ۲، ص ۳۲۶

۱۲۵۔ ودیارتھی، عبدالحق میثاق النبیین (دارالاشاعت کتب اسلامیہ ممبئی ۱۹۸۸ء) ص ۲۴۳

۱۲۶۔ تفصیل کے لیے دیکھئے پروفیسر محمد صدیق قریشی کی رسول اکرم ﷺ کی سیاست خارجہ، ص ۱۴ تا ۱۴۹

۱۲۷۔ Encyclopaedia Britannica Vol 23, P.94-95 اور رسول اکرم ﷺ کی سیاست خارجہ، محمد صدیق قریشی مطالعہ کریں۔

۱۲۸۔ ندوی، مجیب اللہ، اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ ص ۴۴ بحوالہ روض الانف، ج ۳، ص ۳۸ اور تفسیر طبری ج ۱، ص ۳۲۶

۱۲۹۔ افضل حق چودھری محبوب خدا، ص ۱۱۱

۱۳۰۔ جعفری، رئیس احمد۔ اسلام اور مذہبی رواداری (ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور ۱۹۵۷ء) ج ۲، ص ۴۹۔۵۰، اور سیرت ابن ہشام ج ۱، ص ۱۷۸

۱۳۱۔ شبلی نعمانی، مولانا، سیرت النبی ﷺ ج ۱، ص ۵۸۲

۱۳۲۔ بلاذری، ابو جعفر احمد بن یحیی، فتوح البلدان، ص ۲۲ اور رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص ۳۴۱۔

۱۳۳۔ ابو داؤد، سلیمان اشعث السجستانی سنن ابو داؤد کتاب البیوع باب فی المساقاۃ اور باب فی الخرص، موطا امام مالک کتاب المساقاۃ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۷۔

تاریخ طبری، ج ۳ ص ۸۹، تاریخ اسلام، شاہ معین الدین احمد ندوی ج ۱، ص ۶۵ History of Arabiabefore Muhammad by Delacyo Leary D.D Alliance Publishers Lahore 1989. P.169-178

۱۳۴۔ المائدہ ۸۲ اور اسی سورہ کی آیت ۸۳ عیسائی بادشاہ نجاشی کی مدح میں اتری ہے۔

۱۳۵۔ ابن سعد، ابو عبداللہ محمد الطبقات الکبری (دار صادر بیروت) ج ۱، ص ۳۶۷

۱۳۶۔ عروہ بن زبیر ۲۲ ہجری میں پیدا ہوئے ۹۳ ہجری میں فوت ہوئے، حدیث سیرت و فقہ کے امام تھے، البدایہ والنھایہ ابن اث ج ۹، ص ۱۰۱

۱۳۷۔ بن زبیر، عروہ۔ مغازی رسول اللہ ﷺ (تحقیق ڈاکٹر محمد مصطفی الاعظمی مترجم محمد سعید الرحمٰن علوی ادارہ ثقافت اسلا کلب روڈ لاہور ۱۹۸۷ء) ص ۲۳۳۔۲۳۴ اور دیکھیں اسلام اور مذہبی رواداری، رئیس احمد جعفری ج ۲، ص ۵۱ تا ۶۱

۱۳۸۔ صباح الدین عبدالرحمٰن اسلام میں مذہبی رواداری

۱۳۹۔ Thomas, Arnold. Sir The Preaching of Islam (London 1961) P.140

۱۴۰۔ نوراحمد 'مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے (مترجم رحمٰن مذنب فیروز سنز طبع اول ۱۹۷۱) ص ۱۴۷۔۱۴۸

۱۴۱۔ ابو یوسف 'کتاب الخراج' ص ۸۰' مزید دیکھیں- History of Arabiabefore Muhammad by Delac-yo Leary, D.D P.125-150

۱۴۲۔ افضل حق چودہری محبوب خدا' ص ۱۱۶

۱۴۳۔ صباح الدین 'عبدالرحمٰن۔ اسلام میں مذہبی رواداری ص ۳۳

۱۴۴۔ ابن ماجہ 'ابو عبداللہ محمد بن یزید۔ سنن ابن ماجہ (مصطفیٰ البابی الحلبی مصر) کتاب الجنائز

۱۴۵۔ افضل حق چودہری محبوب خدا ص ۱۱۷

۱۴۶۔ ظفر علی خان 'ہم اور ہمارے رسول ﷺ (دفتر خاتون مشرق اردو بازار دہلی ص ۴۲

۱۴۷۔ ماوردی ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب الاحکام السلطانیہ مطبعۃ الوطن مصر ۱۲۹۸ ص ۱۳۷

۱۴۸۔ بلاذری 'احمد بن۔ یحییٰ بن جابر فتوح البلدان (مطبعۃ الموسوعات القاہرہ ۱۹۰۱ء) ص ۲۷۶

۱۴۹۔ ابو یوسف 'کتاب الخراج ص ۴۷

۱۵۰۔ الشہرستانی 'ابو الفتوح محمد بن عبدالکریم 'الملل والنحل (مکتبۃ الحسین التجاریۃ القاہرہ ۱۹۴۸ء) ج ۱ ص ۴۸

۱۵۱۔ جعفری 'رئیس احمد اسلام اور مذہبی رواداری ج ۱' ص ۶۲۔ ۶۳

۱۵۲۔ ابن سعد 'الطبقات الکبریٰ ج ۱' ص ۸۲' اور مستدرک للحاکم ج ۲ ص ۲۲۰

۱۵۳۔ شبلی نعمانی 'سیرت النبی ﷺ ج ۲ ص ۹۷۳

۱۵۴۔ ایضاً

۱۵۵۔ ظفر علی خان 'ہم اور ہمارے رسول ﷺ ص ۱۷۷

۱۵۶۔ الفتح ۱

۱۵۷۔ ابن ہشام سیرت النبی ج ۳' ص ۳۳۰ تا ۳۳۶

۱۵۸۔ البخاری 'محمد ابن اسماعیل صحیح البخاری قتل حمزہ اور سیرت النبی ﷺ شبلی ج ۲ ص ۳۶۲

۱۵۹۔ امام مسلم 'بن الحجاج القشیری صحیح المسلم (دار الفکر بیروت ۱۴۰۰ھ) کتاب الحدود صحیح البخاری کتاب بدء الخلق ذکر ہند' ج ۴' ص ۲۳۲

۱۶۰۔ امام مالک ' موطا امام مالک (المکتبۃ الفاروقیہ ملتان) کتاب النکاح' سنن ترمذی کتاب الاستئذان باب ماجاء فی مہر حباج ج ۵ ص ۸۷۔

۱۶۱۔ البخاری 'محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری 'کتاب بدء الخلق باب الجرة ج ۴' ص ۷ ■ ۲' الاصابہ ج ۲ ص ۸' سیرت ابن ہشام ج ■ ص ۱۳۳

۱۶۲۔ البخاری 'محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری 'کتاب المغازی باب غزوۃ ذات الرقاع ج ۵' ص ۵۳' اور اخلاق رسول اخلاق حسین قاسمی (مکتبہ رشیدیہ کراچی ۱۹۸۳ء) ص ۱۲۰

۱۶۳۔ ترمذی 'محمد بن عیسیٰ سنن ترمذی کتاب التفسیر تفسیر سورۃ الفتح ج ۵' ص ۳۸۶

۱۶۴۔ صباح الدین عبدالرحمٰن اسلام میں مذہبی رواداری ص: ۴۵

۱۶۵۔ ابن ہشام 'السیرت النبویہ ج ۲ ص ۴۱۲ 'زاد المعاد ابن قیم ج ۲ ص ۳۲۴ سیرت النبی ﷺ شبلی نعمانی ج ۱ ص ۴۷۵

۱۶۶۔ شریف بقاء۔ رسول اکرم ﷺ مغربی اہل دانش کی نظر میں (مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور) ص ۲۶ 'حوالہ عرب مسلمان ص ۱۸۵' (مطبوعہ لندن ۱۸۸۷ء)

۱۶۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (دانش گاہ پنجاب لاہور طبع اول ۱۹۸۶ء) ج ۱۹ ص ۲۳۱

۱۶۸۔ بوڈلے 'آر۔ وی۔ سی محمد رسول اللہ ﷺ 'ص ۲۰۷

۱۶۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۹ ص ۲۲۱ زاد المعاد ج ۲ ص ۱۶۳ انسان کامل علوی ص ۲۶۹ مشکوۃ میں قیدیوں کے ذیل میں یہ حکم موجود ہے۔

۱۷۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۹' ص ۲۲۲

۱۷۱۔ ایضاً

۱۷۲۔ صباح الدین 'عبدالرحمٰن 'اسلام میں مذہبی رواداری ص ۷۶۔۷۷

۱۷۳۔ البخاری 'محمد بن اسماعیل صحیح البخاری کتاب بدء الخلق قول اللہ تعالیٰ وان یونس لمن المرسلین

۱۷۴۔ ابن ہشام سیرت النبی ﷺ ج ۲ ص ۱۴۷

۱۷۵۔ المائدہ ۱

۱۷۶۔ الانبیاء ۱۰۷ 'اور النمل ۷۷ ارشاد ربانی ہے انی رسول اللہ الیکم جمیعا اعراف ۱۵۸

۱۷۷۔ ابو یوسف کتاب الخراج ص ۸۶ ص ۸۷ اور اسلام کا نظام امن ظفیر الدین ص ۱۵۶

۱۷۸۔ نور احمد 'مولوی مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے ص ۲۳۹

۱۷۹۔ آل عمران ۱۱۱

۱۸۰۔ الحج ۶ اور البقرہ ۱۹۴

۱۸۱۔ البقرہ ۱۹۰

۱۸۲۔ الانفال ۶۱

۱۸۳۔ Arnoald . T.W. Theprea Ching of Islam P.426

۱۸۴۔ ثانی 'تجلیات سیرت ص ۱۲۶۔

۱۸۵۔ ایضاً 'ص ۱۲۵ تا ۱۳۲

۱۸۶۔ ابو یوسف 'کتاب الخراج فصل فی من تجب علیہ الجزیۃ ص ۷۲

۱۸۷۔ علوی 'ڈاکٹر خالد 'انسان کامل ص ۲۶۴

۱۸۸۔ ابو داؤد 'سلیمان بن اشعث السجستانی۔ سنن ابو داؤد کتاب الجہاد

۱۸۹۔ علوی 'ڈاکٹر خالد انسان کامل ص ۲۷

۱۹۰۔ صباح الدین 'عبدالرحمٰن اسلام میں مذہبی رواداری ص ۶

۱۹۱۔ ایضاً ص ۲۵

۱۹۲۔ الطبری ابو جعفر محمد بن جریر تاریخ طبری ج ص ۳۴۲

۱۹۳۔ بوڈلے آر۔ وی۔ سی محمد رسول اللہ ﷺ ص ۱۲

۱۹۴۔ جارج کونستان ورژیل پیغمبر اسلام ﷺ ص ۲۴۴

۱۹۵۔ رضوی واجد علی۔ رسول میدان جنگ میں ص ۲۹۰

۱۹۶۔ The Time Almanac 1999 Editor Bord Gnabrunner (Information Pleaselleu-nited States of America) P.394

۱۹۷۔ Gerd Hardach The first World War 1914-1918 (London Allen Lane 1973)

۱۹۸۔ قریشی پروفیسر محمد صدیق۔ رسول اکرم ﷺ کا نظام جاسوسی (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۹۰ء) ص ۲

۱۹۹۔ حمید اللہ ڈاکٹر محمد۔ عہد نبوی ﷺ کے میدان جنگ ص ۲

۲۰۰۔ ثانی تجلیات سیرت ص ۱۲۲

۲۰۱۔ ہفت روزہ تکبیر کراچی (۱۸ مارچ ۱۹۹۹ء) ص ۶۔۷

۲۰۲۔ خبر و نظر مارچ ۱۹۹۹ء امریکی شعبہ اطلاعات ۶۰ جناح ایونیو اسلام آباد

۲۰۳۔ تفصیل کے لیے دیکھیے جلیانوالہ باغ کا قتل عام اور مظالم پنجاب ڈاکٹر غلام حسین سنگ میل لاہور ۱۹۹۶ء

۲۰۴۔ ساگر طارق اسماعیل۔ آپریشن بلیو اسٹار (مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۹۳ء) اور قومی ڈائجسٹ لاہور سکھ تحریک نمبر اگست ۱۹۸۳ء میں تفصیلات ملاحظہ کریں۔

۲۰۵۔ ایضاً ص ۱۵

۲۰۶۔ ہفت روزہ تکبیر ۱۷ ستمبر ۱۹۹۸ء اور ۷ مئی ۱۹۹۸ء روزنامہ امن کراچی جنگ کراچی ۲۶ دسمبر تا ۵ جنوری

۲۰۷۔ ۹۹۔۳۔۱۸ اٹیوی کراچی رپورٹ

۲۰۸۔ رزنامہ جنگ کراچی ۱۶ مارچ ۱۹۹۹ء

۲۰۹۔ انسانی حقوق کی پامالی (بین الاقوامی جیورسٹس کمیشن رپورٹ مترجم ڈاکٹر ظفر عارف کراچی اسٹڈی سرکل کراچی ۱۹۸۹ء) ص ۱۴۴

۲۱۰۔ پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال ۱۹۹۲ء (پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق لاہور ۱۹۹۳ء) ص ۱۳ ص ۱۴

۲۱۱۔ پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال ۱۹۹۳ء (پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق لاہور ۱۹۹۴ء) ص ۳۰، ۷ ۳

۲۱۲۔ پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال ۱۹۹۳ء (پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق لاہور ۱۹۹۴ء) ص ۶۶، ۷ ۶، ۱۹۹

۲۱۳۔ روزنامہ جنگ کراچی مارچ ۱۹۹۹ء

۲۱۴۔ تفصیل کے لیے دیکھیے کراچی کے زخم نصرت مرزا (مطبوعہ کراچی ۱۹۹۶ء) اور مسئلہ کراچی اسباب و حل رشید جمال (نواب پبلی کیشنز کراچی ۱۹۹۶ء) اور کراچی پیپر ز اقبال یوسف (کراچی ایڈمنسٹریشن بلاک ۱۹۹۵)

۲۱۵۔ منصور پوری قاضی محمد سلیمان۔ رحمۃ للعالمین (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور) ج ۳ ص ۴۲۹

۲۱۶۔ الانفال ۶۱
۲۱۷۔ النحل ۱۲۵
۲۱۸۔ نور احمد، مولوی، مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے ص ۱۵۲ بحوالہ مائیکل دی ایلڈرج ۲ ص ۴۲۱
۲۱۹۔ ایضاً ص ۱۵۲ بحوالہ عضدی ص ۴۷۴
۲۲۰۔ ثانی، تجلیات سیرت ص ۱۰۹
۲۲۱۔ Thomas, Arnold, Sir The Preaching of Islam P.277
۲۲۲۔ سورۃ ابراہیم ۴۱

عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

سید فضل الرحمٰن، کراچی

اسلام جیسے دینِ اخوت ہے، جس طرح دینِ فلاح و سالمیت ہے، جیسے داعی مساوات و عدل ہے، جیسے علمبر دارِ صداقت وامانت ہے، اسی طرح دینِ برداشت و تحمل، علمبر دار رحمت ورافت، داعی عفو وکرم اور پیغامبر حلم و رواداری بھی ہے، اسلام آدمی کو انسانیت کا جامعہ پہنانے، اس کے اخلاق وعادات کی تہذیب کرنے اور اس کے انداز کو سجانے اور سنوارنے کے لیے اس دنیا میں وارد ہوا ہے، اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے جس کی اہم صفات میں سے "رحمٰن" اور "رحیم" بھی ہیں، ان دونوں کا مادہ رحم ہے، قرآن حکیم کا آغاز بھی جس سورت سے ہوتا ہے وہ الحمد للہ رب العالمین ○ الرحمن الرحیم ○ سے شروع ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد ہے۔

ان رحمتی سبقت غضبی (۱) بلاشبہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔

اور اللہ کے نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نبی رحمت ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کل عالم کے لیے رحمت تمام بنا کر مبعوث فرمایا گیا، خود قرآن آپ ﷺ کے بارے میں کہتا ہے۔

وما ارسلنٰك الا رحمة للعٰلمين (۲) اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے متعلق یہی فرماتے ہیں کہ!

بعثت داعیا و رحمة (۳) (میں تو داعی (حق) اور رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی خواہ قبل از بعثت ہو یا بعد از بعثت اور چاہے قبل از ہجرت ہو یا بعد از ہجرت، مکمل طور پر عفو و درگزر، رحم و ترحم، عدل وانصاف، برداشت و تحمل، حلم و بردباری اور رواداری سے عبارت ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ اور سیرت مبارکہ سے آپ ﷺ کی برداشت و تحمل و مبنی واقعات کا استقصاء کیا جائے تو شاید شمار بھی ممکن نہ ہو، صرف چیدہ چیدہ واقعات بیان کرنے کے لیے بھی صفحات کی کافی ضخامت درکار ہے۔

آج قومی اور بین الاقوامی سطح پر عدم برداشت کا رجحان بڑی تیزی سے فروغ پا رہا ہے' اور برداشت و تحمل پر مبنی رویے ختم ہوتے جا رہے ہیں' نتیجتاً فتنہ و فساد اور شر و عناد بڑھ رہا ہے اور اس طرح وہ صلاحیتیں جن کا مثبت استعمال تعمیری سرگرمیوں کو پروان چڑھاتا ہے' منفی استعمال ہونے کی وجہ سے تخریبی کارروائیوں میں اضافے کا موجب بن رہی ہیں' یہ صورتحال مسلمانوں کے لیے زیادہ لمحہ فکریہ ہے اس لیے کہ ان کا دین اور مذہب اور ان کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے برداشت ورواداری پر نہ صرف زیادہ زور دیا ہے بلکہ آپ ﷺ نے عملی طور پر قدم قدم پر اور ہر ہر معاملے میں برداشت و تحمل کی بلند ترین مثالیں پیش کی ہیں جو صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں ساری انسانیت اور پوری دنیا کے لیے نقوش ہدایت ہیں۔

امسال کا یہ تجویز کردہ عنوان ہم سے اسی غور و فکر کا تقاضا کرتا ہے اور موجودہ حالات کا بھی تقاضا ہے کہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ہم اپنے کردار و عمل اور قول و فعل کا جائزہ لیں اور اسوہ حسنہ کی روشنی میں اپنی عملی زندگیوں کو استوار کریں' زیر نظر سطور میں پہلے برداشت و تحمل کی وضاحت کی جائے گی پھر قرآن کریم اور احادیث طیبہ کی روشنی میں برداشت و تحمل کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالی جائے گی۔ اور اسلام کے ان اقدامات کا ذکر ہوگا جو اس نے انسداد عدم برداشت کے سلسلے میں کیے ہیں۔ اس کے بعد عدم برداشت کے قومی اور بین الاقوامی رجحانات اور آپ ﷺ کی تعلیمات پر گفتگو ہوگی۔

برداشت و تحمل

برداشت اور تحمل ہم معنی الفاظ ہیں' تحمل کے معنی برداشت کرنے کے ہیں اور تحامل علی نفسہ مشقت کے باوجود برداشت کرنے کو کہتے ہیں(۴) اس کے قریب ترین ایک اور لفظ ہے حلم' یہ تحمل کے مترادف کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ لفظ حلم قرآن کریم میں کئی مقامات پر استعمال ہوا ہے' خود اللہ تعالیٰ کے لیے بھی یہ صفت قرآن کریم مین ذکر ہوئی ہے مثلاً سورہ البقرہ میں ارشاد ہے!

واللہ غفور الرحیم(۵) اور اللہ بخشنے والا' بردبار ہے

آل عمران میں فرمایا!

ان اللہ غفور رحیم(۶) بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے

بنی اسرائیل میں ہے!

ان اللہ کان حلیماً غفورا (۷) بلاشبہ اللہ حلیم و غفور ہے

اور سورۂ احزاب میں آتا ہے!

و کان اللہ علیماً حلیماً (۸) اور اللہ تو جاننے والا حلیم ہے

قرآن حکیم میں یہ صفت انبیاء کرام کی بھی بیان کی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق قرآن میں ارشاد ہے۔

ان ابراھیم لحلیم اواہ منیب (۹) اور ہم نے ان (ابراہیم علیہ السلام کو ایک بڑے بردبار بیٹے (اسماعیل علیہ السلام) کی خوشخبری دی۔

اس بناء پر برداشت و تحمل اور حلم و بردباری ان صفات حمیدہ میں سے ہیں جن سے خود اللہ بھی متصف ہے اور انبیاء کرامؑ بھی اس صفت سے کامل طور پر متصف ہو کر متخلق ہوئے ہیں۔

عدم برداشت اور قرآن حکیم

برداشت اور تحمل کے معاملے میں قرآن کریم کی ہدایات بھی نہایت واضح ہیں' وہ جگہ جگہ صبر و تحمل کی تلقین کرتا ہے' اور صبر کرنے والوں کے لیے بڑے اجر کا وعدہ کرتا ہے' قرآن حکیم کے مطابق مومن کو مختلف طریقوں سے آزمایا جائے گا سو جو کوئی اس آزمائش میں پورا اترے گا اور مشکلات پر صبر کرے گا اس کے لیے خوشخبری ہے' سورہ البقرہ میں فرمایا!

و لنبلونکم بشیئی من الخوف والجوع و نقص من الأموال والأنفس والثمرات و بشر الصٰبرین (۱۱)

اور ہم کسی قدر خوف' بھوک اور مال اور جانوں اور پھلوں کے نقصان تمہیں آزمائیں گے' سو آپ ﷺ صبر کرنے والوں کو (رضائے الٰہی اور اس کی خوشنودی کی) خوشخبری سنا دیجئے۔

قرآن کریم کی تعلیمات یہ ہیں کہ اگر کسی سے کوئی تکلیف پہنچے تو صرف بقدر تکلیف بدلہ لینے کی اجازت ہے' لیکن اگر کوئی شخص برداشت کرے اور صبر و تحمل کا مظاہرہ کرے تو یہ عمل اس کے لیے بہتر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے!

و ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به و لئن صبرتم لهو خير للصٰبرين (۱۲)

اور اگر تم ان کو تکلیف دینی چاہو تو صرف اتنی تکلیف دو جتنی تمہیں ان سے پہنچی ہے' اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔ حضرت لقمان نے بھی اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے صبر کی تاکید تھی۔

یبنی اقم الصلوۃ و امر بالمعروف و انه عن المنکر و اصبر علی ما اصابك ان ذلك من عزم الامور (۱۳)

اے بیٹے نماز قائم کرنا اور نیکیوں کا حکم کرنا اور برائیوں سے منع کرتے رہنا اور مصیبتیں تمہیں پہنچیں ان پر صبر کرتے رہنا بلاشبہ یہ بڑی ہمت کے کام ہیں"

قرآن حکیم میں برداشت و تحمل سے کام لیتے ہوئے برائی کے مقابلے میں بھلائی سے کام لینے والوں کو بھی نیکو کاروں کے ساتھ آخرت میں عمدہ ٹھکانوں کی خوشخبری دی گئی ہے ارشادباری تعالیٰ ہے!

والذین صبروا ابتغآء و جه ربھم و اقاموا الصلٰوۃ و انفقوا مما رزقنٰھم سرا و علانیۃ و یدرون بالحسنۃ السیئۃ اولئك لھم عقبی الدار (۱۴)

اور (یہ نیکو کار لوگ وہ ہیں) جو اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے صبر کرتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ (اللہ کے راستے میں) خرچ کرتے ہیں اور برائی کے مقابلے میں بھلائی کرتے ہیں' انہی لوگوں کے لیے آخرت کا گھر ہے۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جب بھی انصاف کرنے کا معاملہ ہو تو دوست و دشمن اور اپنے پرائے کی کوئی تفریق روا رکھنا درست نہیں' اور ہر حال میں انصاف سے کام لینا ضروری ہے' فرمان خداوندی ہے!

یا ایھا الذین امنوا کونواقوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنأن قوم علیٰ الاتعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون (۱۵)

اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف سے گواہی دینے کی خاطر کھڑے ہو جاؤ (تیار ہو کر) اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ترک مت کرو (اور) عدل کرتے رہو' یہی بات تقویٰ سے زیادہ قریب ہے' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بیشک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

نبی رحمت ﷺ اور برداشت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر و برداشت اور تحمل و حلم نہ صرف مثالی تھا بلکہ وہ تاریخی حیثیت بھی رکھتا ہے' تاریخ کے کتنے ہی مواقع ایسے ہیں (جن میں سے بعض کا ذکر آگے آ رہا ہے) جب آپ ﷺ نے حکمت و تدبر اور قوت برداشت سے کام لیتے ہوئے ایک بہت بڑی آبادی کو قتل و غارت گری سے محفوظ رکھا اور پوری انسانیت کو امن کا پیغام بھی دیا' آپ ﷺ دشمنوں اور مخالفین کی زیادتیوں پر اس قدر صبر و برداشت کا مظاہرہ فرماتے تھے کہ بہت سے افراد تو آپ ﷺ کا حلم دیکھ کر ہی مسلمان ہو جاتے تھے۔ آپ ﷺ کی اس خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے قاضی عیاض رحمتہ اللہ فرماتے ہیں!

و ھو صلی اللہ علیہ وسلم لا یزید مع کثرۃ الاذی الاصبرا و علی اسراف الجاھل الاحلما (۱۶)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جانے والی ایذا اور تکلیف کی کثرت پر آپ ﷺ کے صبر میں اور اضافہ ہوتا جاتا تھا اور جاہلوں کی جانب سے کی جانے والی زیادتیوں پر آپ ﷺ کا حلم بڑھتا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا اس دنیا پر یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر ان

کے ذریعہ باہمی رواداری' صلح اور انصاف پر مبنی ایسے معاشرے کی تشکیل کی جس کی بنیاد ہی برداشت و تحمل اور عدل و انصاف پر تھی' اور آپ ﷺ کے متوازن اور عادلانہ اقدامات کی وجہ سے صدیوں کے جانی دشمن باہم شیر و شکر ہو گئے' سالہاسال سے لڑی جانے والی قبائلی جنگیں یک لخت ہو گئیں اور کالے و گورے' عجمی و عربی اور آقا و غلام کا فرق ختم ہو گیا' سب نے رواداری اور دوسرے کو برداشت کرتے ہوئے جینے کا سلیقہ سیکھ لیا' اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ انعام یاد دلاتے ہوئے فرمایا!

واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمہ اخوانا و کنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذ کم منھا کذلک یبین اللہ لکم اٰیتہ لعلکم تھتدون (۱۷)

اور تم پر اللہ کا جو احسان ہے وہ یاد کرو جب کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے' پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی سو تم اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے' حالانکہ تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے' پھر اس نے تمہیں اس (آگ) سے بچالیا' اللہ تمہارے سامنے اپنی آیتیں اسی طرح بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

آپ ﷺ کی رحم دلی' عفو اور قوت برداشت کے متعلق قرآن کریم یہ گواہی دیتا ہے!

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لا نفضوا من حولک (۱۸)

(اے محمد ﷺ) یہ تو اللہ ہی کی رحمت ہے کہ آپ ﷺ ان کے لیے نرم دل ہیں' اور اگر آپ ﷺ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ ﷺ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔

یعنی جب کفار نے آپ ﷺ کی مخالفت کی تو آپ ﷺ نے اپنے اخلاق کو ان کے لیے نرم کر دیا' ان کو نرمی سے سمجھایا اور سختی سے ملامت نہیں کی' اگر آپ ﷺ ان کے ساتھ سختی سے پیش آتے' نرمی کا معاملہ نہ فرماتے اور قوت برداشت سے کام نہ لیتے تو یہ لوگ آپ ﷺ سے ہیبت کھا کر الگ اور متفرق ہو جاتے۔ (۱۹)

برداشت و تحمل اور تعلیمات نبوی ﷺ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر مکارم اخلاق کی طرح برداشت و تحمل کے فروغ اور عدم برداشت کے سدباب کے لیے عملی اقدامات بھی فرمائے ہیں' اور خود عمل پیرا ہو کر بھی اسوۂ حسنہ کی صورت میں بہترین نمونہ عمل قیام قیامت تک آنے والی ساری نسل انسانی کے لیے پیش فرمایا اور تعلیمات' ہدایات اور فرمودات کے ذریعے بھی مختلف انداز اور اسلوب سے اس کی تلقین فرمائی ہے کہ کوئی کام بھی ہو اس میں اعتدال' تحمل' برداشت اور رواداری کا عنصر غالب رہنا چاہیے چند احادیث مبارکہ پیش کی جاتی ہیں!

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' آپ ﷺ نے فرمایا!

"تم ہر حال میں اللہ کا تقویٰ اختیار کیے رہو' برائی کو نیکی کے ذریعے مٹاؤ اور تمام انسانوں سے اچھے اخلاق

سے پیش آؤ۔"(۲۰)

اور ابن مسعود رضی اللہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا!

"ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی شخص حرام مال کمائے' پھر اس میں سے صدقہ کرے تو وہ قبول کر لیا جائے اور اس کے مال میں برکت دی جائے' اس کا متروکہ حرام مال اس کے لیے جہنم کا توشہ تو بن سکتا ہے (اس سے آخرت کی سعادت حاصل نہیں کر سکتا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی کے ذریعے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو بھلائی کے ذریعے ختم کرتا ہے' بلاشبہ نجاست کے ذریعے نجاست کو مٹا کر پاکیزگی حاصل نہیں کی جا سکتی"(۲۱)

اور فتنہ و فساد سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے جو کہ عدم برداشت کی وجہ سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا!

"میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جس کا درجہ روزے اور نماز اور صدقے سے بھی افضل ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیے' آپ ﷺ نے فرمایا کہ باہم صلح رکھنا' کیونکہ باہمی فساد تباہ کن چیز ہے"(۲۲)

عفو و درگزر کی تلقین فرماتے ہوئے آپ ﷺ کا ارشاد ہے!

تعافوا تسقط الضغائن بینکم (۲۳) باہم درگزر سے کام لیا کرو' اس طرح باہمی کینے دور ہو جائیں گے۔

اور نرمی کی تلقین اس طرح فرمائی!

من یحرم الرفق یحرم الخیر کلہ (۲۴) جو نرمی سے محروم ہو وہ ہر طرح کی بھلائی سے محروم رہا

ظاہر ہے کہ جب انسان کے اندر نرمی نہیں ہوگی تو وہ قوت برداشت سے کیسے کام لے گا اور عفو و درگزر کی صلاحیت کیونکر رکھے گا؟

عدم برداشت کے سدباب کے لیے اسلام کے اقدامات

اسلام نے عدم برداشت کے سدباب اور تحمل و رواداری کے فروغ کے لیے بہت سے اقدامات کیے ہیں اسلام انسان میں قوت برداشت پیدا کرتا ہے' اگرچہ کسی واقعہ سے فوری طور پر متاثر ہونا اور ردعمل کے طور اشتعال میں آ جانا' غصے ہونا اور بدلہ لینے کے لیے جوابی اقدام کرنا انسانی فطرت کا حصہ ہے مگر اسلام نے اس تہذیب کی' بے موقع غصے کی ممانعت فرمائی اور بات بے بات اشتعال میں آ جانے کو بری عادت قرار دیا' اسلام نے معاملے میں اعتدال و میانہ روی سے کام لینے اور ہر ایک کے ساتھ انصاف کرنے کا حکم دیا' ظلم و زیادتی اور کسی کو معاملے میں حد سے گزرنے اور غلو سے کام لینے سے منع فرمایا' اور آپس میں ایسی اخوت کی بنیاد رکھی جو آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ ہے اور تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے' اسلام نے عدم برداشت کے سدباب کے لیے بہت سے اقدامات کیے' یہاں چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

غصہ واشتعال انگیزی کی ممانعت

تیز و تند جذبات کے مواقع پر تحمل وبردباری سے کام لینا اور اپنی قوت برداشت کو آزمانا ہی دانشمندی کا تقاضا ہوتا ہے' اس طرح ایک تو جھگڑا طول نہیں پکڑتا دوسرے فریق مخالف کو بھی نصیحت ہوتی ہے اور یہ مشاہدہ ہے کہ ایسی صورت میں عام طور پر جلد یا بدیر اسے اپنے غلطی کا احساس ہو جاتا ہے۔

سورۂ آل عمران میں پرہیزگار لوگوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے!

الذین ینفقون فی السراء والضراء والکٰظمین الغیظ و العافین عن الناس واللہ یحب المحسنین(۲۵)

"وہ (پرہیزگار) لوگ فراخی اور تنگی کے وقت اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو ضبط اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں' اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔

غصہ اس لیے بھی ناپسندیدہ ہے کہ اس کی لپیٹیں بھڑک کر اپنی دسترس میں آنے والے تمام امور کو بھسم کر دیتی ہیں' ایسے شخص سے عقل و شعور معدوم ہو جاتے ہیں' اسی لیے آپ ﷺ نے صاحب حلم کو پہلوان سے تشبیہ دی' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طاقت ور وہ نہیں جو اپنے مقابل کو پچھاڑ دے بلکہ طاقت ور وہ ہے جو غصہ کی حالت میں اپنے آپ پر قابو پائے۔(۲۶)

کیونکہ غصہ نفس کی سرکشیوں میں سے ایک ہے اور جیسے پہلوان اپنے مد مقابل کو پچھاڑ دیتا ہے اسی طرح اپنے غصے پر قابو پانے والا شخص اپنے سب سے سرکش حریف نفس کو پچھاڑنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ غصہ ایمان کو اس طرح خراب کرتا ہے جیسے ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔(۲۷) آپ ﷺ نے حلم اور علم کو ایک دعا میں جمع فرما دیا' آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی!

اللّٰھم اغننی بالعلم و زینی بالحلم (۲۸) "اے اللہ مجھے علم دے کر غنا عطا فرما اور حلم کے ذریعے زینت عطا فرما"

اعتدال کا حکم

اگر انسان ہر معاملے میں اعتدال سے کام لے اور میانہ روی اختیار کرے تو اس کا مزاج ہی ایسا بن جائے گا جو اسے شدت پسندی اور عدم برداشت پر مبنی منفی طرز عمل سے اسے باز رکھے گا' اس لیے اسلامی تعلیمات انسان کو شعبہ ہائے زندگی کے ہر معاملے میں میانہ روی کی راہ پر چلنا سکھاتی ہیں' آپ ﷺ نے جگہ جگہ اس کی تاکید فرمائی ہے' اور دوستی' دشمنی دونوں صورتوں میں اعتدال کا درس دیتے ہوئے فرمایا!

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے دوست سے اعتدال کے ساتھ محبت کرو ہو سکتا ہے کہ وہ کسی روز تمہارا دشمن بن جائے اور اپنے دشمن سے دشمنی بھی اعتدال کے ساتھ رکھو ممکن ہے کہ وہ کسی روز تمہارا دوست ہو جائے۔(۲۹) اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صالح سیرت' عمدہ طریقہ اور میانہ روی نبوت کے اجزاء میں سے ایک خاص جزو ہے۔(۳۰)

غلو سے بچنے کی تاکید

اسلام جہاں میانہ روی اور اعتدال کی تلقین کرتا ہے' وہیں غلو سے بچنے کی تاکید بھی کرتا ہے' غلو کا مطلب ہے حد سے تجاوز کرنا (۳۱) اور یہ اعتدال کی ضد ہے اس لیے اگر انسان غلو سے کام لے گا تو وہ میانہ روطرز عمل قائم نہ رکھ سکے گا اور نتیجتاً شدت پسندی کا شکار ہو جائے گا' جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اعتدال و میانہ روی کا طریقہ ہمیشہ کامیابی کی طرف لے جاتا ہے اور غلو کے نتیجے میں ہمیشہ خسارے اور نقصان کا سامنا ہوتا ہے' اسی طرح غلو عدم برداشت تک بھی لے جاتا ہے اور غلو سے پرہیز انسان کو برداشت کرنے اور صبر و تحمل کا درس دیتا ہے' قرآن کریم میں دین کے بارے میں غلو سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے' اہل کتاب کو حکم ہے۔

یا ھل الکتٰب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق (۳۲)

"اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے نہ گزرو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کوئی بات نہ کہو"

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

ایاکم و الغلو فی الدین فانما ھلك من کان قبلکم بالغلو فی الدین (۳۳)

"دین میں غلو سے بچو' کیونکہ تم سے پہلے آنے والی قومیں دین میں غلو ہی کی وجہ سے تباہ ہوئیں"۔

عفوو درگزر کا حکم

کسی بھی معاملے میں جذبات سے مغلوب ہونا ہوش و خرد سے بے گانہ کر دیتا ہے اور غصے کی حالت میں کیے جانے والے افعال عموماً بعد میں پچھتاوے کا باعث بنتے ہیں' کسی بھی واقعے سے فوری طور پر متاثر ہو کر ردعمل کے لیے متحرک ہو جانا قوت برداشت میں کمی اور ضبط و تحمل کے معاملے میں کمزوری کا ثبوت ہے' اس قبیح عادت کو عفوو درگزر کی اچھی عادت ہی مٹا سکتی ہے" قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر صبر و تحمل اور عفوو درگزر کا درس دیا گیا ہے' سورۃ الشوریٰ میں ارشاد ہے!

و جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا و اصلح فاجرہ علی اللہ انہ لا یحب الظلمین (۳۴)

"اور برائی کا بدلہ اسی قدر برائی ہے' پس جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے

ہے بلاشبہ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا"

اور آگے چل کر فرمایا!

و لمن صبر و غفران ذلك لمن عزم الامور (۳۵)

اخوت اسلامی کی تعلیم

اگر پوری انسانی برادری کی بنیاد اخوت و بھائی چارے پر قائم ہو جائے تو بہت سی برائیوں اور ناانصافیوں کا خود بخود سدباب ہو سکتا ہے' خصوصاً عدم برداشت کا رویہ اسی وقت پروان چڑھتا ہے جب انسان کے اندر اخوت و بھائی چارے کا مادہ کم ہو جاتا ہے اور وہ اپنے جیسے انسانوں کو اپنے سے کمتر تصور کرنے لگتا ہے' اسلام نے بہت سی مصالح کے پیش نظر جن میں سے ایک عدم برداشت پر مبنی رویے کی اصلاح بھی ہے اخوت کی تعلیم دی ہے' اسلامی اخوت اپنے مسلمان بھائی کی مکمل خیر خواہی اور ہر حال میں مدد کرنے کا نام ہے' قرآن حکیم میں ارشاد ہے!

انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بين اخويكم واتقوا الله لعلكم ترحمون (۳۶)

"بیشک مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں' سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو' تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔

اسلام صرف دو بھائیوں میں صلح ہی کا حکم نہیں دیتا بلکہ اس کی ہدایت یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی ہر حال میں مدد کی جائے آپ ﷺ نے فرمایا!

انصر اخاک ظالما او مظلوما "اپنے (مسلمان) بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو"۔

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ مظلوم کی مدد کا مفہوم تو سمجھ میں آتا ہے لیکن ظالم کی مدد کس طرح کی جائے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ظالم کو ظلم کرنے سے روک دینا اور اس کام سے منع کرنا ہی اس کی مدد ہے۔(۳۷)

آپ ﷺ نے اللہ کو گواہ کر کے فرمایا تھا!

اللّٰهم اشهد ان العباد كلهم اخوة (۳۸) "اے اللہ گواہ رہنا' تمام انسان بھائی بھائی ہیں"۔

تحمل و برداشت کرنے کی حضور ﷺ کی عملی تلقین

آپ ﷺ جیسے بعثت سے قبل ہی منکرات اور برائیوں سے نہ صرف دور رہتے تھے بلکہ دوسروں کو ان سے منع فرماتے تھے اسی طرح آپ ﷺ نے تحمل و برداشت کرنے کی بھی عملی تلقین کا آغاز بعثت سے قبل ہی فرما دیا تھا' اس کی صرف دو مثالوں پر اکتفاء کیا جائے گا۔

حلف الفضول

عربوں کے ہاں خانہ جنگیوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا ان میں سے "حرب فجار" مشہور لڑائی ہے' اس لڑائی کے بعد لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جسے گزشتہ زمانے میں قتل وغارت گری سے چھٹنے کے لیے فضل بن فضالہ' فضل بن وداع اور فضیل بن حارث نے حلف الفضول کے نام سے ایک معاہدہ مرتب کیا تھا اسی طرح کا معاہدہ اب کیا جائے' آپ ﷺ باوجود یہ کہ کم عمر تھے اور آپ ﷺ کی عمر مبارک اس وقت ۱۴ یا ۱۵ سال تھی (۳۹) لیکن آپ ﷺ فرماتے تھے کہ اس معاہدے کے مقابلے میں اگر مجھے سرخ اونٹ بھی دیے جاتے تو بھی ہرگز پسند نہیں کرتا اور اگر اب زمانہ اسلام میں بھی اس قسم کے معاہدے کی طرف بلایا جاؤں تو میں یہ دعوت قبول کر لوں گا۔ (۴۰)

تنصیب حجر اسود

دوسرا اہم موقع جب آپ ﷺ نے قبل از بعثت عرب کے متحارب قبائل کو برداشت و تحمل کی تلقین فرمائی وہ حجر اسود کی تنصیب کا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اگر آپ ﷺ دوراندیشی اور تدبر و حکمت سے کام نہ لیتے تو عرب کی سابقہ لڑائیوں کی یاد تازہ ہو جاتی۔

آپ ﷺ کی عمر مبارک جب ۳۵ سال تھی اس وقت اہل عرب نے کعبۃ اللہ کی تعمیر نو کا ارادہ کیا' تعمیر میں آپ ﷺ نے بھی بنفس نفیس حصہ لیا جب حجر اسود کی تنصیب کا مرحلہ آیا تو ہر شخص اور قبیلے کی یہ خواہش تھی کہ یہ خدمت وہ سرانجام دے' اس مسئلے میں اس قدر سخت اختلاف ہوا کہ تلواریں کھنچ گئیں اور لوگ باہم قتل و قتال پر آمادہ ہو گئے' چار روز اس شش و پنج اور اختلاف رائے میں گزر گئے پانچویں روز امیہ بن مغیرہ نے جو ان سب میں سب سے عمر رسیدہ تھا رائے دی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے حرم میں آئے اسے ثالث بنایا جائے' اس رائے سے سب نے اتفاق کیا' خدا کی قدرت دیکھئے کہ اگلے روز جب علی الصبح سب لوگ حرم میں پہنچے تو دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے تشریف فرما ہیں' یہ دیکھتے ہی وہ بے ساختہ کہہ اٹھے یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں یہ تو امین ہیں' ہم ان کی ثالثی قبول کرتے ہیں۔ رحمت عالم ﷺ کا تدبر دیکھئے آپ ﷺ نے اس شرف سے تنہا بہرور ہونا گوارا نہیں کیا' آپ ﷺ نے حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے تمام متحارب قبائل کو اس شرف میں شریک کر لیا' آپ ﷺ نے ایک چادر منگوائی اور حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے اس میں رکھ کر فرمایا کہ قبیلے کا سردار اس چادر کو تھام لے تا کہ یہ سعادت ہر ایک کے حصے میں آجائے۔ آپ ﷺ کا یہ فیصلہ سب نے خوشی تسلیم کیا اور سب مل کر حجر اسود اس مقام تک لے آئے جہاں حجر اسود کو نصب کرنا تھا' پھر آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب فرما دیا' یوں آپ ﷺ کے حسن تدبیر سے ایک بڑی خونریزی رک گئی۔ (۴۱)

اس طرح آپ ﷺ نے عملی طور پر برداشت و تحمل کا درس دیا۔

عدم برداشت کا قومی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

عدم برداشت کا رجحان خواہ قومی اور ملکی سطح پر ہو یا بین الاقوامی عالمی سطح پر ہر صورت میں ضرر رساں اور نقصان دہ ہوتا ہے' اور تعلیمات نبوی ﷺ اور اسوۂ حسنہ سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ انسان کو ہر معاملے میں عدم برداشت سے بچنا چاہیے اور برداشت و تحمل سے کام لے کر تدبر و حکمت عملی کے ذریعے تمام معاملات اور مسائل حل کرنے چاہئیں۔

عدم برداشت کے حوالے سے ہمارا قومی رجحان بھی کافی حد تک تشویش ناک ہے' اور یہ پہلو بھی اصلاح احوال کے لیے ہم سے فوری توجہ چاہتا ہے' عدم برداشت کے قومی رجحان کے بہت سے پہلو ہیں' ان میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

خودکشی

جب کوئی شخص اپنے ہاتھوں اپنی زندگی ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا یہ عمل خودکشی کہلاتا ہے۔(۴۲) خودکشی قانوناً جرم ہے اور ماہرین نفسیات کے مطابق یہ نفسیاتی بیماری ہے' خودکشی بھی عدم برداشت کے رجحان کا ایک حصہ ہے' انسان جب حالات سے تنگ آجاتا ہے اور اسے اپنے موجودہ حالات کے ساتھ گزارا کرنا مشکل نظر آتا ہے تب وہ خودکشی کے ذریعے راہ فرار اختیار کرنا چاہتا ہے۔ اس رجحان کا سدباب' صرف اسلام کرتا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس کے مقابلے میں بہت سے دوسرے مذاہب جن میں ہندو مذہب بھی شامل ہے خودکشی کی ترغیب دیتے نظر آتے ہیں۔(۴۳) صرف اسلام ہی وہ پہلا مذہب ہے جس نے خودکشی کو حرام موت قرار دیا ہے' قرآن کریم میں ارشاد ہے!

ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما(۴۴) اور اپنی جانوں کو قتل مت کرو' بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔

احادیث میں بھی متعدد مقامات پر اس کی ممانعت بیان ہوئی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

جس شخص نے اپنے آپ کو کسی لوہے کی چیز سے قتل کیا تو (آخرت میں) وہی لوہا اس کے ہاتھ میں ہو گا اور وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ اس سے اپنے آپ کو مارتا ہی رہے گا' اور جس نے زہر سے خودکشی کی وہ اپنے ہاتھ سے زہر (کھا کھا کر اس) کے ذریعے اپنے آپ کو ہمیشہ مارتا رہے گا' اور جس نے پہاڑ پر سے گر کر خودکشی کی وہ ہمیشہ جہنم

میں لڑھکتا ہی رہے گا۔ (۴۵)

اس طرح ایک تو اسلام نے خودکشی کو حرام قرار دیا اور پھر اس کے عذاب کو بھی دائمی قرار دیا تاکہ اس خیال کی مکمل نفی ہو سکے کہ خودکشی کرنے سے انسان کو نجات مل جائے گی' اسلامی عقیدے کی رو سے وہ جائے نجات پانے کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تکلیف دہ عذاب میں مبتلا ہو جائے گا اور ایسا کون شخص ہو گا جو جانتے بوجھتے ایک ہلکی مصیبت سے راہ فرار اختیار کر کے بڑی اور دائمی مصیبت اور عذاب کو اختیار کر لے۔ ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا!

من قتل نفسه بشئي عذب به يوم القيامه (۴۶)

جس نے کسی چیز کے ذریعے (دنیا میں) خودکشی کی اس شخص کو قیامت کے روز اس چیز سے عذاب د[یا] جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ خودکشی کی شرح ان ممالک میں بہت زیادہ ہے جو غیر مسلم ہیں' یا جہاں مسلمان کم تعد[اد] میں ہیں۔ (۴۷) دلچسپ بات یہ ہے کہ یورپ کے وہ حصے جہاں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے وہاں ا[سی] تناسب سے خودکشی کے واقعات کے تناسب میں کمی واقع ہو رہی ہے۔ (۴۸)

دیکھا جائے تو خودکشی کا ایک اہم سبب مایوسی ہے' اسلام اس کا پوری طرح سدباب کرتا ہے وہ خد[ا پر] بھروسہ کرنے کی تاکید کرتا ہے ارشاد ہے۔

و من یتو کل علی الله فهو حسبه (۴۹) اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے پس وہ اس کو کافی ہے

گزشتہ کچھ عرصہ سے پاکستان میں خودکشی کے رجحان میں اضافہ ہوا ہے' اور حالیہ مہینوں میں اس میں نئ[ی] تیزی دیکھنے میں آئی ہے اس کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ لاہور شہر میں ۸۷ء' ۸۸ء اور ۸۹ء میں تی[ن] سال جو کیس ہسپتالوں میں لائے گئے ان کی تعداد ۱۳۱۔۲۱۔ ہے' یعنی ہر سال ۱۳۱ افراد نے خودکشی کی (۵۰) [جب] گزشتہ صرف چند ماہ میں لاہور میں ۷۵' ملتان میں ۷۹' راولپنڈی میں ۶۴' حیدر آباد میں ۲۲' فیصل آباد میں ۹' اور میں ۱۱' اسلام آباد میں ۵ اور کوئٹہ میں ۳' کیس ریکارڈ ہوئے ہیں۔ (۵۱)

یہ اعداد و شمار دیگر ممالک کے مقابلے میں اگرچہ زیادہ نہیں ہیں لیکن خودکشی کی بڑھتی ہوئی شرح ہ[مارے] لیے لمحہ فکریہ ضرور ہے اس کی بڑی وجہ اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت اور دین سے دوری کے ساتھ ساتھ 'م[عا]شی مشکلات ہیں۔

لوٹ مار

لوٹ مار بھی عدم برداشت کی ایک واضح مثال ہے' لوٹ مار کرنے والا شخص کسی کے پاس دولت بر[داشت]

کرنے پر تیار نہیں ہوتا اور وہ راتوں رات دولت مند بن جانے کی ہوس میں دولت کے حصول کے ناجائز ذرائع اختیار کرتا ہے' اسلام نے اس کی کئی طرح سے بیخ کنی کی ہے ایک طرف تو اسلام کا حکم ہے کہ جو لوگ دنیا میں لوٹ مار کرتے اور فساد پھیلاتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں یا تو قتل کر دیا جائے یا ان کے ہاتھ پیر کاٹ کر انہیں نمونہ عبرت بنادیا جائے اور اور کسی ایک فطر تاکج رو شخص کو قتل کر دینا یا اس کے ہاتھ پیر کاٹ دینا پوری انسانیت کو اس کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے ضروری بھی ہے اور مناسب بھی' قرآن حکیم میں فرمایا۔

انما جزء وا الذین یحاربون الله و رسوله و یسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیهم و ارجلهم من خلاف او ینفوا من الارض ذالك لهم خزی فی الدنیا و لهم فی الاخرة عذاب عظیم (۵۲)

بلا شبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کرتے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے' یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا وہ ملک سے نکال دیئے جائیں' یہ تو ان کی دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں تو ان کے لیے بڑا ہی سخت عذاب ہے۔

فقہاء کے نزدیک اس آیت کا مصداق وہ لوگ ہیں جو مسلح ہو کر عوام پر ڈاکے ڈالتے ہیں' اور حکومت کے قانون کو قوت کے ساتھ توڑنا چاہتے ہیں اس طرح اس میں ڈاکو اور باغی دونوں شامل ہیں۔ (۵۳)

دوسری جانب اسلام آخرت کا ڈر اور خوف خدا پیدا کرتا ہے تاکہ مواخذہ کا خوف اسے ان جرائم سے روک سکے' رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر غصب' لوٹ مار اور زبردستی مال لینے کی ممانعت فرمائی ہے' ایک روایت میں فرمایا!

لا یحل مال امری مسلم الابطیب نفس منه (۵۴) کسی مسلمان کا مال اس کی خوشی کے بغیر حلال نہیں۔

اور زمین پر ناجائز قبضہ کرنے والوں کے لیے فرمایا!

من اقتطع شبرا من الارض ظلما طوقه له یوم القیامة من سبع ارضین (۵۵)

جس نے زمین کا بالشت بھر حصہ بھی ظلماً دبایا اسے اللہ روز قیامت سات زمینوں کا طوق پہنائیں گے۔

قتل و غارت

قتل و غارت گری بھی عدم برداشت ہی کی وجہ سے ہوتی ہے' انسان کی جب عدم برداشت انتہا کو چھونے لگتی ہے تو وہ قتل جیسے انتہائی اقدام کو کرنے سے بھی نہیں چوکتا' دراصل وہ قتل کر کے اس بات کا تاثر دینا چاہتا ہے کہ وہ سب سے طاقتور ہے اور فریق مخالف کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں' عدم برداشت کا یہ انداز سب سے زیادہ

خطرناک اور نقصان دہ ہے' اور ایک انصاف پسند معاشرہ یہ رجحان قطعا برداشت نہیں کر سکتا' اسلام نے بھی اس کے سدباب کے لیے متعدد اقدامات کیے ہیں انسانی جان کو محترم قرار دیتے ہوئے اس کو جان بوجھ کر تلف کرنے والے کے لیے دنیا میں بھی سخت ترین سزا یعنی جان کے بدلے جان کے اصول کے تحت اس کو قتل کرنا اور آخرت کی سخت ترین سزا یعنی جہنم کی دائمی زندگی کا اعلان کیا گیا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے!

و من قتل مومنا متعمدا فجزاء جهنم خالدا فيها و غضب الله عليه و لعنه و اعدله عذاباً عظيما(۵۶)

اور جس شخص نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا تو اس کی سزا جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اس کے لیے اللہ نے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

انسانی جان کی حرمت اللہ کے نزدیک اس قدر ہے کہ کسی ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا!

انه من قتل نفسا بغير نفس او فسادا في الارض فكا نما قتل الناس جميعا (۵۷)

(ہم نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ) جو کوئی کسی کو مار ڈالے بغیر کسی جان کے بدلے کے یا زمین پر فساد پھیلانے کے بغیر تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے یوم العرفہ کے خطبے میں یہ بھی فرمایا تھا!

فان اموالكم و اعراضكم و دماء كم حرام بينكم مثل يومك في مثل شهر كم في مثل بلد كم(۵۸)

پس بے شک تمہارے مال' تمہاری عزت' تمہارا خون تمہارے درمیان اسی طرح حرام ہے جیسے آج کے دن کی حرمت اس مہینے میں' اس شہر میں اور ظلم و زیادتی کرنے سے منع کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا!

اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات يوم القيامة (۵۹) ظلم سے بچو کیونکہ ظلم روز قیامت اندھیروں کی صورت میں ہوگا۔

فرقہ واریت' اور عصبیت

فرقہ واریت اور عصبیت دونوں ہی عدم برداشت کے رجحان کی پیداوار ہیں اور بد قسمتی سے وطن عزیز میں یہ دونوں تصورات کافی مہلک اثرات مرتب کر رہے ہیں' فرقہ واریت اور عصبیت دونوں ایک ہی رجحان کے دو رخ ہیں' فرقہ واریت میں ہر فرقہ (یا متعلقہ فرقہ) یہ تصور کر لیتا ہے کہ اسے اپنے عقائد یا عزائم دوسروں پر بزور اور جبر مسلط کرنے کا حق ہے اور وہ اس عمل میں پوری طاقت صرف کر دیتا ہے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے تشدد اور

قتل وغارت گری سے بھی دریغ نہیں کرتا' جبکہ تعصب میں بھی انسان حق وانصاف کی بجائے اپنے مخصوص گروہ کے مفادات کو اولیت دیتا ہے اور ہر معاملے کو ایک مخصوص نظر سے دیکھتا ہے یہ دونوں زہر آہستہ آہستہ اپنا اثر دکھاتے ہیں اور آخر تک اس قدر تناور درخت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں کہ ان سے چھٹکارا پانا سخت مشکل ہو جاتا ہے' اسلام ان کی سنگینی کی وجہ سے ان کی پوری قوت سے سر کوبی کرتا ہے اور انہیں کسی صورت بھی سر اٹھانے کا موقع دینا گوارا نہیں کرتا' فرقہ بندی کے خلاف قرآن کا اعلان ہے۔

و اعتصموا بحبل الله جميعا و لا تفرقوا (۶۰) اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت کرو۔

اس آیت میں فرقہ واریت سے بچنے کا ایک سب سے سہل اور سب سے عمدہ طریقہ بھی بتا دیا کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور جب انسان اللہ کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط کرلے گا اور اس کے ہر امر اور نہی کو دل و جان سے تسلیم کرے گا تو اختلاف ہی باقی نہ رہے گا' نہ بات بے بات مخالفت کی نوبت آئے گی' دوسری جگہ فرمایا!

و ان هذا صراطی مستقيما فاتبعوه و لا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله (۶۱)

اور یہ ہے میرا سیدھا راستہ سو اسی کی اتباع کرو' اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اس (خدا کے) راستے سے بھٹکا دیں گے۔

اس آیت مبارکہ سے ظاہر ہے کہ تفرقہ اس وقت پیدا ہو گا جب اللہ کے راستے کو چھوڑ دیا جائے گا۔

اور عصبیت کی تردید کرتے ہوئے فرمایا!

یایها الناس انا خلقنٰكم من ذكر و انثىٰ و جعلنٰكم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اكرمكم عند الله اتقٰكم ان الله عليم خبير (۶۲)

اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنائیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے' یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا' باخبر ہے۔

اس ارشاد میں یہ وضاحت فرما دی کہ قوم و قبائل کی تقسیم صرف باہم متعارف ہونے کے لیے کی گئی ہے اس کو عصبیت کی بنیاد بنانا درست نہیں۔ وطن عزیز اس وقت جس آزمائش سے دوچار ہے اس سے نکلنے کے لیے ہم سب کو اپنی ذاتی و شخصی خواہشات اور گروہی و علاقائی مفادات کو ملکی مفاد پر قربان کرنا ہو گا' اس سلسلے میں حکومت کا بھی فرض ہے کہ وہ ایسے اقدامات کرے جس سے تمام طبقات میں اتفاق و اتحاد کا احساس پیدا ہو اور پوری پاکستانی قوم متحد ہو کر ایک برادری کی شکل اختیار کرے اور ایسا کوئی قدم ہرگز نہ اٹھایا جائے جس سے کسی امتیاز یا تعصب کی بو آتی

ہو یا ملکی وحدت و یکجہتی کو کوئی ادنیٰ ضرر پہنچنے کا بھی خدشہ ہو۔

سیاست

آج جس شعبے میں ملکی سطح پر برداشت و تحمل کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ سیاست کا شعبہ ہے' آج اہل سیاست عدمِ برداشت اور شدت پسندی کے حوالے سے کافی نام کما چکے ہیں' اور ہماری پوری سیاست عدم برداشت کے رجحان کے گرد گھوم رہی ہے' ایک طرف اگر حزب اختلاف حکومت وقت کو برداشت کرنے پر تیار نہیں ہوتی اور اسے نیچا دکھانے کے لیے ہر جائز و ناجائز طریقہ آزمانے سے ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتی تو دوسری جانب حزب اقتدار کا رویہ بھی تحمل و رواداری پر مبنی نہیں ہے' اس کی ساری توانائیاں بھی اپنے مخالفین کو ختم کرنے بلکہ بعض اوقات تو کچلنے پر صرف ہوتی ہیں اور ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ ہر اچھی بات اور عمدہ کارکردگی کو اپنے کھاتے میں ڈالکر ہر برائی کو مخالفین کا حصہ اور ان کی کارروائی قرار دیا جائے اور اس سارے عمل میں وہ سرکاری مشینری اور وسائل صرف ہوتے ہیں جو غریب عوام کی خون پسینے کی کمائی سے حاصل ہوتے ہیں اور جائز و ناجائز' سچ و جھوٹ' حق و باطل اور غلط و صحیح کی کوئی تفریق روا نہیں رکھی جاتی' ہمارے ہاں یہ سلسلہ ایک طویل عرصے سے جاری ہے اور آئندہ بھی اس رجحان مین تبدیلی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا حالانکہ ہونا یہ چاہیے کہ حزب اقتدار اپنے اعلان کردہ منشور کی روشنی میں ملکی تعمیر و ترقی میں مصروف رہے اور عوامی خواہشات اور ضروریات کو ترجیحات میں رکھتے ہوئے ان کے اور ملکی مفاد کا پورا خیال رکھے اور حزب اختلاف کی مثبت تنقید اور مفید تجاویز اور مشوروں کو پوری اہمیت دے اور حزب اختلاف اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اپنے منشور کی روشنی میں اپنا تعمیری کردار ادا کرتی رہے اور حزب اقتدار کی سرگرمیوں پر نظر رکھے اور پوری دیانت داری سے ان پر تنقید کرے۔

آیئے دیکھیں کہ اسوہ حسنہ اور تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں اس سلسلے میں ہمیں کیا ہدایات ملتی ہیں۔

جیسا کہ مشہور حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی تاسیس و تشکیل کی تو وہاں کے یہودیوں سے بھی معاہدہ کیا اور انہیں ریاست میں شامل کیا یہ معاہدہ میثاق مدینہ کے نام سے معروف ہے' لیکن یہودیوں نے اپنی معروف شر پسندانہ فطرت کے سبب نفاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے اندرون خانہ آپ ﷺ کی مخالفت جاری رکھی اور اسلامی ریاست کی مخالفت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا' اسی دوران واقعہ افک پیش آیا جو یہودی کے سازشی ذہن کا نتیجہ تھا' اس کی آڑ لے کر آپ ﷺ کو جو ذہنی اذیت پہنچائی گئی وہ تاریخ کے صفحات پر رقم ہے لیکن آپ ﷺ نے کسی سے کوئی بدلہ نہیں لیا' اور ان کی سازش کو کمال تحمل سے برداشت کیا اور باوجود یہ کہ آپ ﷺ اس سازش میں شریک افراد کو سزا دے سکتے تھے مگر آپ ﷺ نے یہ پسند نہیں فرمایا۔ (٦٣)

ایک بار آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے مجمع میں تشریف فرما تھے کہ ایک دیہاتی آیا اور آپ ﷺ کی چادر کھینچتے ہوئے کہنے لگا کہ تم نہ اپنے مال سے مجھے دیتے ہو نہ اپنے باپ کے مال سے 'میرے یہ دونوں اونٹ (غلے) سے لاد دو' اس نے چادر اس زور سے کھینچی تھی کہ آپ ﷺ کی گردن مبارک لال ہوگئی' لیکن آپ ﷺ نے اس کو اس قدر گستاخی پر جس میں جسمانی تکلیف بھی شامل تھی اسے کچھ نہیں کہا' حتی کہ ڈانٹا تک نہیں اس سے باز پرس تک نہیں کی بلکہ اس کا مطالبہ پورا کر دیا اور اسے خوش کر کے لوٹا دیا۔(۶۴)

ان دونوں واقعات میں آپ ﷺ نے واضح گستاخیوں اور ایذاؤں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا یہاں آپ ﷺ حلم و تحمل کے نہایت بلند مرتبے پر فائز نظر آتے ہیں' جس سے بلند مرتبے کا تصور بھی ممکن نہیں' جبکہ ہم جائز تنقید اور مبنی بر حق مخالفت بھی تسلیم کرنے اور برداشت کرنے پر تیار نہیں ہیں' ہمیں اسوۂ حسنہ اور تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں اپنے طرز عمل کا بغور جائزہ لینا ہوگا تاکہ عدم برداشت کے موجودہ رجحان سے چھٹکارا پایا جا سکے۔

عدم برداشت کا بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

عدم برداشت کے بین الاقوامی رجحان پر گفتگو کرتے ہوئے ابتداء میں بین الاقوامی سطح پر ان رجحانات کا تذکرہ کیا جاتا ہے' پھر تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ان کا حل اور سیاست خارجہ کے سلسلے میں آپ ﷺ کا طرز عمل بیان ہوگا۔

عدم برداشت کا بین الاقوامی رجحان

آج جس سمت نظر دوڑائیں فتنہ و فساد برپا ہے' جس طرف دیکھیں مظلوموں کی آہیں اور سسکیاں سنائی دے رہی ہیں' ہر سو بے گناہ لاشے تڑپتے ہوئے اور مظلوم بلکتے ہوئے نظر آرہے ہیں' خصوصاً اس ظلم ستم کا سب سے بڑا نشانہ مسلمان ہیں' جن کے لیے خدا کی اس دھرتی پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا ہے اور وہ سسک سسک کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھنے یا پھر گھر بار چھوڑ کر' مال و اسباب کی قربانی دے کر دربدر بھٹکنے اور ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہیں' کشمیر سے لے کر بوسنیا اور عراق و افغانستان سے لے کر کوسوو اور الجزائر تک ایک طویل سلسلہ مصائب و آلام ہے جس کے نتیجے میں لاکھوں مسلمان اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور لاکھوں زخمی و معذور ہو کر ہمیشہ کے لیے محتاج بن چکے ہیں' یہ سب عدم برداشت کے بین الاقوامی رجحان کا شاخسانہ ہے' جس کے تحت الکفر ملۃ واحدۃ کے مصداق پوری ملت کفر اس وقت اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے درپے ہیں' مگر اس معاملے میں خود مسلم ممالک کا کردار بھی صرف افسوس ناک ہی نہیں بلکہ' شرمناک اور انتہائی ناقابل رشک ہے' مسلم ممالک یا تو غیروں کی کاسہ لیسی

میں مصروف ہیں یا ان کے اشاروں پر چلتے ہوئے اپنے ہم مذہب بھائیوں کے خلاف کارروائیاں کر کے کافروں کے عزائم پورے کر رہے ہیں یا اگر بہت زیادہ نرم پالیسی پر عمل پیرا ہیں تو "غیر جانبدار" کردار ادا کرنے کے خواہش مند ہیں' حالانکہ اگر مظلوم کا ساتھ دینا اور حق کی مدد کرنا جانبداری ہے تو یہ جانبداری ہمارے ایمان کا تقاضا بھی ہے اور ہمارے دین کی جانب سے ہم پر عائد ہونے والا فرض بھی' ذیل میں چند ایک معاملات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

کشمیر

کشمیر متحدہ ہندوستان پر برطانوی راج کی جانب سے اس خطے میں پیدا کیا جانے والا وہ مسئلہ ہے جس نے طویل عرصے سے اس پورے خطے کی تعمیر و ترقی ہی نہیں امن و امان تک کو خطرے میں ڈال رکھا ہے' اس مسئلے کی ذمہ داری تو برطانیہ ہی پر عائد ہوتی ہے مگر یہ اس مسئلے کو اب تک زندہ رکھنے اور اسے حل نہ کرنے کا سہرا ہندوؤں کی عدم برداشت کے سر جاتا ہے جنہوں نے دل سے آج تک تقسیم ہند کو تسلیم نہیں کیا' یہ مسئلہ اب تک ہزاروں مسلمانوں کی جانیں لے چکا ہے اور کتنے ہی افراد زخمی ہو چکے ہیں یا وہاں سے گھر بار اور مال و اسباب چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں' صرف ڈھائی سال قبل کشمیر میں قائم ہونے والی فاروق عبداللہ کی حکومت کے دور اقتدار کے مختصر سے عرصے میں ۵ ہزار ۶ ۷ ۷ عام کشمیری باشندوں کو شہید کیا جا چکا ہے۔(۶۵) جبکہ جو کشمیری مجاہدین شہید یا زخمی ہوئے ان کی تعداد اس سے الگ ہے' اور جنوری و فروری کے دو مہینوں میں ۱۲۰ کشمیری شہید کیے جا چکے ہیں' جن میں ۱۴ ایسے افراد بھی شامل ہیں جو دوران حراست شہید کیے گئے۔(۶۶) لیکن انڈیا کی جانب سے اس قدر قتل عام اور کشمیریوں کی قربانیوں کے باوجود یہ مسئلہ اب تک عالمی ضمیر پر بوجھ بنا ہوا ہے۔

بوسنیا

مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے سلسلے میں بوسنیا کا معاملہ بھی سرفہرست ہے' اس مسئلے نے بھی لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کو شہید' زخمی اور بے گھر کیا ہے اور جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے اس کی رونگٹے کھڑے کر دینے والی تفصیلات سامنے آ رہی ہیں اور عالمی دنیا کے دوہرے معیار کا مذاق اڑا رہی ہیں' حال ہی میں سربوں کے ہاتھوں ۱۹۹۵ء میں شہید ہونے والے ہزاروں بوسنیائی باشندوں کی اجتماعی قبریں دریافت ہوئی ہیں' یہ قبریں ان ۸ ہزار بوسنیائی باشندوں میں سے بعض کی ہیں جو ۱۹۹۵ء میں لاپتہ ہوئے تھے۔ اور بعد میں ان کا کوئی سراغ نہیں مل سکا' ان کو سربوں نے پشت پر ہاتھ باندھ کر قتل کر دیا تھا اور پھر اس کا ثبوت مٹانے کے لیے بلڈوزروں کے ذریعے ان قبروں کو ختم کر دیا گیا تھا۔ اب تک ۳۰۰۰ سے ۳۵۰۰ تک افراد کی قبریں دریافت ہو چکی ہیں۔(۶۷)

عراق

غیر ملکی جارحیت اور کفر کی جانب سے عدم برداشت کا شکار ایک ملک عراق بھی ہے' جہاں کے حکمرانوں کی بعض غلطیاں اور طریقہ کار کو بنیاد بنا کر بعض ممالک نے وہاں کے نہتے عوام کے خلاف غیر علانیہ محاذ کھولا ہوا ہے' اور ایک اخباری اطلاع کے مطابق وہاں اب تک نو لاکھ کے قریب بچے صرف خوراک اور ادویات نہ ملنے کی وجہ سے جاں حق ہو چکے ہیں۔(۶۸)اور پھر عدم برداشت کی انتہاء ملاحظہ کیجئے کہ رمضان المبارک کی حرمت کا لحاظ بھی نہیں کیا گیا اور عراق پر مسلسل کئی بار ماہ صیام میں بمباری کی گئی جبکہ وہاں عوام کی اکثریت روزے سے تھی۔(۶۹) سوال یہ ہے کہ سلامتی کونسل کی قراردادیں اور امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی فوجیں کشمیر کے معاملے میں کیوں موثر ثابت نہیں ہوتیں ؟اگر یہ کہا جائے کہ وہاں انڈیا کی مداخلت اور جارحیت ثابت نہیں ہے تو یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ یہ امر خود برطانیہ اور امریکہ کے ایوانوں میں بھی متعدد بار زیر بحث آچکا ہے' اور غیر جانبدار مبصرین اور کشمیر کی صورتحال پر نظر رکھنے والے تجزیہ نگار بھی انڈیا کی جانب سے وہاں ہونے والی زیادتیوں پر آواز بلند کر چکے ہیں اور انسانی حقوق کی تنظیمیں بھی اس پر مسلسل احتجاج ریکارڈ کرا رہی ہیں' بلکہ عراق کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ وہاں ایسی کوئی صورتحال نہیں ہے' صاف ظاہر ہے کہ اسے صرف اس امر کی سزا دی جا رہی ہے کہ وہ ایک مسلمان ملک ہے اور قابل لحاظ حد تک فوجی قوت کا مالک بھی ہے' اس اعتبار سے عراق بھی اس وقت بین الاقوامی برداشت کے رجحان کا ایک بڑا نشانہ ہے۔

افغانستان

افغانستان جس طرح ایک طویل عرصے تک بیرونی مداخلت کا شکار رہا اس سے کون واقف نہیں' لیکن اب کچھ عرصے سے وہاں بیرونی مداخلت کے اثرات بھی کم ہو رہے ہیں اور داخلی استحکام بھی حاصل ہونے کی امید ہوئی ہے' لیکن اب امریکہ نے وہاں اسامہ بن لادن کا مسئلہ کھڑا کر کے عدم برداشت کے اپنے رویے کا ایک ثبوت فراہم کیا ہے پھر یہی نہیں بلکہ ایک آزاد ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرتے ہوئے مسلسل کئی راکٹ فائر کیے جن کا نشانہ افغانستان کے نہتے عوام بنے۔(۷۰) یہ عدم برداشت نہیں تو اور کیا ہے کہ ایک ایسے شخص کو گرفتار کرنے کے لیے جو آپ کی نظر میں ملزم ہے آپ کروڑوں عوام کے ملک پر حملہ کر دیں اور بزور طاقت اسے حاصل کرنے کی کوشش کریں کیا امریکہ کسی ایسے شخص کو کسی دوسرے ملک کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر سکتا ہے جو امریکہ کا باشندہ ہو اور اس پر کسی دوسرے ملک میں مقدمہ قائم ہو ؟یقیناً نہیں پھر یہ دوہری پالیسی صرف مسلمانوں ہی کے لیے کیوں ہے ؟اس کا جواب تمام غیر مسلم ممالک کے ذمے ہے جو اس وقت عالم اسلام کے خلاف سازشوں میں

مصروف ہیں۔

تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

آپ ﷺ کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو غیر مسلموں سے تعلقات کے بارے میں برداشت و تحمل کی عجیب مثالیں سامنے آتی ہیں اور آپ ﷺ کی قوت برداشت کے بے مثال مظاہرے سامنے آتے ہیں' آپ ﷺ کی پوری زندگی' مشرکین مکہ' منافقین مدینہ' یہود و نصاریٰ اور عرب کے صحرا نشین بدوؤں کے درمیان بسر ہوئی اور آپ ﷺ نے انہی کی تعلیم و تربیت کر کے انہیں انسانیت کے اس بلند ترین مقام پر پہنچا دیا' جس سے آگے کا تصور بھی ممکن نہیں' آیئے دیکھیں آپ ﷺ نے بین الاقوامی سطح پر ہونے والے معاملات میں کیا اسوہ پیش فرمایا ہے؟ اور سیاست خارجہ میں آپ ﷺ قوت برداشت کا کیسے مظاہرہ فرماتے ہیں!

صلح حدیبیہ

آپ ﷺ نے ۶ ہجری میں جب عمرے کا ارادہ فرمایا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر حدیبیہ کے مشہور مقام پر پہنچے تو وہاں مشرکین مکہ نے روک دیا اور عمرہ ادا کرنے کی اجازت نہیں دی' طویل گفت و شنید کے بعد ایک معاہدہ طے پایا' اس کی چند شقیں یہ بھی تھیں' ا۔ قریش کا جو شخص اپنے والی یا آقا کی اجازت کے بغیر بھاگ کر مدینے جائے گا اس کو واپس کیا جائے گا' اگرچہ وہ مسلمان ہو کر جائے۔ ۲۔ محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس مکہ چلا جائے گا اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔ ۳۔ جو مسلمان پہلے سے مکہ میں مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص مکہ میں رہنا چاہے تو اسے نہ روکا جائے۔ (۷۱) اتنی سخت شرائط پر آپ ﷺ نے کمال ضبط و تحمل اور صبر و برداشت کا مظاہرہ فرمایا اور مشرکین کی ان شرائط کو یک طرفہ ہونے کے باوجود تسلیم کر لیا' غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور برداشت کا یہ بے مثال مظاہرہ تھا۔

میثاق مدینہ

مدینہ منورہ میں آمد اور اسلامی ریاست کے قیام کے بعد آپ ﷺ نے مسلمانوں اور یہود وغیرہ کے مابین ایک معاہدہ کیا اسے "دنیا کا پہلا تحریری" دستور کہا جاتا ہے۔ (۷۲) اس معاہدے کی وہ شقیں ملاحظہ کیجئے جو یہود جیسی قوم کے متعلق ہیں جن کا نہ ماضی قابل رشک ہے نہ حال' اس کے باوجود آپ ﷺ نے بے مثال قوت برداشت اور بے نظیر رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں اس قدر رعایتیں دیں جن کا کہیں اور سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا' بعض دفعات دیکھئے۔

۱۔ بنو عوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ (ریاستی معاملات میں) ایک جماعت (فریق) سمجھے جائیں گے' یہود کے لیے ان کا دین ہے اور مسلمانوں کے لیے ان کا دین ہے' یہی ضمانت ان کے موالی اور ان کے اپنے لیے ہے' ان میں سے جو شخص ظلم کرے یا عہد شکنی کرے یا کوئی جرم کرے تو وہ صرف اپنے لیے اور اپنے خاندان کے لیے مصیبت پیدا کرے گا۔

۲۔ اہل معاہدہ صلح و خیر خواہی اور باہمی مشاورت کو اختیار کریں گے اور غداری کی جائے وفاشعاری کو اپنائیں گے۔

۳۔ کوئی شخص اپنے حلف سے غداری نہیں کرے گا اور مظلوم کی مدد کی جائے گی (خواہ وہ کوئی ہو)

۴۔ اور جب ان (یہود وغیرہ) کو کسی صلح نامے میں شرکت یا اس کی پابندی کے لیے بلایا جائے گا تو ان کے لیے اس میں شرکت کرنا اور اس کی پابندی کرنا ضروری ہوگا اور جب وہ (یہود) اس مقصد کے لیے بلائے جائیں گے تو مومنوں کے لیے بھی اس میں شرکت اور اس کی پابندی ضروری ہوگی۔ (۴۳)

غور کیا جائے تو مذکورہ دفعات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو وہ مراعات دی ہیں جن کا کوئی تو کجا خود یہود بھی تصور نہیں کر سکتے تھے' یہ باہمی رواداری اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی کس قدر بلند مثال ہے' لطف کی بات یہ ہے کہ یہود نے اس معاہدے پر کبھی سنجیدگی سے عمل نہیں کیا اور وہ ہمیشہ اندرون خانہ سازشوں میں مصروف رہے' لیکن انہیں اس معاہدے سے خارج نہیں کیا گیا۔

معاہدۂ نجران

۲ ہجری میں نجران کے عیسائیوں پر مشتمل وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ کا اس وفد کے ساتھ حسن سلوک اور پھر ان کے ساتھ طے پانے والے معاہدہ اسلام کی قوت برداشت کے عملی ثبوت ہیں۔ یہ وفد جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے نہ صرف اس وفد کو مسجد نبوی ﷺ میں ٹھہرایا بلکہ انہیں وہاں اپنے مذہب کے مطابق نماز ادا کرنے کی اجازت بھی دی۔ (۴۴) پھر طویل گفت و شنید کے بعد جو معاہدہ طے پایا اس میں بھی عیسائیوں کی بھرپور رعایت رکھی گئی' اس کی چند دفعات ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ اہل نجران اور ان کے اطراف کے تمام باشندوں کی جانیں' ان کا مال' ان کا مذہب' ان کے قبیلے' خواہ وہ حاضر ہوں یا غائب' ان کے متبعین' خواہ تھوڑے ہوں یا زیادہ سب کی حفاظت کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ ذمہ دار ہوں گے

۲۔ ان کے نہ کسی اسقف کو اس کے عہدے سے ہٹایا جائے گا نہ کسی راہب کو نہ کسی کاہن کو۔ (یہ ان کے مذہبی عہدے تھے)

۳۔ ان سے کسی سابقہ جرم یا خون پر مواخذہ نہیں ہو گا۔

۴۔ نہ انہیں زبردستی فوجی خدمت پر مامور کیا جائے گا' نہ ان سے عشر لیا جائے گا۔

۵۔ اور اہل نجران میں سے اگر کوئی اپنا حق طلب کرے گا تو ان کے درمیان انصاف کیا جائے گا نہ ان پر ظلم ہونے دیا جائے گا نہ ان پر کسی کو ظلم کرنے دیا جائے گا۔

۶۔ اہل نجران میں سے کسی شخص کو دوسرے کے جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا(۷۵)

یہ تھا آپ ﷺ کی بین الاقوامی رواداری' ضبط و تحمل اور مثالی قوت برداشت کا ایک مختصر سا جائزہ' جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان امور میں کس قدر حلم و بردباری سے کام لیتے ہوئے ایک طرف تو بین الاقوامی سطح پر سیاسی طور پر مسلمانوں کو مضبوط کیا اور دوسری جانب غیر مسلموں کے دلوں کو مسخر کر کے اسلام کو پورے عالم میں پھیلا دیا' سچ ہے کہ یہ کارنامہ کسی ایسے اولوالعزم پیغمبر ہی کا ہو سکتا ہے جو قدم قدم پر تائید ایزدی سے بہرہ ور ہو۔

ان چند مثالوں کے بعد عام زندگی میں آپ ﷺ کی بے مثال قوت برداشت اور صبر و تحمل کے چند مظاہر پیش کیے جاتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت برداشت کے بے مثال مظاہر

اس تمام بحث کے بعد آیئے محسن انسانیت' رحمت عالم' ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت برداشت کے چند بے مثال مظاہر دیکھیں' جہاں رحمۃ للعالمین رحمت تمام کی صحیح تصویر نظر آتے ہیں' ان واقعات کا مشاہدہ کیجئے اور غور کیجئے کہ کیا کوئی اور مذہبی' انقلابی سیاسی رہنما ایسا ہے جسے کسی ایک پہلو اور حیات انسان کے کسی ایک شعبے میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں پیش کیا جا سکے؟ سچ تو یہ ہے کہ کوئی اور آپ ﷺ کے پاسنگ بھی نہیں ہے۔

قریش کی اشتعال انگیزی

آپ ﷺ نے جب اسلام کی تبلیغ کا آغاز کیا تو قریش مکہ نے سب سے پہلے آپ ﷺ کی مخالفت شروع کی اور ہر معاملے میں آپ ﷺ کی راست گوئی' صداقت شعاری' امانت و دیانت کا اعتراف کرنے والے نازک لمحات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثالثی کو تسلیم کرنے والے' آپ ﷺ کو بیک زبان و آواز الصادق والامین کا لقب دینے والے ہی آپ ﷺ کے جانی دشمن بن گئے اور آپ ﷺ کو ہر طرح سے ایذائیں پہنچانے میں مصروف ہو گئے' انہوں نے آپ ﷺ کو ایذا دہی کا ایک طریقہ یہ اختیار کیا کہ آپ ﷺ کو مذمم (مذمت کیا ہوا) کہنے لگے وہ آپ ﷺ کی ہجو میں آپ ﷺ کو محمد (تعریف کے لائق' بہت تعریف کیا ہوا) کی بجائے مذمم کہتے تھے' ایک موقع پر ابو لہب کی بیوی

ام جمیل نے آپ ﷺ کی ہجو کرتے ہوئے کہا تھامذما عصینا' یہ : مذمم ہیں' ہم انہیں نہیں مانتے' لیکن رحمت عالم ﷺ کی قوت برداشت ملاحظہ کیجئے کہ آپ ﷺ نے اس کھلی اشتعال انگیزی کو مسکراتے ہوئے برداشت کر لیا اور کس خوبی سے رد عمل سے اپنا دامن بچا گئے فرمایا!

الا تعجبون لما یصرف الله عنی من اذی قریش' یسبون و یھجون مذمما' و انا محمدا (۷٦)

کیا تمہیں اس پر تعجب نہیں کہ اللہ نے مجھے کس طرح قریش کی ایذا رسانی سے محفوظ رکھا' وہ کسی مذمم کی ہجو اور اس پر سب و شتم کرتے ہیں' جبکہ میں محمد ﷺ ہوں۔

منافقین کی سازشیں

مکہ کے کفار میں بہر حال یہ خصوصیت تھی کہ ان کا ظاہر و باطن ایک تھا' جس کے دشمن تھے تو کھل کر تھے اور کسی کے ساتھ تھے تو بھی کھلم کھلا اور علانیہ' لیکن مدینہ منورہ کے یہود اپنی فطری کج روی کے سبب اس خصوصیت سے بھی عاری تھے' انہوں نے مفاد پرستی کی راہ پر چلتے ہوئے ایک نیا راستہ تراشا اور ظاہراً اسلام لے آئے اور حقیقت میں نہ صرف پرانی کافرانہ روش پر قائم رہے بلکہ اندرون خانہ ان کی اسلام دشمن سازشیں بھی جاری رہیں' ان کے مکر و فریب کی فہرست بہت طویل ہے' جن کا ذکر طوالت کا باعث ہو گا' صرف ایک واقعہ ابن ابی منافق کا ذکر کیا جاتا ہے جو کہ منافقین مدینہ کا رہنمائے اول تھا' ایک سفر میں کسی بات پر ایک مہاجر اور ایک انصاری صحابی میں اختلاف ہو گیا' مہاجر صحابی نے اپنے ساتھیوں کو بلایا اور انصاری نے اپنے ساتھیوں کو پکارا' یہ بات جب رسول اللہ ﷺ کے علم میں آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ غلط باتیں چھوڑو' اس قصے کو بجا دہا کر عبداللہ ابن ابی کہنے لگا کہ ہم جب مدینے لوٹ چلیں گے تو ہم مدینے سے کم عزت لوگوں کو نکال باہر کریں گے اس کی مراد آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ سے تھی۔ یہ تفصیل جب آپ ﷺ کو معلوم ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ ہر چند کہ وہ فتنہ باز تھا' ریاستی امور میں تفرقہ پھیلا کر ملک کو انتشار کا شکار کرنا چاہتا تھا' اور پھر سب سے بڑھ کر اس نے براہ راست آپ ﷺ کی توہین کی تھی لیکن ان سب امور کے باوجود آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو اس انتہائی مگر ہر اعتبار سے جائز اور برمحل اقدام سے روک دیا اور یہ حکمت بھرا جواب عطا فرمایا! آپ ﷺ نے فرمایا!

داعه لا یتحدث الناس ان محمداً یقتل اصحابه (۷۷)

اس کو چھوڑ دو' کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔

یعنی ابن ابی منافق کا ذاتی کردار خواہ کچھ ہو' لوگوں میں تو عام تاثر یہی ہے کہ وہ مسلمان ہے' اب اگر اسے اس کے بداعمالی کی پاداش میں بطور سزا قتل کر دیا جائے تو اس کا نقصان یہ ہو گا کہ لوگ خصوصاً دور رہنے والے اور جو

لوگ ابھی مسلمان نہیں ہوئے یہ سمجھیں گے کہ اب حضور ﷺ مسلمانوں کو قتل کر رہے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام کی بدنامی ہوگی اور لوگ اس کے قریب نہیں آسکیں گے" کیا یہ کلمات یہ حکمت بھرا جواب اور اس قدر تحمل و قوت برداشت کا مظاہرہ نبوت کے علاوہ کسی اور سے ممکن ہے؟

یہودی کا تقاضا

زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ جس زمانے میں یہودی تھے' لین دین کا کاروبار کرتے تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ قرض لیا' میعاد پوری ہونے میں ابھی کچھ دن باقی تھے کہ وہ تقاضے کے لیے آگئے' اور آپ ﷺ کی چادر مبارک کھینچ کر سخت سست کہا اور کہنے لگے' عبدالمطلب کے خاندان والو! تم ہمیشہ یونہی حیلے کرتے ہو' حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر غصے سے بے تاب ہوگئے اور ان کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے او دشمن رب تو رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے' مگر آپ ﷺ کے تحمل اور برداشت کی انتہا دیکھیے ایک ریاست کے سربراہ اور پیغمبر اسلام ﷺ اور اس قدر کثیر جاں نثار صحابہؓ کے قائد ہوتے ہوئے ایک یہودی کی کھلی اشتعال انگیزی' گستاخی اور توہین بڑے اطمینان سے برداشت کرتے ہیں اور اسے کچھ کہنے کے بجائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہتے ہیں کہ مجھے تو تم سے کچھ اور امید تھی' تمہیں چاہیے تھا کہ اسے سمجھاتے کہ نرمی سے تقاضا کرے اور مجھ سے کہتے کہ میں اس کا قرض ادا کر کے اسے بیس صاع کھجور زیادہ ادا کر دوں۔(۷۸)

مالک بن عوف کے ساتھ حسن سلوک

مالک بن عوف بنی ہوازن کا سردار تھا' اسی نے قبائل کو جمع کر کے حنین کے مقام پر مسلمانوں کے خلاف محاذ جنگ قائم کیا تھا جس کے نتیجے میں غزوہ حنین کا مشہور معرکہ پیش آیا۔(۷۹)

اس معرکے میں شکست کے بعد مالک طائف کے قلعے میں پناہ گزین ہوگیا اور غزوہ طائف میں وہ وہیں تھا۔(۸۰)

بعد میں جب ہوازن کا وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس کے متعلق دریافت کیا' انہوں نے بتایا کہ وہ بنو ثقیف کے ساتھ طائف میں تھے' آپ ﷺ نے اس کی زیادتیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ مسلمان ہو کر میرے پاس آجائے تو نہ صرف اس کے اہل و عیال واپس لوٹا دوں گا (جو حنین میں اس کی شکست کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے) بلکہ اس کا مال لوٹا دیا اور اس کے اہل و عیال واپس کر دیئے بلکہ اسے وعدے کے مطابق سو اونٹ بھی عطا فرمائے اور اسے اپنی قوم کے ساتھ ساتھ طائف کے نواح اور اطراف میں آباد قبائل کے لیے اپنا عامل بھی مقرر فرمایا۔(۸۱) یہ تھا برداشت و تحمل کا ایک اور واقعہ جس کی عام انسانوں سے توقع ہی

ممکن نہیں۔

آپ ﷺ کو زہر دینا

غزوہ خیبر کے موقع پر مرحب کی بھتیجی اور سالم بن مشکم کی بیوی زینب بن تحارث نے آپ ﷺ کے پاس بکری کا گوشت زہر ملا کر بھون کر ہدیتاً بھیجا' آپ ﷺ نے اس وقت ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے' انہوں نے یہ گوشت آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا' آپ ﷺ کے ساتھ بشیر بن براء رضی اللہ عنہ بھی تھے' آپ ﷺ نے کچھ گوشت منہ میں رکھ لیا' حضرت بشرؓ نے بھی تھوڑا سا گوشت منہ میں رکھ لیا' وہ تو گوشت نگل گئے مگر آپ ﷺ نے گوشت تھوک دیا اور بشرؓ سے کہا کہ ہاتھ کھینچ لو' یہ بکری کہہ رہی ہے کہ وہ زہر آلود ہے' حضرت بشرؓ نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو عزت بخشی میں نے بھی یہ بات محسوس کی تھی مگر میں نے آپ کے سامنے نوالہ پھینک دینا پسند نہیں کیا' وہ اپنی جگہ سے اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ ان کا رنگ زرد ہو گیا اور وفات پا گئے' آپ ﷺ نے زینب کو بلا کر ماجرا دریافت فرمایا اس نے اقرار کیا کہ آپ ﷺ کے ہاتھوں میری قوم جو شکست ہوئی اس کی وجہ سے میں نے خیال کیا کہ اگر یہ بادشاہ ہیں تو اس طرح ان سے نجات مل جائے گی اور اگر نبی ہیں تو انہیں اس کی اطلاع مل جائے گی۔ آپ ﷺ نے مثال عفو و کرم کا مظاہرہ فرماتے ہوئے اس کے اقرار کے باوجود اپنے قتل کی کھلی سازش کرنے والی زینب کو معاف فرما دیا۔ (۸۲)

تلوار سونتنے والے کے لیے بھی معافی

ایک سفر سے واپسی پر آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو بارش نے آلیا' آپ ﷺ نے اپنے کپڑے سکھانے کے لیے ایک درخت پر پھیلائے اور آپ ﷺ خود بھی اس درخت کے نیچے آرام فرما ہو گئے۔ یہ منظر مشرکین دیکھ رہے تھے انہوں نے دعثور نامی ایک شخص کو کہا کہ محمد ﷺ اس وقت اکیلے ہیں تم حملہ کر دو' وہ تلوار لے کر آیا اور آپ ﷺ کے سرہانے کھڑے ہو کر کہنے لگا کہ آج تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ہی مجھے بچائے گا' اس لمحے جبرائیلؑ نے اس کے سینے پر ہاتھ مارا اور اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی' پھر آپ ﷺ نے تلوار اٹھا کر فرمایا کہ اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ وہ بولا کوئی نہیں بچا سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں' ایک ایسے موقع پر جب قتل کے ارادے سے آنے والا شخص سامنے کھڑا اسے معاف کر دینا' آپ ﷺ ہی جیسے حلیم شخص کا کام ہو سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت برداشت' تحمل و رواداری اور حلم و بردباری کے مظاہرے بے شمار ہیں' جن میں سے چند پیش کیئے گئے' اس کے علاوہ فتح مکہ آپ ﷺ کی قوت برداشت اور عفو و کرم کا بے مثال واقعہ

ہے جس کی پوری تاریخ انسانی میں کوئی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی۔ خصوصاً اس موقع پر فضالہ رضی اللہ عنہا (۸۳)، صفوان بن امیہؓ (۸۴) عباد اللہ بن سعد (۸۵) عکرمہؓ (۸۶) ہندہ زوجہ ابو سفیانؓ (۸۷) اور وحشی بن حرب (۸۸) کی معافی اور پھر ان کے اسلام قبول کرنے کے واقعات آپ ﷺ کے مثال عفو و کرم اور قوت برداشت کے انمول مظاہر ہیں۔

سلموا یا قوم بل صلوا علی الصدر الامین

مصطفی ما جاء الا رحمة للعالمین (۸۹)

خلاصہ کلام

اس پوری بحث سے یہ بات پوری طرح عیاں ہوتی ہے کہ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے اور اس کا خمیر ہی سالمیت، امن سے اٹھا ہے' اس لیے وہ قدم قدم پر یہی ہدایات دیتا ہے کہ برائی کے مقابلے میں بھلائی سے پیش آؤ' زیادتیوں پر صبر کرو' مجرموں سے عفو و درگزر کا معاملہ کرو' اشتعال کے مواقع پر تحمل سے کام لو' ہر کام میں میانہ روی اور اعتدال کی راہ اختیار کرو اور انتہا پسندی اور غلو سے بچو' ہر حالت میں ہر ایک کے ساتھ انصاف کرو' خواہ تمہارے سامنے تمہارا مخالف ہی کیوں نہ ہو' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا بھی ایک بڑا حصہ عدم برداشت کے رجحان کے خلاف ذہن سازی کرتا نظر آتا ہے خود آپ ﷺ کی پوری زندگی خواہ قبل از بعثت ہو، قبل از ہجرت اسی کی تعلیم دیتی ہے اور مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی ریاست کے قیام اور ہر طرح سے طاقت اور غلبہ حاصل کر لینے کے بعد بھی آپ ﷺ نے مشرکین مکہ کی سختیاں' منافقین کی سازشیں' یہود کی ریشہ دوانیاں' بدوؤں کی بے تہذیبی اور شرارتیں' مخالفین کی شرطیں سب برداشت کیں اور کبھی اپنی ذات کے لیے بدلہ نہیں لیا اور ہمیشہ عفو و درگزر کا معاملہ فرماتے رہے' یہاں تک کہ دنیائے فانی سے پردہ فرما گئے۔

آج پورا عالم عدم برداشت کی خطرناک رجحان اور انتہا پسندی کی ضرر رساں روش کا شکار ہے۔ خصوصاً عالم اسلام ہر طرف سے اس رجحان کا شکار ہو رہا ہے' اندرونی طور پر بھی وطن عزیز ان رجحانات میں گھرا ہوا ہے' اس لیے اب ضرورت ہے کہ سیرت طیبہ اور اسوہ حسنہ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی اصلاح کریں اور ان مشکلات پر قابو پانے کی کوشش کریں جو خود ہماری پیدا کردہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائیں' ہمیں اصلاح کی توفیق عطا فرمائیں اور عالم اسلام کو ان مصائب و آلام سے نجات عطا فرمائیں۔

و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه و سلم تسلیما کثیرا

و ما علینا الا البلاغ

حواشی و حوالہ جات

ـ احمد بن محمد بن حنبل / المسند ج ۲ صفحہ ۵۰۷ دار احیاء التراث العربی بیروت طبع ثانیہ ۱۹۹۳ء مکمل حدیث اس طرح ہے۔ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "لما قضی اللہ الخلق کتب فی کتاب فھو عندہ فوق العرش ان رحمتی سبقت غضبی"۔

۱ـ سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۷

۲ـ قاضی عیاض / الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ج ۱ صفحہ ۶۱ مصطفی البابی الحلبی قاہرہ مصر ۱۹۵۰ء جب احد میں آپ ﷺ مشرکین مکہ کے لیے بددعا فرمائیں اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا میں تو داعی حق اور رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔

۴ـ لوئس معلوف / المنجد صفحہ ۱۵۰ مطبعہ کاثولیکیہ طبعہ عاشرہ بیروت ۱۹۴۷ھ

۵ـ سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۵

۶ـ سورۃ آل عمران آیت ۱۵۵

۷ـ سورۃ بنی اسرائیل آیت ۴۴

۸ـ سورۃ الاحزاب آیت ۵۱ صفت حلم اللہ تعالیٰ کے لیے اور مقامات پر بھی استعمال ہوئی ہے مثلاً سورۃ تغابن آیت ۱۷

۹ـ سورۃ ہود آیت ۷۵

۱۰ـ سورۃ الصفت آیت ۱۰۱

۱۱ـ سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۵

۱۲ـ سورۃ النحل آیت ۱۲۶

۱۳ـ سورۃ لقمان آیت ۱۷

۱۴ـ سورۃ الرعد آیت ۲۲

۱۵ـ سورۃ المائدۃ آیت ۸

۱۶ـ قاضی عیاض / الشفاء ج ۱ ص ۶۱

۱۷ـ سورۃ آل عمران آیت ۱۰۳

۱۸۔ ایضاً آیت ۱۵۹

۱۹۔ سید زوار حسین شاہ رحمہ اللہ / مقالات زواریہ ' ص ۳۰۰ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی ۱۹۹۸ء

۲۰۔ سید فضل الرحمٰن / ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۴۳۳ حوالہ ترمذی ادارہ مجددیہ کراچی ۱۹۹۱ء

۲۱۔ ایضاً حوالہ احمد ' مشکوۃ

۲۲۔ ایضاً ص ۴۳۴ حوالہ ابوداؤد ترمذی

۲۳۔ ہیثمی / مجمع الزوائد ' ج ۸ ' ص ۸۲ ' مکتبہ القدسی ' بیروت

۲۴۔ احمد بن محمد بن حنبل / المسند ج ۵ ' ص ۴۹۱ ' داراحیاء التراث العربی ' بیروت طبع ثانیہ ۱۹۹۳ء

۲۵۔ القرآن ' سورۃ آل عمران آیت ۱۳۴

۲۶۔ بخاری / الصحیح جلد ۴ صفحہ ۴۸

۲۷۔ منظم احمد نعمانی / معارف الحدیث حوالہ بیہقی جلد ۱ صفحہ ۱۵۱ ' دارالاشاعت کراچی

۲۸۔ علی متقی الہندی / کنزالعمال رقم الحدیث ۳۶۶۳

۲۹۔ سید فضل الرحمٰن / ہادی اعظم ﷺ صفحہ ۴۳۴

۳۰۔ ایضاً ' صفحہ ۴۳۵

۳۱۔ راغب اصفہانی / المفردات ' ص ۳۶۵ ' نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی '

۳۲۔ سورۃ الشوریٰ آیت ۱۷۱

۳۳۔ احمد بن محمد بن حنبل / المسند ج ۱ ' ص ۳۵۶

۳۴۔ القرآن ' سورۃ الشوریٰ آیت ۴۰

۳۵۔ ایضاً ' آیت ۴۳

۳۶۔ القرآن ' سورۃ الحجرات آیت ۱۰

۳۷۔ احمد بن حنبل / المسند ' ج ۳ ' ص ۵۳۲

۳۸۔ علامہ الجزری / حصن حصین ' لکھنو۔ ص ۱۰۵

۳۹۔ ابن ہشام / السیرۃ النبویہ ' ج ۱ ' ص ۲۰۹ ' دارالمعرفہ بیروت ۱۹۷۸ء

۴۰۔ سہیلی / روض الانف ' ج ۱ ' صفحہ ۱۵۵۔۱۵۷ ' دارالمعرفہ بیروت ۱۹۷۸ء

۴۱۔ ابوالفداء اسماعیل ' ابن کثیر / السیرۃ النبویہ ج ۱ ' ص ۲۷۰۔۲۷۸ دار احیاء التراث العربی ' بیروت
نیز دیکھیے ' ابن سید الناس / عیون الاثر ' ج ۱ ' صفحہ ۱۲۱۔۱۲۲ ' دار ابن کثیر بیروت ' طبع اولیٰ ۱۹۹۲ء

۴۲۔ سیدہ سعدیہ غزنوی / نبی اکرم ﷺ بطور ماہر نفسیات ص ۱۷۱' الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور اشاعت ششم لاہور ۱۹۹۶ء

۴۳۔ ایضاً ص ۱۷۲۔

۴۴۔ سورۃ النساء آیت ۲۹

۴۵۔ احمد بن محمد بن حنبل / المسند ج۔۲' ص ۵۰۰

۴۶۔ بخاری / الصحیح کتاب الادب باب من کفر اخاہ من غیر تاویل فھو کما قال' بیہقی / السنن الکبری' ج ۱۲' ص ۲۴۴' رقم ۶۳۰۴ دار الفکر بیروت ۱۹۹۶ء

۴۷۔ تفصیل کے لیے دیکھئے سیدہ سعدیہ غزنوی / نبی اکرم ﷺ بطور ماہر نفسیات' ص ۱۷۵۔۱۷۶

۴۸۔ اس سلسلے میں محولہ بالا کتاب میں اعداد و شمار کے ذریعے ثابت کیا گیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ مسلم ممالک میں تناسب کم ہے بلکہ جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں یا ان کی آبادی بڑھ رہی ہے وہاں پر خودکشی کے واقعات میں کمی واقع ہو رہی ہے' کتاب میں اس کی وجوہات و محرکات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ص ۲۰۶

۴۹۔ سورۃ الطلاق آیت ۳

۵۰۔ سعدیہ غزنوی / رسول اکرم ﷺ بطور ماہر نفسیات' ص ۱۹۴

۵۱۔ رپورٹ انجمن حقوق انسانی سندھ' روزنامہ جسارت کراچی ۱۹ جنوری ۱۹۹۹ء

۵۲۔ سورۃ المائدہ آیت ۳۳

۵۳۔ مفتی محمد شفیع / معارف القرآن ج۔۳' ص ۱۱۹' ادارۃ المعارف کراچی طبع سوم ۱۹۷۶ء
نیز تفصیل کے لیے دیکھئے' سید فضل الرحمٰن / احسن البیان فی تفسیر القرآن ج۔۳' ص ۷۲۔۷۷' زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی ۱۹۹۶ء

۵۴۔ بیہقی / السنن الکبری ج ۸' صفحہ ۵۰۱' رقم ۱۱۷۴۰

۵۵۔ مسلم / الصحیح کتاب المساقاۃ باب تحریم الظلم و غصب الارض وغیر ھا قدیمی کتب خانہ کراچی' بیہقی / السنن الکبری ج ۸' ص ۵۰۱' رقم ۱۱۷۲۷

۵۶۔ سورۃ النساء آیت ۹۳

۵۷۔ سورۃ المائدۃ آیت ۳۲

۵۸۔ بخاری / الصحیح کتاب العلم باب قول النبی رب مبلغ او عی من سامع مسلم الصحیح کتاب القسامہ باب تغلیظ تحریم الدماء والاعراض والاموال' بیہقی/ السنن الکبری ج۔۸' ص ۴۸۶ رقم

۱۱۶۸۹

۵۹۔ مسلم / الصحیح کتاب البر والصلۃ والاکراب یا تحریم الظلم، بیہقی / السنن الکبریٰ ج۔۸، ص ۲۸۸، رقم ۱۱۶۹۵ ۔

۶۰۔ سورۃ آل عمران، آیت ۱۰۳

۶۱۔ سورۃ الانعام آیت ۱۵۳

۶۲۔ سورۃ الحجرات آیت ۱۳

۶۳۔ واقعہ افک کی تفصیل کے لیے دیکھیے ابن حجر العسقلانی / فتح الباری ج ۸، ص ۵۸۲۔ ۶۱۷ قدیمی کتب خانہ کراچی

۶۴۔ ابو داؤد / السنن، کتاب الادب باب فی الحلم واخلاق النبی اللہ علیہ وسلم، قدیمی کتب خانہ کراچی

۶۵۔ روزنامہ جنگ کراچی ۸ مارچ ۱۹۹۹ء

۶۶۔ ایضاً ۲۲ مارچ ۱۹۹۹ء

۶۷۔ روزنامہ ڈان کراچی، ۷ افروری ۱۹۹۹ء

۶۸۔ ایضاً ۲۰ دسمبر ۱۹۹۸ء

۶۹۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹ دسمبر کے اخبارات

۷۰۔ اور یہ سلسلہ اس پر ختم نہیں ہوا بلکہ آج بھی افغانستان کی حکومت کو دوبارہ حملے کی دھمکیاں دی جارہی ہیں، دیکھیے روزنامہ جنگ کراچی ۱۲۔ ۱۳ مارچ ۱۹۹۹ء

۷۱۔ ابو الفداء اسماعیل ابن کثیر / السیرۃ النبویہ ج ۳، صفحہ ۳۲۲

۷۲۔ Dr. Mhamidullah/ The Firs Written Constitution The World World, p-4 Lahor. 1975

۷۳۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ / الوثائق السیاسیہ صفحہ ۶۱۔ ۶۲ دار النفاس بیروت طبع خامہ ۱۹۸۵ء

۷۴۔ محمد بن عبد الباقی الزرقانی / شرح مواہب اللدنیہ للقسطلانی ج ۴، ص ۴۱

۷۵۔ ڈاکٹر حمید اللہ / الوثائق السیاسیہ صفحہ ۱۷۶

۷۶۔ ابن ہشام / السیرۃ النبویہ ج ۲، ص ۲۱۶

۷۷۔ بخاری / الصحیح ج ۳، ص ۱۴۵

۷۸۔ شبلی نعمانی / سیرت النبی ج ۲، ص ۲۱۶

۷۹۔ ابن ہشام السیرۃ النبویہ ج ۴ ص ۱۲۱
۸۰۔ سید فضل الرحمٰن / ہادیٔ اعظم ﷺ صفحہ ۶۶۷
۸۱۔ ابو جعفر محمد بن جریر طبری / تاریخ الامم والملوک ج ۱ ص ۴۲۶ ترجمہ سید محمد ابراہیم نفیس اکیڈمی ۱۹۶۷ء
۸۲۔ قاضی ثناء اللہ عثمانی / تفسیر مظہری ج ۹ ص ۳۰ مجلس اشاعت علوم حیدر آباد دکن و ابن ہشام / السیرۃ النبویہ ج ۴ ص ۴۴
۸۳۔ ابن ہشام / السیرۃ النبویہ ج ۴ ص ۱۰۴
۸۴۔ ابن عبدالبر الاستیعاب ترجمہ صفوان
۸۵۔ ابن ہشام / السیرۃ النبویہ ج ۴ ص
۸۶۔ زرقانی / السیرۃ النبویہ
۸۷۔ ابن ہشام / السیرۃ النبویہ
۸۸۔ بخاری / الصحیح ج ۳ ص ۱۸
۸۹۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں / سید حسن غزنوی حیات اور ادبی کارنامے ص ۷ ادارہ یادگار شیفتہ کراچی ۱۹۹۸ء

عدم برداشت کا قومی و بین الاقوامی رجحان اور تعلیماتِ نبوی ﷺ

حافظ محمد سعد اللہ' لاہور

برداشت۔ایک عظیم اخلاقی وصف

شرعاً برداشت کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے مگر موضوع کی مناسبت سے ہماری معروضات کا مرکزی محور اس کا صرف ایک پہلو رہے گا جسے عام اصطلاح میں حلم یا تحمل و بردباری بھی کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے انتقام کی قدرت ہونے کے باوجود کسی ناگوار خلاف مرضی یا اشتعال انگیز بات کو برداشت کر لینا۔ غیظ و غضب کے موقع پر غصہ پی جانا۔ آپے سے باہر نہ ہونا' طیش میں نہ آنا اور اپنے نفس و طبیعت کو قابو میں رکھنا۔(۱)

انسان کے باطنی کمالات اخلاق عالیہ اور اوصاف حسنہ میں یہ ایسا عمدہ اور بلند ترین وصف ہے جو ایک تو اللہ کریم کو بہت پسند ہے دوسرے اخروی ثواب و درجات کے علاوہ بیشمار دینوی ر معاشرتی برکات اور بھلائیوں کے سرچشمہ ہے(۲) یہی وجہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ اور تعلیماتِ نبوی علی صاجبھا الصلٰوۃ و السلام میں اس کے بڑے فضائل اور تاکید بیان فرمائی گئی ہے۔ جس کی قدرے تفصیل انشاء اللہ آگے آرہی ہے۔

اس کے برعکس خدانخواستہ اگر کسی انسان میں قوت برداشت کا مادہ نہ تو فطری و جبلی طور پر موجود ہو اور نہ وہ اس کے اکتساب کی کوشش کرے تو گویا وہ ہر قسم کی خیر سے محروم ہے(۳)

یہ عدم برداشت جہاں ایک زبردست اخلاقی عیب ہے(۴) وہاں بے شمار اخلاقی خرابیوں اور معاشرتی مفاسد کی جڑ بھی ہے جس کے نتیجے میں صرف اسی انسان کو نہیں بلکہ بسا اوقات پورے ملک و قوم اور سارے انسانی معاشرے کو مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ عدم برداشت کے بھیانک نتائج جو لوگوں کو بھگتنے پڑے' ان سے انسانی تاریخ بھری پڑی ہے جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

برداشت کے حوالے سے قومی صورتِ حال

حلم وبردباری یابرداشت کے حوالے جب ہم اپنے گردوپیش کا جائزہ لیتے ہیں تو وطن عزیز کے قدیم طرز کے دینی مدارس اور جدید تعلیم مراکز میں مناسب نظام تربیت نہ ہونے اور خانقاہوں' جن کا بنیادی مقصد ہی اصلاح نفس تھا' میں "عقابوں" کی جگہ زاغوں کے تصرف کی وجہ سے تزکیہ نفوس کی طرف بالکل توجہ نہ ہونے کے باعث ہر چھوٹا بڑا آدمی (الا ماشاء اللہ) اس عظیم اخلاقی وصف سے خالی نظر آتا ہے۔ آئے دن اخبارات میں اس قسم کی خبریں چھپتی رہتی ہیں کہ ماں باپ نے ازراہ شفقت اپنے کسی بیٹے بیٹی کو کسی غلط اور نقصان دہ کام پر تنبیہ کی یا وہ بیچارے اس کا کوئی جائز ناجائز مطالبہ بوجوہ پورا نہ کر سکے تو اس کو اس مشفقانہ تنبیہ یا اپنا مطالبہ پورا نہ ہونے پر اتنا طیش آیا اور اتنا برا منایا کہ اس نے اپنی کنپٹی پر پستول رکھ کر' یا زہریلی گولیاں کھا کر یا گلے میں پھندا ڈال کر اپنی جان کا ہی خاتمہ کر دیا۔

ہمارے بعض شہروں بالخصوص دیہاتوں میں جدی پشتی خاندانی عداوتیں' لڑائیاں جھگڑے اور مستقل مقدمہ بازی کی معاشرتی بیماریاں اکثر معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو برداشت نہ کر سکنے کا ہی ہوشربا نتیجہ ہیں۔ اسی طرح سیاسی میدان میں اب تک کسی حکومت کا اپنی آئینی مدت پوری نہ کر سکنا۔ متعدد حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ کا تماشہ آزادی کے بعد جمہوریت کے بجائے زیادہ تر عرصہ مارشل لاء کی نذر ہو جانا' مشرقی پاکستان کی علیحدگی' متعدد سیاستدانوں کا قتل۔ اسمبلیوں کے اجلاس کے دوران معزز ارکان اسمبلی کے باہم دست وگریبان اور گتھم گتھا ہونے اور گالی گلوچ سے پارلیمنٹ جیسے باوقار ادارے کا مچھلی منڈی کا منظر پیش کرنا' ایک دوسرے پر الزام تراشیاں کرنا' حزب اختلاف کا بہر کیف اور بہر صورت حزب اقتدار سے مخالفت کرنا' حکومت کو گرانے کے لئے اپوزیشن کا ہمیشہ سازشیں کرتے رہنا اور ہر ممکن حربہ استعمال کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کچھ عدم برداشت کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟ سیاسی اعتبار سے اگر ایک دوسرے کو برداشت کر لینے اور حصول اقتدار کے لئے اپنی باری کا انتظار کرنے کا جذبہ ہوتا تو یقیناً اندرون ملک اور بیرن ملک استحکام کی صورت حال آج سے کہیں بہتر ہوتی۔

علاوہ ازیں مذہب مسلک اور دین کے حوالے سے وطن عزیز میں عدم برداشت کے بڑھتے ہوئے رجحان نے جو افسوسناک الم ناک بھیانک اور تباہ کن صورت حال اختیار کر رکھی ہے اس کو دیکھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہمارا دین اسلام سے۔ العیاذ باللہ۔ کوئی تعلق ہی نہیں کیونکہ اسلام تو بڑے سے بڑے مخالف اور غیر مسلم کو بھی نہ صرف برداشت کرنے بلکہ اس کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔ ہر فرقہ کی ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی الگ الگ مسجد' جن جزوی و فروعی مسائل اور معاملات کی شریعت میں کوئی بنیادی حیثیت نہیں ان کے بنیاد پر مستقل مذہبی گروہوں کا وجود' اپنے اپنے مسلک کے حوالے سے مختلف سپاہوں' تحریکوں' تنظیموں اور جمعیتوں کی تشکیل' بندوق کلاشنکوف کے زور اپنے نظریات کو دوسروں پر مسلط کرنے کی مذموم کوششیں' مختلف نظریہ کے

حامل حضرات کی عبادت گاہوں کے اندر نماز اور عبادت، تسبیح میں مصروف لوگوں پر حملے اور بم دھماکے' دوسرے مسلک کے امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنا جبکہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہے کہ:

الصلواة واجبة علیکم خلف کل مسلم برا کان او فاجراً (۵)

ہر نیک اور گناہ گار مسلمان کے پیچھے (باجماعت) نماز پڑھنا تمہارے اوپر واجب ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہوا:

صلوا خلف کل من قال لا الہ الا اللہ وفی روایة خلف دل بر و فاجر (۶)

ہر کلمہ گو اور نیک و فاجر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھ لو۔

اسی طرح ایک مسلک کے لوگوں کا دوسرے مسلک کے حامل لوگوں کو اپنی مسجد جو اصلاً سارے مسلمانوں کی مشترکہ عبادت گاہ ہوتی ہے' میں داخل نہ ہونے دینا جبکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین تک کو مسجد کے اندر ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ مشہور حنفی فقیہہ اور مفسر علامہ جصاص رازی آیت انما المشرکون نجس الخ (سورة التوبة ۲۸) کے تحت لکھا ہے:

ولم یکن اهل الذمة ممنوعین من هذه المواضع (۷)

ان مواضع (مساجد) میں اہل ذمہ کا داخلہ ممنوع نہیں ہے۔

اور اپنے اس خیال یا رائے کی تائید میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وفد قیس کو مسجد نبوی میں ٹھہرانے اور حضرت ابو سفیانؓ کے حالت کفر میں مسجد نبوی داخل ہوتے رہنے سے استدلال کیا ہے۔ (۸)

پھر سب سے بڑھ کر متشدد مذہبی لوگوں کا یہ عجیب رویہ کہ جسے اپنے تراشیدہ یا اپنے سمجھے ہوئے اسلام کے رستے سے ذرا ہٹا ہوا پایا اس پر جھٹ کفر کا فتویٰ جڑ دینا اور اس میں اتنی شدت یا غلو اختیار کرنا کہ جسے کافر قرار دیا گیا ہے اسے اگر کوئی کافر نہ مانے تو وہ بھی کافر۔ یہ سب کچھ عدم برداشت ہی کا کرشمہ اور شاخسانہ ہے ورنہ جو اسلام کافروں مشرکوں اور منافقوں تک کے ساتھ ملاطفت' نرمی' حسن سلوک اور شفقت کا برتاؤ کرتا ہے کیونکر ممکن ہے کہ ان لوگوں کے حق میں مجسم قہر و جلال اور شمشیر براں بن جائے جو اپنے اسلام اور اسلامیت کے معترف اور مقر ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کا واضح حکم ہے:

لا تقولوا لمن القی الیکم السلام لست مئومنا (سورة النساء: ۹۴)

جو کوئی تمہیں (مسلمانوں کا سا) سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مؤمن نہیں ہے۔

آیت ہذا سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کا یہ اصول ہے کہ فیصلہ ظاہر پر ہو گا باطن پر نہیں۔ کسی مسلمان کو جذبات اور اشتعال میں آکر کافر قرار دے دینا نازک معاملہ ہے۔ چنانچہ ہمارے فقہاء کرام نے اس

معاملے میں حد درجہ احتیاط برتتے ہوئے یہاں تک لکھا ہے کہ "اگر کسی مسئلہ یا آدمی میں ننانوے (۹۹) وجوہ کفر کے پائے جائیں اور ایک احتمال اسلام کا مؤید ہو تو مفتی اور قاضی کے لئے اول بلکہ لازم ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اس پر کفر کا فتویٰ نہ لگائے۔"(۹)

عدم برداشت کا بین الاقوامی رجحان : جہاں تک عدم برداشت کے بین الاقوامی رجحان کا تعلق ہے تو موجودہ صورت حال دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ بڑے ممالک اور بڑی طاقتیں بطور خاص اس اخلاقی بیماری میں مبتلا ہیں جو اپنے اردگرد چھوٹے ممالک، چھوٹی ریاستوں، اقلیتوں اور کمزور ممالک کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں۔ اصولی اور عقلی طور پر تو یہ چاہئے کہ جس کا پیٹ پہلے ہی بھرا ہوا ہے وہ کسی غریب سے کیوں لقمہ چھیننا اور اس کے حق زندگی کو سلب کرنا چاہتا؟ حالانکہ حق زندگی اور شخصی آزادی کا حق تو ہر انسان کو قدرت کی طرف سے دیا گیا ہے جسے انگلستان کے میگنا کارٹ اور اقوام متحدہ کے عالمی منشور حقوق انسانی کے اندر بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ عجیب منطق ہے کہ ایک کام بڑی طاقت کرے تو جائز اور اگر وہی کام کوئی چھوٹا ملک کرے تو ناجائز اور عالمی امن کو خطرہ لاحق ہو جائے جیسا کہ گزشتہ برس پاکستان کے ایٹمی دھماکہ کرنے کے وقت ہوا۔ بڑی اور ایٹمی طاقتوں نے پاکستان کو اس جرم سے باز رکھنے کے لئے جتنا دباؤ ڈالا وہ تاریخ کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ ظاہر ہے یہ طاقت کے نشہ اور عدم برداشت کا نتیجہ ہے۔ اگر ہر بڑی طاقت اپنی حدود کے اندر رہتے ہوئے چھوٹے ممالک اور ریاستوں میں بے جا مداخلت کرنے کی بجائے انہیں عام انسانی حقوق کے تحت جینے اور آزادی کا حق دے دے تو دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔ اس وقت کشمیر کا مسئلہ ہو، افغانستان کا مسئلہ ہو، فلسطین کا مسئلہ ہو۔ عراق کا مسئلہ ہو، کسوو کا مسئلہ ہو جن میں ہزاروں لوگ لقمہ اجل بن چکے ہیں اور وہاں کا امن تباہ ہو چکا ہے۔ یہ سب مسائل عدم برداشت کے ہی پیدا کردہ ہیں۔ اگر دنیا میں "جیو اور جینے دو" کے اصول پر عمل کیا جائے تو کوئی مسئلہ ہی نہ رہے۔

برداشت کی تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

برداشت یا تحمل و بردباری کے معاملے میں جہاں تک تعلیماتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا تعلق ہے تو اہل علم سے مخفی نہیں کہ اس باطنی صفت حسنہ اور اخلاقی کمال کے اتنے فضائل و برکات ہیں اور اس کو اختیار کرنے کی اتنی تاکید آئی ہے کہ قرآن و سنت اس سے بھرے پڑے ہیں۔ پھر اس سلسلے میں جب ہم نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تعلیمات کا جائزہ لیتے اور اسوہ حسنہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ ہمیں حلم و برداشت کا ایسا سراپا اور مجسمہ نظر آتے ہیں جس کی نظیر پوری تاریخ انسانیت میں دکھائی نہیں دیتی۔ (صلوٰۃ اللہ وسلمہ علیہ سلاما کثیرا دائما ابدا)

ہم یہاں بڑے اختصار کے ساتھ برداشت کے سلسلے میں پہلے چند تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر اس ضمن میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تعلیمات یا اسوہ حسنہ سے چند آبدار موتی پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں

گے۔ تفصیلات میں جانا ممکن نہیں کیونکہ یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ ؎

نہ حسنش غائیتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی

سیرت طیبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر ہزاروں دفتر لکھے جانے کے باوجود یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ ؎

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ماہم چناں در اول وصف تو ماندہ ایم

کسی بڑے سے بڑے آدمی کی طاقت نہیں کہ وہ سرور دو جہاں فخر موجودات سواد دیدہ امکاں حاصل مزرع ہستی رحمتہ للعالمین شفیع المذنبین امام المسلین خاتم النبین سیدنا و مولانا حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ علیہ التحیت و الثناء کے کمالات عالیہ اور صفات حسنہ کو کماحقہ بیان کر سکے۔ یہ مقام عجز ہے۔ اس مقام میں زبانیں گنگ، قلم ساکت، فکر مختل اور عقلیں حیران ہیں۔

بہر کیف اخلاق کی سب سے بھاری اور دشوار ترین تعلیم جو اکثر نفوس پر نہایت شاق گزرتی ہے وہ عفو و درگزر، ضبط نفس، تحمل اور برداشت کی ہے۔ لیکن اسلام نے اس سنگلاخ زمین کو بھی نہایت آسانی سے طے کیا ہے، سب کو معلوم ہے کہ اسلام میں شرک اور بت پرستی سے کتنی شدید نفرت ظاہر کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور عظمت و جلالت کا کتنا اعلیٰ اور ناقابل تبدیل تصور اس نے پیش کیا ہے، جو خاص اسلام کا امتیازی حصہ ہے تاہم مسلمانوں کو یہ تاکید کی جاتی ہے کہ جوش عقیدت یا غلو میں آکر کوئی شخص مذاہب باطلہ کے معبودوں کے لیے کوئی نازیبا اور نا ملائم لفظ استعمال نہ کرے۔ چنانچہ حکم الٰہی ہے:

اور جن کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہو کہ وہ اللہ کو بے ادبی سے نادانستہ برا کہہ بیٹھیں۔ (سورہ الانعام: ۱۰۸)

لوگوں کے ساتھ تسامح اور تحمل و برداشت کی یہ کتنی انتہائی تعلیم ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوا کہ کفار اور مشرکین کے ظلم و ستم اور گالی گلوچ پر صبر کرو، اور ان کو معاف کرو اور اسی کی پیروی کا حکم عام مسلمانوں کو بھی ہو رہا ہے:

"معاف کرنے کی خو پکڑو اور نیک کام کو کہہ اور جاہلوں سے کنارہ کر، اور اگر تجھ کو شیطان کی کوئی چھیڑ ابھارے یعنی غصہ آجائے، تو اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑ وہ سنتا جانتا ہے" (سورۃ الاعراف: ۱۹۹۔۲۰۰)

ایک روایت میں آیا ہے کہ یہ آیت کریمہ اتری تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل امین سے اس کی تاویل (تفسیر) پوچھی تو انہوں نے عرض کیا اللہ کریم کے پاس جا کر پوچھتا ہوں چنانچہ واپس آکر حضرت

جبریل امین نے بتایا کہ اس آیت میں اللہ کریم حکم فرماتے ہیں کہ آپ اس کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرتے رہیں یا تعلقات کو جوڑتے ہیں جو توڑنے کی کوشش کرے اور اس کو بھی عطا کریں جو آپ کو محروم کردے اور جو آدمی آپ سے زیادتی کرے اس سے بھی درگزر فرماتے رہیں (۱۰)

یہ وہ اخلاق فاضلہ ہیں جن کے حدیث میں بڑے فضائل بیان فرمائے گئے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں (۱۱)

اہل اسلام کو ترغیب و تشویق دلانے کے لئے اللہ کریم نے اہل جنت متقی لوگوں کے اوصاف حسنہ بتاتے ہوئے ایک کمال وصف اور اخلاقی خوبی یہ بھی بیان فرمائی کہ :

"وہ غصے کے ضبط کرنے (پی جانے) والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں" (سورۃ آل عمران : ۱۳۴)

اس آیت کریمہ کی تفسیر اور معنوی تفصیلات میں جانے کی گنجائش نہیں تاہم مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا مختصر سا تفسیری نوٹ ضروری وضاحت کے لئے کافی ہے۔ مولانا موصوف لکھتے ہیں :

"کظم کہتے ہیں غصہ کے ضبط کر جانے کو۔ تو یہ لوگ وہ ہوئے جو غصہ سے مغلوب نہیں ہو جاتے بلکہ اس سے مقابلہ کر کے اسے زیر کر لیتے ہیں اور اپنے اوپر قابو رکھتے ہیں۔ بعض اہل تحقیق نے یہ خوب لکھا ہے کہ یہاں "فاقدین الغیظ" ارشاد نہیں ہوا ہے یعنی مدح اس چیز کی نہیں آئی ہے کہ غصہ سرے سے آتا ہی نہ ہو بلکہ اس کی آئی ہے کہ اسے قابو میں رکھا جائے اور عقل جذبات کے اوپر حاکم رہے۔ غصہ پیدا ہوتا ہے حرارت طبعی یا حمیت سے' اسے سرے سے فنا کر دینا ہرگز اسلام کو مقصود نہیں۔ مقصود صرف حدود کے اندر رکھنا ہے۔ غصہ مطلق صورت میں ہرگز ممنوع نہیں۔ نہ شرعاً معصیت نہ عقلاً مضر۔ بلکہ اگر حدود کے اندر رہے اور محل مناسب پر پیدا ہو تو عیب نہیں ہنر ہے۔ غصہ کے ضبط کر جانے کی فضیلتیں حدیث نبوی میں بکثرت وارد ہوئی ہیں مثال کے لیے حدیث ملاحظہ ہو :

"من كظم غضباً و هو يقدر علا انفاذه ملاء الله قلبه امناً و ايماناً"

"قدرت نفاذ کے باوجود جو شخص اپنے غصہ کو روک لے تو اللہ تعالیٰ اس کا قلب امن اور ایمان سے لبریز کر دے گا"

العافين عن الناس یعنی لوگوں کے قصوروں اور خطاؤں کو بھی معاف کر دیتے ہیں۔ یہی نہیں کہ باوجود قدرت واستطاعت و خطاوار سے انتقام نہیں لیتے بلکہ اسے معاف بھی کر دیتے ہیں۔ یہ درجہ کاظمین الغیظ سے بلند تر ہے (۱۲) لگے ہاتھوں غصہ کے ضبط کرنے کی عظیم فضیلت پر ایک پر ایک اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی

ملاحظہ فرماتے چلئے :

آدمی کوئی ایسا گھونٹ نہیں پیتا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں محض رضائے الٰہی کے لئے پئے گئے غصے کے گھونٹ سے زیادہ افضل ہو۔ (۱۳)

انسان اگر تھوڑا سا غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ غصہ اور غیظ و غضب کی بے اعتدالی اور بے صبری صرف عام اخلاقی برائی ہی نہیں بلکہ کئی برائیوں اور خرابیوں کی جڑ ہے۔ بہت سے ظالمانہ اور بیدردانہ کام انسان صرف غیظ و غضب اور غصہ میں کر بیٹھتا ہے اور بعد میں نادم و پشیمان ہوتا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہئے کہ اپنے غصہ پر قابو رکھے اور بلا جواز غیظ و غضب کا اظہار نہ کرے اللہ کریم نے ان مومنوں کی تعریف فرمائی ہے جو غصہ کے وقت لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں چنانچہ ارشاد ربانی ہے :

اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔ (سورۃ الشوریٰ : ۳۷)

اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ایک آدمی نے (جسے شائد زیادہ غصہ آتا تھا) کسی وصیت کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا غصہ نہ کیا کرو۔ اس نے دوبارہ سہ بارہ وصیت کے لئے عرض کیا آپ ﷺ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ غصہ نہ کر (۱۴)

بلاوجہ اور بلا جواز غصہ کرنے کے ایمانی وروحانی نقصان سے آگاہ کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

بے شک بلاوجہ غیظ و غضب انسان کے ایمان کو اسی طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو خراب (کڑوا) کر دیتا ہے۔ (۱۵)

سکون کی حالت میں معاف کر دینا آسان ہے۔ انسان کی بردباری حوصلہ قوت برداشت اور عفو و درگزر کا امتحان اس وقت ہوتا ہے جب غصے سے اس کا خون کھول رہا ہو۔ عربی زبان کی ایک ضرب المثل ہے :

لا يعرف الشجاع الا عندالحرب ولا يعرف الحليم الا عند الغضب

بہادر کی پہچان جنگ کے وقت اور بردبار آدمی کی پہچان غصہ کے وقت ہی ہوتی ہے۔ اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

ليس الشديد بالصرعة انما الشديد الذی يملك نفسه عندالغضب (۱۶)

(بہادر آدمی وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے)

تحمل، بردباری، برداشت اور حوصلہ کی تحسین فرماتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عبد

القیس کے اشج سے فرمایا:

تمہارے اندر دو ایسی خصلتیں ہیں جن کو اللہ کریم بھی پسند فرماتے ہیں۔ ایک حلم (متانت) اور دوسری وقار۔ (۱۷)

اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کا وفد جب مدینہ منورہ پہنچا تو اشج (منذر بن عائذ) کے سوا وفد میں شامل سارے لوگ فرط عقیدت میں اپنی سواریوں کو یوں ہی چھوڑ کر انہی کپڑوں میں دوڑ کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہو گئے جبکہ اشج نے بڑے اطمینان و سکون سے پہلے اپنے سامان کو رکھا' سواری کے جانور کو باندھا' خوبصورت کپڑے پہنے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متانت بھرے اس طرز عمل کی تحسین فرمائی۔

اسوہ حسنہ اور عملی تعلیم

تحمل و بردباری اور برداشت کی صفت حسنہ اور کمال اخلاقی جوہر سے جہاں تک خود نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کے متصف اور مزین ہونے کا تعلق ہے تو تاریخ شاہد ہے کہ جس طرح باقی ظاہری و باطنی کمالات میں آپ کا کوئی ثانی نہیں۔

آفا قہا گر دیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

اسی طرح اس وصف میں بھی آپ کا ثانی روئے زمین پر آج تک نہ پیدا ہوا ہے اور نہ قیامت تک پیدا ہو گا۔ کیونکہ رب ذوالجلال نے وہ قلم ہی توڑ دیا ہے جس کے ذریعے اس نے محمد بن عبداللہ فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر کشی فرمائی تھی۔

اک شخص سراپا رحمت ہے اک ذات ہے یکسر نور خدا
ہم ارض و سما کو دیکھ چکے لیکن کوئی اس جیسا نہ ملا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی تحمل و بردباری اور ملاطفت کے بارے میں ہم سب سے پہلے رب ذوالجلال والاکرام کی شہادت قلمبند کرتے ہیں جس سے بڑھ کر کوئی سچی شہادت نہیں ہو سکتی (ومن اصدق من اللہ حدیثا) چنانچہ اللہ کریم فرماتے ہیں:

"پس اللہ کی رحمت (مہربانی) سے آپ ﷺ ان (لوگوں) کے لئے نرم ہو گئے اور اگر آپ ترش رو' سخت دل ہوتے تو سب لوگ آپ ﷺ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ قرآن مجید میں آپ ﷺ کو اسی بناء پر "عزیز علیہ

ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم" (سورۃ التوبہ :۱۲۸) اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم (سورۃ الاحزاب :۶)اور سب سے بڑھ کر "رحمت للعالمین (سورۃ الانبیاء :۱۰۷) قرار دیا گیا ہے۔اسی لیے لوگوں سے آپ کے بے نظیر سلوک کاایک مابہ الاشتراک کلیہ استنباط کیا جاسکتا ہے اور وہ ہے آپ ﷺ کی بنی نوع انسان کے لئے پدرانہ و پیغمبرانہ محبت و شفقت' نرمی اور عفو و درگزر۔یہ مابہ الاشتراک جذبہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا خلاصہ ہے۔ابو نعیم نے حضرت قتادہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :

اللہ کریم نے اپنے رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کی ترش روئی اور سختی سے پاک فرماتے ہوئے آپ ﷺ کو سب مومنوں کے قریب اور ان کے لئے رؤف ورحیم بنادیا تھا۔(۱۸)

پھر جلوت میں تو ہر آدمی بڑا مہذب اور بااخلاق نظر آتا ہے اس کے بااخلاق ہونے کا اصل پتہ اس کی خلوت میں چاردیواری کے اندر'اس کی نجی زندگی اور گھر کے قریبی افراد سے چلتا ہے جن کے سامنے آدمی زیادہ دیر تک اپنی حقیقت اور اصلیت کو نہیں چھپا سکتا۔جبکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کی جلوت کی زندگی روز روشن کی طرح واضح ہے ٹھیک اسی طرح آپ ﷺ کی خلوت اور گھریلو نجی زندگی بھی کھلی کتاب کی مانند لوگوں کے سامنے ہے۔اب آپ ﷺ کے تحمل و بردباری پر گھر کے ایک ایسے فرد کی گواہی ملاحظہ فرمائیے جس سے زیادہ کسی کو آپ ﷺ کا قرب حاصل نہیں تھا۔راقم کی مراد ام المؤمنین سیدہ عائشہ سے ہے۔آپؓ فرماتی ہیں :

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیا کرتے تھے بلکہ برائی کرنے والے کو معاف فرما دیتے اور درگزر فرماتے تھے۔(۱۹)

انہی ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی ایک دوسری صحیح ترین گواہی بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔جسے متعدد محدثین اور سیرت نگاروں نے نقل کیا ہے۔آپؓ فرماتی ہیں :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی معاملے میں اپنی ذات پر کی گئی زیادتی کا کبھی بدلہ نہیں لیا۔بجز اس کے خدائی حرمت کو پامال کیا گیا ہو تو اس صورت میں آپ سختی سے مواخذہ فرماتے تھے۔(۲۰)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی تحمل اور برداشت کے بارے میں محدثین عظام اور سیرت نگاروں کی اجمالی گواہی یہ ہے کہ :

آپ ﷺ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ حلیم بردبار تھے۔(۲۱)

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی تحمل و بردباری اور برداشت پر قرآن مجید' سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور عام سیرت نگاروں کی اجمالی شہادت کے بعد اب ہم اس اجمال کی تفصیل کے لئے ذیل میں آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ

ور عملی نمونہ سے چند ایمان افروز واقعات کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری خیال کرتے ہیں۔

مکہ مکرمہ میں برداشت کا کمال مظاہرہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت فرمانے کے بعد قریش مکہ نے آپ ﷺ کے ساتھ جو انسانیت سوز سلوک کیا اور آپ ﷺ کے معاملے میں تمام انسانی اخلاق کی جو دھجیاں اڑائیں وہ تاریخ انسانی کا ایک تاریک ترین باب ہے۔ انہوں نے خدا واسطے اور کسی بھی حوالے سے جواز کے بغیر آپ ﷺ کے ساتھ دشمنی اور مخالفت کی حدیں پھلانگ دیں۔ آپ ﷺ کو گالیاں دیں' مارنے کی دھمکی دی' صرف دھمکی ہی نہیں مارنے کے منصوبے بنائے' راستوں میں کانٹے بچھائے' جسم اقدس پر نجاست ڈالی اور وہ بھی نماز کے دوران (۲۲) گلے میں پھندا ڈال کر کھینچا' آپ ﷺ کی شان میں گستاخیاں کیں۔ نعوذ باللہ کبھی جادوگر' کبھی پاگل کبھی شاعر کہا۔ آپ ﷺ پر پتھر برسائے۔ غرض اہل مکہ نے آپ ﷺ کو تنگ کرنے اور اشتعال دلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ ان کی ان اشتعال انگیز حرکات پر آپ ﷺ نے کبھی برہمی کا اظہار نہ فرمایا اور نہ کبھی آپے سے باہر ہوئے جبکہ غریب سے غریب آدمی کو بھی جب بر سر عام جھٹلایا جاتا اور اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے تو وہ غصے سے کانپ اٹھتا ہے اور اگر کچھ اور نہیں کر سکتا تو زبانی بھڑاس ضرور نکالتا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ بات کہنا بھی کچھ صحیح نہیں کہ مکہ مکرمہ میں آپ مجبور محض تھے اس لئے سوائے صبر و برداشت کے اور چارہ بھی کیا تھا؟ کیونکہ جو آدمی (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) اعلان نبوت سے پہلے اور بعد متعدد مواقع پر دوسروں کے حقوق کی بازیابی اور ان پر زیادتی کے ازالے کے لئے اپنی کمال جرات اور جوان مردی کا مظاہرہ کر چکا ہے (مثلاً حج کے لئے جنوبی عرب سے آنے والے ایک بدو کی خوبری بیٹی کو جب مکہ کے ایک مالدار تاجر (نبیہ بن حجاج) نے اغوا کر لیا تو آپ ﷺ نے اپنے چند نوجوان ساتھیوں کے ساتھ بزور بازو دولت کے نشے میں مست اس تاجر سے بچی کو برآمد کیا (۲۳) مکہ مکرمہ کا قوی ترین آدمی ابو جہل جب ایک پردیسی تاجر کا مال خرید کر قیمت ادا کرنے میں لیت و لعل کر رہا تھا تو اس سے پردیسی تاجر کو قیمت دلوائی (۲۴) اعلان نبوت کے بعد بھی ایک اراشی کو اس کے غصب شدہ مال کی ابو جہل مردود سے قیمت دلوائی (۲۵) قبیلہ زبید کے ایک اجنبی آدمی کو ابو جہل کے ظلم سے بچالیا (۲۶) ایک یتیم بچے کو اس کا غصب کردہ مال ابو جہل سے واپس دلوایا (۲۷) اسی طرح ایک نصرانی کا لوٹا ہوا مال ابو جہل سے برآمد کرایا (۲۸) وغیرہ وغیرہ۔

اور پھر وہ آدمی پیغمبرانہ رعب و جلال کا بھی مالک ہو اور اس کے ایک اشارے پر بنو ہاشم اور کئی دوسرے جوان اپنے لہو کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے تیار رہتے ہوں' اس کے متعلق یہ تصور کر لینا کہ وہ مکہ مکرمہ میں مجبور محض تھا قرین قیاس نہیں۔ یہ مجبوری و مقہوری نہیں تھی بلکہ تعلیم امت کے لئے صبر اور تحمل و برداشت کا کمال

مظاہرہ تھا۔

علی سبیل التنزل مان بھی لیا جائے کہ مکہ مکرمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریش مکہ کا مقابلہ کرنے کے پوزیشن میں نہیں تھے تو گھر میں یا خانہ کعبہ میں استہزاء کرنے والوں اور اذیت پہنچانے والے قریش مکہ اور اہل طائف کے لئے بد دعا کرنے میں تو کوئی چیز مانع نہیں تھی مگر تاریخ بتاتی ہے کہ آپ ﷺ نے تو بعض لوگوں کے مطالبے کے باوجود ان کے لئے بد دعا تک نہیں فرمائی اور نہ خدا کی طرف سے پیشکش کے باوجود اہل مکہ اور اہل طائف کی ہلاکت کو پسند فرمایا۔(۲۹)

مدینہ منورہ میں بے مثال برداشت کا مظاہرہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں آپ ﷺ صرف فرستادہ الہی نہیں بلکہ ایک عظیم اسلامی مملکت کے سربراہ بھی ہیں جس کا رقبہ دس لاکھ مربع تک پھیلا ہوا ہے۔(۳۰) اور پھر عوام اتنے محبوب و مقبول کہ لوگ آپ ﷺ کا لعاب دہن بھی ہاتھوں میں لیتے ہیں۔ آپ ﷺ کے وضو کا پانی زمین پر نہیں گرنے دیتے۔ آپ ﷺ کی آواز پر سب اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں اور آپ ﷺ کے ایک ادنیٰ اشارہ پر عقیدت مند نوکروں کی طرح دوڑتے ہوئے آتے ہیں(۳۱) لہذا یہاں تو مکہ مکرمہ والی ظاہری مجبوری و مقہوری والی بات بھی نہیں کہی جا سکتی' دوسرے اس قسم کے مضبوط اقتدار میں عام مشاہدہ ہے کہ حکمران عام طور پر کسی ادنیٰ گستاخی کو برداشت کرنے اور خلاف طبیعت بات کو سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ریاست مدینہ منورہ کے اس منفرد سربراہ مملکت اور شاہ دوسرا صلی اللہ علیہ وسلم کا رویہ لوگوں کے ساتھ اتنا نرم اتنا میٹھا اتنا محبت بھرا اتنا مشفقانہ اور اتنا متحملانہ ہے کہ عرب کے لوگ اپنی بدویانہ طبیعت اور اکھڑ مزاج کے باعث بعض لوگ جان بوجھ کر ایسی ایسی گستاخانہ حرکات کرتے تھے کہ انہیں سخت سے سخت سزا دی جاتی یا گردن بھی اڑا دی جاتی تو نہ عقلی اعتبار سے غلط ہوتا اور نہ حکمرانی کے مروجہ اصولوں کے خلاف۔ یہ لفاظی یا محض عقیدت کا اظہار نہیں بلکہ حقیقت ہے جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی جامہ پہنایا تھا۔ ہم ذیل میں آپ ﷺ کے تحمل اور کمال برداشت کے چند واقعات کی طرف اشارہ کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

برداشت نبوی کا امتحان

زید بن سعنہ ایک یہودی عالم اسلام قبول کرنے سے قبل کا اپنا ایک ذاتی واقعہ اور آپ بیتی یوں بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے تورات و انجیل کی صراحت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں آخری نبی ہونے کی تمام علامات دیکھ لیں مگر ایک علامت کا دیکھنا ابھی باقی تھا اور یہ تھی کہ :

"یسبق حلمه جهلہ ولا تزید شدۃ الجھل علیه الا حلماً"

س آخری نبی کا تحمل و برداشت اس کے غصہ پر غالب ہوگا اور اس کے ساتھ کسی قسم کی اشتعال انگیز جاہلانہ حرکت س کے حلم میں اضافہ کا ہی باعث ہوگی۔

اس علامت نبوت کو پرکھنے کے لئے انہوں نے از خود ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نو مسلم قبیلے کی حض ضروریات کے لئے اسی مثقال چاندی بطور قرض دی۔ پھر واپسی کی مقررہ تاریخ میں ابھی چند دن باقی تھے کہ ایک جنازہ کے موقعہ پر کبار صحابہؓ کی موجودگی میں بر سر عام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر اور قمیص پکڑ کر سخت گستاخانہ لہجے میں آپ ﷺ سے اپنے دین کا مطالبہ کیا پھر مزید اشتعال دلانے کے لئے بنو عبدالمطلب کو قرض کی ادائیگی میں ڈھیل کا طعنہ دیا۔ حضرت فاروق اعظمؓ جیسے عاشق زار سے اس کی یہ جرات بے باکی بد تمیزی اور گستاخانہ حرکت کہاں برداشت ہو سکتی تھی؟ فرمایا "اے دشمن خدا! حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کہتا اور ایسی حرکت کرتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن چھوڑ دے" مگر حلم و برداشت کے پیکر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہنستے ہوئے اپنے جاں نثار عمرؓ سے فرمایا "عمر! تم سے کچھ اور امید تھی۔ تمہیں مجھ سے یہ کہنا چاہئے تھا کہ میں اس کا قرض باحسن طریق ادا کروں اور اس سے کہنا چاہئے تھا کہ نرمی سے تقاضا کرے" پھر حضرت عمرؓ سے ہی فرمایا کہ اس کا قرض ادا کرو اور ساتھ جو تم نے اسے خوف زدہ کیا ہے اس کے عوض بیس صاع مزید کھجور بھی دو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تحمل اور کمال بردباری اپنا کام کر چکی تھی۔ زید بن سعنہ آپ ﷺ میں آخری علامت نبوت دیکھ چکا تھا لہذا سارے اہل خانہ سمیت اسلام لے آیا (۳۲)

ایک اعرابی کی دھونس اور مطالبہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم عام معمول کے مطابق ایک موٹی اور کھردری چادر زیب تن کئے ہوئے تھے۔ مسجد سے نکلے تو ایک بدو سامنے آیا اور چادر اقدس کو اتنے زور سے کھینچا کہ نرم و نازک گردن پر چادر کے نشان پڑ گئے۔ پھر گستاخانہ لہجے میں کہنے لگا "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے اونٹوں پر غلہ لاد دے۔ تیرے پاس جو مال ہے وہ نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا" مجسمہ تحمل و برداشت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اس بدویانہ حرکت پر کسی قسم کی ناراضگی کی بجائے تبسم فرمایا اور حکم دیا کہ اس کے ایک اونٹ پر کھجور اور دوسرے پر جو لاد دئے جائیں (۳۳)

عبداللہ بن ابی کو برداشت کرتے رہنا

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی منافقانہ اور گھٹیا حرکات سے کون واقف نہیں۔ مدینہ منورہ کے امن و امان کو تباہ کرنے کی کوشش، مسلمانوں کو لڑانے اور ان میں پھوٹ ڈالنے کی سازش، عین میدان جنگ میں دھوکہ

دہی' پھر سب سے بڑھ کر براہ راست حرم نبوی سیدہ عائشہ صدیقہؓ پر بہتان کا طوفان بدتمیزی کھڑا کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خاندان صدیقی کو ذہنی اذیت پہنچانا۔ غرض کون سا ایسا جرم تھا جو اس کی گردن اڑا دینے کا جواز پیدا نہیں کرتا تھا۔ بعض صحابہ نے اس خبیث کے وجود سے زمیں کو پاک کر دینے کی اجازت بھی چاہی مگر آپ ﷺ نے اجازت نہ دی۔ تاریخ انسانیت میں کوئی ایسا بردبار نہیں گزرا جس نے انتقام کی قدرت رکھنے کے باوجود اپنے کسی مخالف کو اتنا برداشت کیا ہو پھر اسی پر بس نہیں فرمائی بلکہ جب یہ مار آستین مرا تو اس پر جنازہ پڑھ کر اور اس کے کفن کے لئے اپنا ذاتی پیراہن عطا فرما کر برداشت کی حد کر دی۔ (۳۴)

تقسیم غنیمت پر اعتراض :

اہل علم کو معلوم ہے غزوہ حنین فتح مکہ کے بعد پیش آیا ہے جبکہ عرب کا زیادہ تر علاقہ فتح ہو چکا ہے۔ اس غزوہ میں لشکر اسلام کو کثیر مال غنیمت ہاتھ آتا ہے۔ سپہ سالار لشکر صلی اللہ علیہ وسلم خمس میں سے بعض نو مسلموں اور مؤلفتہ القلوب کو نسبتاً زیادہ عنایت فرماتے ہیں تو ذوالخویصرہ نامی ایک منہ پھٹ اور گستاخ جس کی نسل سے آگے چل کر خوارج کا گستاخ گروہ پیدا ہوا اور جو جنگ نہران میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے ہاتھوں مارا گیا' بول اٹھا :

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اس تقسیم میں عدل کیجئے یہ ایسی (نامنصفانہ) تقسیم جس میں اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا"

اس گستاخی پر اس کی گردن اڑا دینے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی چیز مانع نہ تھی مگر صبر و تحمل کے اس پیکر صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اتنا فرمایا کہ

"تجھ پر افسوس ہے! اگر میں بھی انصاف نہیں کروں گا تو دنیا میں کون انصاف کرے گا۔ پھر از راہ تواضع فرمایا! اللہ میرے بھائی حضرت موسیٰ پر رحم فرمائے انہیں اس سے بھی زیادہ اذیتیں پہنچائی گئیں (۳۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر و تحمل' اور کمال برداشت کے یہ چند واقعات "مشتے از خروارے" کے طور پر ہیں ورنہ اس پہلو سے سیرت طیبہ کا دامن بھرا پڑا ہے۔ ان واقعات کو پڑھ کر انسان ورطہء حیرت میں پڑ جاتا اور یہ تسلیم کیئے بغیر چارہ نہیں کہ طاقت اور ظاہری وباطنی اختیارات کی بلند ترین چوٹی پر فائز ہونے کے باوجود اس قسم کے صبر و تحمل کا مظہر اللہ کریم جو خود بھی حلیم ہے' کا محبوب اور فرستادہ ہی کر سکتا ہے۔ کسی دوسرے آدمی کے بس کا روگ نہیں۔ کاش ہم خالی نعرے لگانے والے اور سیرت و میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسے اور کانفرنسیں کرنے والے عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ کے تحمل اور کمال برداشت و بردباری کی اتباع کرتے ہوئے اپنے اندر کچھ وسعت و فراخی بھی پیدا کرتے۔ خدانخواستہ اگر ایسا نہیں ہوتا تو ہمیں محبت و غلامی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ زیب نہیں دیتا۔

گر نہ داری از محمد ﷺ رنگ و بو
میالہ از زبانِ خود نامِ او

شاعر مشرق علامہ اقبال کی زبان میں سارے مسائل کا حل یہ ہے کہ ؎

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دَیر
بحق دل بند وراہِ مصطفیٰ رو

حوالہ جات

۱۔ الف۔ قاضی عیاض: الشفاء بتعرفی حقوق المصطفی:۱:۱۰۳ طبع مصر
ب۔ امام راغب اصفحانی' "المفردات فی غریب القرآن: تحت مادہ حلم' ص:۱۲۹ طبع مصر
ج۔ لغت کی دوسری کتابیں مثلاً لسان العرب' القاموس۔ محیط اور منجد و غیرہ تحت مادہ حلم

۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو
الف۔ مشکوۃ المصابیح باب الرفق والحیاء و حسن الخلق و باب الغضب والکبر
ب۔ امام غزالی: احیاء علوم الدین: ۳:۲۱۸ تا ۲۲۲' طبع قاہرہ ۱۳۸۷ھ ۱۹۶۷
ج۔ ابن ابی الدنیا: مکارم الاخلاق مع مکارم الاخلاق للطبرانی' ص:۲۶ تا ۳۲ نیز ص: ۳۲۰ تا ۳۲۲ طبع بیروت لبنان ۱۴۰۹ھ ۱۹۸۹ء

۳۔ الف۔ صحیح مسلم (باب فضل الرفق) ج:۲' ص:۳۲۲ طبع کراچی
ب۔ مشکواۃ المصابیح باب الرفق و الحیاء و حسن الخلق
ج۔ ریاض الصالحین (باب الحلم والاناۃ والرفق) ص:۲۸۴ تا ۲۷۶ طبع مکتبہ رحمانیۃ اردو بازار لاہور

٤۔ مشکوۃ المصابیح باب الرفق والحیاء و حسن الخلق

۵۔ مشکواۃ لمصابیح (باب الامامۃ) ص: ۲۰۰ طبع کراچی

٦۔ الکاسانی: بدائع الصنائع (مترجم) ج:۱ ص:۵۱۳' طبع مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

٧۔ ابوبکر جصاص رازی: احکام القرآن :۳:۱۰۹ طبع مصر

٨۔ ایضاء

٩۔ الف۔ علامہ ابن نجیم حنفی: البحر الرائق:۵:۱۲٤ طبع دارالکتب العربیہ' بیروت

ب۔ ملا علی قاری حنفی: شرح فقہ اکبر' ص:۱۹۹ طبع مجتبائی دہلی

ج۔ امام عبدالوہاب شعرانا: الطبقات الکبریٰ' ص : ۱۳ (مقدمہ) طبع مصر

١٠۔ الف۔ ابن ابی الدنیا (م ۲۸۱ھ) مکارم الاخلاقص : ۳۲ طبع بیروت لبنان ۱۳۰۹ھ ۱۹۸۹ء

١١۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو

الف۔ ابن ابی الدنیا: مکارم الاخلاق' ص ۲٦ تا ۲۸ طبع بیروت

ب۔ مستدرک حاکم:۲:۵۱۸ طبع حیدر آباد دکن' ۱۳٤۲

ج۔ امام غزالی: احیاء علوم الدین :۳:۲۱۸۔۲۲۲ طبع قاہرہ ۱۳۸۷ھ ۱۹٦۷

١٢۔ تفسیر ماجدی' ج:۱ ص:۱۵۵ (تحت آیت) مطبوعہ تاج کمپنی لاہور۔۱۹۵۲ء

١٣۔ مشکواۃ المصابیح (باب الغضب والکبر) ص:٤۳٤ طبع کراچی

١٤۔ الف۔ صحیح بخاری (کتاب الادب باب الحذرمن الغضب) ج:۲' ص:۹۰۳ طبع کراچی

ب۔ جامع ترمذی (ابواب البر والصلۃ باب ما جاء فی کثرۃ الغضب) ص:۲۹٦ طبع کراچی

ج۔ مشکواۃ المصابیح (باب الغضب والکبر) ص :٤۳٤ طبع کراچی

١٥۔ مشکواۃ المصابیح (باب الغضب والکبر) ص :٤۳۳ طبع کراچی

١٦۔ الف۔ صحیح بخاری (کتاب الادب باب الحذر من الغضب) ج:۲' ص ۲۹٦ طبع کراچی

ب۔ صحیح مسلم (کتاب البروالصلۃ والادب باب فضل من یملک نفسہ

عندالغضب) ج:۲ ص ۳۲۶ طبع کراچی

ج۔ سنن ابی دائود (کتاب الادب باب من کظم غیظا) ج:۲ ص :۶۵۹ طبع کراچی

۱۷۔ الف۔ مشکواۃ المصابیح (باب الحذر و التانی فی الامور) ص:۴۲۹ طبع کراچی

ب۔ مکارم الاخلاق للطبرانی (مع مکارم الاخلاق لابن ابی الدنیا) ص:۳۲۲ طبع بیروت لبنان

ج۔ ریاض الصالحین (باب الحلم والاناۃ والرفق) ص:۲۷۴ طبع مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور۔

۱۸۔ امام محمد بن یوسف صالحی شامی: سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد:۷:۱۷ طبع بیروت لبنان ۱۴۱۴ھ ۱۹۹۳ء

۱۹۔ الف۔ شمائل ترمذی ٠مع جامع ترمذی) ص:۵۹۶ طبع

ب۔ ابن سعد: الطبقات الکبری: ۱:۳۶۵ طبع بیروت

ج۔ علی بن برہان حلبی: سیرت حلبیہ:۳:۴۴۸ طبع مصر ۱۳۸۴ھ ۱۹۶۴ء

د۔ ابوبکر احمد بن الحسن بیہقی۔ دلائل النبوۃ:۱:۳۱۵ طبع بیروت لبنان

ھ۔ شمس الدین ذہبی: تاریخ الاسلام و دفیات المشاہیروالاعلام (السیرۃ النبویۃ) ص :۴۵۵ طبع بیروت ۱۴۰۹ھ ۱۹۸۹ء

و۔ قسطلانی: المواہب اللدنیہ:۲:۳۳۵طبع المکتب الاسلامی بیروت۔ دمشق۔ عمان

ز۔ مشکواۃ المصابیح (باب فی اخلاقہ و شمائلہ ﷺ) ص :۵۱۹ طبع سعید کمپنی کراچی۔

۲۰۔ الف۔ صحیح بخاری کتاب الادب باب قول النبی ﷺ یسرواولا تعسروا و کان یحب التخفیف والیسر علی الناس

ب۔ صحیح بخاری کتاب المناقب باب صفۃ النبی ﷺ

ج۔ صحیح بخاری کتاب الحدود باب اقامۃ الحدود والانتقام لحرمات اللہ

د۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل باب مباعدتہ للآثام واختیارہ من المباح

اسہلہ

ہ۔ موطا امام مالک کتاب حسن الخلق باب ماجاء فی حسن الخلق

ز۔ ابن سعد: الطبقات الکبری: ۱:۳۶۷ طبع بیروت

ح۔ قاضی عیاض: الشفاء بتعریف حقوق المصطفی: ۱:۱۰۵ طبع مصر

ط۔ بیہقی: دائل النبوة: ۱:۳۱۰ طبع بیروت لبنان

ی۔ شمس الدین ذہبی: تاریخ الاسلام و دفیات المشاہیر والاعلام (السیرة النبویة) ص:۴۵۳ طبع بیروت ۱۴۰۹ھ ۱۹۸۹ء

ک۔ مسند امام احمد: ۶:۳۲-۱۱۴-۱۱۶-۱۳۰-۱۸۲-۲۲۳-۲۲۹-۲۳۲-۲۶۲ طبع مصر قدیم

ل۔ مشکواة المصابیح (باب فی اخلاقه و شمائلهﷺ) ص:۵۱۰ کراچی

م۔ ریاض الصالحین (باب الحلم والاناة والرفق) ص:۲۷۶ طبع مکتبه رحمانیه اردو بازار لاہور۔

۲۱۔ الف۔ ابن حزم الاندلسی: جوامع السیرة ص:۳۲ طبع دارالفکر العربی ' قاہرہ

ب۔ امام غزالی: احیاء علوم الدین: ۲:۳۷۹ طبع قاہرہ ۱۳۸۷ھ ۱۹۶۷ء

ج۔ ابن سید الناس: عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر: ۲:۳۲۹' طبع بیروت ۱۹۷۴ء

د۔ ابن سعد: الطبقات الکبری: ۱:۳۷۸ طبع بیروت ۱۳۸۰ھ ۱۹۶۰ء

۲۲۔ الف۔ صحیح بخاری: ج:۱' ص:۳۷ (کتاب الوضوء) اور ص:۷۴ (کتاب الصلواة)

۲۳۔ کونستانس جیور جیو: نظرة جدیدة فی سیرة الرسول بحواه ضیاء النبی از پیر محمد کرم شاہؒ: ۲:۱۲۴ طبع لاہور

۲۴۔ ایضاً ص:۱۲۵

۲۵۔ الف۔ ابن ہشام: سیرة النبیﷺ: ۱:۴۱۶-۴۱۷ طبع مصر

ب۔ علی بن برہان الدین حلبی: سیرت حلبیه: ۱:۵۰۶-۵۰۷ طبع مصر

ج۔ امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی: سبل الهدی والرشاد فی سیرة خیر العباد: ۲:۵۵۱-۵۵۲ طبع قاہرہ

۲۶۔ سیرت حلبیہ:۱:۵۰۶ طبع مصر

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ مکتوبات شیخ شرف الدین یحی منیری بحواہ سید صباح ادین عبدالرحمن : بزم صوفیہ' ص:۴۱۲-۴۱۳ طبع کراچی

۲۹۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے

الف۔ امام محمد بن یوسف صالحی شامی: سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد:۷:۱۱ طبع بیروت۱۴۱۴ھ ۱۹۹۳ء

ب۔ قاضی عیاض: الشفاء بتعریف حقوق المصطفی:۱:۱۰۵ طبع مصر

ج۔ امام سیوطی: الخصائص الکبری:۳:۱۳۸ طبع مصر

د۔ ابن کثیر: تفسیر القرآن العظیم تحت آیت و ما ارسلنک الا رمۃ للعالمین پارہ:۱۷

ہ۔ امام رازی: تفسیر کبیر:۲۲:۲۳۱ طبع مصر

و۔ صحیح مسلم مع نووی (کتاب الجہاد باب غزوۃ احد) ج:۲ص:۱۰۸ طبع کراچی

۳۰۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ: عہد نبوی میں نظام حکمرانی: ص:۲۴۴ طبع کراچی ۱۹۸۱ء

۳۱۔ صحیح بخاری' (کتاب الشروط) ج:۱ص:۳۷۹طبع کراچی

۳۲۔ الف۔ قاضی عیاض: الشفاء بتعریف حقوق المصطفی:۱:۱۰۹ طبع مصر

ب۔ بیہقی: دلائل النبوۃ و معرفۃ احوال صاحب الشریعہ:۶:۲۷۸-۱۸۱ طبع بیروت۔ لبنان

ج۔ امام محمد بن یوسف صالحی شامی' سبل الہدی والرشاد ف سیرۃ خیر العباد:۷:۱۹-۲۰ طبع بیروت' لبنان

د۔ ابو نعیم اصفہانی' دلائل النبوۃ::۱:۲۳ طبع حیدر آبا ددکن ۱۳۲۰ھ

ہ۔ قسطلانی: المواہب اللدنیہ:۲:۲۳۳-۲۳۴طبع المکتبہ الاسلامی بیروت۔ دمشق عمان

و- ابو الشیخ اصبہانی: اخلاق النبیﷺ و آدابہ' ص:۸۳-۸۵ طبع قاہرہ ۱۳۷۸ھ ۱۹۵۹ء

ز- ابن جوزی: الوفا باحوال المصطفی' ص:۴۲۹-۴۳۱ طبع بیروت لبنان ۱۴۰۸ھ ۱۹۸۸ء

۲۳- الف- صحیح بخاری (کتاب الادب باب التبسم والضحک' کتاب اللباس باب البرود- کتاب فرض الخمس باب ماکان النبی یعطی المولفة قلوبهم)

ب- صحیح مسلم کتاب الزکوة باب اعطاء من سال بفحش و غلظ)

ج- سنن ابی دائود کتاب الادب باب الحلم و اخلاق النبیﷺ

د- سنن نسائی کتاب القسامتہباب القود من الجبذة

ہ- قاضی عیاض: الشفاء بتعریف حقق المصطفی:۱:۱۰۸ طبع مصر

و- شمس الدین ذہبی' تاریخ الاسلام (السیرة النبویه)ص:۴۵۶ طبع بیروت' لبنان

ز- مشکواۃ المصابیح (باب فی اخلاقه و شمائلهﷺ ص:۵۱۸ طبع کراچی

ح- بیہقی: دلائل النبوة:۱:۳۱۸ طبع بیروت

ط- محمد بن یوسف صالحی شامی سبل الهدی والرشاد:۷:۱۸: طبع بیروت- لبنان۱۴۱۴ھ ۱۹۹۳ء

ی- قسطلانی: المواہب اللدنیه:۲:۳۳۴ طبع بیروت

ک- ابوا لشیخ ابن حیان اصبہانی: اخلاق النبیﷺ و آدابه ص:۸۲ طبع قاہرہ

ل- ابن جوزی: الوفا باحوال المصطفی ص:۴۲۶ طبع بیروت- لبنان

۲۴- مزید تفصیل کے لیے دیکھئے

الف- سورة التوبة کی آیت نمبر ۸۳ اور ۸۴ کے تحت تفسیر کبیر' تفسیر ابن کثیر' تفسیر روح المعانی وغیرہ-

ب- صحیح بخاری (کتاب الجنائز) ج۱:ص:۱۶۹-۱۸۰-۱۸۲ طبع کراچی نیز کتاب المرض- باب ۱۵-کتاب الادب ۱۱۵-کتاب الاستیذان باب ۲

ج- ابن کثیر: البدایه و النہایة:۵:۳۴-۳۵ طبع مصر

د۔ قاضی عیاض: الشفاء بتعریف حقوق المصطفی: ۱۰۸:۱ طبع مصر

ھ۔ ابن جوزی: الوفا باحوال المصطفی ص: ٤٢٢ طبع بیروت۔ لبنان

۳۵۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو

الف۔ صحیح بخاری کتاب فرض الخمس باب ما کان النبی ﷺ یعطی المولفة قلوبھم و غیر ھم من الخمس نیز کتاب اللباس میں باب ۷۔۱۸اور کتاب الادب باب ٦٨

ب۔ صحیح مسلم کتاب الزکواة باب اعطاء المولفة قلوبھم۔ نیز باب ذکر الخوارج

ج۔ سنن ابی دائود کتاب الادب باب نمبر۱

د۔ سنن نسائی کتاب القسامة باب ٦٤

ھ۔ قاضی عیاض: الشفاء بتعریف حقوق المصطفی:۱۰٦:۱ طبع مصر

و۔ بیھقی: دلائل النبوة: ۱۸٤:۵تا ۱۸٦ طبع بیروت

ز۔ ملا علی قلاری: شرح الشفاء :۲۳۹:۱ مطبعہ عثمانیہ ۱۳۱٦ھ

ح۔ امام غزالی' احیاء علوم الدین:۳۷۹:۲ طبع قاہرہ: ۱۳۸۷ھ ۱۹٦۷ء

ط۔ امام شامی' سبل لہدی والرشاد فی سیرة خی رالعباد: ۱۹:۷ بیروت

ی۔ ابن جوزی: اولفا باحوال المصطفی ص :٤٢٥ طبع بیروت۔ لبنان

عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

خلیل احمد علیم، فیصل آباد

اقوام وملک کی تقدیر سنوارنے یا بگاڑنے میں بہت سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں ان میں سے بعض بڑے بنیادی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں انہی کی بدولت عروج وزوال کی داستان رقم ہوتی ہے تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ تحمل وبردباری اور اخوت وبھائی چارے کے عوامل نے اقوام وملل کو سربلند کرنے اور مختلف زاویہ ہائے حیات میں ان کے استحکام کے لیے اساسی کردار ادا کیا ہے جبکہ عدم برداشت اور اختلافات وانتشار قوموں کے جسد ملی کے لیے سم قاتل ثابت ہوتی ہیں اور اسی کی وجہ سے نکبت وادبار اور ذلت ورسوائی ان کا مقدر بن جاتی ہے اور جلد ہی وہ صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ کر گمنامی اور قعر مذلت کی نذر ہو کر قصہ پارینہ بن جاتی ہیں اور پھر ان کی داستان بھی نہیں رہتی داستانوں میں۔

عدم برداشت تحمل وبردباری کی ضد ہے یہ انسانی ذہن کی اس کیفیت کا نام ہے جس کی موجودگی انسان کو تحمل وبردباری سے کوسوں دور لے جاتی ہے اور انسان اپنے نظریاتی اور سیاسی مخالفین کے نہ تو افکار برداشت کرتا ہے اور نہ ہی وجود...... موجودہ زمانے کے مسلمانوں کی سب سے زیادہ اور عام خصوصیت عدم برداشت ہے یعنی اختلاف رائے کو برداشت نہ کرنا۔ جہاں بھی دیکھئے مسلمان آپس میں لڑتے بھڑتے نظر آتے ہیں موجودہ حالات میں چونکہ غیروں پر ان کا قابو نہیں چلتا اس لیے ان کا غصہ اثر اپنوں پر اترتا ہے وہ دوسروں کے لیے نرم اور اپنوں کے لیے سخت بن گئے ہیں۔ مسلمانوں کی اس مزاجی کیفیت اور عملی رویے کی تصویر آج ساری دنیا میں نظر آرہی ہے جن افراد کے پاس قانون کی طاقت ہے وہ قانون کے زور پر اپنے مخالفین کو ایذارسانی کے عمل سے دوچار کر رہے ہیں۔ جو قانون کی قوت سے محروم ہیں ان کے دو طبقے ہیں ایک عامۃ الناس یعنی جہلا' دوسرے خواص افراد۔ عامۃ الناس میں سے جس کسی کو اپنے کسی بھائی سے اختلاف ہو جائے تو پھر یہ بات اس کے لیے برداشت سے باہر ہو جاتی ہے اور وہ عدم

برداشت کے زیر اثر اپنے مخالف پر لاٹھی ڈنڈے یا پھر کسی بھی اسلحہ سے مسلح ہو کر حملہ آور ہو جاتا ہے جبکہ خواص افراد بھی عدم برداشت کے حوالہ سے عامۃ الناس سے پیچھے نہیں رہتے البتہ وہ اس قسم کا غیر شریفانہ انداز نہیں اپناتے۔ وہ اپنے مخالفین کے خلاف درپردہ سازشیں تیار کرتے ہیں ان کو اجاڑنے کی کوشش کرتے ہیں اس کی معاشی اور معاشرتی حیثیت تباہ کرنے کی پوری جدوجہد کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ زبان و قلم سے اس کو اتنا بدنام کریں کہ اس کا نام ذلت و رسوائی کا نشان بن کر رہ جائے۔

کسی مسلمان کے لیے یہ ناقابل معافی جرم ہے کہ وہ اپنے بھائی کو اپنی طاقت کا مزا چکھائے اس کا قلم اس کی زبان اور اس کے عزائم اپنے مخالفین کے وجود کو برداشت نہ کریں بلکہ ان کو ذلیل کرنے میں صرف ہونے لگے اس کا مال و دولت اپنے بھائی کو مٹانے اور برباد کرنے کے منصوبوں میں خرچ ہو اس کی طاقت کا یہ مصرف بن جائے کہ اس سے وہ اپنے بھائی کا سر توڑے اور اپنے بھائی کی زندگی کو ویران کر دے جو شخص اس قسم کے جرم میں مبتلا ہو بلاشبہ وہ اللہ کے ہاں لعنتی ہے اس کے بعد اس کا کوئی بھی عمل اللہ کے یہاں قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ الا یہ کہ وہ توبہ کرے اور عدم برداشت کے ان جذبات سے توبہ کر کے اپنے آپ کو تحمل اور بردباری کے اخلاق حسنہ سے متصف کرے۔

دو افراد یا دو قوموں کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے خود برا نہیں بلکہ یہ اک فطری عمل ہے البتہ جو چیز بری ہے وہ یہ کہ اختلاف کے بعد اپنے مخالفین کے وجود کو ہی برداشت نہ کیا جائے اور دلوں میں نفرت و عداوت جاگ اٹھے اور اپنے مخالفین کے بارے میں انصاف کے تقاضوں کو ہی بھول جائے اور اس کے خلاف جارحانہ اور مسلحہ کارروائی سے بھی گریز نہ کرے...... بہت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کا انسانی معاشرہ عدم برداشت کے ہاتھوں ہلاکت و تباہی کے انتہائی سرے تک جا پہنچا ہے۔ عدم برداشت کا عفریت پوری خون آشامی سے اپنے پنجے قومی اور بین الاقوامی سطح پر گاڑے ہوئے نظر آتا ہے جس کا تدارک اور علاج سوائے تعلیمات نبوی ﷺ کے اور کہیں ممکن نظر نہیں آتا۔

عدم برداشت کے قومی رجحانات

جیسا کہ عرض کیا جا چکا کہ عدم برداشت ہماری مسلمان قوم کا ایک خصوصی مزاج بن چکا ہے خواہ یہ مذہبی سطح پر ہو یا سیاسی سطح پر ہر طبقہ زندگی میں عدم برداشت کے رویے کی کارفرمائیاں اور ہلاکت آفرینیاں جا بجا نظر آئیں گی جس کی وجہ سے نہ تو مذہبی تعلیمات کی اثر آفرینی نظر آتی ہے اور نہ ہی سیاسی استحکام دور دور تک دکھائی دیتا ہے۔

سیاسی عدم برداشت کی قومی تصویر

عدم برداشت نے سیاسی سطح پر قوم کو جس دیوالیہ پن کا شکار بنا دیا ہے اس کی عکاسی اور مبنی بر حقیقت تصویر

روزنامہ "جنگ" لاہور کے ایک محترم کالم نویس جاوید چوہدری نے اپنے ایک مستقل عنوان "زیرو پوائنٹ" میں یوں پیش کی ہے جناب جاوید چوہدری صاحب رقمطراز ہیں :

آپ کو یاد ہو گا نواز شریف کے پہلے دور حکمرانی میں صدر غلام اسحاق خان پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کے لیے تشریف لائے تو پیپلز پارٹی کی لیڈر شپ نے کس قدر برداشت اور وسعت قلبی کا مظاہرہ کیا تھا۔ بے نظیر نے خود فلور پر کھڑے ہو کر گو بابا گو، شیم شیم، بند کرو...... بند کرو کے نعرے لگائے تھے جناب اعتزاز احسن' این ڈی خان' شعبان میرانی' افتخار گیلانی' چودھری احمد مختار اور مختار اعوان نے اسمبلی کے اندر اور اسمبلی کے باہر ان کا بھرپور ساتھ دیا تھا جبکہ میاں نواز شریف' نواز کھوکھر' سرتاج عزیز' گوہر ایوب' جاوید ہاشمی اور مجید ملک نے اس غیر جمہوری حرکت پر پیپلز پارٹی کے خلاف کھل کر اظہار خیال فرمایا تھا...... اس واقعے کے چند برس بعد جب بے نظیر بھٹو قائد حزب اختلاف سے قائد حزب اقتدار ہو گئیں اور نواز شریف حزب اقتدار سے حزب اختلاف...... تو میاں نواز شریف کی پارٹی نے صدر لغاری کی تقریر کے دوران وہی حرکت فرمائی جس کا مظاہرہ اس سے قبل پیپلز پارٹی کر چکی تھی لیکن اس بات اس حرکت کو غیر جمہوری قرار دینے کی باری اعتزاز احسن' این ڈی خان' افتخار گیلانی' احمد مختار اور مختار اعوان کی تھی جس سے ان لوگوں نے بھرپور استفادہ کیا۔ وقت ایک بار پھر پلٹا اور آج کا دن (۱۱ مارچ ۱۹۹۹ء) طلوع ہوا آج ایک بار پھر بے نظیر بھٹو اپوزیشن لیڈر ہیں' نواز شریف وزیراعظم اور جناب رفیق تارڑ صدر...... آج پھر ایوان میں شیم' شیم' گو تارڑ گو' بند کرو' بند کرو کی آوازیں گونجیں۔ آج پھر ارکان اسمبلی نے مائیک بند ہونے کے باوجود بولنا شروع کر دیا آج پھر ایوان مچھلی منڈی بن گیا آج پھر تقریر کی کاپیاں پھاڑی گئیں آج پھر نعرے اور گالیاں دی گئیں لیکن آج اس حرکت کو برا کہنے کا حق جناب مشاہد حسین' اعجاز الحق' عابدہ حسین' سردار مہتاب' چوہدری شجاعت حسین' جاوید پراچہ' یسین وٹو اور تہمینہ دولتانہ کو حاصل تھا چنانچہ ان جمہوریت پسند سیاستدانوں نے تمام ملکی اور غیر ملکی ذرائع ابلاغ کے ذریعے خوب اس حق کا استعمال کیا...... پھر آگے چل کر جناب جاوید چوہدری خامہ فرسا ہیں...... یار کوئی ان لوگوں کو سمجھائے جب یہ لوگ امریکہ سے ڈالر لا سکتے ہیں گندم مانگ سکتے ہیں ان کا صاف کیا پانی درآمد کر سکتے ہیں ان کے لیے کوٹ پتلونیں اور ٹائیاں پہن سکتے ہیں ان کے لہجے میں انگریزی بول سکتے ہیں ان سے حکومت کرنے کی

مہلت مانگ سکتے ہیں تو ان سے ذرا سی قوت برداشت تھوڑے سے سیاسی اصول اور معمولی سی وسعت قلبی درآمد نہیں کر سکتے؟" (روزنامہ جنگ' لاہور مارچ ۹۹)

جناب جاوید چوہدری کے اس تجزیے سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ہمارا قومی سیاسی کلچر کس طرح عدم برداشت کے رجحانات کا حاصل ہے جس کی وجہ سے ہمارا سیاسی اور حکومتی ڈھانچہ غیر متزلزل اور عدم ستحکام کا شکار اور روبہ زوال ہے۔

مذہبی عدم برداشت

سیاسی عدم برداشت کی طرح مذہبی عدم برداشت کا رویہ اور رجحان بھی جسد ملی کے لیے پیغام موت ہے بد قسمتی سے مذہبی عدم برداشت کا رجحان بھی ہمارے جسد قومی کے رگ وپے میں سرایت کر چکا ہے جس کے نتیجہ میں نہ صرف منبر و محراب کا تقدس مجروح اور پامال ہو چکا ہے بلکہ وارثان منبر و محراب کی دعوتی اور تبلیغی سرگرمیاں اتحاد امت اور وحدت ملت کی بجائے افتراق وانتشار کا باعث بن رہی ہیں جب ہم وحدت امت کے تناظر میں اسلامی معاشرے یا معاشرتی استحکام کی بات کرتے ہیں تو ہمارے پیش نظر عدم برداشت کے رجحانات سے پاک وہ معاشرہ ہوتا ہے جو زمان و مکان کی تنگنائیوں سے بے نیاز کرہ ارض کی وسعتوں کو محیط ہوتا ہے اس اعتبار سے ملت اسلامیہ کرہ ارض کے ہر ہر ملک میں بسنے والے ان کروڑوں انسانوں پر مشتمل ہے جو توحید کے نغمے الاپتے ہیں اور عقیدہ رسالت کو حرز جاں بنائے ہوئے ہیں ان کے دلوں کی دھڑکنیں اسی سے ترتیب پاتی ہیں اور ان کے جذبات عدم برداشت سے پاک اس شعوری کیفیت میں پروان چڑھتے ہیں۔ مگر............ ع

اے بسا آرزو کہ خاک شد

برداشت ورواداری پر مشتمل جذبوں اور رویوں کا فقدان آج شدت سے محسوس ہوتا ہے جبکہ آئے دن فقہ جعفری سپاہ صحابہ' بریلوی اور اہل حدیث کے نام لیواؤں کے درمیان معرکہ حق باطل بپا رہتا ہے اگر آج ملتان کی جامع مسجد "الخیر" کی دیواریں خون ناحق سے رنگیں ہوتی ہیں تو اگے دن لاہور میں مومن پورہ قبرستان میں لاشیں تڑپتی نظر آتی ہیں۔ یہ سب سانحات اور ایسے عدم برداشت کے رجحان کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں۔ یہ تکلیف دہ صورتحال یعنی سیاسی و مذہبی عدم برداشت کے رجحانات صرف وطن عزیز تک محدود نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح تک موجود ہے اگر ملت اسلامیہ اجتماعی طور پر ترقی کی جانب گامزن ہوتی ہے تو دنیائے کفر اس کو برداشت نہیں کرپاتی اگر کسی معاملے میں آج صدام صدر عراق نے کوئی رائے دی تو امریکہ بہادر کے لیے اس کو برداشت کرنا ممکن نہیں ایسے ہی اگر طالبان نے کوئی نعرہ مستانہ بلند کیا تو اقوام متحدہ سمیت دنیائے کفر اس کو برداشت نہیں کرپاتے۔ گویا عدم برداشت کے رجحانات نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ قومی یا بین الاقوامی سطح پر ہمارے

ہاں کہیں بھی برداشت کرنے کی عادت یعنی تحمل ورواداری کا وجود نہیں۔

رواداری کیا ہے؟

یہ بات آفتاب النہار کی طرح واضح ہے کہ انسانی معاشرے میں مختلف الخیال اور مختلف المزاج افراد پائے جاتے ہیں اگر ایک آدمی ایک نظریہ رکھتا ہے تو دوسرا اس کا مخالف بھی ہو سکتا ہے اگر ایک آدمی مثبت کام کا حکم دیتا ہے تو دوسرا منفی سوچ رکھنے والا بھی ہو سکتا ہے یہ ممکن بھی نہیں کہ یہ سبھی افراد برحق اور صحیح ہوں اور جو آدمی بظاہر وسعت قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان میں سے ہر ایک کی تائید ، تصدیق کرتا ہے تو وہ یا تو منافقت سے کام لیتا ہے یا وہ سرے سے ان خیالات و نظریات کو سمجھ ہی نہیں سکا۔ ان نظریات کی تہہ تک پہنچے بغیر 'بلا سوچے سمجھے اس نے دونوں کی تصدیق کر دی ہے یہی بات غلط ہے۔ عامۃ الناس اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ مختلف افراد کے مختلف نظریات کی تصدیق کرنے کا نام رواداری ہے حالانکہ یہ رواداری نہیں بلکہ منافقت ہے ہاں البتہ رواداری کا صحیح مفہوم اور مطلب یہ ہے کہ جن افراد کے نظریات و عقائد ہمارے نزدیک درست نہیں ہیں ہم ان عقائد اور اصحاب عقائد کو پورے شرح صدر اور کھلے دل سے برداشت کریں یعنی اپنے آپ کو عدم برداشت کے حامل تباہ کن رجحانات سے محفوظ رکھیں۔ ان کے جذبات و احساسات کا خیال رکھتے ہوئے اس انداز سے تبصرہ اور تنقید کریں جو ان کے لیے تکلیف دہ نہ ہو اور ان کی ذہنی و فکری اذیت کا باعث نہ بنے۔ ایسے ہی ان کو ان عقائد سے باز رکھنے اور ان کے مطابق عمل کرنے سے انہیں جبراً نہ روکا جائے اور نہ ہی ان کے مذہبی معاملات میں جبراً مداخلت کی جائے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے لا اکراہ فی الدین۔(۱) یعنی دین میں جبر و اکراہ نہیں ہے۔ محض دوسروں کو خوش کرنے کے لیے ذاتی مفادات کے حصول کے لیے کسی کے غلط عمل اور باطل عقائد کو صحیح اور درست قرار دینے کا نام رواداری نہیں بلکہ صحیح رواداری اور برداشتی قوت تو وہ ہے جس کی تعلیم امت مسلمہ کو قرآن نے ان الفاظ میں دی ہے۔ لا تسبو الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدواً بغیر علم (۲) یعنی وہ لوگ جو خدا کے علاوہ اپنے خود ساختہ معبودوں اور خداؤں کو پکارتے ہیں ان کو گالی مت دو کیونکہ جواباً وہ بھی جہالت کی وجہ سے اللہ کو گالیاں دیں گے .... اور کبھی عدم برداشت اور جبر و اکراہ سے دامن بچائے ہووے سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہلوایا گیا۔ لکم دینکم و لی دین (۳) یعنی تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین اور ایسے ہی ایک مسلمان مبلغ اور داعی کو بھی رواداری کی تلقین اور وصیت کرتے ہوئے پیغمبر علیہ السلام کی وساطت سے قرآن کے ان الفاظ میں تعلیم دی گئی ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة و جادلھم بالتی ھی احسن (۴) یعنی اپنے رب کے دین اور راستے کی طرف حکمت اور عمدہ وعظ و نصیحت کے ساتھ دعوت دیجئے اور ان سے مباحثہ اچھے انداز اور طریقے سے کیجئے...... گویا اگر دعوت و تبلیغ کا مرحلہ درپیش ہو تو اس وقت بھی رواداری و برداشت کے اس انداز کو ہاتھ سے

نہیں چھوڑنا چاہیے جس کی عکاسی اور غمازی قرآن نے درج بالا آیت کریمہ میں فرمائی اور یہی وہ انداز رواداری ہے جو بقول مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے ایک حق پرست' صداقت پسند اور سلیم الطبع انسان اختیار کر سکتا ہے وہ جس مسلک اور رائے کو صحیح سمجھتا ہے اس پر سختی سے قائم رہے گا اور اپنے عقیدے کا صاف صاف اظہار کرے گا۔ اس پر سختی سے قائم رہے گا دوسروں کو اس عقیدہ کی طرف دعوت بھی دے گا مگر کسی کی دل آزاری نہ کرے گا۔ کسی سے بدکلامی نہ کرے گا' کسی کے معتقدات پر حملہ نہ کرے گا کسی کی عبادات اور اعمال میں مزاحمت نہ کرے گا کسی کو زبردستی اپنے مسلک پر لانے کی کوشش نہ کرے گا باقی رہا حق کو حق جانتے ہوئے حق نہ کہنا یا باطل کو باطل سمجھتے ہوئے حق کہہ دینا رواداری نہیں ہے۔

یا پھر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بقول رواداری یہ ہے کہ

اپنا مسلک چھوڑو نہ کسی کے مسلک کو چھیڑو نہ

یہ امر محتاج وضاحت نہیں کہ آج رواداری اور قوت برداشت کی ضرورت قومی اور ملی دونوں سطحوں پر ماضی کے ہر دور سے کہیں زیادہ ہے اس لیے کہ نہ صرف مستقبل بلکہ ہماری ملی' فکری اور وجودی بقا اسی سے وابستہ ہے۔ قومی سطح پر ہمیں ایسے بے شمار چیلنجوں مثلاً علاقائیت' لسانیت' فرقہ واریت اور ان سے پیدا ہونے والی دہشت گردی کا سامنا ہے اور ان سب کا مقابلہ رواداری اور عدم برداشت کے رجحان سے دامن چھڑائے بغیر نیز تحمل و بردباری کے اسلامی تصور کو عمل کے قالب میں ڈھالے بغیر ممکن نہیں۔ اسی طرح بین الاقوامی سطح پر ملت اسلامیہ کو علمی' سائنسی' تہذیبی' ثقافتی' ابلاغی اور دفاعی محاذوں پر دیکھی اور ان دیکھی بے شمار قوتوں سے مقابلہ در پیش ہے اور اس بارہ میں دو رائے نہیں ہو سکتیں کہ ان قوتوں کی سازشوں' دسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں کے علاوہ دوست نما دشمنوں کی منافقانہ چالوں کو ناکام بنانے کے لیے رواداری اور عدم برداشت کے جذبات سے پاک معاشرے کی تشکیل و تربیت اور تحمل و بردباری کے تصور کو فروغ دینا ازبس ضروری ہے۔

عدم برداشت کے رجحان کے اسباب اور علاج

عدم برداشت کے رجحان کے اسباب و عوامل کا اگر بنظر عمیق جائزہ لیا جائے اور ان وجوہات کا اگر کھوج لگایا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ انسانی معاشرے میں موجود افراد میں اس خصلت بد کے اسباب درج ذیل ہیں نیز ان اسباب کے جائزے کے بعد ان کا علاج بھی تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں پیش کیا جا رہا ہے...... گر قبول افتد زہے عزو شرف۔

ا۔ حسد

عدم برداشت کا سب سے بڑا سبب حسد ہے کیونکہ جب اللہ پاک کی ذات گرامی کسی انسان کو اپنی نعمتوں

سے نوازتی ہے تو اس کے بعض ہم عصر ساتھی احباب اور اعزہ و اقربا ایسے ہوتے ہیں جو ان نعمتوں کو برداشت نہیں کر پاتے اور ان کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ یہ نعمت اس سے چھن جائے یا پھر خود یہ صاحب نعمت دنیا سے ہی اٹھ جاتے یہ نعمت علم، حسن، جوانی، مال و دولت اور حکومت و اقتدار بھی ہو سکتی ہے اس حسد کی وجہ سے حاسد ایسی خفیہ سازشوں میں مصروف ہو جاتا ہے جن کی وجہ سے یہ صاحب نعمت صفحہ ہستی سے ہی غائب ہو جائے یا کم از کم یہ نعمت ہی اس سے چھن جائے۔

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے حسد کے سات اسباب بیان فرمائے ہیں۔ (۵)

۱۔ بغض و عداوت۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص کے نزدیک دشمن کی برائی اور بھلائی دونوں یکساں ہوں اس لیے ایک دشمن کی طبعی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے دشمن پر مصیبت آئے اس کی جائے جب خدا اس پر کوئی احسان کرتا ہے تو وہ اس کو پسند نہیں کرتا۔ اسی کا نام حسد ہے۔

۲۔ حسد کا دوسرا سبب ذاتی فخر کا غلط خیال ہے کیونکہ امثال و قرآن میں جب ایک شخص کسی بلند منصب پر پہنچ جاتا ہے تو یہ اس کے دوسرے ہم چشموں کو گراں گزرتا ہے اور وہ اس کی اس ترقی کو پسند نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ یہ منصب اس سے چھن جائے۔

۳۔ حسد کا تیسرا سبب یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو اپنا مطیع و منقاد بنانا چاہتا ہے اس لیے جب وہ کسی شرف و امتیاز کی وجہ سے اس کے حلقہ اطاعت سے نکل جاتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس کا یہ شرف جاتا رہے تاکہ اس کا مطیع و منقاد ہو سکے۔

۴۔ حسد کا چوتھا سبب یہ ہے کہ لوگ اپنے خیال میں جس کو معمولی آدمی سمجھتے ہیں اس کا کوئی غیر معمولی شرف حاصل ہو جاتا ہے تو ان کو تعجب ہوتا ہے اور اسی تعجب کی بنا پر وہ اس کے شرف کا انکار کر دیتے ہیں۔

۵۔ حسد کا پانچواں سبب یہ ہے کہ جب دو شخصوں کا مقصد ایک ہوتا ہے تو دونوں باہم ایک دوسرے کو رشک و حسد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان میں سے جب ایک کو اس مقصد میں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے تو دوسرا قدرتی طور پر اس کا بدخواہ ہو جاتا ہے ایک شوہر کی متعدد بیویوں اور ایک باپ کے متعدد بیٹوں میں حسد کی وجہ یہی ہوتی ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔ اذ قالوا لیوسف و اخوہ احب الی ابینا منا و نحن عصبۃ یعنی جب یوسف کے بھائیوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو زیادہ عزیز ہے جبکہ ہم اکثریت میں ہیں۔

۶۔ حسد کا چھٹا سبب جاہ پرستی اور ریاست طلبی ہے اس لیے جو لوگ اس حیثیت سے یگانہ روزگار ہونا چاہتے

ہیں جب ان کو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اور بھی ان کا شریک اور سہیم ہو گیا ہے تو یہ ان کو سخت گراں گزرتا ہے۔

۷۔ حسد کا ساتواں سبب خبث باطن اور بدنیتی ہے کیونکہ بعض افراد کی فطرت ہی ایسی ہوتی ہے کہ کسی کی نعمت ان کو پسند نہیں بلکہ گراں گزرتی ہے۔

مندرجہ بالا اسباب حسد سے پتہ چلتا ہے کہ عدم برداشت اور معاشرتی انار کی کا اہم باعث حسد اور صرف حسد ہے۔اس لیے عدم برداشت کے اس عظیم باعث کا خاتمہ کے لیے پیغمبر علیہ السلام نے مختلف مواقع پر حسد کی مذمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ایاکم و الحسد فان الحسد یأ کل الحسنات کما تأکل النار الحطب(٦) تم لوگ حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو یوں کھا جاتا ہے جیسا کہ آگ لکڑیوں کو۔ایسے ہی ایک دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لا تحاسدوا و لا تدا بروا ولا تباغضوا و کونوا عباد اللہ اخوانا(۷)یعنی تم آپس میں نہ تو حسد کرو نہ ہی کسی کی غیر حاضری میں اس کی برائی کرو نہ ہی آپس میں غصہ رکھو اور تم اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ...... جبکہ قرآن نے بھی حاسد کے شر سے پناہ مانگنے کی تلقین کرتے ہوئے گویا حسد کی برائی کو بے نقاب کر دیا چنانچہ ارشاد ربانی ہے و من شر حاسد اذا حسد (٨)

۲۔ غیظ و غضب یعنی غصہ

عدم برداشت کے رجحان کا ایک باعث غیظ و غضب یعنی غصہ بھی ہے کیونکہ جب آدمی اپنے حریف کے افکار و نظریات سے اتفاق نہیں کرتا اور نہ ہی فریق ثانی اپنے نظریات سے دستبردار نہیں ہوتا تو ایسے میں یہ غصہ سے آگ بگولا ہو جاتا ہے اور یہیں سے عدم برداشت کے رجحان کا آغاز ہوتا ہے اس لیے قرآن نے اہل ایمان کی ایک علامت یہ بیان فرمائی و اذا ما غضبوا ھم یغفرون یعنی جب اہل ایمان کو غصہ آتا ہے تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔(٩)

انسان کا نارمل حالت اور پر سکون کیفیت میں معاف کرنا آسان ہے جبکہ غصے اور غیظ و غضب کی کیفیت میں ہو تو ایسے میں معاف کرنا آسان نہیں بلکہ بہت ہمت اور بہادری کا کام ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لیس الشدید بالصرعة انما الشدید الذی یملك نفسه عند الغضب۔(١٠) یعنی پہلوان وہ نہیں ہے جس کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر کنٹرول کرلے...... غصہ کرنا نگاہ نبوت میں کتنا قبیح فعل ہے اس کا اندازہ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت جاریہ بن قدامہؓ حضرت ابو درداء وغیرہ کئی ایک صحابیوں سے روایت کردہ آپ ﷺ کے اس ارشاد سے ہو جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے آکر بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی نصیحت فرمایئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو۔اس کو یہ معمولی بات معلوم ہوئی تو اس نے دوبارہ بلکہ سہ بارہ عرض کی آپ ﷺ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو۔(١١) مسند احمد میں ہے

کہ ان صاحب کا بیان ہے کہ پھر میں نے دل میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ غصہ حقیقت میں ساری برائی کی جڑ ہے۔........... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کے تین علاج بتائے ہیں ایک روحانی یعنی تعوذ پڑھنا اپنے آپ کو خدا کی پناہ میں دے دینا کیونکہ غصہ شیطان کا کام ہے اس لیے تعوذ کے بغیر چارہ کار نہیں۔ دوسرا علاج ظاہری ہے کہ انسان کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ تبدیل ہیئت سے طبیعت بٹ جائے گی اور غصہ کم ہو جائے گا۔ تیسرا علاج بھی ظاہری ہے وہ یہ کہ غصہ کے وقت وضو کرلے۔ اس سے منشاء یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں گرمی سے خون کا دوران بڑھ جاتا ہے آنکھیں لال ہو جاتی ہیں چہرہ سرخ ہو جاتا ہے تو پانی پڑنے سے مزاج میں ٹھنڈک آئے گی اور غصہ کی گرمی دور ہو جائے گی۔

بہر حال غیظ و غضب کا خاتمہ عدم برداشت کے رجحان کو ختم کرنے کی طرف پہلا قدم ہے اسی لیے اہل ایمان کی تعریف و توصیف قرآن نے ان الفاظ میں ارشاد فرمائی کہ الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس یعنی وہ غصے کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہوتے ہیں۔ (۱۲)

۳۔ تکبر

عدم برداشت کے رجحان کے اسباب میں سے ایک سبب تکبر بھی ہے دنیا میں سب سے پہلے اس بداخلاقی کا مرتکب شیطان تھا کیونکہ جب اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو بارگاہ خداوندی کی طرف سے ملنے والے پروٹوکول اور خلافت ارضی کے عظیم اعزاز کو دیکھا تو اس سے عظمت آدم برداشت نہ ہو سکی اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے تکبر کا مظاہرہ کیا اور کہا انا خیر منہ (۱۳) کہ میں حضرت آدم سے بہتر ہوں۔ گویا تکبر اور عدم برداشت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ تکبر ہی تھا جس کی وجہ سے فرعون اور اس کے اعوان وانصار حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے کیونکہ ان لوگوں نے حضرت موسیٰ اور آپ کے ساتھیوں کو بنظر حقارت دیکھا اور تکبر کا ارتکاب کیا۔ ان کی اس کیفیت کی عکاسی قرآن نے یوں کی ہے کہ فاستکبروا و کانوا قوما عالین (۱۴) یعنی انہوں نے تکبر کا مظاہرہ کیا اور وہ تھے بھی سرکش.......... عدم برداشت کے رجحان کی خشت اول چونکہ تکبر ہی ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبر سے اجتناب کی مختلف انداز سے مختلف اوقات میں یوں ارشاد فرمائی۔

۱۔ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہ ہو گا۔ (۱۵)

۲۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم دوزانو بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے ایک بدو اس وقت موجود تھا اس نے کہ بیٹھنے کا یہ طریقہ ہے؟ فرمایا خدا نے مجھ کو شریف بندہ بنایا ہے متکبر اور سرکش نہیں بنایا ہے۔ (۱۶)

اخلاقی اور معاشرتی حیثیت سے تکبر کے جو اثرات و ثمرات ظاہر ہوتے ہیں ان کا شمار اگرچہ مشکل ہے

تاہم متکبر آدمی یہ برداشت نہیں کرتا کہ وہ عام لوگوں کے ساتھ اٹھے بیٹھے' کھائے پیے یا ان سے بات چیت کرے کیونکہ عامۃ الناس سے اختلاط اس کی برداشت سے باہر ہے بلکہ وہ تو یہ بھی برداشت نہیں کرتا کہ انہیں کوئی شرف یا اعزاز حاصل ہو گیا عدم برداشت کا مادہ جتنا تکبر میں پایا جاتا ہے وہ کہیں اور کم ہی دکھائی دیتا ہے اور ویسے بھی تکبر اور کبریائی صرف اور صرف رب کائنات کو ہی زیبا ہے جیسا کہ ایک حدیث قدسی کے مطابق اللہ پاک کا ارشاد گرامی ہے۔ الکبریاء ردائی یعنی تکبر تو میری چادر ہے۔(۱۷)

بہر حال عدم برداشت کے رجحان کے خاتمہ کے لیے تعلیمات پیغمبر ﷺ کے علاوہ اور کون سا طریقہ تربیت یا انداز تعلیم بہتر اور عمدہ ہو سکتا ہے ذرا سوچیے تو سہی کہ اگر اسلامی معاشرے کا ہر فرد عدم برداشت کے رجحان کو اپنے دل سے اکھاڑ پھینکے اور وہ تحمل اور رواداری جیسے عظیم اوصاف سے اپنے آپ کو متصف کرے اور اس کا ہر عمل اپنے مسلمان بھائی کی خیر خواہی کے جذبات سے معمور ہو اور بقائے باہمی کی بنیاد پر ایک دوسرے کے افکار و نظریات اور وجود کو برداشت کرنے کا رویہ زندگی کا ایک حصہ بن جائے تو کیا ہمارا معاشرہ مستحکم بنیادوں پر استوار نہیں ہو گا اور کیا اس سے امن و سلامتی کا وہ عہد اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ پائیں گے جو آج بھی پوری تاریخ انسانی میں اپنی مثال آپ ہے۔ عدم برداشت کے ان رجحانات کو ختم کر کے ہم نہ صرف اسلامی معاشرہ میں پھیلی ہوئی افراتفری' بے چینی' بے راہ روی' افتراق و انتشار اور عداوت و عناد کی مسموم فضا کو ختم کر پائیں گے بلکہ اخوت و محبت کے وہ زمزمے بھی بہا سکیں گے جن سے مواخات کی یادیں تازہ ہو جائیں اور اسلامی معاشرہ ویؤثرون علی انفسہم ولو کان بھم خصاصۃ۔(۱۸) کا حسین مرقع بن جائے گا۔

عدم برداشت کے رجحان کے خاتمہ کے بعد برداشت و رواداری کی فضا کے نتیجے میں ہماری خون آشام صبح و مسا میں انقلاب برپا ہو جائے گا اخوت و محبت کے نغموں سے ماحول عطر بیز ہونے لگے گا اور قومی مفادات کا تحفظ بہتر انداز میں ہو سکے گا۔ وہی مفادات جو ہم سے متقاضی ہیں اندرونی و بیرونی دشمنوں کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بن جانے کے' جو مطالبہ کرتے ہیں ہم سے اپنی بقا کی خاطر متحد ہو جانے کا۔ رواداری کے تصور کو قلب و نظر میں اتار کر ہی ہم علاقائیت' لسانیت' صوبائیت' اور خلیت کی سمیات کا تریاق فراہم کر سکتے ہیں۔ رواداری کی بدولت ہم رگ و پے میں اترنے والے فرقہ واریت کے زہر کا مداوا کر سکتے ہیں۔ ان زخموں پر مرہم رکھ سکتے ہیں جن کی وجہ سے آج ہمارے قومی جسد کا ایک ایک رواں خون کی آبشار کا روپ دھار چکا ہے الغرض قومی اور بین الاقوامی سطح پر جب تک ہم عدم برداشت کے رجحانات کا قلع قمع نہیں کر لیتے امت واحدہ کے تصور کو عمل پیکر میں ڈھالنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ اور ویسے بھی ملکی و ملی مفادات و حالات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں تمام مسلمانان عالم من حیث القوم عدم برداشت کے ناسور کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ بقول اقبال مرحوم کے۔

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری' محبت کی فراوانی(۱۹)

یا پھر

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انسان کو
اخوت کا بیان ہو جا' محبت کی زباں ہو جا (۲۰)

وما علینا الا البلاغ

مصادر و مراجع

۱۔ پارہ نمبر ۳ سورۃ البقرہ' القرآن الکریم
۲۔ پارہ نمبر ۷ سورۃ الانعام' القرآن الکریم
۳۔ پارہ نمبر ۳۰ سورۃ الکافرون' القرآن الکریم
۴۔ پارہ نمبر ۱۴ سورۃ النحل' القرآن الکریم
۵۔ سیرۃ النبی ﷺ' شبلی نعمانی / سلیمان ندوی
۶۔ ابو داؤد' کتاب الادب' باب فی الحسد
۷۔ بخاری شریف' کتاب الادب' باب ما ینہی من الحاسد
۸۔ پارہ نمبر ۳۰ سورۃ الفلق' القرآن الکریم
۹۔ پارہ نمبر ۲۵' سورۃ الشوریٰ' القرآن الکریم
۱۰۔ بخاری شریف کتاب الادب' باب الحذر من الغضب
۱۱۔ صحیح بخاری' مسند احمد' ابن حبان' طبرانی' منذری' باب الترھیب من الغضب
۱۲۔ پارہ نمبر ۴ سورۃ آل عمران' القرآن الکریم
۱۳۔ پارہ نمبر ۸ سورۃ الاعراف' القرآن الکریم
۱۴۔ پارہ نمبر ۱۸' سورۃ المومنون' القرآن الکریم

۱۵۔ ابو داؤد کتاب اللباس' باب ماجاء فی الکبر

۱۶۔ ابن ماجۃ' کتاب الاطعمۃ

۱۷۔ ابن ماجہ' کتاب الزھد' باب ماجاء فی الکبر والتواضع

۱۸۔ پارہ نمبر ۲۸ سورۃ الحشر' القرآن الکریم

۱۹۔ بانگ درا' (طلوع اسلام)

۲۰۔ بانگ درا (طلوع اسلام)

مقالات سیرت

GIFT BOOK

قومی سیرت کانفرنس

۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء

موضوع کانفرنس وعنوان مقالات سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

"عدم برداشت کا قومی وبین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ"

پیش کردہ:

شعبہ تحقیق ومراجع۔ وزارت مذہبی امور

حکومت پاکستان۔ اسلام آباد